مراثی انیس

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور

مراثی انیس

مکمل

جلد چہارم

تینتس (۳۳) مرثیے

نیز

۲۲ رباعیات اور دو سلام شامل ہیں

یہ مراثی ہمارے ادب کا بلند ترین شاہکار ہیں۔
نیز اصنافِ سخن میں ایک نئی جگہ کے مالک ہیں

ترتیب

نائب حسین نقوی امروہوی

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرنٹرز و پبلشرز، کشمیری بازار لاہور، بندر روڈ کراچی (پوسٹ بکس ۵۲۸ لاہور)

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۲۵

تصنیف	میر ببر علی انیس
مقدمہ	سید احتشام حسین
ترتیب	نائب حسین نقوی
طابع	شیخ نیاز احمد
مطبع	علمی پرنٹنگ پریس لاہور
تعداد اشاعت	۱۰۰۰ سیٹ
مقام اشاعت	کتاب منزل کشمیری بازار لاہور
سال اشاعت	۱۹۵۹ء
قیمت مکمل بلا جلد چاروں حصے	تیس روپے -/۳۰ روپے
قیمت مکمل مجلد چاروں جلدیں	چھتیس روپے -/۳۶ روپے

لگا رہا ہوں مضامینِ نَو کے پھر انبار   خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

مراثی انیسؔ

جلد چہارم

تینتس (۳۳) مرثیے

نیز

۲۲ رباعیات اور دو سلام شامل ہیں

یہ مراثی ہمارے ادب کا بلند ترین شاہکار ہیں۔
نیز اصنافِ سخن میں ایک نئی جگہ کے مالک ہیں

مرتبہ

نائب حسین نقوی امروہوی

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز (کتاب منزل)، کشمیری بازار، لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۲۶

شیخ نیاز احمد پرنٹر و پبلشر نے علمی پرنٹنگ پریس لاہور سے طبع کرا کر
شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار لاہور سے شائع کی

ترتیبِ کتاب

زیرِ نظر جلد اٹھائیس مراثی، اٹھتیس رباعیات، اور دو سلاموں پر مشتمل ہے۔

میں نے انتہائی کوشش کی ہے ــــ کہ سابقہ جلدوں سے اس کو متوازن کر دوں۔ اب نہیں کہہ سکتا۔ کہ اپنی اس محنت میں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں؟

موجودہ جلد میں بھی، مذہبی احباب کے علاوہ، شائقینِ ادب اور اُردو کے دلدادہ۔ نیز وہ طلباء، جو "تاریخِ ادب" کے لئے "مرثیے" سے مدد لینا چاہیں، اور اُن کو صرف "جلد چہارم" ہی دستیاب ہو سکے۔ تو ان کے لیے بھی یہ جلد پوری پوری معاونت کر سکے۔

زیرِ نظر جلد میں، رزم و بزم۔ جنگ۔ گھوڑے کی تعریف۔ تلوار کی تعریف۔ صبح کا سماں، مناظرِ فطرت گرمی اور دھوپ کی شدت۔ رات کی بھیانک تاریکیاں۔ نیز دوسرے تمام اصنافِ سخن مل سکتے ہیں۔

اس جلد میں خصوصاً۔ مراثی نمبر ۱ - ۳ - ۴ - ۸ - ۹ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۴ - ۲۰ - ۲۲ کے مطالعے سے حسن [illegible] کلام اور صنائع بدائع نیز دیگر خصوصیاتِ شاعری مل سکتے ہیں۔ فقط ــــ زیادہ حدِ ادب۔

مرتب
ثاقب نقوی

فہرست مراثی

جلد چہارم

فہرست رباعیات

جلد چہارم

نمبر	مصرعۂ اولیٰ	صفحات

فہرست سلام

جلد چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ

بند ۱۸۱

کنعانِ محمد کے حسینوں کا سفر ہے
خورشید لقا زہرہ جبینوں کا سفر ہے
چھٹتا ہے وطن گوشہ نشینوں کا سفر ہے
اک دن کا نہیں کوچ حسینوں کا سفر ہے
گل رو چمنِ دہر سے جانے کو چلے ہیں
گھر چھوڑ کے جنگل کے بسانے کو چلے ہیں

دشمن کو بھی اللہ چھڑائے نہ وطن سے
جانے وہی بلبل جو بچھڑ جائے چمن سے
واقف ہے مسافر کا دل اس رنج و محن سے
چھٹتا نہیں گھر جان نکل جاتی ہے تن سے
آرام کی صورت نہیں مسکن سے بچھڑ کر
طائر بھی پھڑکتا ہے نشیمن سے بچھڑ کر

گردش ہے اور اب فاطمہ زہرا کا قمر ہے
ایک ایک قدم راہ میں لٹ جانے کا ڈر ہے
بستی ہے نہ رستے میں کسی جا نہ شجر ہے
درپیش ہے سختی کہ پہاڑوں کا سفر ہے
گرمی میں گرفتار محن ہوتے ہیں شبیرؑ
بچے لیے آوارہ وطن ہوتے ہیں شبیرؑ

دنیا کی مذمت میں ہے ارشادِ پیمبرؐ
ہیں تین مصائب کہ نہیں اس سے فزوں تر
اوّل تو سوال اُن میں ہے والدے بھی ہو گر
اور دوسرے جس شخص کی ہو ایک بھی دختر
دونوں کے لیے رنج و الم شام و سحر ہے
باقی رہی اب ایک مصیبت وہ سفر ہے

غربت کی بھی ہوتی ہے عجب صبح عجب شام
کرتا ہے سفر قافلۂ راحت و آرام
وہ دشت نوردی وہ غم و غصۂ آلام
منزل پہ بھی ممکن نہیں راحت کا سرانجام
نیند آتی ہے کب لاکھ جو پٹکے وہ سر اپنا
یاد آتا ہے منزل پہ مسافر کو گھر اپنا

اُس فصل میں ہے رخصتِ فرزندِ پیمبرؐ
جن روزوں پکھیرو بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
اندھیر ہے خاک اڑتی ہے لوں چلتی ہے دن بھر
جنگل سے پرندے بھی نکلتے نہیں باہر
یہ دھوپ میں حدت ہے کہ سب گوشہ نشیں ہیں
سایہ کہاں پتے بھی درختوں میں نہیں ہیں

قاسمؑ کے جو ہم سن ہیں وہ سب کرتے ہیں زاری
کہتے ہیں کہ اب تلخ ہوئی زیست ہماری
جب آئیں گے یاں نالۂ و فریاد کریں گے

ہمجولیوں کا عونؑ و محمدؑ کے یہ ہے حال
ایک ایک سے فرماتے ہیں وہ صاحبِ اقبال

عزت ہے اطاعت میں امامؑ دوسرا کی
ورنہ کوئی روتا ہے کوئی راہ گزر میں
ہیں جمع محلے کی جو سب عورتیں گھر میں
سب مل کے بکا کرتے ہیں جب آتا ہے کوئی
سب کہتے ہیں زینبؑ سے کہ اے شاہ کی شیدائی
پانی کی کمی گرمی کے دن خوف کا رستا
کیا سوچ کے اس فصل میں شبیرؑ چلے ہیں
سنتے ہیں یہ ہر وارد و صادر کی زبانی
اس فصل میں ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی
تو ننھا ہوا بچہ کبھی جاں بر نہیں ہوتا

ہے ہے چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے
غربت میں جوانوں کے تلف ہونے کا ڈر ہے
اصغرؑ کو جدا اور کہو ہو قلق ماں کو جدا ہو
فرماتی ہیں زینبؑ نہیں بہنوں کوئی چارا
گھر چھوڑ کے جانا ہے کسی کو بھی گوارا
ایامِ مصیبت کے ہیں تنہائی کے دن ہیں
جس دن سے ہوئی احمدِ مرسلؐ سے جدائی
ماں باپ چھٹے پہلی مصیبت وہ اٹھائی
راحت سے کسی رات کو سوئے نہیں شبیرؑ

ایک ایک پہ اندوہ و غم و رنج ہے طاری
کیا ہوگا چلی جائے گی جب وقت سواری
سب روئیں گے جب خلقِ حسنؑ یاد کریں گے
بیتاب ہیں سب روتے ہیں اس درد سے اطفال
بس بھائیو بس رونے سے آنکھیں کرو لال
پھر آئیں گے گر زیست نے اس سال وفا کی
تاریک ہے دنیا کسی غمگیں کی نظر میں
اک حشر ہے ناموسِ شہِ جنّ و بشر میں
یوں روتے ہیں جس طرح کہ مر جاتا ہے کوئی
کس طرح کے خطرے آئے یکایک یہ ہوا کیا
وہ دھوپ پہاڑوں کی وہ لوئیں اور وہ صحرا
بچوں پہ کرو رحم کہ نازوں کے پلے ہیں
جھیلوں میں بھی نہروں میں بھی اب خشک ہے پانی
کس طرح جئیں گے اسد اللہ کے جانی
جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہیں ہوتا
کچھ تم کو پہاڑوں کی بھی گرمی کی خبر ہے
رحم اس پہ ہے لازم کہ یہ بچہ گلِ تر ہے
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو
قسمت میں تباہی ہے تو کیا زور ہمارا
مجبور ہے مضطر ہے ید اللہ کا پیارا
غربت کی شبیں تا دم پیمانی کے دن ہیں
دم بھر مرے ماں جائے نے راحت نہیں پائی
تنہا ہوئے جب نہ رہے بے جاں ہوئے بھائی
دن کون سا تھا ایسا کہ روئے نہیں شبیرؑ

وہ دن وہ تپش اور وہ گرمی کا مہینا
دشوار ہے اس دھوپ میں معصوموں کا جینا
حضرت بھی گھلے جاتے ہیں تشویشِ سفر سے
برپا ہے مدینے میں تلاطم کئی دن سے
ہر گھر میں ہے اک شور و تظلم کئی دن سے
وہ غم ہے کہ آرام کا جویا نہیں کوئی

یثرب کے زن و مرد ہیں سب بے خور و آب
ہمسایے میں اک غل ہے بکا کرتے ہیں احباب
اس شاہ میں خو بو ہے شہِ عقدہ کشا کی
کہتا ہے کوئی کیا ہوا یہ بیٹھے بٹھائے
روضے پہ نبیؐ کے شہِ دیں رہنے نہ پائے
کوفے میں محبت نہ مروت نہ حیا ہے

جب سے ہیں تردد میں سفر کے شہِ ابرار
اسباب سفر باندھتے ہیں یاور و انصار
ہر فرد پہ الطاف و کرم کرتے ہیں شبیرؑ
خلقت کا ہے مجمع درِ دولت پہ سحر سے
سب کہتے ہیں برسا کے لہو دیدۂ تر سے
اندھیر ہے گر یہ شہِ والا نہ رہے گا

اعدا نے شہِ یثرب و بطحا کو ستایا
یاں بیٹھے بٹھائے شہِ والا کو ستایا
اس گوشہ نشیں پر یہ تعدی نہ روا تھی
کہتے ہیں جوانانِ مدینہ یہی رو کر
بیتاب ہیں احباب علمدارِ دلاور
ہر مرتبہ اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں عباسؑ

سردی میں ہو ذکر اس کا تو آ جائے پسینا
ویران ہے بستی میں اجڑتا ہے مدینہ
ہیں ساتھ وہ بچے کہ جو نکلے نہیں گھر سے
بے راحت و آرام و طرب گم کئی دن سے
منھ ڈھانپے ہوئے روتے ہیں مردم کئی دن سے
راتیں کئی گزری ہیں کہ سویا نہیں کوئی

شبیرؑ کی فرقت کی کسی دل کو نہیں تاب
غل ہے کہ مدینے میں خوشی اب ہوئی نایاب
اب کون خبر راتوں کو لے گا فقرا کی
کیا جانئے خط کوفے سے کس طرح کے آئے
کچھ ایسا ہو یارب کہ یہ مظلوم نہ جائے
خط لکھ کے بلاتے ہیں بلانے میں دغا ہے

گھوڑے بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار
عباس نکلواتے ہیں صندوقوں سے ہتھیار
ہمراہیوں کے نام رقم کرتے ہیں شبیرؑ
جو آتا ہے روتا ہوا آتا ہے وہ گھر سے
چھپ جائے گا اب فاطمہ کا چاند نظر سے
اب شہر کی گلیوں میں اجالا نہ رہے گا

بیکس کو نبیؐ زادے کو تنہا کو ستایا
افسوس عجب تارکِ دنیا کو ستایا
کیا قبرِ پیمبرؐ کے مجاور کی خطا تھی
اب ہم سے بچھڑ جائیں گے مہ رو علی اکبرؑ
روتا ہوا گرتا ہے کوئی آ کے قدم پر
چھاتی سے ہر اک دوست کو لپٹاتے ہیں عباسؑ

قبروں کی زیارت سے بہلتا تھا دلِ زار
رو آتے تھے ہر صبح کو جا کر شہِ ابرار
شہروں سے زیارت کو یہاں آتے تھے زوّار
رہنے نہیں دیتے ہمیں یثرب میں جفاکار
تھی کون سی تکلیف حسینؑ ابنِ علیؑ سے
مظلوم نواسے کو چھڑاتے ہیں نبیؐ سے

باتیں یہ ابھی تھیں کہ شہِ بحر و بر آئے
دیکھا رخِ ہمشیر کو اور اشک بہائے
ماں جیتی تھی صغراؑ کو جو چھاتی سے لگائے
روتے ہوئے تشریف شہِ دیں وہیں لائے
بیٹی شہِ ذیجاہ کی تعظیم کو اُٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اُٹھی

جلد اس کے قریب آ گئے یہ کہنے لگے حضرتؑ
بیٹھو کہ ابھی اُٹھنے کی تم میں نہیں طاقت
اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت
کیوں رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت
تپ میں جو کراہی تھیں تو گھبرائے تھے صغراؑ
بیہوش تھیں تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغراؑ

صحت تمھیں دے حق یہی بابا کی دعا ہے
اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے
کیا جانیے شبیرؑ کی تقدیر میں کیا ہے
دل جلتا ہے جب تپ میں تمھیں پاتا ہوں صغراؑ
اس رنج سے میں اور گھلا جاتا ہوں صغراؑ

ایسا سفرِ صعب اور اس طرح کا بیمار
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہیں یہ مرض آزار
کیا نرگسی آنکھوں سے نقاہت ہے نمودار
سب زرد ہے از بانِ حرارت تنِ زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہیں پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہیں پاتا

دم چڑھتا ہے بستر سے اٹھاتی ہو اگر سر
بی بی کہو محمل میں چڑھا جائے گا کیونکر
گھر میں تمھیں پانی کی بھی جھجک رہتی ہو دن بھر
پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسر
تم جانے کے قابل نہیں میں رہ نہیں سکتا
شب سے ہے وہ تشویش کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

گھر میں تمھیں چھوڑوں یہ نہیں دل کو گوارا
لے جاؤں تو پہنچنا نہیں ممکن ہے تمھارا
بچوں میں کوئی تم سے زیادہ نہیں پیارا
مجبور ہوں بے ہجر نہیں اب کوئی چارا
فرقت میں صدا نالہ و فریاد کروں گا
اتروں گا جو منزل پہ تمھیں یاد کروں گا

صغراؑ نے کہا آپ کی الفت کے میں قرباں
پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ دھیاں
صدقے گئی صحت کا بھی ہو جائے گا ساماں
مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درماں
جس پر نظرِ لطفِ مسیحِ دوسرا ہو
برسوں کا ہو بیمار تو اک دم میں شفا ہو

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
بستر سے میں اب اٹھ کے ٹہلتی بھی ہوں حضرت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقیں ہے
کیوں روتے ہو بابا یہ تردد کی نہیں جا
پہلے سے کہے دیتی ہوں لے شہِ والا
اب روح مرے جسم میں گھبراتی ہے بابا!

مرجاؤں گی بچھڑی جو میں تم دوسرے
کٹ جائے گا اندوہ سفر فضل خدا سے
سب ساتھ ہیں رو لوں گی نہ غم کھاؤں گی بابا!
شہ نے کہا تم حال سے میرے نہیں آگاہ
آفت کا ہے بی بی یہ سفر خوف کی ہے راہ؟
آزار رسیدہ ہوں گرفتار بلا ہوں

وہ صعب پہاڑوں کا سفر اور وہ کڑے کوس
ایک ایک قدم رنج و الم حسرت و افسوس
آرام کہیں راہ میں جانی نہیں ملتا
تھوڑے ہی دنوں ہوئے گی کنبے سے جدائی
کی مجھ سے نہ گردوں کی خلقت نے برائی
خوش ہوں گا تم اب دل پہ اگر جبر کرو گی

ثابت ہوا صغرا پہ کہ اب ہم سے گھر میں
اک جوش ہوا آنسوؤں کا دیدۂ تر میں
شکل اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اس کو
تھراتی ہوئی آ کے گری شہ کے قدم پہ
تنہائی میں بابا مرا دل چھٹے گا کیونکر
بے آپ کے اس گھر میں نہ یا شاہ رہوں گی

تپ کی بھی ہے شدت میں کمی رونے غفلت
باقی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت
اب تو مرے منہ کا بھی مزا تلخ نہیں ہے
سب سہل ہے کچھ مجھ کو نہیں جینے کی ایذا
میں خانۂ ویراں میں نہیں رہنے کی تنہا
ان باتوں سے کچھ بوئے فراق آتی ہے بابا

صحت مجھے ہو جائے گی حضرت کی دعا سے
بیماری میں جان آئے گی جنگل کی ہوا سے
لیٹی ہوئی محمل میں چلی جاؤں گی بابا
مجبور نکلتا ہوں میں اس شہر سے واللہ
بیمار ہو کس طرح سے لے جاؤں تمہیں آہ
گھر چھوڑ کے جلادوں کی سرحد میں چلا ہوں

دن رات مسافر پہ کبھی دھوپ کبھی اوس
ہوتا نہیں جز خار کوئی آ کے قدم بوس
جنگل میں ہیں دکھ بھول کہ پانی نہیں ملتا
پردیس سے آ کر تمہیں لے جائیں گے بھائی
ممکن ہے کہ میں اور نہ کروں وعدہ وفائی
مرجاؤں گا جب میں تو نہ کیا صبر کرو گی

بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر میں
صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر میں
سکتہ ہوا یہ تن زار کہ تپ آ گئی اس کو
کی عرض کہ مر جاؤں گی یا سبطِ پیمبر
سب بیٹیاں ہیں کیا نہیں میں آپ کی دختر
اچھا میں کنیزوں ہی کے ہمراہ چلوں گی

سب رونے لگے سن کے یہ بیمار کی تقریر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے حضرت شبیر
کم سن ہو مسافر مجھے تشویش بڑی ہے
یہ سنتے ہی بس ماں کی تو چھاتی امنڈ آئی
زینب نے کہا گھر سے نکلتا ہے یہ بھائی
گھر لٹتا ہے کس طرح قیامت نہ بپا ہو

آغاز سفر ہی تو یہ ماتم ہے یہ کہرام
جنگل ہو کہ بستی ہو کہاں راحت و آرام
بستی بھی ہے جنگل جو کلیجہ نہ ہو بر میں
صغرا نے کہا آپ کی باتوں کے میں قرباں
بیٹی ہو علی کی مری مشکل کرو آساں
کچھ بات بجز گریہ و زاری نہیں کرتیں

بیماری ہیں جو وہ بیٹیاں وہ جائیں گی ہمراہ
بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ
بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کریں گے
کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار
زندہ ہوں پہ مُردے کی طرح ہو گئی دشوار
حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیام اجل آیا
چھوڑا مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا
دل سخت کیا ماں نے مجھے غم ہے اسی کا
وہ جانے والا ہے مصیبت میں جو کام آئے
اس راہ میں ہمراہ کنیزیں ہیں تو ہوں لے جائے
بیماری مرے حق میں بڑا خوب ہوئی ہے

چلائی سکینہ کہ میں صدقے مری ہمشیر
تم بیٹی کو سمجھاؤ کچھ اے بانوئے دلگیر!
دن چڑھتا ہے اور آج کی منزل بھی کڑی ہے
چلائی وہ ناشاد کہ ہے ہے مری جانی
مر جانے سے کچھ کم نہیں صغرا کی جدائی
پہلا ہے یہ غم آگے خدا جانیے کیا ہو

کیا دیکھیں دکھاتا ہے اس آغاز کا انجام
ماں روئے گی بیٹی سے بچھڑ کر سحر و شام
بھولے گی وہ، چھوڑیں گے، اکیلا اسے گھر میں
تم جان بچا لو کہ میں لونڈی ہوں پھوپھی جان
جیتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احساں
اماں تو سفارش بھی ہماری نہیں کرتیں

کیا اُنس کہ میں گود کی پالی بھی تو ہوں واہ
سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ
میں قبر میں جب ہوں گی تو سب یاد کریں گے
ہے کون سی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کون سا آزار
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

ہے ہے مری راحت کی بنا میں خلل آیا
کیا خوب مرے نخل تمنا میں پھل آیا
سچ ہے کہ زمانے میں نہیں کوئی کسی کا
ہیں سب کی بھلی اور کوئی پیارا نہ ہوئے
بیٹے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی میں مرنے سے اُتر جائے گی یہ تپ
تڑپوں گی تو جائے گی یہ اعضا شکنی سب
کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن میں
کھوئے گی یہ حدت کو بھی راتوں کا نہ سونا
تسکین ہے بابا ہیں پہ عزیزوں کا نہ رہنا
وحشت سے شب و روز علاقہ مجھے ہوگا

تنہائی میں شدت بھی نہ ہوگی خفقاں کی
تڑپوں گی نہ فرقت میں امام دو جہاں کی
فرقت میں مری طرح جگر کس سے سنبھلتا
سب چاہنے والے ہیں کروں کس کی شکایت
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لی اماں کی محبت
فرقت کا الم میرے کلیجے کو چھری ہے

عاشق مرے مشہور ہیں بھیا کے میں واری
قاسم کو غرض کیا جو سُنیں گریہ و زاری
اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہیں ہے
اُس وقت محبت مری ہو جائے گی حالی
و مرگئی کنبے کی جو تھی چاہنے والی
قسمت نے سُنائی خبر مرگ سفر میں

پھر ہم نہیں ملنے کے کوئی لاکھ ہو جویا
عالم ہے وہ بیگانہ ہے جو قبر میں سویا
پرسے کے لئے لوگ ہوئے جمع تو پھر کیا
یاں ذکر یہ تھا کہ جو رہتے ہوئے اکبر
چلائی بہن بھائی کی چھاتی سے لپٹ کر
فریاد ہے بے موت بہن مرتی ہے بھائی

اس درد کی سر میں مرے پوچھے گا بت کم
بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب
غم کھانے سے آجائے گی طاقت مرے تن میں
تفریح مجھے بخشے گا خوں اشکوں سے دھونا
تنقیہ کا عمل ہے مرے واسطے رونا
فاقہ جو کروں گی تو افاقہ مجھے ہوگا

بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکاں کی
شفقت مجھے یاد آئے گی بہنوں کی اماں کی
میں گھر میں نہ ہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا
بابا کی یہ تقریر ہے بہنوں کی یہ صورت
بولیں نہ پھوپی جان بھی پھر واہ ری قسمت
سب اچھے ہیں لوگو مری تقدیر بُری ہے

دو دن سے خبر بھی نہیں لی آکے ہماری
میں کون سکینہ ہے چچا جان کو پیاری
سنگی مری کچھ قبر کو دشوار نہیں ہے
جب راہ میں خط آئے گا کہیں گے شہ عالی
آباد جو حجرہ تھا وہ اب ہو گیا خالی
وہ قبر میں سوئی جسے چھوڑ آیا تھا گھر میں

سب رو کے کہیں گے کہ لگے ہاتھ سے کھویا
کیا نفع اُسے کوئی گر ہنسا یا کوئی رویا
پردیس میں کنبے نے رکھا سوگ تو پھر کیا
سُرخ آنکھیں تھیں اور زرد تھا غم سے رُخ انور
اس سینے کے ان ہاتھوں کے قربان خواہر
تقدیر ہمیں تم سے جدا کرتی ہے بھائی

بھیا مری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ
ہرچند یہ مشکل ہے کہ جیتا ہمیں پاؤ
عرصہ ہو تو خط لکھ کے طلب کیجیو بھائی
وہ دن ہو کہ بڑا سی تمھاری دلھن آئے
سب پھول کے گہنے میں سنواری دلھن آئے
ہمشیر کو تربت میں نہ ترسائیو بھائی

رونے کا ادھر غل تھا کہ فضہ یہ پکاری
دروازے کے نزدیک ہے زینبؑ کی عماری
ہر بار قناتوں کے قریب آتے ہیں عباسؑ
شبیرؑ نے رو کر کہا لو جاتے ہیں صغرا
ہم سب تری تنہائی کا غم کھاتے ہیں صغرا
قربان پدر آب و غذا ترک نہ کرنا

بیٹی سے یہ فرما کے چلے قبلۂ عالم
صغرا بھی چلی جاتی تھی روتی ہوئی پیہم
راحت تھی جو سب کو شہ ذی جاہ کے دم سے
غل تھا شہ ابرار خدا حافظ و ناصر
اے خلق کے سردار خدا حافظ و ناصر
ہو کہ فاقوں کے غربت کے الم کس سے کہیں گے

شہ کہتے تھے اللہ نگہدار ہے سب کا
ساماں ہے کبھی غم کا کبھی عیش و طرب کا
مانگو یہ دعا خیر سے وہ وقت بسر ہو
یہ کہہ کے برآمد ہوا وہ خلق کا والی
احباب تڑپتے تھے بلکتے تھے موالی
یوں روتے تھے سب گرد حسینؑ ابن علیؑ کے

وہ دن ہو کہ پھر خیر سے اس شہر میں آؤ
صدقے گئی پھر آنے کا وعدہ تو کئے جاؤ
اب بیاہ میں مجھ کو نہ بھلا دیجیو بھائی
جلدی کہیں یا حضرتِ باری دلھن آئے
تم جیسے ہو ویسی ہی پیاری دلھن آئے
بھائی کو مری قبر پہ لے آئیو بھائی

تیار ہے ناموسِ محمدؐ کی سواری
کیا دیر ہے اب آئے ید اللہ کی پیاری
اب جلد سواری ہو یہ فرماتے ہیں عباسؑ
جلد آتے ہیں یا خود تمھیں بلواتے ہیں صغرا
جاں اپنی نہ کھونا تمھیں سمجھاتے ہیں صغرا
بڑھ جائے گا آزار دوا ترک نہ کرنا

ناموسِ محمدؐ بھی چلے ساتھ بصد غم
بھائیاں باندھے ہوئے تھیں حلقۂ ماتم
اک پیٹتی تھی ایک لپٹتی تھی قدم سے
رانڈوں کے مددگار خدا حافظ و ناصر
محتاجوں کے غمخوار خدا حافظ و ناصر
مشکل کوئی اب ہوگی تو ہم کس سے کہیں گے

انسان کی کیا آس بھروسا تو ہے رب کا
مضطر نہیں فرزند شہنشاہِ عرب کا
جس روز کہ شبیرؑ کا دنیا سے سفر ہو
ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ شاہ والی
غل تھا کہ محمدؐ کا بھرا گھر ہوا خالی
جس طرح کہ ماتم تھا جنازے پہ نبیؐ کے

صغرا کو نقاہت سے نہ تھی طاقتِ رفتار
جب ناقے پہ تھی بانوئے ناشاد دل افگار
قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
صغرا بولی سن کر یہ سخن بانوئے بے پر
بیٹی نے کہا دستِ پسر ماتھے پہ رکھ کر
مغموم سے رخساروں پہ آنسو بھی بہے ہیں
تھراتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر وہ پکاری
آخر کوئی دن میں ہے بس اب موت ہماری
جب آکے پھر اس حجرے کو آباد کرو گے
عباس سے صغرا نے کہا اے ثانیٔ حیدر
جھالوں سے گلے دو کہ بڑھیں اونٹوں کے تک کر
احباب جو چھٹتے ہیں تو غم کھاتے ہیں ہم بھی
یہ سنتے ہی ناقے کو رواں کر گئے جرار
گھر میں اسے پہنچا کے چلے شیرِ ابرار
رستے تھے مجاور جو ہوا سے کو بہتے
آتی تھی صدا اے مری تربت کے مجاور
اے فاقہ کش اے منزلِ اوّل کے مسافر
دشمن کو بھی اس طرح اذیت نہیں دیتے
دو چیزوں کو میں چھوڑ کے آیا ہوں امانت
ان دونوں کو یوں بھول گئے اہلِ شقاوت
الفت کو مروت کو محبت کو بھی بھولے
گھر پھر دیا سب نے مرے دفن و کفن سے
زہرا تو ستم سہ کے گئی دارِ محن سے
کنبہ مرا دنیا میں گرفتارِ بلا ہے

اٹھی کئی بار اور گری در پہ کئی بار
اس ناقے کے پاس آکے یہ چلائی وہ بیمار
اماں مجھے اصغر کو پھر اک بار دکھا دو
پردے سے جگر بند کا منہ کر دیا باہر
اور آخری تسلیم بجا لاتے ہیں اصغر
یہ نرگسی آنکھوں سے تمھیں دیکھ رہے ہیں
اس ہاتھ کے اس چاند سے ماتھے کے میں واری
بچتا نہیں جینے کی میں فرقت میں تمہاری
تم بھی مری گودی کو بہت یاد کرو گے
مر جائے گی اب فاطمہ صغرا مری دختر
اسواروں کے ساتھ ہیں قاسم و اکبر
سب شہر کے ناکے پہ تمہیں آتے ہیں ہم بھی
غش کھا کے گری خاک پہ صغرا جگر افگار
غل شہر میں تھا ہائے دو عالم کے مددگار
اک حشر تھا روضے پہ رسولِ عربی کے
صدقے تری مظلومی کے اے صابر و شاکر
ہے ہے مری امت نے ستایا تجھے آخر
ظالم مجھے مرنے پہ بھی راحت نہیں دیتے
اک مصحفِ مجبور ہے اور اک مری عترت
عترت کا یہ نقشہ ہوا قرآں کی وہ صورت
سب ایک طرف امرِ رسالت کو بھی بھولے
باندھا ہے سر دار کی گردن کو رسن سے
کی رسمِ محبت میں وفا اپنے حسن سے
باقی تھا حسین ایک سو مرنے کو چلا ہے

آتی تھی صدا تربتِ زہرا سے یہ آتی ہاں
نوجیں ہیں نہ لشکر نہ وغا کا کوئی ساماں
کیا ہوگا ہوا ظلم کی جب آہ چلے گی
جب باغ کو زہرا نے ریاضت سے لگایا
ان باغیوں نے قبر میں بھی مجھ کو ستایا
داغوں کے چمن سینے میں کھل جائیں گے جب جب
سنتے ہوئے مادر کی غم انگیز یہ تقریر
یاران وطن گرد تھے افسردہ و دلگیر
کیوں پیٹتے ہو غم میں حسین ابن علی کے
دنیا ہے سرائے غم و اندوہ و مصیبت
احباب کا ہے وصل کبھی اور کبھی فرقت
غم آج تو یہ ہے کہ بچھڑتے ہیں وطن سے
دکھوں ہیں مسافر کہ نہ پھر آئے سفر سے
رک جاتی ہے شمشیر کی ضربت تو بچے
کتنے ہیں مسافر کہ تہِ خاک نہاں ہیں
فرما کے یہ رخصت ہوئے یاران وطن سے
نکلا در نایاب نبوت کے عدن سے
رستے کی وہ سختی وہ سفر رنج و بلا کا
کشتی تھی جو مرکے جنگل کی وہ کڑی راہ
ہر کوہ کے طے کرنے میں تھی محنت جاں کاہ
ہاتف کی صدا تھی کہ بہت بعد نہیں ہے
اس دھوپ میں بستانِ محمد کا یہ تھا حال
چہرے پہ کوئی دھوپ میں دیکھے جو تھا لال
واں تھی کہ شجر جل گئے تھے دشت بلا میں

تم جاتے ہو جنگل کے بسانے کو مری جاں
شبیر یہ مادر تری تنہائی کے قرباں
مادر بھی سپر ہونے کو ہمراہ چلے گی
جب فصل بہار آئی تو پھل آہ نہ پایا
ہے ہے مری بستی کو کسی نے نہ بسایا
اب پھول مرے خاک میں مل جائیں گے بچو
روتے ہوئے گھوڑے پہ چلے جاتے تھے شبیر
فرماتا تھا ایک ایک سے وہ صاحب توقیر
اب تم بھی کرو صبر نواسے کو نبی کے
ہم کیا ہیں جہاں میں تو بقا ہی نہیں راحت
بے ہجر نہ ہوگی ہو کوئی ایسی نہیں صحبت
اٹھ جائیں گے اک روز یونہی دار محن سے
جنگل میں عزیزوں کو اجل لے گئی گھر سے
ساعت وہ اجل کی ہے کہ ٹلتی نہیں سر سے
قبریں تو ہیں ویرانے میں بستی میں مکاں ہے
ایام بہاری نے کیا کوچ چمن سے
طے منزلیں ہوتی تھیں بصد رنج و محن سے
سچ کہتے ہیں سودا ہے کہ ارادہ خدا کا
عمریں بھی عزیزوں کی ہوئی جاتی تھیں کوتاہ
تھا شور کہ چشمہ نہ کہیں ہے نہ کہیں چاہ
گھر دور ہیں اور منزل مقصود قریں ہے
سنولائے ہوئے رنگ تھے لالے کی طرح لال
رکھتا تھا مجھکو کوئی رخساروں پہ رومال
معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہے آگ ہوا میں

ناموس محمد تھے جو آفت میں گرفتار
افسردہ و مغموم و حزیں تھے شہ ابرار
بچوں کی مصیبت کا بیاں کرتے تھے ہر بار
دنیا کی مذمت میں کبھی پڑھتے تھے اشعار
فرماتے تھے اے دہر گرفتار بلا ہوں
میں وہ ہوں جو آغوش محمد میں پلا ہوں

رستے میں سنی جب خبر مسلم و ہانی
منھ ڈھانپ کے رویا اسد اللہ کا جانی
صدمے سے مسافر کا لہو ہو گیا پانی
فرماتے تھے افسوس برادر کی جوانی
آج ان پہ جو گزری وہ ہمارے لیے کل ہے
مسلم کی شہادت نہیں پیغام اجل ہے

عباس سے بولے یہ شہ یثرب و بطحا
فراشوں سے کہہ دو ابھی خیمے کریں بپا
مظلوم کی بیوہ کو ابھی دینا ہے پُرسا
آفت ہے ضعیفوں کے لیے داغ پدر کا
سر دُھننے لگے روئیں گے دم سرد بھریں گے
فرصت ہوئی ماتم سے تو کل کوچ کریں گے

برپا ہوا خیمہ وہیں اُترے شہ عالم
تا صبح رہا اہل شہ دیں کا ماتم
سیدانیاں خیمے میں بکا کرتی تھیں باہم
مسلم کے پسر پیٹتے تھے چھاتیاں ہر دم
بستی تھی زمیں ہائے مسافر کی صدا سے
سویا نہ کوئی زوجۂ مسلم کی بکا سے

فارغ ہوئے حضرت جو فریضے سے سحر کے
ارشاد کیا بھائی سے اشک آنکھوں میں بھر کے
ٹکڑے ہیں غم مسلم بیکس میں جگر کے
تھمتے ہی نہیں اشک مرے دیدۂ تر کے
پُرسے کے لیے خیمے میں جایا نہیں جاتا
منھ زوجۂ مسلم کو دکھایا نہیں جاتا

عباس نے کی عرض کہ ارشاد بجا ہے
خادم کا بھی چھٹنا سبب آہ و بکا ہے
کوفے میں نہ مولا نہ مروت نہ وفا ہے
بے دین ہیں آل ان کی محبت کا دغا ہے
بدعہد ہیں محتاج ہیں بے درد ہیں ظالم
مظلوم کو بے سر کیا نامرد ہیں ظالم

یہ ذکر ابھی کرتے تھے عباس خوش اطوار
جو آئے وہاں مسلم مظلوم کے دلدار
سب ساتھ تھی اولاد عقیل جگر افگار
دیکھا جو انھیں رونے لگے شہ ابرار
دل ہل گیا بچوں کے لیے پیر و جواں کا
دربار میں اک شور ہوا آہ و فغاں کا

پاس آ گئے وہ قدموں پہ جھکانے جو لگے سر
شبیر نے چھاتی سے لگایا انھیں اٹھ کر
پیشانی کے بوسے لیے منھ رکھ دیا منھ پر
بٹھلایا مسند پہ انھیں اپنے برابر
فرماتے تھے یہ راحت جان لخت جگر ہیں
بیٹے تو بھتیجے تھے یہ اب میرے پسر ہیں

دونوں نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اس آن
اس لطف پہ بیٹے بھی فدا باپ بھی قرباں
ہے فخر غلامی ہمیں اے فاطمہؑ کی جاں
کام آئے جو بابا تو خوشا بخت زہے شاں
بیٹوں کو نہ کیوں فخر و مباہات کی جا ہو
آزاد وہ بندہ ہے جو آقا پہ فدا ہو

حضرت نے کہا بھائی کا غم ہے غم جانکاہ
کیا کیا نہ ستم سہہ کے وہ دنیا سے گیا آہ
درپیش ہمیں بھی کوئی دن میں ہے یہ واللہ
اس غم میں تمھیں صبر عنایت کرے اللہ
آفت ہے غم بے پدری دار محن میں
اب تم کو مناسب ہے کہ پھر جاؤ وطن میں

کافی ہے تمھارے لیے مسلم کی شہادت
واللہ میں تم کو بخوشی کرتا ہوں رخصت
ماں کو بھی ہمراہ لیجانے میں ہے عزت
ہے مصلحت وقت گوارا کرو فرقت
مسلم کی نشانی ہو مرے نور نگہ! ہو
اب تو مجھے تم اکبرؑ و اصغرؑ کی جگہ ہو

یہ سن کے پسران دونوں نے پہلے تو جھکائے
پھر جوڑ کے ہاتھوں کو سخن لب پہ یہ لائے
وہ جائیں کہاں اے اسد اللہ کے جائے
جو اپنا وطن چھوڑ کے مرجانے کو آئے
جائیں گے جدھر آپ اُدھر جائیں گے مولا
گھر قبر ہے مرجائیں تو گھر جائیں گے مولا

اس وقت میں آقا کی رفاقت سے کنارا
یہ امر غلاموں کو نہ ہوئے گا گوارا
فرمایئے یثرب میں ہے اب کون ہمارا
اک باپ تھا سر پر سو وہ دنیا سے سدھارا
مشتاق جناں طالب فردوس بریں ہیں
جینے پہ جو مرتے ہیں غلام ان میں نہیں ہیں

منہ کس کو دکھائیں جو پھریں راہ رضا سے
ہم اپنی اجل کے ہیں طلب گار خدا سے
مارا ہے لعینوں نے مسافر کو دغا سے
لیں گے عوض خون پدر اہل جفا سے
مرجائیں گے یا جنگ کو سر کر کے پھریں گے
کوفے کی زمیں خون سے تر کر کے پھریں گے

اب دھیان ہے مادر کا نہ بہنوں کا نہ گھر کا
دعویٰ ہے لعینوں سے ہمیں خون پدر کا
مرہم ہے یتیمی میں یہی زخم جگر کا
دم لیں گے جو دیکھ کے اس بانی شر کا
دل میں بھی پھپھولے ہیں کلیجہ بھی جلا ہے
اب تیغ ہے اور حاکم کوفہ کا گلا ہے

دو بھائی تو ہمراہ پدر جان گنوائیں
ہم باپ کے مرقد کی زیارت کو نہ جائیں
اس راہ سے پھر جائیں تو منہ کس کو دکھائیں
حسرت ہے کہ جو باپ کا ورثہ ہے وہ پائیں
مرجائیں گے قدموں پہ شہ جن و بشر کے
قبریں بھی جو اب ہوں گی تو پہلو میں پدر کے

جس وقت سُنی شہ نے تمیموں کی یہ گفتار
اٹھ جائیں زمانے سے جب اس طرح کے غمخوار
اب دمِ شمشیر کے مشتاق گلے ہیں
فرمانے لگے یہ اس بن سے چلا فاطمہ کا لال
منزل پہ زبالہ کی جو پہنچا وہ خوش اقبال
وہ صدمے تازہ ہوئے اک جانِ حزیں پر
اکھڑے جو وہاں سے بھی خیامِ شہِ عالم
بچوں کی ہمیں فکر ہے اپنا نہیں کچھ غم
شربت ہوں ہیں سیراب انھیں او شوق و دھر لو
یہ سن کے ہر اک ظرف میں مشکوں نے بھرا آب
گرمی تھی یہ اس دن کہ کسی دل کو نہ تھی تاب
لو چل رہی تھی رنگ بھی سنولائے ہوئے تھے
حضرت بھی چلے جاتے تھے افسردہ و دلگیر
اس شخص سے فرمانے لگے حضرتِ شبیر
کی عرض قریب آ کے شہِ جن و بشر کے
اور دوں نے یہ کی عرض کہ اے دلبرِ حیدر
حالات علمدار نے جب غور سے دیکھا
کیا جانیے انجو ولے یا چند نفس ہیں
شبیر نے فرمایا کہ سچ کہتے ہو بھائی
ماتم میں کسی رونے سے راحت نہیں پائی
سرکش ہیں ارادہ نہ کریں بے ادبی کا
یہ کہہ کے بڑھے دشت کی جانب سبطِ پیمبر
پہنچے تھے حرم خیمے میں ناقوں سے اتر کر
سترہ قدم آ جن ہیں ستمگار نہاں تھے

فرمایا کہ سچ کہتے ہو تم دونوں وفادار
پھر خلق میں کچھ زیست کی لذت نہیں زنہار
بہتر ہے چلو ہم بھی تو مرنے کو چلے ہیں
تھے زرد مگر صدمۂ مسلم سے رخِ آل
عبداللہ یقطر کی شہادت کا سنا حال
وہ رات بھی اندوہ میں گزری شہِ دیں پر
خدام سے ارشاد کیا آپ نے اس دم
اس منزلِ پرہول میں پانی ہے بہت کم
جو مشکیں کہ خالی ہیں وہ سب پانی سے بھر لو
راہی ہوا اس بن سے نبی کا گلِ شاداب
تھا شعلہ فشاں دشت میں خورشیدِ جہاں تاب
جنگل میں گلِ فاطمہ مرجھائے ہوئے تھے
جو ایک دلاور نے کہی گھوڑے پہ تکبیر
بتلا سبب اس نعرہ کا اے صاحبِ توقیر
وہ نخل نظر آتے ہیں کوفے کی زمیں کے
ہم سے کبھی یہاں نخل ابھی دیکھے نہیں اصلا
کی عرض شہِ دیں سے کہ فوج آتی ہے مولا
تو کہیں یہ سنانوں کی ہیں یا گوشِ فرس ہیں
یہ فوج ہمارے لیے کوفے سے ہے آئی
کیا دور ہے گر ہو اسی جنگل میں لڑائی
خیمہ کہیں برپا کرو ناموسِ نبی کا
برپا کیا نزدیکِ جبل خیمۂ اطہر
ہوا آ کیا نزدیک ستمگاروں کا لشکر
سب ایک ہزار اُن میں زرہ پوش جواں تھے

آنے لگے حضرت کی طرف جب وہ جفا کار
برپا ہے یہاں خیمۂ شاہنشہ ابرار
کچھ عرض جو کرنی ہے تو کر جاؤ ٹھہر کر
بے خوف چلے آتے ہو باگوں کو اٹھائے
پیغام ہے کچھ یا ہو عریضہ کوئی لائے
گر بے ادب آؤگے تو جانا نہ ملے گا
نے عرض نہ معروض نہ تسلیم نہ پیغام
کیا فوج یہاں کونے کی اور کیا پیشام
جنگل میں وہ اترا ہے جو مختار زمیں ہے
گھر سمجھے ہو دربار شہنشاہ عرب کا
ہر چند کرم عام ہے اس خاصۂ رب کا
ڈالوگے اگر رنگ لڑائی کی بنا کا
جنگل میں جو گونجا اسد بیشۂ حیدر
کس پیار سے شبیرؑ پکارے کہ برادر
آئے ہیں ملاقات کو یا قصدِ وغا ہے
یہ سن کے پکارا اسد اللہ کا ضرغام
خود جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا وہ خوش انجام
دعوائے غلامی ہے مجھے آلِ نبیؐ سے
حاکم کا یہ جنگی ہے رسالہ مرے ہمراہ
لب پہ غیظ نہ فرمائیے سبطِ شہِ ذیجاہ
ہے عفوِ جرم کا رواج آپ کے گھر سے
جب حر نے کہے بعد عجز یہ تقریر سنائی
جس وقت اجازت حرِ دیندار نے پائی
دیکھا جو شہنشاہ کے اقبال و حشم کو

عباسؑ نے فرمایا کہ بڑھیو نہ خبردار
آئین ادب سے تمھیں بہرہ نہیں زنہار
سردار جو آئے بھی تو گھوڑے سے اتر کر
کیا ہو جو ادھر سے بھی کوئی آنکھ دکھائے
تم سب میں جو فہمیدہ و عاقل ہو وہ آئے
ہتھیار بھی باندھے ہوئے آنا نہ ملے گا
ٹھہرو کہیں بس بد ہے اس آغاز کا انجام
گیتی کو الٹ دیں جو بڑھیں تول کے صمصام
شیروں کا یہ بیشہ ہے خبر تم کو نہیں ہے
نے پاس جلالت کا نہ کچھ پاس ادب کا
غصہ بھی نمونہ ہے مگر حق کے غضب کا
صحرا ابھی بن جائے گا بازار وبا کا
دل ہٹنے لگے جیتوں میں سب تھم گئے خودسر
پوچھو تو ذرا کون ہے سرگردہ لشکر
مجھ پر یہ تو ظاہر ہو کہ منظور انھیں کیا ہے
تم لوگوں میں سردار ہے کون اے سپہ شام
سردار ہوں اس فوج کا میں حر ہے مرا نام
اب عفو ہو محجوب ہوں اس بے ادبی سے
نے داب سے واقف ہیں نہ آداب سے آگاہ
اب غیر اجازت نہ بڑھے گا کوئی واللہ
تقصیر بھی ہو جاتی ہے دنیا میں بشر سے
شہ بولے مرے سر کی قسم آنے دو بھائی
تو وہ بھی با ادب آگے بڑھا فوج بھی آئی
مجرا کیا صف باندھ کے سلطانِ امم کو

منہ دیکھ کے فرمانے لگے شاہِ خوش اقبال کیا وجہ جو تم لوگ ہو سب مضطرب الحال
تب عرض یہ کی حُر نے کہ اے فاطمہ کے لال بیتاب ہیں سب ماہیِ بے آب کی تمثال
آہوں کا دھواں اُٹھتا ہے پیاسوں کے جگر سے قطرہ نہیں پانی کا ملا ہے جب سے

کوسوں لگے پانی کے تجسّس میں ہوا خواہ ہے خاک نہ چشمہ کہیں دیکھا نہ کہیں چاہ
دشت سا ہے سوا، ان عراقی مرے ہمراہ بے موت مرے جاتے ہیں سب یا شہِ ذیجاہ
اب جان نہ گھوڑوں میں نہ اسواروں میں دم ہے اے ساقیِ کوثر کے بس وقت مدد ہے

یہ سنتے ہی بیتاب ہوئے سبطِ پیمبرؐ دیکھا رخِ عباسؑ کو اشک آنکھوں میں بھر کر
فرمایا کہ یہ لوگ ہیں سب پیاس سے مضطر جو ساتھ ہے پانی ابھی منگواؤ برادر!
عبّاس کمر اب کسو پیاس ان کی بجھا کے میں کانپ رہا ہوں کہ یہ بندے ہیں خدا کے

عباسؑ نے کی عرض کہ اے کُل کے مددگار کیا طاقت و قدرت جو کروں حکم میں تکرار
پر مصلحتؑ عرض یہ کرتا ہے نمک خوار اطفال ہیں ساتھ آپ کے یا سیدِ ابرار!
مولا کہیں فرض ابھی جانا ہے یہاں سے مانگیں گے وہ پانی تو پھر آئے گا کہاں سے

فرمایا مرے سر کی قسم کچھ نہ کہو اب میری یہی مرضی ہے کہ سیراب ہوں یہ سب
انسان کا انساں سے روا ہوتا ہے مطلب مر جائیں مسلمان یہ گوارا ہے مجھے کب
میں مالکِ کوثر ہوں تردّد تمہیں کیا ہے پیاس ان کی بجھا دو مرے بچوں کا خدا ہے

یہ سنتے ہی سقّوں کو علمدار پکارے جو پانی ہو لے آؤ وہ سب پاس ہمارے
سقّے تھے جو سرکار کے حاضر ہوئے سارے مشکیزے بھی ناقوں سے بہ تعجیل اتارے
ہاتھوں میں کٹورے رفقائے شہ کے لیے تھے سقّوں نے پکھالوں کے دہن کھول دیے تھے

مصروف ہوا خود دلبرِ ساقیِ کوثر پیاسوں کو عطا ہونے لگے پانی کے ساغر
تقسیم ادھر کرتے تھے عباسؑ دلاور پیاسوں کو ادھر دیتے تھے پانی علی اکبرؑ
ہر لب پہ سخائے شہِ والا کا بیاں تھا دریائے کرم ساقیِ کوثر کا رواں تھا

چلاتے تھے سقّے یہ کٹوروں کو بجا کر جو فوج میں پیاسا ہو وہ پانی پیے آ کر
یخ ہو گیا ہے آب ہوا دشت کی کھا کر گرمی میں جگر سرد کرو پیاس بجھا کر
مشک ہر ایک چشمۂ شیریں سے بھری ہے کوثر کا جو مالک ہے سبیل اس نے دھری ہے

سب ہو چکے سیراب جو فوجِ حرِؑ دیندار
عباسؑ سے فرمانے لگے سیدِ ابرار
مضطر ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے رہوار
ہاں ان کو بھی سیراب کرو اے مرے غمخوار
حیوانوں کا بھی قافلہ محروم نہ رہ جائے
یہ گھر ہے سخی کا کوئی محروم نہ رہ جائے

مشکوں کو لیے ساتھ بڑھے حضرتِ عباسؑ
ہاتھوں میں لگن کوئی لیے تھا کوئی طاس
اسواروں کو جب گھوڑوں کے بچنے کی نہ تھی آس
جان آ گئی ان تازیوں کی جبکہ بجھی پیاس
حیوانوں کو یہ پاس تھا جب شاہِ امم کو
پانی نہ ملا تین دن اس بحرِ کرم کو

پیاسا نہ رہا جب کوئی راکب کوئی رہوار
تب حرؑ سے یہ فرمانے لگے سیدِ ابرار
اب اپنے ادھر آنے کا احوال کرو اظہار
کیا قصد ہے کیا عزم ہے اے مردِ وفادار
نامہ کوئی حاکم کا جو لایا ہو تو کہہ دے
لڑنے کے ارادے سے یہ جو آیا ہو تو کہہ دے

تب حرؑ نے یہ کی عرض اے خاصۂ داور
بھیجا ہے مجھے حاکمِ کوفہ نے یہ کہہ کر
رستے میں جہاں تجھ کو ملیں سبطِ پیمبر
تو ساتھ سے اٹھ کے نہ جدا ہو جیو دم بھر
یثرب تو کجا سوئے نجف جانے نہ دینا
کوفے کے سوا اور طرف جانے نہ دینا

حضرت نے کہا پھر تجھے کیا اس میں ہے منظور
کی عرض کہ حاکم کے میں ہوں حکم سے مجبور
بس سرخ ہوا غیظ سے شہ کا رخِ پرنور
فرمایا کہ روکے مجھے کس کا ہے یہ مقدور
کیا ہوتا ہے دم بھر میں ذرا روک تو ہم کو
لے ہم ابھی جاتے ہیں ذرا روک تو ہم کو

خط بھیج کے منت سے سماجت سے بلانا
جب آئے تو یہ مکر یہ کینہ اور یہ بہانا
کیا سہل ہے اس فوج میں گھر کر مرا جانا
تلوار جو کھینچوں تو الٹ جائے زمانا
رگ رگ میں مرے زور ہے خالق کے ولی کا
میں اور نہیں ہوں کوئی بیٹا ہوں علیؑ کا

وہ کون ہے میں جانے نہ جانے کا ہوں مختار
کیا سمجھا ہے قیدی مجھے وہ ظالمِ غدار
جب تک کہ سلامت ہے یہ ہاتھ اور یہ تلوار
ڈرنے کا نہیں لختِ دلِ حیدرِ کرار
بیکس ہوں مسافر ہوں پریشان دہر میں ہوں
کچھ حاکمِ کوفہ کا گنہگار نہیں ہوں

بگڑا ہے یزید ایسے جفا جو سے وہ بے پیر
ہر امر میں ہے کینہ ہر اک بات میں تزویر
تھی مسلمِ بیکس کی بھلا کون سی تقصیر
مارا گیا کس ظلم سے وہ صاحبِ توقیر
کوٹھے سے گرا کر تنِ صد پاش کو کھینچا
پھر پاؤں میں باندھی رسن اور لاش کو کھینچا

ہے تو بھی تو ہے اٹھی جا کے خود سر
لیکن یہ نہیں شیوۂ اولادِ پیمبر
کینے کو دلِ صاف میں ہم جا نہیں دیتے
ہم قتلِ عدو کا بھی اشارا نہیں کرتے
عزت کی جگہ جان کو پیارا نہیں کرتے
غربت ہے تو ہو جنگ سے معذور نہیں ہیں

پھرتے ہیں یہیں سے کوئی روکے تو بھلا راہ
کیا اس سے علاقہ جو ہے سادات کا بدخواہ
کیا شہروں میں کوفے ہی کی آباد زمیں ہے
یہ کہہ کے فرس کو جو پھرانے لگے سرور
عباس بڑھے غیظ میں تھرا گئے اکبر
ڈر ہے مجھے اس کا کہ نہ تو قتل کہیں ہو

جب مادرِ حر کا شہِ والا نے لیا نام
تھاما تھا مگر چھوڑ دیا قبضۂ صمصام
دیں جا ہے غصے کو نہ گر ضبط کروں میں
نام اور کوئی شخص جو لیتا مری ماں کا
ہیں آپ کی ماں نورِ خدا اے شہِ والا
خادم ہیں ملک بنتِ رسولِ دوسرا کے

چپکے سے جو تھیں سن کے کی عرض یہ امام
انبوہ کچھ ایسا نہیں لشکر ہے بہت کم
یہ دو سپہ آزار ہیں راحت تو نہ دیجے
دانتوں میں زباں داب کے حضرت نے کہا ہاں
تھوڑوں کو اگر قتل کیا ہم نے تو پھر کیا
ہیں لاکھوں نہ پھر تن پہ اگر تیر تڑپیں گے

کیا ہو جو تجھے قتل کرے سب مرا لشکر
ہم لوگ ہیں دشمن کی مدارات کے خوگر
جو اپنے گھر آئے اسے ایذا نہیں دیتے
کافر ہیں وہ جو پاس ہمارا نہیں کرتے
مر جاتے ہیں پر ننگ گوارا نہیں کرتے
مختار کے فرزند ہیں مجبور نہیں ہیں

اقلیم ستمگار سے خود ہے ہمیں اکراہ
جائیں گے جدھر اب ہمیں لے جائے گا اللہ
وسعت ہے بہت ملکِ خدا تنگ نہیں ہے
بس ڈال دیا حر نے بھی ہاتھ اپنا عناں پر
روکا انھیں اور رو کے یہ حر سے شہِ صفدر
جا ماں تری ماتم میں ترے سوگ نشیں ہو

اس صاحبِ عزت کا لگا کانپنے اندام
کی عرض بس اے قبلۂ دیں شاہ خوش انجام
دہشت مجھے اس کی ہے کہ کافر مردود ہیں
خادم بھی جواب اس کو اسی طرح کا دیتا
حوا کا نہ یہ اوج نہ مریم کا یہ رتبا
میں جاؤں کہوں کچھ جو سوا اصلِ علی کے

بہتر ہے کہ اس فوج سے لڑ لیویں ابھی ہم
پھر آئیں گی فوجیں ادھر اے قبلۂ عالم
پانی تو دیا اب انھیں مہلت تو نہ دیجے
ہم حجتِ حق ہیں ہمیں سبقت نہیں زیبا
جب آئیں گی فوجیں تو سمجھ لیویں گے اچھا
ایسا ہی ستائے گی جو امت تو لڑیں گے

فرما کے یہ اس دشت میں ٹھہرے شہِ صفدر
شب نصف گئی پر اُسے نیند آئی نہ دم بھر
دم بھرتا ہوا عشقِ امامِ ازلی کے
سوتے تھے ادھر بھی شہِ مظلوم کے انصار
پھرتے تھے کبھی گردِ خیامِ شہِ ابرار
یوں رات بسر ہوتی تھی اُس عاشقِ رب کو
فقرہ کیا ابنِ اسد اللہ نے بڑھ کر
تھرا کے بڑھا ہاتھوں کو چومنے وہ دلاور
کر دیجیے خبر ابنِ شہنشاہِ عرب کو
فرمایا کہ یہ آنے کا ہے کون سا ہنگام
کی عرض کہ یا حضرتِ عباسؑ خوش انجام
قسمت ہے جو یاور تو شرف پائے گا خادم
تھا پاسِ ادب خود کہ ہے دربارِ شہنشاہ
اک مردِ سپاہی ہوں وغا سے نہیں آگاہ
خاک اس پہ کہ شیدے سے جو دل صاف نہیں ہے
عباسؑ اسے ساتھ لیے ڈیوڑھی پہ آئے
حر آیا ہے اے حیدرِ کرار کے جائے
فرمایا کہ بے گردشِ آیا ہے بلا لو
خود آکے اسے لے گئے عباسِؑ دلاور
آنکھوں سے لگائے قدمِ سبطِ پیمبر
فوجیں لیے تا مار یہ شمر و عمر آئے
ہوتی ہے جہنوں سے وہاں قتل کی تدبیر
ہر وقت چلی جاتی ہے تحریر پہ تحریر
بدکار ہیں لاکھوں اگر اک نیک ہے مولا

اک تیر کے پلّے سے حُر آیا مع لشکر
سب سوئے حسینؑ ہم تو اٹھا حُرِ دلاور
داخل ہوا لشکر میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے
پر جاگتے تھے حضرتِ عباسؑ خوش اطوار
ڈیوڑھی پہ کبھی آتے تھے باندھے ہوئے ہتھیار
جس طرح سے جنگل میں اسد پھرتا ہے شب کو
کون آتا ہے بتلا نہیں موت آتی ہے سر پر
کی عرض کہ میں حُر ہوں غلامِ شہِ صفدر
کچھ عرض ضروری ہے کہ میں آیا ہوں شب کو
آرام میں ہے فاطمہؑ زہرا کا دل آرام
لے دیجیے جا کر درِ دولت پہ مرا نام
آقا نہ بلائیں گے تو پھر جائے گا خادم
ہتھیار بھی میں باندھ کے آیا نہیں واللہ
کام آئے مرا سر تو بنے قدرِ شہِ ذی جاہ
محسن کی بدی شیوۂ اشراف نہیں ہے
خیمے میں گئے اور سخن لب پہ یہ لائے
ارشاد اگر ہو تو رضا آنے کی پائے
گمراہ تھا اب راہ پہ آیا ہے بلا لو
مجرا کیا حُر نے سرِ تسلیم جھکا کر
کی عرض کہ بیتاب ہوں اے خاصۂ داور
کیوں اپنا وطن چھوڑ کے حضرت ادھر آئے
تلواریں ہیں یا برچھیاں ہیں یا تبر و تیر
شہروں سے ہے فوجوں کی طلب بہرِ تزک و تکبیر
فوجوں کے سبب کوفہ و شام ایک ہے مولا

اُترے ہیں پہاڑوں میں قشونِ عرب و عجم
راہیں بھی ہیں سب بند مجھے خوب ہے معلوم
ایسا نہ ہو جلادوں میں گھر جائیے مولا
سب سوتا ہے لشکر بھی مرا یا شہِ ابرار
فرمایا کدھر جاؤں میں اے حرِّ وفادار
منظور ہے جو مرا سر کاٹ لے تن سے

تقدیر سے کچھ زور نہ کچھ موت سے چارا
کی عرض یہ حر نے کہ بجا ہے یہ اشارا
گو فوج نہ تھوڑی ہے نہ غمخوار ہی کم ہیں
کچھ سوچ کے فرمانے لگے سبطِ پیمبر
جائیں گے جدھر ساتھ اجل ہو گی مقرر
کس کو خبر اس کی ہے کہاں قبر بنے گی

روتا ہوا رخصت کو اٹھا حرِّ دل افگار
یہ بھول نہ جانا ہمیں اے یارِ وفادار
تو ہم پہ تو ہم تجھ پہ فدا ہوئیں گے بھائی
اللہ تجھے فوجِ ضلالت سے نکالے
دیندار کو اشرار کی صحبت سے نکالے
مسکن ہو وہاں خلق میں جو نیک جگہ ہو

اس وقت میں نے لیا مادر کا تری نام
نفریں کرے ابنِ علیؑ کا یہ نہیں کام
اس امر کو کیا تو ابھی جانے کہ وہ کیا تھا
حر نے کہا ارشاد یہ کیا کرتے ہیں سرورؑ
حضرت کے غلاموں کی ہے لونڈی مری مادر
ہر شخص مجھے خادمِ درگاہ کہے گا

ہے چار طرف قتلِ بنی فاطمہؑ کی دھوم
سرگروہِ افواجِ ستم ہے عمرِ شوم
میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں پھر جائیے مولا
بہتر ہے اسی وقت اگر ہو جئے اسوار
جو ہوئے سو ہوا اب تو ہیں آفت میں گرفتار
مرنے کے ارادے پہ تو آیا ہوں وطن سے

مرنا تو ہے غربت میں تو کیا زور ہمارا
مولا مگر آفت سے مناسب ہے کنارا
میں اس لیے کہتا ہوں کہ ساتھ اہلِ حرم ہیں
اے دوست یہی رائے ہے تیری تو بہتر
دیکھیں یہ شبِ تار بسر ہوتی ہے کیونکر
پر ہو گی وہیں صبح جہاں قبر بنے گی

چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہِ ابرار
بچھڑے ہیں تو ہوئے گی ملاقات پھر اک بار
پھر تا بہ قیامت نہ جدا ہوئیں گے بھائی
ربِ دو جہاں نور کو ظلمت سے نکالے
معبود زمانے کی صعوبت سے نکالے
تو اور حسینؑ ابنِ علیؑ ایک جگہ ہو

وہ حق میں دعا تھی ترے اے مردِ خوش انجام
ہم کرتے ہیں اُمت کی دعائیں سحر و شام
لے عفو کر اب اس کو جو کچھ ہم نے کہا تھا
میں بندۂ ناچیز ہوں یا سبطِ پیمبرؐ
نام اس کا اور آئے شہِ والا کی زباں پر
تا حشر مری قوم میں فخر اس کا رہے گا

روتا ہوا شہ سے ہوا رخصت جو دیندار
راہی ہوئے عجلت میں وہاں سے شہ ابرار
وہ دشت پر آشوب کی وحشت وہ شب تار
بیڑ کہیں بن ہے کہیں پتھر تو کہیں خار
صورت نہ بشر کی نظر آتی تھی بشر کو
معلوم نہ ہوتا تھا کہ جاتے ہیں کدھر کو

جنگل سے جو آتی تھیں درندوں کی صدائیں
دم کرتی تھیں سیدانیاں بچوں پہ دعائیں
کہتی تھی سکینہ کہ میں لیتی ہوں بلائیں
کہہ دو علی اکبر سے کہ صورت تو دکھائیں
عباس بھی آواز سناتے نہیں مجھ کو
اماں کہیں بابا نظر آتے نہیں مجھ کو

حیران و پریشان تھا وہ سب لشکر شاہی
اسواروں پہ آفت تھی پیادوں پہ تباہی
منزل تھی نہ بستی نہ نظر آتا تھا راہی
گویا شب ظلمات تھی جنگل کی سیاہی
گریاں شہ ذی جاہ پہ یوں راہ میں گزرے
جس طرح کہ یوسف پہ شبیں چاہ میں گزریں

یوں دشت میں پھرتے تھے وہ اللہ کے پیارے
جس طرح کریں سیر شب تار میں تارے
ماندے ہوئے رہوار بھی سب اونٹ بھی سارے
پیادوں نے وہ دو پہر آفت میں گزارے
گردش میں کٹی رات ولی ابن ولی کو
مقتل پہ ہوئی صبح حسین ابن علی کو

لکھا ہے فرس آپ نے بدلے کئی یک بار
اس دشت سے لیکن نہ بڑھا ایک بھی رہوار
گھبرا کے یہ کہنے لگے عباس علمدار
یہ تو فرس خاص ہے یا سید ابرار
اڑتے اسے دیکھا ہے پہ جمتے نہیں دیکھا
تو کوس کے دھاوے میں بھی تھمتے نہیں دیکھا

اس ہاتھ سے شہ نے لیا اس ہاتھ میں کوڑا
غیرت سے عرق آ گیا تھرا گیا گھوڑا
منزل کی طرف اسپ وفادار نے موڑا
کی عرض کہ خود میں نے یہ رستا نہیں چھوڑا
مالک ہے سدا حکم شہنشاہ عرب کو
ناچار ہوں مولا کوئی تھامے ہے قدم کو

یہ سنتے ہی رہوار سے اترے شہ ابرار
فرمایا کہ بس کھول دو اونٹوں کے یہیں بار
طالب تھا یہیں کا پسر حیدر کرار
عباس سے فرمایا کہ اترو مرے غمخوار
ہونے کا مقام اب یہیں زہرا کے پسر کا
دو شکر کہ خاتمہ ہے آج سفر کا

کیا وادی دلچسپ ہے کیا آب و ہوا ہے
رنگینی فردوس ہے جنت کی فضا ہے
سبزہ ہے کہ اک فرش زمرد کا بچھا ہے
گھر چھوڑ کے رہنے کی اگر ہے تو یہ جا ہے
دیکھے جو اسے پھر نہ کرے سیر چمن کی
ہر پھول سے یاں آتی ہے بو باس وطن کی

یہ کہہ کے لبِ نہر فرس پھیر کے آئے
عباسؑ علمدار بھی باندھے کمر آئے

کیوں تم کو جگہ کون سی مطلوب ہے بھائی
بہتر ہے کہ خیمے بھی یہیں کیجئے برپا
دور اترے تو ہوئے گی بہت پانی کی ایذا
پھر بولے کہ مانع کوئی غدار نہ ہوئے
آئے ہیں یہاں جس لیے مطلب ہے وہ کام
خس خانے میں یا دھوپ میں ہو صبح سے تا شام

ایذا دہِ خلائق میں نہیں بھاتی ہے بھائی
سات آٹھ دن اس دشت میں رہنا ہے برابر
اترے ہیں یہیں شاید ستم ایجادوں کا لشکر
ہے پاس ہی ہاتھ نہ قبضے پہ دھریں گے
عباسؑ نے کی عرض یہ کہئے نہ خدارا
اس نہر کا مختار ہے مختار کا پیارا

حقدار جو تھے حق سے وہ محروم رہے ہیں
عترت کی جگہ ہے رسن اور گردنِ حیدر
بابا کو جو گھر سے لیے جاتے تھے ستمگر
دکھ سہہ کے زمانے سے مسافر ہوں ہم آتا
ہیں دشمنِ اولادِ علیؑ ظلم کے بانی
سب کوفے میں اور شام میں ہیں دشمنِ جانی

غربت نہ کسی کو فلکِ پیر دکھائے
یہ کہہ کے پھرے اشک بھرے آنکھوں میں حضرتؑ
محمل سے پکاری شہِ مظلوم کی خواہر
سنتی ہوں جدھر گریہ و زاری کی صدا ہے

دریا کی طرف دیکھتے ہی اشک بھر آئے
شبیرؑ یہ کہتے ہوئے نزدیک تر آئے

کی عرض ترائی تو بہت خوب ہے بھائی
یوں جلتی ہے گرمی ہے بہت یا شہِ والا
بھر کر نفسِ سرد کہا آپ نے اچھا
وہ کیجئے جس امر میں تکرار نہ ہوئے
دونوں ہیں برابر ہمیں ایذا ہو کہ آرام
ہر طرح بسر کرتے ہیں مردانِ خوش انجام

دن میں بھی غریبوں کی گزر جاتی ہے بھائی
دسویں کو چلے جائیں گے اس بن سے مقرر
پھیر اپنی طرف سے ہمیں منظور نہیں شر
امت جو ستائے بھی تو ہم صبر کریں گے
تھا دم نہ کرے گا کبھی دریا سے کنارا
فرمایا کہ تھا باغِ فدک بھی تو ہمارا

امت کے ستم سارے بزرگوں نے سہے ہیں
دروازہ گرایا مری مادر کے شکم پر
سر کھولے ہوئے گھر سے نکل آئیں یقیں کر
جھگڑے ہیں اسی باغ کے آخر ہوئیں اماں
کیا دور ہے گر بند کریں نہر کا پانی
حاکم وہ ہے جو غاصبِ اول کا ہے ثانی

دیکھیں گے یہاں جو بھی تقدیر دکھائے
آئے حرمِ پاک کے اونٹوں کے برابر
کیا آج اسی دشت میں رہنے کا ہے برادر
بھیا مجھے بتلاؤ تو یہ کون سی جا ہے

آواز کسی بی بی کی آتی تھی یہ ہر آں — اے وادیٔ غربت کے مسافر ترے قرباں
اے دشت یہ سکینہ ہے ترا آج سے مہماں — آباد ہے تو اور ہے بستی مری ویراں
یہ وہ ہے نبی چومتے تھے جس کے گلے کو — بے چین نہ کیجیو مرے نازوں کے پلے کو

آگے کوئی بستی نہیں کیا اے شہِ عادل — یہ دشت کسی طرح نہیں رہنے کے قابل
صدقے گئی سینے میں اچھلتا ہے مرا دل — بچے بھی ہیں سہمے ہوئے کیسی ہے یہ منزل
چلو سے ذرا ماں کے جو اٹھتی ہے سکینہ — ایک ایک سے ڈر ڈر کے لپٹتی ہے سکینہ

حضرت نے کہا خیر ہے گھبراؤ نہ خواہر — یہ پاک زمیں ساری زمینوں سے ہے بہتر
چھوڑا ہے اسی ارضِ مقدس کے لیے گھر — مسکن ہو یہاں جس کا خوشا اس کا مقدر
یہ بن ہو فزوں خلد وہ ایجاد کریں گے — اب دیکھیو تم ہم اسے آباد کریں گے

فراشوں سے حضرت نے کیا پھر یہ اشارا — برپا کرو خیمہ اسی جنگل میں ہمارا
جمالوں نے اونٹوں سے قناتوں کو اتارا — میداں کو ادھر بادِ بہاری نے بہارا
منظورِ نظر تھی جو وہ جا سرورِ دیں کو — چھڑکاؤ سے تر کر دیا سقوں نے زمیں کو

برپا جو ہوا خیمۂ زنگاریِ شبیر — اس ارضِ مقدس کی دو بالا ہوئی توقیر
تکتا تھا بحسرت سوئے مقتل فلکِ پیر — وہ شمسۂ زرینہ کا اوج اور وہ تنویر
شکلِ شجرِ طور کلس نور فشاں تھا — خورشید سپر کو وہ زرد رو بہ عیاں تھا

خود کہتا تھا خیمہ مری رفعت پہ کرو غور — کیوں آج جہاں میں مرا ثانی ہے کوئی اَور
شمسے میں مرے نورِ تجلّی کے ہیں سب طور — یہ اوج زمانے میں کسی کا ہے نہ یہ دَور
کرسی ہو کہ گردوں کوئی پائے میں ہیں میرے — جو عرش کے تارے ہیں وہ سائے میں ہیں میرے

اللہ رے شرف خیمۂ افلاک حشم کا — سایہ کی قناتیں کہ احاطہ تھا حرم کا
گھر آلِ محمد کا محل شاہِ امم کا — جو گرد پھرا طوف کیا اس نے حرم کا
ڈیوڑھی بھی نہ کیوں رحمتِ معبود کا گھر تھا — کعبے میں جو پیدا ہوا اس شاہ کا گھر تھا

فراش جو باہر گئے فرش اس میں بچھا کر — کس شان سے داخل ہوئے ناموسِ پیمبر
ہودج سے اترنے لگیں جب دخترِ حیدر — پردے کو سنبھالے ہوئے تھے قاسم و اکبر
روایت ہے عباسِ فلک جاہ کھڑے تھے — خود اپنی عبا روکے ہوئے شاہ کھڑے تھے

محمل سے اُتر آئیں جو منہ ڈھانپے ہوئے سر
اک ہاتھ کو تھامے ہوئے تھیں بانوئے سرور
اک دخترِ شبیرؑ ادھر ایک اُدھر تھی
اک دن تو مہیّا تھا یہ سامانِ سواری
ہودج تھا نہ محمل نہ کجاوہ نہ عماری
تھے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
ہاں حیدریو مرثیہ اب ہوتا ہے آخر
ہے ہے شہِ آوارہ وطن ہائے مسافر
زلفیں وہ تری خاک میں سب اَٹ گئیں آقا
مولا ترے عمامۂ گلگوں کے تصدق
ان زخموں کے قرباں دلِ مجروح کے تصدق
خنجر کے تلے سجدۂ رب کرنے کے صدقے
زخمی ہوئے تلواروں سے ہے ہے ترے پہلو
ہے ہے ترے سینے پہ رکھا شمر نے زانو
کاندھے پہ عبا بر میں قبا رہنے نہ پائی
وہ اوس وہ دھوپ آٹھ پہر ہائے حسینا
نیزے کی اَنی اور ترا سر ہائے حسینا
کچھ فرق نہ اس نار میں اور نور میں رکھا
مصروفِ بکا بزم میں ہیں شاہ کے غمخوار
خالق سے انیسؔ اب یہ دعا کر بہ دلِ زار
ہر دم پسرِ فاطمہؑ کی یاد میں گزرے

نعلین رکھیں زوجۂ عباسؑ نے بڑھ کر
تھا باد اٹھائے تھے لٹکتی ہوئی چادر
سر بلوے میں کھل جائے گا اس کی نہ خبر تھی
اک روز وہ تھا گرد تھے نیزے پئے ناری
بے پردہ تھی خاتونِ محمدؐ کی وہ پیاری
تھے بال کھلے چہرے پہ اور ہاتھ بندھے تھے
گرسا وہ کہ ہیں فاطمہؑ اس بزم میں حاضر
مذبوح تھا تشنہ دہن صابر و شاکر
ہے ہے تری گردن کی رگیں کٹ گئیں آقا
آقا ترے پیراہنِ پرخوں کے تصدق
ریتی پہ تڑپتے قدمِ موزوں کے تصدق
آقا ترے پانی کے طلب کرنے کے صدقے
ہے ہے ستم ایجاد نے پکڑے ترے گیسو
ہے ہے تری پوشاک بھی سب لے گئے بدخو
ہے ہے ترے لاشے پہ ردا رہنے نہ پائی
لی آکے کسی نے نہ خبر ہائے حسینا
کیوں پھٹ نہیں جاتا یہ جگر ہائے حسینا
خولی نے سرِ پاک کو تنور میں رکھا
ہر شخص کے بر لائیں مطالب شہِ ابرار
یارب اسی ماتم سے رہے مجھ کو سروکار
دن رونے میں شب نالہ و فریاد میں گزرے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲

مرثیہ

بند ۵۳

سبطِ نبی سے منزلِ مقصد قریب ہے
آرام گاہِ جانِ محمد قریب ہے
مولد تو دور رہ گیا مشہد قریب ہے
جس جا لحد بنے گی وہ سرحد قریب ہے
جاتے ہیں آپ خلق کی مشکل کشائی کو
آئی ہے کربلا سے اجل پیشوائی کو

ہے شور آمد آمدِ شاہِ فلک سریر
فوجوں کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیر
دعوت کے واسطے ہیں سنانیں لیے شریر
حضرت کی پیشکش کو کمانیں ہیں اور تیر
پانی پہ چوکیاں ستم آرا بٹھاتے ہیں
دریا کے گھاٹ برچھیوں سے روکے جاتے ہیں

قبضے گئے ہیں شام کے حاکم کے جا بجا
ہر پرگنے سے ہے طلبِ لشکرِ جفا
آ کر اترتی جاتی ہیں فوجیں جدا جدا
لیتا ہے جائزہ عمرِ سعدِ بے حیا
غل ہے کریں گے قتل جو زہرا کے ماہ کو
انعام میں ملے گا دونا ہر سپاہ کو

تیغیں سلاح خانہ سے نکلی ہیں بے شمار
ہے جا بجا درستیٔ اسبابِ کارزار
ہوتے ہیں لیس تیروں کے دستے کئی ہزار
خنجر ہوئے ہیں ذبح کو پیاسوں کے آبدار
نوکیں نکالی جاتی ہیں تیروں کی سان پر
پھل برچھیوں پہ چڑھتے ہیں پرچم نشان پر

وہ سالکِ طریقِ ہدایت ہے شاد شاد
ہے آرزو کہ جلد ملے گوہرِ مراد
بہتے ہیں اشک جوش پہ ہے بحرِ اتحاد
نے پیاس کا ذکر ہے دل میں اسی کی یاد
معشوق کے سوا کوئی پیشِ نظر نہیں
یہ شوقِ وصل ہے کہ کسی کو خبر نہیں

وہ گرمیوں کے دن وہ پہاڑوں کی راہِ سخت
پانی نہ منزلوں نہ کہیں سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینوں میں ہیں غازیوں کے رخت
سنولا گئے ہیں رنگ جوانانِ نیک بخت
راکب عبائیں چاند سے چہروں پہ ڈالے ہیں
تونسے ہوئے سمند زباں نکالے ہیں

جلتی ہے دن حرارتِ خورشید سے دو چند
مرجھا گئے ہیں نخل ہوا میں ہے یہ گزند
جھیلوں میں ہیں درند درختوں پہ ہیں پرند
ہے دھوپ میں بگولوں کا فرزِ غبار کمند
غربت میں بیکسی ہے شہِ دیں پناہ پر
سایہ ہے آفتاب کا زہراؑ کے ماہ پر

وہ دن ہیں جن دنوں کوئی کرتا نہیں سفر
صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
رنجِ مسافرت میں ہیں سلطانِ بحر و بر
لب برگِ گل سے خشک ہیں چہرہ عرق میں تر
آتی ہے خاک اڑ کے یمین و یسار سے
گیسوئے مشک بار اٹے ہیں غبار سے

اہلِ حرم ہیں محمل و ہودج میں بے قرار
معصوم پانی مانگتے ہیں رو کے بار بار
بانو پکارتی ہے کہ یا شاہِ نامدار
گرمی سے جاں بلب ہے مرا طفلِ شیر خوار
کیونکر یہ دکھ اٹھے گا چھ مہینے کی جان سے
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے مرے چچا
محمل میں گھٹ گئی مجھے گودی میں لو ذرا
بابا سے کہہ دو اب کریں خیمہ کہیں بپا
ٹھنڈی ہوا میں لے کے چلو تم پہ میں فدا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ چاہ ہے
تم تو ہوا میں ہو مری حالت تباہ ہے

جب طے ہوئی وہ منزلِ آفت قریبِ شام
اس روز ثعلبیہ میں شہ کا ہوا مقام
اکبرؑ نے آن کر کیا پردے کا اہتمام
ناقوں سے اترے آلِ نبیؐ باصد احترام
ڈوبے ہوئے عرق میں سبھوں کے لباس تھے
دل رند گئے تھے چاند سے چہرے اداس تھے

اترے رفیقِ خاص قریبِ خیامِ شاہ
کچھ فاصلے سے گرد فروکش ہوئی سپاہ
نکلا حرم سے حضرتِ خیرالنسا کا ماہ
کرسی پہ جلوہ گر ہوا وہ عرشِ بارگاہ
ہر نخل غیرتِ شجرِ طور ہو گیا
صحرا خدا کے نور سے معمور ہو گیا

اس دن بہت اداس تھا زہراؑ کا یادگار
زردی تھی رخ پہ گیسوؤں پر راہ کا غبار
صحرا پہ گہہ نظر تھی گہے سوئے کوہسار
کہتے تھے دیکھ دیکھ کے گردوں کو بار بار
کس کو نہ بے وطن کیا کس پہ جفا نہ کی
اے دہر تو نے آہ کسی سے وفا نہ کی

یہ کہہ کے رو رہے تھے شہِ دیں کہ ناگہاں
ناقے پہ ایک شخص ہوا دور سے عیاں
عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہِ دو جہاں
تم جلد اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جاں
تشویش ہے رسولِ خدا کے حبیب کو
کچھ پوچھنا ہے اس سے حسینؑ غریب کو

جلدی چلے یہ سنتے ہی حکمِ شہِ انام
پاس اُن کے جاکے آپ نے کی سبقتِ سلام
ناقہ بٹھا کے کود پڑا تب وہ نیک نام
عباس نامور نے یہ اس سے کیا کلام
آیا ہے تو جدھر سے ادھر ہم بھی جاتے ہیں
اے شخص جلد چل تجھے آقا بلاتے ہیں

دیکھا جو رعب و دبدبہ و شوکت و جلال
دستِ ادب کو جوڑ کے اس نے کیا سوال
ہے کون شخص آپ کا آقائے خوش خصال
عباس نے کہا کہ رسولِ خدا کا لال
نورِ نگاہِ فاتحِ بدر و حنین ہے
آقا کا میرے اسمِ مبارک حسینؑ ہے

یہ سن کے اشک آنکھوں سے اس شخص نے بہائے
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولا کہ ہائے ہائے
کیوں اس طرف کو سیدِ والا وطن سے آئے
آفت سے نورِ چشمِ علی کو خدا بچائے
سب اہلِ شر ہیں کوفیوں کو ان سے بیر ہے
پھر جائیں آپ جانبِ یثرب تو خیر ہے

گھبرا گئے یہ سنتے ہی عباسِ باوفا
فرمایا اے عرب ترے رونے کی وجہ کیا
مسلم نے بھی یہ حال تو خط میں نہیں لکھا
اس نے کہا کہ اور ہے کچھ واں کا ماجرا
سب شہر پھر گیا ہے شہِ خاص و عام سے
کہتا ہے جو کہوں گا مفصل امام سے

پہونچا وہ جب قریبِ شہنشاہِ سرفراز
تسلیم کر کے پاؤں پہ رکھا سرِ نیاز
ہاتھ اس کا لے کے ہاتھ میں اٹھے شہِ حجاز
بولا کہ اے جاکے وہ امت کا کارساز
گر نیک ہو سفر تو وسیلہ ظفر کا ہے
آنا ہوا کدھر سے ارادہ کدھر کا ہے

کی عرض اس نے اے پسرِ سید البشر
کوفے کے شہرِ شوم سے آتا ہوں میں ادھر
فرمایا شہ نے ہے تجھے مسلم کی کچھ خبر
رونے لگا وہ مردِ مسافر جھکا کے سر
شہ بولے وجہ کیا جو ترا غیر حال ہے
جلدی بتا کہ میرے مسافر کی خیر ہے

گھبرا کے حال پوچھتے تھے شاہِ نامدار
گر گر کے وہ قدم پہ یہ کہتا تھا بار بار
پھر جائیے اب وطن کی طرف بہرِ کردگار
کوفے میں سب ہیں عہد شکن اور ستم شعار
آلِ رسولِ پاک پہ کیا کیا جفا نہ کی
یہ ہیں وہی جنھوں نے علیؑ سے وفا نہ کی

ہاتھوں کو جوڑتا ہوں میں شاہا نہ جائیے
بہرِ علیؑ و احمد و زہراؑ نہ جائیے
اس جا تو خطا ہے سیدِ والا نہ جائیے
آقا نہ جائیے مرے مولا نہ جائیے
کیا دور ہے جو آ کے عدو سدِّ راہ ہوں
ایسا نہ ہو کہ آلِ محمدؐ تباہ ہو

بچوں پہ رحم کیجئے یا شاہِ انس و جاں
بچھڑے نہ اس ضعیفی میں اکبر سا نوجواں
پھولا پھلا رسولِ خدا کا چمن رہے
یہ فکر ہے کہ آپ کو لکھے ہیں سب نے خط
مضموں بھی سب غلط ہیں عبارت بھی سب غلط
حاکم کا مدعا ہے کہ ظلم و ستم کروں
کوفی تمام نائبِ جور و فساد ہیں
تربت میں فاطمہؑ کے رلانے پہ شاد ہیں
بے حیتوں نے کون سا وعدہ وفا کیا
پھر ہولا سر کو پیٹ کے با صد غم و محن
تیرے پسر کا جسم ہے بے گور و بے کفن
تربت نہیں نصیب تنِ پاش پاش کو
باقی جو تھا حضور کا غمخوار و خیر خواہ
کوڑے لگے پہ منہ سے نہ کی اس جری نے آہ
صادق جو تھے وفا میں تو کامل تھے عشق میں
شہ نے سُنا عرب سے جو سارا یہ ماجرا
جو مسلمؑ غریب پہ ہونا تھا ہو چکا
خواہانِ مرگ ہیں بطرزِ رسالت مآب سے
یہ بات کہہ کے رونے لگے شاہِ نامدار
فرماتے تھے کہ ہائے مرے یارِ غمگسار
میں جانتا تھا اب مرے لینے کو آؤ گے
روتے ہوئے جب آئے تم اس شہر کے قریب
پردیس میں لحد بھی نہ تم کو ہوئی نصیب
تکتے تھے مجھ کو پاس سے منہ پھیر کے

پہونچے نہ ان گلوں کو کہیں صدمۂ خزاں
رکھے خدا جہاں میں یداللہ کا نشاں
روشن سدا چراغ مزارِ حسنؑ رہے
مطلب یہ ہے کہ یاں تلک آئیں کسی کے خط
یہ خط نہیں ہیں قتل کی تدبیر ہے فقط
گر جھوٹ ہو تو ہاتھوں کو اپنے قلم کروں
مفسد ہیں بد طریق ہیں بد اعتقاد ہیں
تنیں ادھر ہیں دل ہوئے ابنِ زیاد ہیں
کیونکر کہوں کہ مسلمؑ بیکس سے کیا کیا
آقا ہوا شہید وہ مظلوم بے وطن
اور اب تلک بندھی ہوئی ہے پاؤں میں رسن
گلیوں میں لوگ کھینچتے پھرتے ہیں لاش کو
مسلمؑ نے لی تھی گھر میں اسی دوست کے پناہ
مسلمؑ کے ساتھ وہ بھی ہوا قتل بے گناہ
دونوں کے سر روا ہوئے ہیں دمشق میں
فرمایا بازگشت ہو سب کی سوئے خدا
باقی ہے کچھ جو ظلم وہ اب ہم پہ ہوئے گا
ان کا جہاں سے کوچ مرا اضطراب ہے
وا مسلما کہا کبھی اور کبھی بحالِ زار
بھائی حسینؑ تیری غریبی پہ ہو نثار
اس کی خبر نہ تھی کہ ہمیں چھوڑ جاؤ گے
مارے گئے وہاں کوئی جس جا نہ تھا حبیب
کیا سفر تھا ہائے مرے قاصدِ غریب
کوفے میں لے گئی تھی اجل تم کو گھیر کے

کوئی بدی کریں گے یہ مجھ کو نہ تھی خبر
درپیش ہے ہمیں بھی اسی طرح کا سفر
سب بڑھ رہے ہیں گشتہ اوّل کے واسطے

اتنے میں سوتے روتے جو کچھ آگیا خیال
ان نے کہا کہ کیا کہوں اے شاہِ خوش خصال
بے رحم نے یتیموں پہ کیا کیا ستم کیے

آتا تھا شہر کو قضا سے جب دم میں نوحہ گر
آنکھیں کھلی تھیں چاند سے چہرے تھے خوں میں تر
ہاتھوں سے آشکار نشانِ کبود تھے

فریاد کر کے کہنے لگے سرورِ عرب
بندوں کا اختیار ہے کیا جو رضائے رب
معلوم تھا کسے کہ تباہی یہ آئے گی

رو رو کے پوچھا بچوں کی قبر دکھا جب بتا
کی عرض کچھ نہ پوچھیے اے ابنِ مرتضےٰ
یوں دفن کم ہوا ہے کوئی کائنات میں

یہ سن کے اٹھ کھڑے ہوئے حضرت بچشمِ نم
اب کس طرف کا قصد ہے اے سرورِ امم
منھ کو سنانِ تیغ سے موڑا نہ جائے گا

رخصت ہوا وہ مردِ مسافر بصد فغاں
آنکھوں سے اشک ریشِ مبارک پہ تھے رواں
صدمے سے رنگ بانوئے بیکس کا فق ہوا

کلثوم سر کو پیٹ کے آئی بہن کے پاس
تکتی تھی منھ کو شہ کے سکینہ بہ چشمِ یاس
خیمے سے صحن تک جو گئی جا بجا گری

شرمندہ ہے حسینؑ تمھیں پہلے بھیج کر
اب ہم بھی آن پہونچے ہیں واں تم گئے جدھر
سبقت تو ہے ضرور ہر اول کے واسطے

مسلم کے دونوں بیٹوں کا پوچھا جو حال
حارث کے ہاتھ آگئے وہ دونوں نونہال
بازو بندھے تھے دونوں کے جب سر قلم کیے

ظالم کے آگے جاتے تھے وہ چھوٹے چھوٹے سر
رخ پر پڑی لٹکتی تھیں زلفیں ادھر ادھر
بے رحم کے طمانچوں سے عارض کبود تھے

خاموش اب رہو کہ صبر کی طاقت نہیں ہے اب
دونوں یتیم بھی نہ بچے اس کے ہے غضب
ماں ان کی جب سنے گی تو کیا خاک اڑائے گی

وہ شخص دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا
تجہیز کیسی قبر کجا اور کفن کجا
خندق میں لاش باپ کی بیٹے فرات میں

کہنے لگا وہ مردِ عرب چوم کر قدم
شہ نے کہا کہ جائیں گے مقتل پہ اپنے ہم
مجھ سے خدا کی راہ کو چھوڑا نہ جائے گا

منھ ڈھانپے سر کو گھر میں گئے شاہِ دو جہاں
حضرت کو روتے دیکھ کے گھبرائیں بی بیاں
زینب زمیں پہ اٹھ کے گری یہ قلق ہوا

قاسم کی والدہ میں نہ مطلق رہے حواس
سب سے زیادہ زوجۂ مسلم کو تھا ہراس
چہرے سے رنگ اڑ گیا سر سے ردا گری

رونے سے شہ کے ہوش کسی کے نہ تھے بجا
کہتی تھی رو کے زوجۂ عباسؑ باوفا
پوچھو تو حال کیوں شہِ والا کا غیر ہے
کبرا پکارتی تھی کہ صغرا کی خیر ہو
مسلم کی بیٹی کہتی تھی بابا کی خیر ہو
ہے ہے وطن سے آن کے وہ لٹ گئے نہ ہوں
کہتی کبھی سکینہؑ سے رو کر وہ بے قرار
وجہ بکا تو پوچھو بہن تم پہ میں نثار
پڑتا ہے دل میں شک مری چھاتی دھڑکتی ہے
اتنے میں رو کے شاہ سے زینبؑ نے یہ کہا
فرمایا شاہ نے کہ بہن قہر ہو گیا
مسلم سے کوفیوں نے بڑی بے وفائی کی
بیٹھو کہ رانڈ ہو گئی عباسؑ کی بہن
مارا گیا مرے لیے ہے وہ صف شکن
آ پہونچی فصل فاطمہؑ کے خاک اڑانے کی
سمجھو تم اس خبر کو مرے قتل کی خبر
پرسے کو آئی زوجۂ عباسؑ نامور
رنڈسالہ بی بیاں آئے جس دم خیام کی
کہہ دو سکینہؑ دخترِ مسلم کے پاس جائے
کبرا برابر اس کے زمیں پر پچھاڑیں کھائے
ہم بھی خدا کی راہ میں اب قتل ہوئیں گے
یہ سن کے چھاتیوں کو لگے پیٹنے حرم
مارا گیا سفر میں غلام شہِ امم
صدمے اجل کے تین دموں پر گزر گئے

بیٹیوں میں دل دھڑکنے سے لرزاں تھے دست و پا
باہر سے یاں انہیں تو بلا دے کوئی ذرا
کیا ہو گیا وطن میں تو لوگوں کی خیر ہے
یارب مریض بیکس و تنہا کی خیر ہو
غربت میں قاصدِ شہِ والا کی خیر ہو
بھائی مرے پدر سے کہیں چھٹ گئے نہ ہوں
ہے دل میں شہ کے سب سے زیادہ تمھارا پیار
حضرت بھی تم کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
رہ رہ کے غم کی آگ جگر میں بھڑکتی ہے
بھیا مجھے بتاؤ تو رونے کی وجہ کیا
بیٹوں سمیت قتل ہوا ابنِ عم مرا
گاڑی نہ لاش بھی مرے مظلوم بھائی کی
رنڈسالہ اس کو دو کہ نہ اس کو ملا کفن
اب ہم نہ پھر کے جائیں گے ہم سے چھٹا وطن
زینبؑ یہ ابتدا ہے مرے مارے جانے کی
بانو نے ساتھ زوجۂ مسلم کے کھولے سر
بیکس تھا وہ شریک عزا ہو تمام گھر
اماں نکل کے قبر سے پرسے کو آئیں گی
بھائی کو جب وہ پہنچے تو یہ سر پہ خاک اڑائے
باپ اس کا مر گیا ہے گلے سے اسے لگائے
ایک دن اسی طرح ہمیں سب مل کے روئیں گے
چلائی رو کے زوجۂ مسلم کہ ہے ستم
فریاد ہے کہ رانڈ ہوئی میں اسیر غم
وارث بھی مر گیا مرے بچے بھی مر گئے

غل سُن کے آئے خیمے میں عباسِ نامور
دل غم سے ٹکڑے ہو گیا رونے جھکا کے سر
سمجھیں گے ان سے قاتلِ مسلم نظر میں ہیں
وابستہ جس کے دم سے ہو اس کا ہے خیال
ہم سب غلام جس کے ہیں دیکھو تو اُن کا حال
لازم ہے تم کو صبر کہ دنیا میں نام ہو
مسلم ہوئے ہراولِ فوجِ شہِ انام
کیا نیک کوچ تھا کہ ہوا خلد میں مقام
ماں سے سوا شفیق ہیں اور حق شناس ہیں
شوہر تمھارا صاحبِ عزت تھا اے بہن
زخموں کے بدلے ہاتھ لگا خلد کا چمن
راضی علی ہوں شاہِ خدا کا حبیب ہو
مسلم کا خون جو راہِ خدا میں ہوا سبیل
تائیدِ ذوالجلال سے رتبہ ہوا جلیل
سمجھو نہ یہ سفر کی تباہی میں مر گیا
سمجھاتے تھے بہن کو یہ عباسِ نامور
مسلم کو یاد کر کے حرم پیٹتے تھے سر
تم بن ہماری زیست کی صورت بگڑ گئی
شور و بکا ذرا نہ ہوا کم تمام رات
تڑپا کیے امامِ دو عالم تمام رات
بس اے انیسؔ اب نہیں لکھنے کی تاب ہے

دیکھا بہن تڑپتی ہے سر ننگے خاک پر
بولے قریب آ کے خدا پر کرو نظر
پیٹو نہ سر کہ سیدِ والا سفر میں ہیں
لازم نہیں تمھیں کہ بھرے گھر میں کھولو بال
مانگو دعا جہاں میں رہے فاطمہ کا لال
اس کا نہ ہے شرف کہ نثارِ امام ہو
دنیا میں تا قیامت رہے گا نام
مخدومۂ جہاں انھیں روئیں گی صبح شام
بیٹے تمھارے فاطمۂ زہرا کے پاس ہیں
حلے ملے بہشت میں پایا نہ گر کفن
ہمسایۂ رسول ملا گو چھٹا وطن
مانگو دعا کہ تم کو یہ دولت نصیب ہو
پہونچا کنارِ کوثر و تسنیم و سلسبیل
عاقل کمال تھا پسرِ حضرتِ عقیل
زندہ ہے وہ جو راہِ الٰہی میں مر گیا
روتے تھے سر جھکائے ہوئے شاہِ بحر و بر
بیٹی پکارتی تھی کہ ہے ہے مرے پدر
بیٹوں کو ساتھ لے گئے بیٹی بچھڑ گئی
سویا نہ کوئی خیمے میں اک دم تمام رات
گھر میں رہا حسین کے ماتم تمام رات
اب آتشِ الم سے کلیجہ کباب ہے

٣

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ نمبر ٢٤٥

جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا
دشتِ بلا نمونۂ خلدِ بریں ہوا
سر جھک گیا فلک کا یہ اوجِ زمیں ہوا
خورشید محوِ حُسنِ حسینِ حسیں ہوا
پایا فروغ نیرِ دیں کے ظہور سے
جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

ذرّے کے اختروں سے زمیں آسماں ہوئی
غازی جہاں چلے وہ زمیں کہکشاں ہوئی
سب ارضِ پاک غیرتِ باغِ جناں ہوئی
ایسا مکیں ملا کہ رفیع المکان ہوئی
دامن جو پاک صاف تھا دشتِ مصاف کا
احرام باندھا کعبہ نے اس کے طواف کا

ہاتف نے دی صدا کہ زہے شانِ کربلا
مختارِ کائنات ہے مہمانِ کربلا
پھولوں سے آج بھر گیا دامانِ کربلا
بس اب تو اں جنت ہے بستانِ کربلا
خورشید دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے
روشن ہے جب سے عرش وہ دُرِّ نجف ملے

یہ دشتِ ہولناک کہاں یہ چمن کہاں
جنگل کہاں بتول کے گل پیرہن کہاں
کنبہ کہاں نبی کا یہ دارِ محن کہاں
قبریں کہاں شکستہ دلوں کی وطن کہاں
آئے ہیں ڈھونڈتے ہوئے اس ارضِ پاک کو
سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

نقل تھا چمن چمن کہ بہار آئی اب قریب
باقی جو چیں دیں تو یہ ہے موسمِ عجیب
بولی یہ آشیاں سے جدا ہو کے عندلیب
آیا گلِ ریاضِ محمد خوش نصیب
فخر اس زمیں کا جس پہ شہِ انس و جن پھرے
دیکھو خدا کی شان کہ جنگل کے دن پھرے

خوشبو سے ان گلوں کی ہوا دشت باغ باغ
غنچے کھلے ہرے ہوئے بلبل کے دل کے داغ
پہونچا سرِ فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ
دریا نے بھی حبابوں کے روشن کیے دماغ
خورشید بن گئے طبقے ارضِ پاک کے
تاروں کو گرد کر دیا ذرّوں نے خاک کے

جنگل میں بن گیا شجر طور ہر درخت
آئی صدا فلک سے کہ جاگے زمیں کے بخت
رفعت کا اس کی فرش سے غل عرش تک گیا
کہتی تھی آسماں سے زمین فلک حشم
مجبور ہیں وہ جو فخر نبوت پہ تھے قدم
اب تو یہ خاکسار بھی کیواں اساس ہے
پھیلی جو نکہت چمن شاہ بحر و بر
جلدی ہوا نے جا کے یہ دریا کو دی خبر
جب تک وہ بحر فیض برائے وضو بڑھے
ساحل پہ ہوں گے جلوہ نما اب امام بر
یہ سن کے بے قرار ہوئی علقمہ کی نہر
آمد سنی جو سبط رسالت مآب کی
بولے فرس کو روک کے شاہ فلک وقار
آگے نہ اب بڑھائے کوئی یاں سے راہوار
قربان اس مکان سعادت نشان کے
اترو مسافرو کہ سفر ہو چکا تمام
مقتل یہی زمیں ہے یہیں مشہد امام
بستر لگاؤ شوق سے اس ارض پاک پر
مثل زمین خلد مصفا ہے یہ زمین
واں نے زمیں پہ عرش متصل ہے یہ زمیں
اس کے کہیں نہ ہوں گے پراگندہ لشکر میں
مرغوب طبع ہے یہ زمین فلک جناب
ہے اس طرح یہ ساری زمینوں میں انتخاب
مرنا لکھا ہوا ہے یہیں سرنوشت میں

بالیدگی سے ہو گئے ٹکڑے گلوں کے رخت
اب اس زمیں پہ سوئے گا مختار تاج و تخت
تو آج خاک کا بھی ستارا چمک گیا
کیوں آج مرتبے میں زیادہ ہے تو کہ ہم
ذرے بھی یہاں ترے شمس و قمر ہیں کم
زیور جو عرش کا تھا وہ سب میرے پاس ہے
صحرا میں لہلہا گیا سبزہ بھی سر بسر
آیا تری کچھار میں مختار خشک و تر
بڑھ کر قدم تو لے کہ تری آبرو بڑھے
دریا دلی کا ہو گا تری شور شہر شہر
سر کو قدم کئے ہوئے دوڑی ہر ایک لہر
ساحل سے آنکھ لڑ گئی اک اک حباب کی
منزل پہ ہم پہنچ گئے احسان کردگار
یہ وہ زمیں ہے جس کے لئے دل تھا بیقرار
پایا دُرِ مراد بڑی خاک چھان کے
کوچ اب نہ ہو گا حشر تلک ہے یہیں مقام
اونٹوں سے بار اتار کے برپا کرو خیام
چھڑکا ہوا ہے آب بقا یاں کی خاک پر
ساتوں فلک سے اوج میں بالا ہو زمیں
فردوس کا کھنچا ہوا نقشہ ہے یہ زمیں
بے سر اسی زمیں سے ہم اٹھیں گے حشر میں
سوئے گا اس کی خاک پہ فرزند بوتراب
جس طرح ذی شرف ہے شادوں میں آفتاب
جائے گا ہاتھوں ہاتھ یہ طبقہ بہشت میں

سجدے کریں گے جس پہ ملک وہ زمیں یہ ہے
بتلایا ہے مدینۂ ارباب دیں یہ ہے
تھی اس زمیں کی قدر رسولان پاک کو
ذروں سے اس کے اشرفی مہر زرد ہے
کردے سقر کی آگ کو پانی وہ سرد ہے
زندے الم سے بچتے ہیں مُردے فشار سے

خاک اس کے دل میں ہو جسے اس خاک سے غبار
ڈھ جائے جس کے جسم پہ خاک اس کی ایک بار
یوں دور ہوں گناہ سب اس نیک بخت سے
کام آئے گی لحد میں یہ ہنگام درد و یاس
تسبیح اس کی قبر میں ہوئے گی جس کے پاس
فرمائیں گے ملک ادھر اس کا مقام ہے

دیں گے جو اس کی خاک سے لکھا ہوا کفن
ڈھانپے گا اس کو چادر رحمت سے ذوالمنن
پھولوں میں خاک پاک کفن کو بسائے گی
توشہ مسافروں کا یہی اور یہی ہے زاد
طوفاں میں اس کو ڈالے گا جو مرد خوش نہاد
دیکھے گا پاس میں کرم کارساز کو

اترا یہ کہہ کے کشتیٔ امت کا ناخدا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا
اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ سربلند
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہ ارجمند
شبیر اب یہیں رہیں گے عنایت جو رب کی ہے

جس پر لکھا ہے نقش شفا وہ نگیں یہ ہے
کعبہ یہ ہے نجف یہ ہے خلد بریں یہ ہے
آنکھوں سے سب لگا گئے ہیں یاں کی خاک کو
مس طلا ہے نسخۂ اکسیر گرد ہے
کحل بصر ہے دارُوئے اندوہ و درد ہے
آنکھوں میں نور آتا ہے اس کے غبار سے

مجرم بھی اس کے فیض سے اٹھے گا رستگار
سائے سے اس کے آتش دوزخ کرے فرار
پتے خزاں میں گرتے ہیں جیسے درخت سے
اس خاک سے بنے گا کفن نور کا لباس
سو سو طرح کی پائے گا راحت وہ حق شناس
سونے دو چین سے یہ مطیع امام ہے

میت پہ پھر نہ ہو گا کوئی صدمۂ محن
خوشبو سے ہوگا کنج لحد خلد کا چمن
مٹی سے نکہت گل فردوس آئے گی
یہ خاک آب خضر سے رتبے میں ہے زیاد
لے آئے گی ہوائے موافق دُرِ مراد
تھامے گا دست موج سے دریا جہاز کو

جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
پوچھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا
عباس جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر
کیوں یہ مقام ہے تمہیں شاید بہت پسند
بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
یہ کیا کہوں حضور ترائی غضب کی ہے

گرمی میں ایسی سرد ہوا یا شہ انام
مشہور خاک زر ہے یہ شاید اسی کا نام
ایسی جگہ بس اب نہ ملے گی کسی جگہ
روتے ہوئے وہاں سے بڑھے آپ چند گام
انجم کی طرح گرد تھے حیدر کے لالہ فام
زلفیں ہوا سے اڑتی تھیں ہاتھوں میں ہاتھ تھے

تکنے لگے پہاڑوں کو مسلم کے دو نونہال
سبزے سے واں کے دل حسن خوش تھے کمال
اے خسرو زمیں یہ جگہ ہے جلوس کی
صحرا سے آئے پھر سوئے دریا شہ امم
ابھریں درود پڑھتی ہوئی مچھلیاں بہم
پانی میں روشنی ہوئی حسن حضور سے

ٹھہرے کنار نہر جو امام با وقار
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنار جو
کھینچی اک آہ سرد ترائی کو دیکھ کر
بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسؑ نامور
ایذا ہے محملوں میں بہت اہل بیت پر
کب سے عماریوں کے ہیں پردے کھچے ہوئے

کچھ سوچ کر امام دو عالم نے یہ کہا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباس باوفا
حاضر ہے جان نثار امام غیور کا
بولی یہ سن کے دختر خاتون روزگار
خشکی ہو یا ترائی چمن ہو کہ سبزہ زار
مختار کائنات کے تم نور عین ہو

ہے لیٹنے کی جا یہ زمین فلک مقام
جی چاہتا ہے یاں سے سرکئے نہ ایک گام
کیا لطف ہے جو قبر بھی ہوئے اسی جگہ
گویا زمیں کی خیر کو اترا مہ تمام
شکلیں وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

پھولوں سے کھیلنے لگے زینب کے نونہال
کی عرض اس زمیں کا ہر اک گل ہے بے مثال
خوشبو ہے یاں کی خاک میں عطر عروس کی
اداس شاہ ہو کے پکارے زہے حشم
بولے حباب آنکھوں پہ شاہا ترے قدم
لے لیں بلائیں پنجۂ مرجاں نے دور سے

دھویا کسی نے رخت کسی نے کیا وضو
بھر لائے اشک آنکھوں میں شبیر نیک خو
ہاتھوں سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھ کر
خیمہ کہاں بپا کریں یا شاہ بحر و بر!
بچے ہیں نازکی میں گلوں سے زیادہ تر
گرمی کے مارے دم ہیں سبھوں کے رکے ہوئے

زینب جہاں کہیں وہاں خیمہ کرو بپا
جا کر قریب محمل زینب یہ دی صدا
برپا کہاں ہو خیمۂ اقدس حضور کا
اس امر میں بھلا مجھے کیا دخل میں نثار
ہر جا مسافروں کا نگہباں ہے کردگار
اترو وہاں جہاں مرے بھائی کو چین ہو

عاقل ہو تم تو نام خدا اے علی کے لال
مجھ سے زیادہ بھائی کی راحت کا ہے خیال
دریافت کر لو پہلے کسی سے یہاں کا حال
واری کسی طرح کا نہ آقا کو ہو ملال
گو شہ یہیں نہ فضا ہو نہ سیر ہو
اب تو یہی پڑی ہے کہ جانوں کی خیر ہو

آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر
کن آفتوں میں چار مہینے ہوئے بسر
یہ آندھیاں یہ گرمی کے ایام یہ سفر
دن بھر چلے ہیں دھوپ میں جاگے ہیں رات بھر
گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اُجاڑ تھا
ایک ایک کوس راہ جبل میں پہاڑ تھا

آج اس زمین پہ ہمیں لایا ہے آسماں
اب دیکھئے دکھاتی ہے تقدیر کیا یہاں
آقا کی خیریت کی دُعا مانگو بھائی جاں
یارب مسافروں کو مبارک ہو یہ مکاں
دشمن بہت ہیں بادشہ خوش خصال کے
بھائی ابھی نثار ذرا دیکھ بھال کے

بھائی سے اس زمیں کی سُنی ہے بہت صفت
ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
جو جو سُنی ہیں اُن سے بھی لازم ہے مصلحت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مشورت
ساحل پہ دشمنوں میں کسی کا عمل نہ ہو
بھیا مجھے یہ ڈر ہے کہ ردّ و بدل نہ ہو

دستِ ادب کو جوڑ کے اس شیر نے کہا
تشویش کچھ نہ کیجئے اے بنتِ مرتضےٰ
ہر چند مصلحت مری کیا اور عقل کیا
لیکن کوئی ترائی سے بہتر نہیں ہے جا
جو مہرِ فاطمہ میں ہے یہ وہ فرات ہے
گرمی میں قربِ نہر کا آبِ حیات ہے

جس سرزمیں پہ دلبرِ زہرا عمل کرے
زہرہ کسی کا کیا ہے جو ردّ و بدل کرے
مانع وہ ہو جو دینِ نبی میں خلل کرے
کافر ہے جو حسینؑ سے ردّ و بدل کرے
دخل اس میں روم کا ہے نہ سلطانِ شام کا
دنیا کی سب زمیں پہ ہے قبضہ امام کا

حضرت کے حکم کا مترصد ہے جاں نثار
ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضورِ سبطِ پیمبر وہ ذی وقار
کی عرض خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار
اترے ہیں یہیں یہ مرضیِ آلِ رسولؐ ہے
بولا وہ بحرِ فیض کہ اچھا قبول ہے

یہ سن کے خادموں کو پکارا وہ مہ جبیں
فراش آ کے جلد مصفا کریں زمیں
حاضر ہوں آپ پاس محل دیر کا نہیں
یاں ہو گا خیمۂ حرمِ بادشاہِ دیں
جلد ان کو بھیجو لوگ ہیں جو کاروبار کے
لے آؤ اشتروں سے قناتیں اُتار کے

بولے زبیرِ قین کہ حاضر ہیں سب غلام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام
پرتو فگن تھا نورِ رسالت مآب کا

تھا فکر میں خموش وہ عالم کا تاجدار
ناگہ اٹھا شمال کی جانب سے اک غبار
مڑ کر کہا حبیبؑ نے کچھ رنگ اور ہے

یک جا ہوئے یہ سن کے جوانانِ صف شکن
آئے ہیں ملکِ غیر میں ہم چھوڑ کر وطن
اعدائے دیں کے شر سے حفاظت میں ہم رہیں

کہنے لگے پکار کے عباسِ حق شناس
دل میں نہ خوف ہو نہ زباں پر کلامِ یاس
گر مر گئے تو روضۂ رضواں کی سیر ہے

کیا ڈر فشونِ روم ہے یہ یا جنودِ شام
جو مرد ہیں ہراس سے کرتے نہیں کلام
سرسبز ہیں وہی جو علیؑ کے نشان ہیں

یہ ذکر تھا کہ بن میں سیاہی سی چھا گئی
گھوڑوں کے دوڑنے سے زمیں تھرتھرا گئی
ایک ایک پیل زور تہمتن شکوہ تھا

بولے ملازموں سے یہ عباسِ باوفا
آتے ہیں سرکشی کا یہ طریقہ ہے کون سا
لازم رسول زادوں کا احترام ہے

کرسی نشیں ہے بختِ ولی سید البشر
آتی ہے اڑ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گرد ادھر
پھولے ہوئے ہیں اس پہ کہ ہم خاکسار ہیں

بڑھ کر حبیبؑ بھی ہوئے مصروفِ اہتمام
رتبے میں ہوگئی وہ زمیں عرشِ احتشام
سر پر لگا تھا چترِ زری آفتاب کا

کھلوا دیے تھے خیموں کو عباسؑ ذی وقار
رایات سیاہ و سرخ نظر آئے تین چار
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

نکلا ہر اک دکھی کی زباں سے یہی سخن
تو سب کی خیر کیجیو اے ربِّ ذوالمنن
ناحق کوئی لڑے بھی تو ثابت قدم رہیں

ہاں ناصرانِ قبلۂ کونین با حواس
جیتے ہو تو حسینؑ سے ہو قدرداں کے پاس
دونوں طرف مآل تمہارا بخیر ہے

ہم اپنے کام میں ہیں ہمیں کیا کسی سے کام
ہونے دو گر ہیں سرخ علم یا سیاہ فام
جو جنگ کے وہ ملیں گے کہ ہم میہمان ہیں

ڈنکے کی دشتِ ظلم سے کوسوں صدا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آ گئی
ابنِ رکابِ سبز قدم سرگروہ تھا

دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے ان کا کیا
کہہ دو کہ اہلِ بیتؑ کے خیمے کی ہے یہ جا
اتریں الگ کہیں یہ ادب کا مقام ہے

آئینِ خسروی سے یہ واقف نہیں مگر
کیا ہے جو روکتے نہیں باگیں یہ خیرہ سر
شاید ہوا کے گھوڑوں پہ ظالم سوار ہیں

اس فوج کے رئیس نے بڑھ کر کیا کلام
چھوڑیں گے ہم اسے کہ جو راحت کا ہو مقام
لشکر کشی ہے بادشہ کائنات پر
کوفے سے کل جوان ادھر آئے ہیں دس ہزار
خالی ہیں منزلیں نہ بیاباں نہ کوہسار
لاکھوں ہیں کوئی قبل کوئی بعد آئے گا

فوجوں کا جائزہ تھا وہاں ہم چلے تھے جب
دستوں کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب
لیجئے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہیں ادھر
سنتے ہی یہ لڑائی میں گونجا وہ شیر نر
کم تھا نہ ہیبت اسد کردگار سے

غصے میں رکھ کے دوش پہ شمشیر برق دم
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
پھرتا ہے جو شیر سامنے آتا نہیں کوئی
دنیا ہو اک طرف تو نہ آئے خیال میں
گیتی ہو بے نشاں اگر آئیں جلال میں
دریا ہے کیا یہ شیر ہٹیں جس کو چھوڑ کے

تم کون ہو حسین ہے مختار خشک و تر
دیکھو فساد ہوگا بڑھو گے اگر ادھر
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں
دریا تو جد سے ہمارا ہے تم ہو کون
اللہ نے زمیں کو سنوارا ہے تم ہو کون
ہیہات غضب حق سے پھرے آج تک نہیں

حکم امیر ہے یہیں اُتریں سپاہ شام
دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجئے خیام
کل مورچے سپاہ کے ہوں گے فرات پر
رستے میں شام کی ابھی فوجیں ہیں بے شمار
شہروں سے پرگنوں سے چلے آتے ہیں سوار
گیتی ہلے گی جب پسر سعد آئے گا

گردے میں جیش کوس کے لشکر ز آفتاب
اس ارض پر نہ ہو جو سمائی تو کیا عجب
ممکن نہیں کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے
ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر
تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضے پہ کی نظر
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے ہٹیں گے ہم
گرتا ہے کٹ کے سر وہیں جب جا چکے قدم
یہ آنکھ وہ ہے جس میں سماتا نہیں کوئی
لاکھوں پہ اپنی تیغ چلی ہے جدال میں
ہے سب طرح کا زور محمد کی آل میں
جب پل بنا دیا در خیبر کو توڑ کے

اُن کے سوا ہے کون شہنشاہ بحر و بر
شیروں کا یاں عمل ہے تمہیں کیا نہیں خبر
بس کہہ دیا کہ پاؤں نہ رکھنا ترائی میں
اس کا محق رسول کا پیارا ہے تم ہو کون
ساحل پہ کچھ کسی کا اجارا ہے تم ہو کون
منزل مسافروں کی یہ ہے کچھ فدک نہیں

کیا ابن سعد شوم کی فوج اور کیا حشم
ڈرتے ہیں آگے فخر سلیماں کے سامنے ہم
کچھ ڈر نہیں بچو لاکھ اگر بدخصال ہیں
کیا سر پہ موت آئی ہے سب سامنے سے جاؤ
دعویٰ ہے کچھ سپاہ گری کا اگر تو آؤ
تلوار ادھر کھنچی کہ ادھر کھیت پڑ گیا

ہم شیر ہیں قسم اسد کردگار کی
غازی کی نہ اصل یاں نہ حقیقت ہزار کی
گو ہیں ابھی تو عدو ہیں یہ سیں تو آ رہیں
چھوڑیں نہ زیں جو گرے سر پہ آسماں
جب تک کہ دم میں دم ہے نہ جائے گی آن بان
مر جائیں وہ جو ساتھ کے شیر خوار ہیں

ہم چلے آئے ہیں کہ تم آئے جو تا بہ نہر
چھوڑ آئے ہیں تمھارے بلانے پہ اپنا شہر
ڈرتے ابھی نہیں کہ لڑائی ٹھہر گئی
ٹھہرا اس قدر زمیں پہ تمھارے سروں پہ خاک
ہے بوترابیوں کی جگہ یہ زمین پاک
تم روگے کس طرح یہ جگہ ہم کو بھاتی ہے

سوچو تمھیں دلوں میں کہ حق دار کون ہے
وارثی ہے کون سید ابرار کون ہے
لازم ہے تم کو پاس کلام مجید کا
یہ کس کے گھر سے دین کی دولت ملی تمھیں
خوان کرم سے کس کے یہ نعمت ملی تمھیں
پہچانا نہیں نہاں حسد چھوڑتا نہیں

سر لوٹتے پھریں گے بڑھایا اگر قدم
کیا ان کے سوچے کہ جو ہوں جوتیوں سے کم
ہم بھی کنندۂ در خیبر کے لال ہیں
فوجوں کا ذکر کرکے کسی اور کو ڈراؤ
بیٹا رحیم کا ہوں مجھے غیظ میں نہ لاؤ
پھر کچھ نہ بن پڑے گا اگر میں بگڑ گیا

رکھتے ہیں ناخنوں میں بُرش ذوالفقار کی
ٹوکے یہ کیا مجال کسی نابکار کی
اک میں نہیں بہت ابھی ایسے ہزبر ہیں
بڑھ کر ہٹا نہیں کبھی اس فوج کا نشاں
رتبے یہ ہم بجا کریں جیسے خدا کی شاں
فی الواقعی ہم ایسے ہی تقصیر وار ہیں

کیوں غاصبو! نبیؐ سے نہیں فاطمہؑ کا فخر؟
کوئی مسافروں پہ یہ کرتا ہے جبر و قہر؟
وعدے وہ کیا ہوئے وہ محبت کدھر گئی
مٹ ہوئے لکھے تھے عریضوں میں جو تپاک
ہوئیں گی تربتیں بھی یہیں گر ہوئے ہلاک
مشہور ہے کہ شیروں کا مسکن ترائی ہے

عالم میں بر و بحر کا مختار کون ہے
ہے بے قصور کون گنہگار کون ہے
کلمہ بھی کا پڑھتے ہو تم یا یزید کا
صدقہ ہے کس ولی کا جو عزت ملی تمھیں
وارث ہوئے جو ہم تو ہدایت ملی تمھیں
محسن کو اس طرح سے کوئی بھولتا نہیں

ہم تو تمھیں سمجھتے ہیں شبیرؑ کا خیر خواہ
الفت نہ دل وہی نہ تعارف نہ رسم و راہ
چھپے پہ جنگ فاطمہؑ کے نورِ عین سے

ہر چند خاکسار ہیں فرزندِ بوتراب
کس کی تنک آستیں کو جو اٹھیں دمِ عتاب
آجائے انقلاب کی آفت جہان پر
ارض و سما کو ہم تہ و بالا کریں ابھی
اس سرزمیں کو خون کا دریا کریں ابھی
بولے کوئی تو تن سے سر اُس کا جدا کریں

ظالم بگڑ بگڑ کے بڑھے ایک بار سب
نیزے علم کیے ہوئے تھے نیزہ دار سب
لیکن ہلا نہ سکتے تھے آنکھ اس دلیر سے
بگڑے ابو ثمامہ و سعدِ فلک سریر
جوڑا کماں میں ابن مظاہر نے ایک تیر
عابس کو غیظ لشکرِ بدخو پہ آگیا

بولے اٹھا کے نیزے کو ضرغامۂ دلیر
بولے شبیب ادھر سے جو نکلے گا ایک شیر
آقا کا ہے یہ پاس کہ ہم دور دور ہیں
الٹی جناب قاسمِ ذیشاں نے آستیں
بولے بگڑ کے بھیجے زینبؑ کے مہ جبیں
کھلتے تو نیزہ بازوں کو ہم دیکھ بھال لیں
آگے تھے سب کے حضرت عباسؑ ذی حشم
تیغیں جو تولتے تھے ادھر بانیٔ ستم
لرزہ تھا رعبِ حق سے ہر اک نابکار کو

کیا خوب میہمانوں کی دعوت ہے واہ واہ
معصوم ہے وہ کون سا ایسا ہوا گناہ
نامنصفو چراتے ہو آنکھیں حسینؑ سے

پر سرکشی کی ہم سے کسی کو نہیں ہے تاب
گردوں میں تھرتھرا کے چھپے قرصِ آفتاب
ہو آسماں زمیں پہ زمیں آسمان پر
جو سرکشی کرے اُسے پسپا کریں ابھی
ساحل تنک آئے جو اُسے ٹھنڈا کریں ابھی
خیمہ بہانہ ہو تو قیامت بپا کریں ہم

غل وہ جو ہوگیا سمٹ آئے سوار سب
باندھے تھے ایک غول ضلالت شعار سب
اک شور تھا کہ چھین لو دریا کو شیر سے
تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں یہ شریر
غصے سے بل ہلال کی ابرو پہ آگیا

بس اب سزا ہیں ان کی مناسب نہیں ہے دیر
بھاگیں گے سب یہ گھوڑوں کی باگوں کو پھیر پھیر
کثرت پہ اپنی بھولے ہیں کیا بے شعور ہیں
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے بڑھے اکبرؑ حسیں
شیروں سے کیا ترائی کو لیتے یہ اہلِ کیں
تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھیں نکال لیں
بڑھ بڑھ کے دیکھتے تھے دلیروں کو دم بدم
گنتے تھے سر نہ ہوگا بڑھایا اگر قدم
روکے تھا ایک شیر جری بیس ہزار کو

بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیر نر
تیغیں جو کھنچ گئیں تو ہوا اور شور و شر
آغوش میں پھوپھی کے سکینہ دہل گئی

چلائی رو کے زینبؑ ناشاد و نامراد
غربت زدوں سے کیا سبب کینہ و عناد
ہمشیر کو نثار امام امم کرو

محمل سے منہ نکال کے فضہ نے یہ کہا
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہیں اشقیا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو

زینبؑ پکاری پیٹ کے زانو بصد ملال
کہہ دے کوئی کہ لے اسد کبریا کے لال
قربان ہو گئی نہ لڑائی کا نام لو

لڑنے کو تیغ میاں سے کھینچو گے تم اگر
عباسؑ تم تو ساقی کوثر کے ہو پسر
مر جاؤں گی سفر میں جو بچھڑوں گی بھائی سے

دریا کو روکتے ہیں اگر بانی ستم
غربت زدوں پہ چاہیے اللہ کا کرم
ثابت ہوا کسی کو ہماری ولا نہیں

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہر امام
کرسی سے جلد اٹھ کے پکارے شہ انام
یکساں ہے تم کو بحر ہماری نگاہ میں

ہر چند اس میں کوئی تمہارا نہیں قصور
پر امتحاں کا دن بھی کچھ ایسا نہیں ہے دور
ادنیٰ سے بحث ننگ ہے عالی مقام کا

گرتا تھا کوئی ڈر کے ادھر اور کوئی ادھر
گھبرائے اہلبیت شہنشاہ بحر و بر
غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
دیکھے کوئی کدھر ہیں شہنشاہ خوش نہاد
لوگو دعائیں اکبرؑ مہرو پہ دم کرو

بلوہ کنار نہر ہے اے بنت مرتضےٰ
قبضے پہ ہاتھ رکھے ہیں عباسؑ باوفا
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

ہے ہے غضب ہوا اگر آیا انھیں جلال
غربت پہ ابن فاطمہؑ کی تم کرو خیال
میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ غصے کو تھام لو

محمل سے گر پڑوں گی زمیں پر میں ننگے سر
یہ نہر کیا ہے جس کے لیے رنج اس قدر
جنگل مجھے پسند ہے گزری ترائی سے

جلتی زمیں پہ بچوں کو لے کر رہیں گے ہم
پھر آؤ بس سکینہؑ کے سر کی تمہیں قسم
پانی بھی اب نہ دیں تو ہمیں کچھ گلا نہیں

عباسؑ ادھر غضب میں بڑھے سوئے فوج شام
بھیا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

ناحق فساد کرتے ہیں کیا تم سے بے شعور
جانے دو جاہلوں سے یہ تکرار کیا ضرور
بس خامشی جواب ہے ان کے کلام کا

بے سکتے ہیں ترائی کو تم سے یہ نابکار
جرأت میں تم شہ ایک ہو یہ لاکھ ہیں ہزار
بے آب تیغ دم میں یہ ناری ہلاک ہوں
ہے گرچہ ان کی بے ادبی قابلِ سزا
جنگل ہو یا ترائی ہو ہے ہر جگہ خدا
کرتا ہے عاجزی وہی جو حق شناس ہے
صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
تم سے مقابلے کی جہاں میں کسے ہے تاب
یہ کیا ہیں تم تو سدِ سکندر کو توڑ دو
جھنجھلا پڑے کسے صبر پہ اس دم کرو خیال
بلوہ تھا بعد رحلتِ محبوبِ ذوالجلال
کیا صبر و حلم عقدہ کشائے جہاں میں تھا
زور آور ایک ہاتھ سے خیبر کا جس نے در
تھراتے تھے جس کی ضرب سے روح الامیں کے پر
گو زورِ دستِ بازوئے خیبر شکن نہ تھا
ارشاد کر گئے تھے جو کچھ سید الانام
مطلب نہ تھا سپر سے نہ تیغ و سپر سے کام
اپنا امام ہم کو بھی جانو اسی طرح
لازم ہے ان پہ رحم یہ امت ہے میرے نانا کی
ان کے لئے حسن نے کیا صبر اختیار
ہو نوجواں مزاج میں غصہ ہے آپ کے
آؤ تمھیں قسم ہے جناب امیر کی
ہمراہ بیٹیاں ہیں شہِ دلگیر کی
کیا دشت کم ہے صابر و شاکر کے واسطے

کس پر یہ خشم اے شہِ مرداں کے یادگار
بخشا ہے ہر طرح کا تمھیں حق نے اختیار
گر منھ سے اُف کرو تو یہ ناری ہلاک ہوں
ہاں تم پسر رحیم کے ہو بخش دو خطا
مظلوم کو غریب کو غصے سے کام کیا
ہم کو بھی تیغ کی دو جو حضرت کا پاس ہے
یاد آ گیا مجھے اسد اللہ کا عتاب
جعفر ہو وہب ہو میں شجاعت میں بوتراب
لو ہم کو چاہتے ہو تو دریا کو چھوڑ دو
ہم نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے سب احوال
یاں تک کہ باندھے گئے رسی سے بے حال
گردن جھکی ہوئی تھی گلا ریسماں میں تھا
ہو کیں گھر جس کا اور کہے یوں وہ دادگر
رکھ دیتے وہ تیغ کھول کے اور ڈال دیتے سپر
سب قدرتیں وہی تھیں پر حکمِ خدا نہ تھا
باندھے رہا اسی پہ کمر وہ فلک مقام
مظلوم ہو گئے تھے اطاعت ہے اسکا نام
تم بھی ہمارے کہنے کو مانو اسی طرح
کرتے تھے مصطفےٰ انھیں بیٹوں کی طرح پیار
دشمن پہ بھی رہا کرم شیر کردگار
بیٹا وہ ہے قدم بہ قدم ہو جو باپ کے
بگڑو نہ سرکشی پہ سپاہ شریر کی
سب سے جدا ہی چاہئے منزل فقیر کی
یہ اتہام ایک مسافر کے واسطے

(۶۷) ٹھوکر سے بستروں کی ہے دور کا رہم کو جا
ہے عمر بے ثبات زمانہ ہے بے وفا
اب وہ کہاں ہیں شہر جنھوں نے بسائے ہیں
آقا نے دی جو اپنے سرِ پاک کی قسم
پر تھی شکن جبیں پہ ہوتا تھا غیظ کم
گردن جھکا دی "تا نہ ادب میں خلل پڑے"
تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور
حکمِ خدا ہے حکمِ شہنشاہ بحر و بر
میں ہوں غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا
اُترے گی آکے نہر پہ اب شام کی سپاہ
اس دشت میں نہ اور ہے چشمہ کوئی نہ چاہ
اس فکر میں غلام کا دل آب آب ہے
گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا
تو اب اٹھا تو تیغ و سپر تم پہ میں فدا
وہ شیر ہو کہ دھاک ہے ساری خدائی میں
اس قوم سے نہ زد و بدل چاہیے تمھیں
قربِ خدائے عز و جل چاہیے تمھیں
بھائی جگہ مزار کی پہچانتا ہوں میں تو
ہے منکشف امام پہ احوالِ بحر و بر
صدمہ ہے دل پہ کیا میں کہوں تم سے پُر خطر
دولت لٹے گی یاں اسدِ کردگار کی
ہوتا ہے کیا مزار کہیں ساکنانِ شام
کہتے ہیں اس زمیں پہ ملک آکے صبح و شام
دنیا اگر جو قبر کے بستی بسائیں گے

جنگل ہوا تو کیا جو ترائی ہوئی تو کیا
آرام کا محل نہیں یہ عاریت سرا
سب اس زمیں پہ خاک میں ملنے کو آئے ہیں
بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحبِ کرم
چپ ہو گئے قریب جب آئے شہِ اُمم
قطرے ہوئے آنکھوں سے لیکن نکل پڑے
کہہ دیجیے ان سے کاٹ کے لے جائیں میرا سر
اب کچھ کہوں زباں سے کیا تاب کیا جگر
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا
پانی بھی ہم پہ بند کریں گے یہ روسیاہ
سب قافلہ حضور کا ہو جائے گا تباہ
پر عین مصلحت ہے جو حکمِ جناب ہے
کیوں کانپتے ہو غیظ سے بھائی یہ کیا کیا
دریا کو تم تو دے چکے اے میرے مہ لقا
دیکھو کوئی تمھارے سوا ہے ترائی میں
غفلت نہ رہی نہ جدل چاہیے تمھیں
جو ہم کہیں اسی پہ عمل چاہیے تمھیں
جو ہو گا اس زمیں پہ وہ سب جانتا ہوں میں
حق نے کیا ہے واقفِ اسرارِ خشک و تر
قبضہ تمھارا تا بہ قیامت ہے نہر پر
سمجھا یہیں جگہ ہے تمھارے مزار کی
بخشا ہے تم کو خالقِ اکبر نے یہ مقام
یاں ہوگی قبرِ حضرتِ عباسِ نیک نام
شہروں سے لوگ یاں کی زیارت کو آئیں گے

سچ ہے کہ ہاتھ آپ کے آئی ہے یہ جگہ
ٹھنڈی ہوا میں سونے کو پائی ہے یہ جگہ
لنگر ہو تم نجات کی کشتی کے واسطے
آؤ اب اپنی قبر کی جا ہم تمہیں دکھائیں
قسمت میں یہ لکھا ہے کہ مقتل کی دھوپ کھائیں

میداں ہو اور لاشۂ حسینؑ غریب ہو
عباسؑ آب دیدہ ہوئے سن کے یہ کلام
فرمایا واں سے ہو کے جو تھا قتل کا مقام
بھائی مقام خیمۂ آلِ عبا ہے وہ

رونے لگے پکار کے عباسؑ نامدار
سن پائے گی جو زینبؑ بیکس یہ حال زار
مجھ کو بہت خیال ہے زہراؑ کی جائی کا
قدموں پہ سر جھکا کے یہ بولا وہ نیک نام
پہلے مرے گا آپ سے یہ باوفا غلام
مجبوری ہے کہ بھائی کو ہاتھوں سے کھوئیں گے

فرزند یہ سن کے شاد ہوا وہ اسیر غم
ریتی پہ آ کے گاڑ دیا شیر نے علم
ذرے نجوم بن گئے سارے زمین پر
کھینچا فلک پہ خیمۂ زنگار گوں نے سر
تار شعاع تھے کہ طنابیں تھیں جلوہ گر
جنگل کا اوج ہو گیا خیمے کی شان سے

تھا اس کے ارتفاع میں کرسی کا سب جلو
خیمے کا اوج اوج تھا خیمے کا دور دور
سر جا ملا جو شمسۂ گردوں جناب کا

پیاسے ہمارے بھائی کو بھائی ہے یہ جگہ
کیا سبزہ کیا نشیب ترائی ہے کیا جگہ
لازم ہے قرب نہر بہشتی کے واسطے
مقتل میں نخل بھی نہیں سایہ کہاں سے لائیے
جا لیٹیں رو دو رنگ نہ کفن اور نہ غسل پائیں
بھائی قریب ہو نہ ترائی قریب ہو

بھائی کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر چلے امام
دیکھو حسینؑ ہوگا یہیں قتل تشنہ کام
باہر ہے جو نشیب سے تربت کی جا ہے وہ
شہ نے کہا کہ ضبط کرو تم پہ میں نثار
مر جائے گی تڑپ کے ابھی وہ جگر فگار
مرنا کوئی بہن نہ سنے اپنے بھائی کا

ارشاد یہ تو کیجئے اے قبلۂ انام
رو کر کہا کہ ہاں یہیں ہوئے گا لا کلام
روئیں گے تم نہ ہم کو نہیں تم کو روئیں گے
سجدہ کیا کہ بھائی سے پہلے مریں گے ہم
برپا ہوئے خیام شہ آسماں حشم
اترے خدا کے عرش کے تارے زمین پر

روشن ہوئے کلس کی تجلی سے دشت و در
پردہ حرم کا تھا کہ قناتیں ادھر ادھر
پلہ دیں کا اٹھ کے ملا آسمان سے
نگران عرش دیکھتے تھے فرش کو بغور
گویا کہ آسماں کے تلے آسماں تھا اور
سونا اتر گیا ورق آفتاب کا

خیمے میں جا چکے جو حرم با صد احترام
کرنے ادھر تھیں ادھر اتری سپاہ شام (۱۲۲)
اٹھا اٹھا دل سبط نبیؐ کی جدائی سے
آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن
تھے دس ہزار مستعد جنگ تیغ زن
آزردہ ہیں کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا
نے کربلا میں کہنے لگی وہ جگر فگار
محل میں ہیں تو سر کو پٹکتی تھی بار بار
پیارا ہے انھیں جنھیں پانی عزیز ہے
منہ دیکھ کے منہ پہ بالی سکینہؑ نے یہ کہا
روتی تھی میں سنی بھی نہ تم نے مری صدا
اس بیکسی میں دلبر زہرا کا کون تھا
کہنے لگی یہ زوجۂ عباس خوش بیان
ہر بات میں ہے شیر الٰہی کی آن بان
آتا ہے غصّہ جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں
فرمایا شہ نے بھائی سے اب کھولے کمر
خیمے نہ تھے ابھی کہ یہ اکبرؑ نے دی خبر
ہے غضب سپاہ کا دریا کے پاس ہے
آخر ہوا وہ دن تو ہوئی رات کو یہ دھوم
اک لاکھ سے سوا ہیں جوانان شام و روم
کیا شمار حصر نہ تھا انتہا نہ تھی
آمد اسی طرح رہی لشکر کی روز و شب
گرمی میں سات تیغ سے ہوئی شدت تعب
مرجھا گیا چمن شہ گردوں جناب کا

ڈیوڑھی پہ آ کھڑے ہوئے عباسؑ نیک نام
بھائی کو رو کے خیمے میں داخل ہوئے امام
زینبؑ لپٹ کے رونے لگیں چھوٹے بھائی سے
صدقے اتار دو کچھ مرے بھائی پہ اے بہن!
جیتا میں یا زخمی ہوتے جو عباسؑ صف شکن
دیکھو ابھی تلک نہیں ابرو سے بل گیا
کیا جی میں آ گئی تھی یہ بھیا بہن نثار
صدقے کروں وہ نہر دیے جس پہ نابکار
بھیا ہمیں تمھاری جوانی عزیز ہے
عاشق کو میرے پھیر کے لایا مرا خدا
بس اب کہیں نہ جائیو اچھے مرے چچا
آتے نہ تم تو پھر مرے بابا کا کون تھا
غصّے میں ان کو کچھ نہیں رہتا کبھی دھیان
یہ جان کو بھلا کبھی سمجھے ہیں اپنی جان
یہ تو فقط حسینؑ کے صدقے میں جیتے ہیں
زینبؑ نے لے لی ہاتھ سے شمشیر اور سپر
فوج اور آئی شام سے یا شاہ بحر و بر!
شہ نے کہا کہ ہولے تمھیں کیا ہراس ہے
آ پہونچا لے کے فوج گراں ابن سعد شوم
آفت کی ہے بھیڑ قیامت کا ہے ہجوم
دیکھا جو صبح کو کہیں بستر کی جا نہ تھی
نرغے میں آ گیا پسر سید العرب
پانی مسافروں پہ ہوا بند ہے غضب
شور آہ تشنگی سے ہونے لگا آب آب کا

غش تھے ستم کو پیاس سے اطفالِ شاہِ دیں
جز آبِ اشک پانی کا قطرہ کہیں نہیں
تھا دودھ خشک پستی تھی بانوئے حزیں
دم توڑتا تھا جھولے میں اصغرِ نازنیں
خندق میں گرد خیمے کے آتش بھڑکتی تھی
باقر تڑپ رہا تھا سکینہ بلکتی تھی

رخنے میں وہ پہاڑ سا دن جب ہوا تمام
آئی سیہ بلا کی طرح شامِ تیرہ فام
شب تھی مسافروں کے لئے موت کا پیام
غل تھا کہ ایک رات کے مہماں ہیں امام
مل لو جنابِ فاطمہ کے نورِ عین سے
خالی سحر کو ہوگا زمانہ حسین سے

لکھوں سیاہی شبِ عاشور کا جو حال
دفتر سیاہ ہوں شبِ دیجور کی مثال
چھایا ہوا تھا ابرِ غم و حسرت و ملال
کھولے تھے اہلبیتِ محمد سروں کے بال
پیاسوں سے پوچھو رات وہ کیونکر بسر ہوئی
بس مختصر یہ ہے کہ غضب کی سحر ہوئی

مطلع دوم

گردوں پہ جب بیاضِ سحر کا ورق کھلا
یعنے کتابِ ذکرِ خدا کا سبق کھلا
بزمِ جہاں میں دفترِ نظم و نسق کھلا
ظلمت نہاں ہوئی در باغِ شفق کھلا
پہنچا فلک پہ ماہ کو حکم انقلاب کا
موجِ ہوا سے پھول کھلا آفتاب کا

ہونے لگے چراغِ نجوم آسماں پہ گل
قرنا بجی سپاہِ عدو میں بجا دُہل
برپا حسینیوں میں ہوا اذاں کا غل
پڑھنے لگے نماز شہنشاہِ جزو و کل
قدسی ہوئے نثار جماعت کی شان پہ
نعرے نمازیوں کے گئے آسمان پہ

سجدے میں یاں جھکے تھے ابھی عابدوں کے سر
فوجِ ستم میں ہو گئیں صف بندیاں ادھر
دو چار تیر آکے گرے جب قریبِ در
حضرت پہ آکے روک لی عباسؑ نے سپر
کی عرض سرکشی پہ یہ سب فوجِ شام ہے
فرمایا آپ نے یہ اجل کا پیام ہے

پھر بیٹھے جانماز پہ شاہِ فلک وقار
شانہ کیا محاسنِ اقدس میں چند بار
سر پر رکھا عمامۂ محبوبِ کردگار
پہنی قبائے خسروِ عالم بہ افتخار
پیدا ہوئے تھے خلق میں رحمت کے واسطے
باندھی کمر شفاعتِ اُمت کے واسطے

رخصت کو اہلبیتِ نبی میں گئے امام
قدموں پہ لوٹنے لگیں سیدانیاں تمام
وہ شورِ الفراق کا وہ یاس کے کلام
بچے بھی سر پٹکتے تھے لے لے کے شہ کا نام
روتے تھے یوں تو پیٹتے ہوئے سب حسین سے
لیکن کلیجے پھٹتے تھے زینب کے بین سے

(۷۵) ڈرتے تھے ماں کے پہلو میں زینب کے نونہال
پر غم میں بھائی کے انہیں مطلق نہ تھا خیال
گرنے میں تھامتے تھے جو ماں کو وہ خوش خصال
کہتی تھی مرنے جاتا ہے خیر النسا کا لال
قربان جاؤں مجھ نہ بچھڑنا لڑائی سے
ہشیار رہیو بہر خدا میرے بھائی سے

قاسم سے کوئی کہتی تھی اے میرے نوجوان
چھپ جائے گی اب آنکھوں سے ہے ہے حسن کی جان
اک شور تھا مادر علی اکبر کا یہ بیان
اٹھارھویں برس میں بچھڑتے ہو میری جان
رخصت کو ماں سے آئے ہو زلفیں سنوار کے
چڑھنا جہاد پہ مجھے صدقے اتار کے

دیکھا گیا نہ شاہ سے سیدانیوں کا حال
بس الوداع کہہ کے چلا فاطمہ کا لال
باہر چلے آئے روتے ہوئے شاہ خوش خصال
دیکھا کہ فوج سب ہے مستعد پئے جدال
جھک کر سلام غازیوں نے با ادب کیا
گھوڑا سوار دوش نبیؐ نے طلب کیا

آیا عجب شکوہ سے شبدیز تیز گام
طاؤس و کبک دیکھتے تھے جلوۂ خرام
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں بڑھے امام
عباسؑ نے رکاب کو تھاما با احترام
پھولی قدم سے میں یہ ہوا غم زمین کو
جبریلؑ جھاڑنے لگے شہپر سے زین کو

حاصل ہوا جو فیض قدم بوسیٔ جناب
اللہ ری ضیا کہ نور بن گئی رکاب
روشن تھے جو ہرے سم اسپ صبا شتاب
ثابت تھا صدر زیں سے کہ ہے برج آفتاب
انساں تو کیا ہیں دیدۂ انجم بھی بند ہیں
تار شعاع ہوئے ایال سمند ہیں

کس اوج سے خدیو زمین و زماں چلا
رہوار کیا زمیں پہ چلا آسماں چلا
لے کر نشاں علی ولی کا نشاں چلا
دامن بھرے ہوئے علم زرفشاں چلا
اختر نثار بخشش سبط رسولؐ تھے
ذرے نہ تھے زمیں پہ سونے کے پھول تھے

سادات کے وہ چہروں کی ضو وہ علم کی شان
تکتا تھا اس زمیں کے چہرے کو آسمان
وہ برچھیاں سنبھالے ہوئے ہاشمی جوان
رن میں نہ مرتے مرتے گئی جن کی آن بان
وار ان کے معرکے میں ہزاروں پہ چل گئے
قبضے چھٹے نہ ہاتھوں سے اور دم نکل گئے

پہنچے جو اس شکوہ سے وہ غازیان دیں
گاڑا سپاہ کفر کے آگے نشان دیں
اللہ رے جلوۂ قمر آسمان دیں
روشن تھا جس کے نور سے سب خاندان دیں
افروختہ تھا چہرۂ اقدس جناب کا
شوکت تھی عرش کی تو جلال آفتاب کا

چلّوں میں جوڑنے لگے واں تیر اہلِ شر
لشکر سے چند گام بڑھے شاہِ بحر و بر
مطلق نہ تھی تمیز خطا و صواب میں
عباس نے کہا کہ جواب ہے یہ شور و شر
خاموش ہیں ادب سے جوانانِ بے نظیر
کیا قدرتِ خدا ہے کہ روباہ شیر ہوں

بولے حبیب رحم کی بھی انتہا ہے اب
گزرے ہیں سات روز کہ ہے روح پر تعب
کٹ جائیں پیاسے حلق ادا سے دشمن ہو
فرمایا واں کثیر ہے لشکر یہاں قلیل
نزدیک اب ہے کوثر و تسنیم و سلسبیل
یاں اشتیاقِ خنجرِ قاتل ہمیں بھی ہے

یہ سن کے شاد شاد ہوئے وہ خوش اعتقاد
تیغیں پکڑ پکڑ کے جو نکلے پئے جہاد
کس آبرو سے فدیۂ راہِ خدا ہوئے
نصف النہار تک تھا یہیں شورِ کارزار
رخصت لے کیا تو لئے روتے زار زار
ایک ایک نے سعادتِ عقبیٰ حصول کی

نکلے علی علی کی بضاعت وہ مرزوال
ڈگمگے نہ زمیں بھی جب کر چکے جدال
شیر دلیر قتل ہوئے حق کی راہ میں
اس وقت تھا عجب شہِ دیں پہ ہجومِ یاس
لاشے پڑے ہوئے تھے عزیزوں کے آس پاس
اٹھتا تھا درد دل تو قدم لڑکھڑاتے تھے

سینے حبشیوں نے ادھر کر دیئے سپر
حجت تمام کی یہ نہ سمجھے وہ بدگہر
تیر آئے سرکشوں کی طرف سے جواب میں
مولا کہاں کلامِ نصیحت کہاں وہ تیر
موقع بس اب یہ جنگ کا لائے آسماں اسیر
جب ان سے چھین لے کوئی دریا تو زیر ہوں

دیجے رضا جہاد کی یا شاہِ تشنہ لب
بچوں کو بھوک پیاس میں تیسری ہے شب
اب سلسبیل پر کہیں پہنچیں تو چین ہو
اچھا ارادہ کر خالقِ کونین ہے کفیل
دے گا مجاہدوں کو خدا رتبۂ جلیل
درپیش عصر تک یہی منزل ہمیں بھی ہے

رخصت انہیں ملی کہ ملا گوہرِ مراد
میداں سے اٹھ گئے قدمِ لشکرِ عناد
سر دے کے سب امام کے حق سے ادا ہوئے
مرنے کو یہ چلا وہ تڑپ کر ہوا نثار
جاتے تھے آپ لاشے اٹھانے کو بار بار
دم نکلے سب کے گود میں سبطِ رسول کی

کام آئے رن میں جعفر و مسلم کے نونہال
حضرت کو داغ دے کے سدھارے حسن کے لال
دو تشنہ کام رہ گئے ساری سپاہ میں
ڈھلنا وہ دوپہر کا وہ آندھی وہ دھوپ پیاس
سوئے فلک کو دیکھتے تھے شاہِ حق شناس
فرماتے یا علی دل بیٹھے جاتے تھے

ہل من مبارز کی جو اعدا میں تھی پکار
ڈیوڑھی پہ تھا یہ شور کہ یا شاہ نامدار
ہے ہے یہ کیسی آگ لگی ہے زمانے کو
گردن جھکائے چپ تھے شہنشاہ بحر و بر
صدمے سے ہاتھ ملتے تھے عباسؑ نامور
غیظ ان کو زیست تھی انھیں سر بار دوش تھا
بڑھ کر چچا سے کہتے تھے اکبرؑ یہ دم بدم
فرماتے تھے اشارے میں عباسؑ ذی حشم
پہلے فدا وہ ہوگا جو خدمت گزار ہے
یہ کہہ کے رکھ دیا قدم شاہ پہ جو سر
صدمے سے قلب ہل گیا تھرا گیا جگر
کیا سنبھلے جس پہ ظلم کا یوں آسماں گرے
بھائی کے سر کو چھاتی سے لپٹا کے یہ کہا
دست ادب کو جوڑ کے بولا وہ باوفا
گزرے ہیں تین دن یونہی اے خوش صفات پہ
بولے بہا کے اشک امام فلک جناب
صابر ہر اک بلا میں ہے فرزند بوتراب
مشتاق آپ دیر سے جنگ و جدل کے ہیں
کیا اختیار غیر وفا دیجئے ہمیں بھ
ملے گا اب کہاں یہ بتا دیجئے ہمیں
بھائی کی زیست قوت بازو کے ہاتھ سے
یہ کہہ کے اس طرح ہوئے شبیرؑ نوحہ گر
رخصت کی اہلبیتؑ کو بھی ہو گئی خبر
چلائی مضطر جان ادھر آ کے جائیے

بھائی کو دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
دوڑی چلی جہاں سے سکینہؑ جگر فگار
قطرہ نہیں ہے پانی کا منہ میں چوانے کو
لب برگ گل سے خشک تھے رخ آنسوؤں سے تر
پانی تھا غم سے اکبرؑ ذی جاہ کا جگر
دونوں دلاوروں کو شجاعت کا زور تھا
رخصت کو عرض کرتے ہیں اب شاہ دیں سے ہم
کہتے تو کچھ تمھیں سر شبیرؑ کی قسم
مر لے یہ جاں نثار تو پھر اختیار ہے
حضرت سمجھ گئے کہ اب ان کا بھی ہے سفر
طاقت تن سے کوچ کیا جھک گئی کمر
دل تھام کر زمیں پہ امام زماں گرے
بتلاؤ کیا ارادہ ہے اے میرے مہ لقا
پیاسی سکینہ مرتی ہے یا شاہ کربلا
گر اذن ہو تو پانی کو جاؤں فرات پہ
یہ موت کا پیام ہے بچوں کا اضطراب
اچھا یہ ہے صلاح تو کیجئے تلاش آب
پانی کہاں کا اب یہ بہانے اجل کے ہیں
جینے کی کوئی شکل بتا دیجئے ہمیں
رو لیں لپٹ کے اتنی رضا دیجئے ہمیں
پوچھو ہمارے دل سے کہ برسوں کا ساتھ ہے
رخصت جواں پسر کے لئے جس طرح پدر
گھبرا کے آئی بالی سکینہؑ قریب در
دیدار آخری مجھے دکھلا کے جائیے

یاں چڑھ چکے تھے گھوڑے پہ عباسِ حق شناس
بولی یہ مشک دے کے سکینہ بصد ہراس
پھنکتا ہے دل عطش سے کلیجہ کباب ہے

عباسؑ نے کہا کہ مرا فخر ہے یہ کام
دی تم نے آبرو مجھے اے دخترِ امامؑ
کوثر ہیں مجھ کو دشت پہ گر مشکِ آب ہو

کہہ کر یہ بات باگ اُٹھائی سمند کی
چھل بل ہرن کی تیز پری تھی پرند کی
بجلی چمک کے چھپ گئی پارا تڑپ گیا

مرکب قدم زمیں پہ نہ رکھتا تھا ناز سے
چالاکیاں دکھاتا تھا کس امتیاز سے
راکب وہ ہیں جو فخرِ دو عالم کے تاج ہیں

وہ قوتِ تن وہ اُبلی ہوئی انکھڑیاں وہ بال
وہ جلد وہ دماغ وہ سینہ وہ خم وہ چال
وہ قصرِ آسماں پہ بھی جانے میں طاق تھا

گھوڑے کی یہ شکوہ وہ شوکت سوار کی
وہ نور وہ چمک علمِ زرنگار کی
پنجہ نہ تھا نشانِ ثریا تاب کا

بڑھ کر صدا یہ دیتا تھا اقبال دم بدم
نصرت پکارتی تھی جلو میں قدم قدم
مطلب منافقوں کے جو ہیں ملتوی رہیں

اللہ رے جلالت و شوکت حضور کی
ہر جا فرس شکوہ دکھاتا تھا طور کی
ذروں کی ضو سے مہرِ جہاں تاب زرد تھا

آئے صدا بھتیجی کی سنتے ہی در کے پاس
قربان عمو جان بجھا دو ہماری پیاس
سقائی کیجیے کہ یہ کارِ ثواب ہے

بی بی تمہارے باپ کا ادنیٰ ہے یہ غلام
اب ہو گیا جہاں میں بہشتی ہمارا نام
تم بھی دعا کرو کہ چچا کامیاب ہو

صورت بدل گئی فرسِ سربلند کی
سرعت بلا میں بیتی تھی ہر جوڑ بند کی
جنگل میں یوں اُڑا کہ چکارا تڑپ گیا

بجلی کو خوف کیا ہے نشیب و فراز سے
اُڑتا تھا پر صدا نہ نکلتی تھی ساز سے
گھوڑا ابھی جانتا ہے کہ نازک مزاج ہیں

گویا کھلے تھے خود کے گیسو پری کے بال
دم بھی ہما کبھی تھی ضیغم کبھی غزال
دو پر اگر خدا اُسے دیتا براق تھا

تصویر تھی ہوا پہ شہِ ذوالفقار کی
خوشبو مہک رہی تھی نسیمِ بہار کی
تھا فرقِ جبرئیل پہ تاجِ آفتاب کا

افزوں ترا جلال دو بالا ترا حشم
جب تک ہے آفتاب یہ درخشاں رہے علم
یارب ترے حسینؑ کے بازو قوی رہیں

دہشت سے اٹھ نہ سکتی تھی گردن غرور کی
بجلی قدم قدم پہ چمکتی تھی نور کی
مٹی میں یہ دمک تھی کہ کندن بھی گرد تھا

پہونچا جو اس جلال سے وہ آفتاب دیں
گاڑا جو دبدبے سے علم ہل گئی زمیں
غازی ہے صف شکن ہے جری ہے دلیر ہے
گر دے کے اپنے سر کی قسم ہے نہ جائے شاہ
گویا کھڑے تھے تیغ بکف ضیغم الٰہ
پلکوں کی تیزیوں سے کھنچے تنگار تھے

خواب تو وہی ہے شہ نے اے خصلت جدال
اس کا جلال حیدر صفدر کا ہے جلال
اس معرکے میں بس نہ چلا اس کا بھائی سے
یہ سن کے تہلکہ صف اعدا میں پڑ گیا
ہر غول میں خلل سے علم جھک کے رہ گیا
ہلچل میں جنگیوں سے جو چلّے نکل گئے

تیغیں کھنچی لئے ہوئے بھاگے جو اہل شر
تلواریں پڑی تھیں کسی کی تو واں سپر
یہ جنگ تھی کہ حشر کوئی جانتا نہ تھا
گھبرا کے ابن سعد نے لشکر کو دی صدا
اتنا ہراس نامور و ننگ کی ہے جا
سب مل کے روکتے نہیں اس تشنہ کام کو

قاتل تمہارے جد و پدر کا تھا جو دلیر
کرتے ہیں رستموں کو زبردستیوں سے زیر
بڑھ بڑھ کے یوں لڑو کہ تہمتن بھی گرد ہو
یہ سن کے سب کو جوش حمیت کا آ گیا
پھر ابر فوج شام لب نہر چھا گیا
جو جو تھے منتشر وہ پرے پھر بہم ہوئے

دیکھا سپاہ کو صفت شیر خشمگیں
ہٹ ہٹ کے مورچوں سے پکارے یہ اہل کیں
ہٹتا نہ تھا ترائی سے جو وہ یہ شیر ہے
دریا سے اس جری کو ہٹا سکتی تھی سپاہ؟
کیا قہر کی نگاہ تھی اللہ کی پناہ
جنبش بھوؤں کی تھی کہ سروہی کے دو رخے

دریا کو ایک حملے میں لے گا یہ خوش خصال
سرکش جو لاکھ ہوں تو کرے دم میں پائمال
دیکھو یہ شیر اب نہ ہٹے گا ترائی سے
ٹوٹا یہ مورچہ وہ رسالہ بگڑ گیا
جو رہ گیا نشاں وہ خجالت سے گڑ گیا
اس صف کے تیر ہم کے اس صف پہ چل گئے

کٹ کر کسی کا ہاتھ گرا اور کسی کا سر
برچھی تھی اس شقی کی تو اس نحس کا جگر
بیٹے کو باپ خوف سے پہچانتا نہ تھا
چھوڑ آئے مورچوں کو شجاعو یہ کیا کیا
وہ کون تھے علیؑ سے لڑے جو دم وغا
کھوتے ہو معرکے میں بزرگوں کے نام کو

ہاں غازیو اسی کا جگر بند ہے یہ شیر
دشمن کو پا کے واہ یہ کم جرأتی یہ دیر
لو کشتگان بدر کا بدلہ جو مرد ہو
ابلیس آ کے راہ ضلالت بتا گیا
شور دہل سے زید کا دل تھرتھرا گیا
پھر سب نشان کھل گئے نیزے علم ہوئے

پڑھ کر رجز علیؑ ولی کا پسر بڑھا
دریائے قہرِ خالقِ جن و بشر بڑھا
تڑپا جو رخش برق نگاہوں سے گر گئی
کانپے طبق زمیں کے ہلا چرخِ لاجورد
اٹھا غبار زمیں سے چھپ گئی زلزلے میں گرد
گرمی سے رن کی ہوش اُڑے وحش و طیر کے
بجلی اُدھر غلاف سے وہ برق شعلہ ریز
چمکے شرر بھڑکنے لگی آتشِ ستیز
آیا خدا کا قہر ہر اک روسیاہ پر
بجلی گری تڑپ کے کلیجے ہلا گئی
بھڑکی دلوں میں آگ وہ پانی پلا گئی
دعویٰ تھا خونِ قاسمِ یوسف جمال کا
کھا کھا گئی صفوں کو برابر لڑائی میں
ثابت رہے تھے جن کے قدم ہر لڑائی میں
دو ٹکڑے ہو کے گرتا تھا جو راہوار سے
جب غول پر گری نہ رکی دم بھی کہیں
چمکی کہیں کسی پہ کسی جا دبی کہیں
کاٹے ہوئے نشاں تھے زمیں پر پڑے ہوئے
جل جل کے آبِ تیغ سے کفار مر گئے
نامی تھے جتنے سب وہ نمودار مر گئے
غل تھا کہ زلزلے میں زمیں آج رن کی ہے
جب وار چل گیا سپر آہنیں کٹی
مغفر کٹا دو نیم ہوا اسپر جوشن کٹی
پاتنگ تھا فرس تو وہ پیارا سوار تھا

گویا شکار کھیلنے کو شیرِ نر بڑھا
ہر ہر قدم پہ مالکِ فتح و ظفر بڑھا
آمد خدا کے شیر کی نظروں میں پھر گئی
مانندِ کہربا ہوا مشک کا رنگ زرد
تیغوں کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد
شیر اُس طرف اُتر گئے دریا کو پیر کے
چلنے میں ذوالفقار تھی جس کی زبان تیز
گھیرا اجل نے بند ہوئے کوچہ گریز
بجلی محیط ہو گئی ساری سپاہ پہ
جو تھے ہوا پہ خاک میں ان کو ملا گئی
جوہر دکھا کے فوج کو ہیرا کھلا گئی
یوں تیغ نے عوض لیا شبیرؑ کے لال کا
ٹھہری نہ بے لہو پیے دم بھر لڑائی میں
چلے انھیں کے کاٹ گئی سر لڑائی میں
یہ اژدھے کے وار مانگتی تھی ذوالفقار سے
اک دم بھی کی نہ اس کی بُرش نے کمی کہیں
فوجوں میں اتری تھی کہیں بڑھی کہیں
ہر جا تھے ضربِ تیغ کے جھنڈے گڑے ہوئے
بس ہانپ کے بھاگ گئے ہیں جفاکار مر گئے
دو ہاتھ جب ادھر سے چلے چار مر گئے
کہتا تھا شیر ہاں یہ مدد پنجتنؑ کی ہے
دستانہ کش کے ہاتھ کٹا آستیں کٹی
سینے کو دے کے زیں سے جو اتری زمیں کٹی
اللہ رے غرور کہ تیغ نے جانا خیار تھا

آئی جدھر لہو میں سراسر بھری ہوئی
بے جاں تھا جس پہ سایہ فگن وہ پری ہوئی
آتیغ اس کی قہر تھی کوئی کیوں کر الگ نہ جائے
بے سر تھا جس کے فرق پہ وہ جاں گزا لگی
چار آئینے پہ ضربتِ قہرِ خدا لگی
برپا تھا شور چار طرف بھاگ بھاگ کا
پلٹی اُدھر سے جب تو اُدھر کا پرا نہ تھا
چھٹکا ہوا تھا سم بدن اس کا ہرا نہ تھا
سیلِ فنا تھا جنگ میں کاٹ اس کی دھار کا
گو رادہ پا تھا اور وہ تلوار کی چمک پا
موجوں پہ عکس ڈالتی تھی دھار کی چمک
اک شور تھا کہ آگ لگی کائنات میں
بڑھ بڑھ کے چل رہی تھی جو تلوار چار سو
تھا رن میں گرم موت کا بازار چار سو
تیغ آئی جس پہ اس کا بھی وار اُس پہ چل گیا
ثابت ہو جس پہ زرہ کوئی ایسی کماں نہ تھی
گرمیاں تھا تو تیغ دمِ امتحاں نہ تھی
بجتار سر جھکائے تھے تلوار کی طرح
جب ضرب کی زمیں کے طبق چل کے رہ گئے
زخموں کے پھول چار طرف کھل کے رہ گئے
برہم مزاجِ لختِ دلِ بوتراب تھا
ممکن نہ تھا کہ ایک کو تہہ میں اماں ملے
ہوتا ہو ور پڑے تھے نہ ان کے نشاں ملے
کیوں معرکے میں تیغ وہ دم سرخرو نہ ہو

خالی صفوں میں اور سوا ابتری ہوئی
بھرتی تھی ساتھ ساتھ اجل بڑوری ہوئی
جھپٹی تھی برق بھی کہ ہوا اس کی لگ نہ جائے
اک آگ تھی کہ چنبرِ گردون میں جا لگی
کڑیاں کھلیں زرہ کی جب اُس کی ہوا لگی
پانی اثر دکھا گیا تھا لوہے کو آگ کا
کاٹے تھے سر پہ فرق برش میں ذرا نہ تھا
خوں سب کا پی گئی تھی مگر دم بھرا نہ تھا
دم غم تھا گھاٹ باڑھ میں سب ذوالفقار کا
تھی صاف تیغِ حیدرِ کرار کی چمک
اُس پار تک پہنچتی تھی اس پار کی چمک
خشکی میں زلزلہ تھا تلاطم فرات میں
کشتوں کے بڑھتے جاتے تھے انبار چار سو
پھرتا تھا جھوم جھوم کے رہوار چار سو
دو سر گرا گئی تو یہ لاشہ نکل گیا
تیر افگنوں کی خوف سے خاطر نشاں نہ تھی
یہ طرفہ بات تھی کہ دہن تھا زباں نہ تھی
سرکش خموش تھے لبِ سوفار کی طرح
سر اڑ گئے گلوں سے گلے مل کے رہ گئے
بسمل تڑپ کے سامنے بسمل کے رہ گئے
لاشے الٹ گئے یہ نیا انقلاب تھا
مارا انہیں چھپے ہوئے ظالم جہاں ملے
رستی پہ گر کٹے بھی تو لاشے تپاں ملے
ایسی جگہ نہ تھی کوئی جس جا لہو نہ ہو

زہرہ کسی کا آب تھا ڈر سے کسی کا دل
آفت تھی قہر تھی برشِ تیغِ جاں گسل
ٹکڑے تھے خود سزا تھی یہ اعمالِ زشت کی
ڈوبے ہوئے تھے گھاٹ ستمگار روک کے
جب بھاگتا پسر کو سیہ کار روک کے
ٹھہرا جہاں پیادہ جب گھوڑے کو پھیر کے

وہ تیغ شعلہ زا کی چمک وہ فرس کی جست
بجلی گری پھرا جو ذرا دستِ حق پرست
افسر سے فوج فوج سے افسر چھٹے ہوئے
ہر اک علم کی چوبِ ضلالت نشاں کٹی
ترکش کٹے قلم ہوئے تیر سناں کٹی
روحوں کے ساتھ تن تھے نہ چلّے تو کے ساتھ

ناری صفوں میں جل گئے جب شعلہ زن ہوئی
شب کو چمن کھلا جو سپر خوں سے تر ہوئی
چلائی موت صدقے تری کج ادائی کے
جب سن سے فوج کفر پہ وہ جنگجو چلی
بسمل پھڑک کے رہ گئے یوں تند خو چلی
غل تھا برش ہے قہر کی جوہر بلا کے ہیں

جس کے گلے سے مل کے چیں مر کے رہ گیا
آگے بڑھا کوئی تو کوئی ڈر کے رہ گیا
دو پتلیاں بھی بہرِ تماشا ٹکی نہ ہیں
کشتی سے دونوں ہاتھ جدا تن سے سر جدا
اس ہاتھ سے جو تیغ تو اس سے سپر جدا
دو ٹکڑے بھی ہوں قیامت سے کم نہ تھے

بھائی ٹھہر نہ سکتا تھا بھائی کے متصل
کرتی تھی شکل کو وہ ہیولیٰ سے منفعل
ہیئت بدل گئی تھی ہر اک بد سرشت کی
دم بھر نہ رک سکا کوئی اک وار روک کے
بھاگ بس سکتے تھے تلوار روک کے
کوئی شکار بچتا ہے پنجے سے شیر کے

رستے کھلے ہوئے وہ صفیں وہ نہ بندوبست
غارت وہ مورچے ادھر آفت ادھر شکست
سب بھاگی اُجاڑ نکلے لٹے ہوئے
تھم تیغ کا کٹا تو سناں کی زباں کٹی
ٹکڑے ہوئی زرہ کمر پہلواں کٹی
تارِ نفس بھی کٹ گئے تھے گردنوں کے ساتھ

چمکی ادھر یہ تیغ تجلی ادھر ہوئی
سر دھڑ سے گر پڑا تو جسد کو خبر ہوئی
بولی نکل کے روح ثنا اس صفائی کے
گویا سموم قہر خدا چار سو چلی
ٹکڑے اڑا کے فوج کیا سرخرو چلی
دم بھر میں فیصلہ یہ کرشمے قضا کے ہیں

بسمل بھی تیغ تیز کا دم بھر کے رہ گیا
تکتے ہیں کوئی منہ پہ نظر کر کے رہ گیا
سر کٹ کے گو پڑا مگر آنکھیں کھلی رہیں
ہر نخلِ قد کی شاخ جدا اور ثمر جدا
بھائی سے بھائی اور پسر سے پدر جدا
کیا تفرقہ پڑا تھا کہ اعضا بہم نہ تھے

اسوار کو گرا کے سنبھلنے نہ دیتی تھی وہ
برچھیت کو پرے سے نکلنے نہ دیتی تھی
جو اس کا کام تھا سو وہ پھرتی کے ساتھ تھا
اٹھی چلی سپاہ میں آئی جدا ہوئی
صف کی صف جدا پرے کی صفائی جدا ہوئی
دم توڑتے یا مرے کوئی پروا ذرا نہ تھی
چھپتی تھی برق اس کی چمک دیکھ دیکھ کے
تھرّا رہا تھا زمیں کو فلک دیکھ دیکھ کے
جوہر میں پیچ و تاب تھا زلفوں کے جال کا
ختنی تھی سر تنوں سے جدا دیکھ دیکھ کے
بے خود تھی آپ اپنی ادا دیکھ دیکھ کے
کٹتی تھی تیغ گو کہ سر دیں کا ہاتھ ہوں
سب سے جدا تھی تیغ کے چلنے کی قطع واہ
خط جا بجا تھے خاک پہ مابین رزم گاہ
کترا کے جو پھر آئی تو جا لگتی ہوئی
گھیرا جو یک بیک غضب کردگار نے
کھینچا سر آسماں پہ زمیں کے غبار نے
دن چھپ گیا یہ گرد پڑی رن کے سر پہ
اللہ رے زلزلے کہ لرزتے تھے دشت و در
جنّات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر
اندھیر ہے اٹھی برکت اب جہان سے
دریا کی فوج گھاٹ سے جب ہٹ گئی تمام
نعرہ کیا ترائی تو شیروں کا ہے مقام
تم سب کی کیا بساط ہے دامن کی گرد ہو

لاکھوں میں ہاتھ ایک کا چلنے نہ دیتی تھی
رستم بھی ہو تو شانہ ہلنے نہ دیتی تھی
جس کا قدم بڑھا نہ سپر تھی نہ ہاتھ تھا
پنجہ جو بچ گیا تو کلائی جدا ہوئی
پیٹری جگر میں خوں میں نہائی جدا ہوئی
نکلی جو خوں میں پیر کے پھر آشنا ہوئی
رہ جاتی تھی سما کو سمک دیکھ دیکھ کے
خورشید کا چھپتا تھا جھلک دیکھ دیکھ کے
بجلی کی زرق برق تھی چم خم ہلال کا
کرتی تھی ناز حشر بپا دیکھ دیکھ کے
چشمک قضا کی تھی کہ ادا دیکھ دیکھ کے
تو میرے دم کے ساتھ ہے میں تیرے ساتھ ہوں
اس صف سے ہاتھ پاؤں قلم وہ پرا تباہ
کٹ کٹ کے تیغیں کٹتی تھیں اللہ کی پناہ
چلتی ہے یوں تو راہ کو بھی کاٹتی ہوئی
گھوڑے بھگا دئے فوج ضلالت شعار نے
سر پر اڑائی خاک سیہ روزگار نے
ہستی کا بھی بندھا تھا محیط سپہر پر
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
دنیا میں خاک اڑتی ہے اب جائیں ہم کدھر
لو مل گیا زمیں کا طبق آسمان سے
ساحل تک آئے حضرت عباس نیک نام
وہ زور شور کیا ہوا اے ساکنانِ شام
ہاں اب بھی ہٹ جاؤ تو جانیں کہ مرد ہو

وہ حلم اور تھا کہ دبتی ہو نہ سکی تاب
لاکھوں میں اب تو ہے کوئی اس تیغ کا جواب
افسوس ابن سعد ستمگار ، سن گیا
یہ بات سن کے ڈال دیا نہر میں سمند
چمکا جو عکس رخ علمدار ارجمند
دریا کے دل میں تھی جو کدورت وہ دھو گئی

جلوے جو نہر میں علم سبز نے دکھائے
پانی میں جب کہ شرم سے خورشید ڈوب جائے
ہر سنگ ریزہ نور سے فرد خوش آب تھا
چھاتی تک اسپ نے پانی کو دیکھا جو ایک بار
حسرت سے منہ پھرا کے نظر کی سوئے سوار
تو بولے اے فرس کہ بہت تشنہ کام ہے

گردن ہلا کے کہنے لگا اسپ تیز گام
اس قوم میں نہیں کہ ڈبو دوں وفا کا نام
مطلب یہ ہے کہ ذکر وفا چار سو رہے
ہر چند تین روز سے ہے پیاس کا وفور
پر ہے یہ امر آپ کی دریا دلی سے دور
ناموس مصطفےٰ میں تلاطم ہے رات سے

بچوں کا حال سن کے لگا دل پہ تیر غم
مشکیزہ بھر کے دوش پہ رکھا بچشم نم
بڑھتے ہی بحر ظلم کی موجوں میں گھر گیا
ہاں راہ روک لو یہ ہوئی چار سو پکار
ڈھالیں بڑھیں بہم کہ اٹھا ابر کوہسار
جلتا تھا چرخ غلغلہ دار و گیر سے

رستی پہ کیا سپاہ کی مٹی ہوئی خراب
یوں خاک میں ملاتے ہیں فرزند بوتراب
پر خیر کچھ غبار تو دل کا نکل گیا
پانی میں دم اٹھا کے بڑھا اسپ سربلند
پانی کی آب و تاب ہوئی جا بجا دوچند
آنکھوں میں مچھلیوں کے چکا چوند ہو گئی

اک شور تھا کہ خضر علیہ السلام آئے
پھر آنکھ میں حباب کی کیا آسماں سمائے
لہریں جو رقص کرتیں تو بھنور آفتاب تھا
گھوڑے کا دل ہوا صفت موج بے قرار
بولے یہ باگ چھوڑ کے عباسؑ نامدار
ہم پر تو ہے حسینؑ پہ پانی حرام ہے

بے ذوالجناح مجھ پہ بھی پانی ہے یہ حرام
آقا ابھی حسینؑ کے بچے ہیں تشنہ کام
تر خشک لب ہوں تو نہ ہوں آبرو رہے
پیتا یہ خانہ زاد بھی پیتے اگر حضور
جائیں بھی صفدروں کی فکر اس کی ہے ضرور
اب جلد مشک بھر کے نکلئے فرات سے

روتے ہوئے اشکوں سے عباسؑ باکرم
نکلا پلٹ کے نہر سے شبدیز خوش قدم
سقا نبی کی آل کا فوجوں میں گھر گیا
برچھے اٹھا اٹھا کے بڑھے سیکڑوں سوار
تیغیں علم ہوئیں کہ بندھی آہنی حصار
حلقہ کسی کی کمان کا نہ خالی تھا تیر سے

کہتا تھا گرز توں کے ایک ایک پہلواں — رکھ دو یہ مشک ہے اسداللہ کے نشاں
بڑھ کر جواب دیتے تھے عباسؑ نوجواں — چہرہ بگاڑ دوں گا سنبھالے رہو زباں
کیا منہ جو مشک لے کوئی جب تک یہ ہاتھ ہے — لے بے حمیتو! مری جاں اس کے ساتھ ہے

طفلی سے تھی ہمیں انھیں عہدوں کی آرزو — دونوں امانتیں ہیں یہ لے فوج کینہ جو
اک مشک اک نشانِ شہنشاہِ نیک خو — اس سے جہاں میں نام ہوا اس سے آبرو
گر مر گئے تو مشک و علم لے کے جائیں گے — مختار ان کا جو ہے اسے دے کے جائیں گے

کھینچے یہ کہہ کے تیغ دو دستی علم کئے — دونوں طرف کے نیزۂ خطی قلم کئے
حملے صفوں پہ صورتِ شیرِ دژم کئے — تیغ دو دم سے بند لعینوں کے دم کئے
سن سن تیغ کے چلنے میں کمریں جو کٹ گئیں — آدھی صفیں تو بچھ گئیں آدھی الٹ گئیں

بوچھار یک بیک ہوئی تیروں کی ہے غضب — تیغیں چلیں عقب سے شریروں کی ہے غضب
تشنگی دو جہاں کے امیروں کی ہے غضب — بجھنے نہ پائی پیاس صغیروں کی ہے غضب
تیر سے تھے اور جاتے تھے پہلو دلیر کے — تیروں نے چھان ڈالا تھا سینے کو شیر کے

زخمی تھے پر فرس کو ڈپٹتے تھے بار بار — چہرے پہ زخم کھا کے جھپٹتے تھے بار بار
بڑھ بڑھ کے غول فوج کے ہٹتے تھے بار بار — تن سر سے پانچ سات کے کٹتے تھے بار بار
دکھلا رہے تھے رنگ علیؑ کی لڑائی کا — اعدا کے خوں سے لال تھا سبزہ ترائی کا

جھکتے علم کو روک کے کہتے تھے بار بار — قوت عطا کرو مجھے یا شیرِ کردگار
دیتے تھے دم بدم یہ صدا شاہِ ذوالفقار — بچا ترے تھکے ہوئے بازو کے میں نثار
پانی کے واسطے یہ کبھی رن پڑا نہیں — کاندھے پہ مشک لے کے کوئی یوں لڑا نہیں

واحسرتا وہ فوج کا انبوہ وہ ایک جاں — فاقہ وہ تین دن کا وہ سوکھی ہوئی زباں
ڈرنے کی فکر مشک کا دھڑکا علم کا دھیاں — جب تن سے ہو گیا کہیں کٹ کر الگ کماں
لگی سناں تو روح بدن سے رواں ہوئی — روکا سپر پہ تیر تو خاطر نشاں ہوئی

کھاتے تھے تن پہ زخم کچھ اپنا نہ تھا الم — مضطر تھا مشک کے لئے وہ صاحبِ کرم
جتنا تھا خوں رگوں سے گھٹتے تھے قدم — قوت کو ضعف ضعف کو قوت تھی دم بدم
اعدا ہدف بنائے تھے کینے سے مشک کو — پر یہ جدا نہ کرتے تھے سینے سے مشک کو

تلوار ہاتھ میں علم شاہ دوش پر
اک تیغ تیز چل گئی ناگاہ دوش پر
صدمہ ادھر تو مشک کا جانِ حزیں پہ تھا
شانے سے یوں ابل کے گرا خون الاماں
مچھلی کی طرح ہاتھ تو ریتی پہ تھا تپاں
بے دست ہو گئی تھی جو اس صفدری کے ساتھ
دہنا تھا ہاتھ تیغ اسی میں تھی بے ستم
تلواریں دو چلیں جو کمیں گاہ سے بہم
کس سے ہٹائیں فوج کو کس سے وغا کریں
دستِ قریب تو آ نہ سکا کوئی نابکار
اک تیر لگ کے مشک پہ گزرا جگر کے پار
ہے ہے سکینہ کہہ کے فلک پر نگاہ کی
گرزِ ستم سے شق ہوا ناگہ سرِ جناب
فرمایا ہائے دیں گے سکینہ کو کیا جواب
تڑپے انہیں، کراہ کے خاموش ہو گئے
ان کا تو یاں ہے کرب سنو واں کی اب خبر
پیغام ہوا ہے چھاتی سے عباس کا پھریرا
زینب کھڑی ہیں ڈیوڑھی پہ اور دل پہ ہاتھ ہے
زینب سے عرض کرتی ہے رو کر وہ دل فگار
کچھ دم سمجھ رہا ہے نہیں قلب کو قرار
پھر اب نہیں ہے خیر کے انداز اور ہیں
کس سے کہوں جو دوڑ کے لائے کوئی خبر
یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے ادھر
ہاتھ میں نوجواں کے دل اندوہ ناک تھا

مڑنے پہ گاہ مشک رکھی گاہ دوش پر
تلوار کیا پہاڑ گرا آہ دوش پر
دیکھا جو پھر کے دستِ مبارک زمیں پہ تھا
تیورا کے جھومنے لگے عباسِ نوجواں
لیکن جدا نہ ہوتی تھیں قبضے سے انگلیاں
تلوار بھی تڑپتی تھی دستِ جری کے ساتھ
اب تھا بائیں ہاتھ میں مشکیزہ و علم
اٹھا ہوا وہ ہاتھ بھی بس ہو گیا قلم
بتلاؤ اب کہ حضرت عباس کیا کریں
پھر تیر سب لگانے لگے باندھ کر قطار
پانی کے ساتھ سینے سے چھوٹی لہو کی دھار
مڑنے پہ سر پہ تیغ کے بخشی نے آہ کی
تھرائے ہونٹ چھٹ گئی دانتوں سے مشکِ آب
گھوڑے سے تھرتھرا کے گرے مثلِ آفتاب
منہ رکھ کے خالی مشک پہ بے ہوش ہو گئے
ڈیوڑھی کے پاس بیٹھی ہیں حضرت برہنہ سر
روتی ہے سر جھکائے سکینہ قریبِ در
بکھرائے بال زوجۂ عباس ساتھ ہے
ہے ہے یہ شور سر پہ کھلے ہیں نثار
گرتی ہے کانپتے میں ردا سر سے بار بار
بی بی یہ سب ہمارے رنڈاپے کے طور ہیں
پردہ اٹھا کے اب میں نکلتی ہوں ننگے سر
دوڑے زمیں سے اٹھ کے شہنشاہِ بحر و بر
تلوار ہاتھ میں تھی گریباں چاک تھا

رستے میں لڑکھڑاتے تھے جب ضعف سے قدم ۔ اکبر سنبھال لیتے تھے بابا کو دم بدم
فرماتے تھے تڑپ کے پسر سے شہِ اُمم ۔ جو حال ہو گیا ہے کہ بھائی کا ہے الم
بازو پکڑ کے دلبرِ زہرا کو لے چلو ۔ بیٹا چچا کی لاش پہ بابا کو لے چلو
اک اک قدم پہ ضعف و نقاہت تھے سدِ راہ ۔ عباس کیا بچھڑ گئے گھر ہو گیا تباہ
چلتے رہے تو ٹھوکریں کھانے کو آہ آہ ۔ وہ کہتے ہوں گے لاش پہ اب تک نہ آئے شاہ
شق ہو جگر جو صبر اُدھر سے عطا نہ ہو ۔ یارب کسی سے خلق میں بھائی جدا نہ ہو
ٹھہرو کہ پاؤں اب نہیں قابو میں اے پسر ۔ تم ہاتھ تھامتے ہو جھکی جاتی ہے کمر
سینہ لہو ہے دل ہے تپاں چاک ہے جگر ۔ اکبر بتاؤ ہاتھ میں رکھوں کدھر کدھر
گھبراتے بولنے میں بدن سرد ہو گیا ۔ کیا دکھ ہے یہ کہ میں ہمہ تن درد ہو گیا
اس شکل سے ترائی میں پہنچے جو شاہِ دیں ۔ رو کر یہ شہ سے کہنے لگے اکبرِ حزیں
بابا یہی ہے لاشِ علمدار مہ جبیں ۔ گھوڑا کہیں ہے تیغ کہیں ہے علم کہیں
رکھے ہوئے ہیں مشک پہ منہ پیار دیکھیے ۔ شانے کٹے ہیں شانِ علمدار دیکھیے
حضرت بچا کے جان بھی ہے جسمِ زار میں ۔ یا مر گئے تڑپ کے مرے انتظار میں
کی عرض دم تو ہے جسدِ زخم دار میں ۔ رنج سے بولتے نہیں کچھ احتضار میں
کیجے ذرا ملاحظہ چہرے کے نور کو ۔ آنکھیں کھلی ہیں دیکھ رہے ہیں حضور کو
چلّائے گر کے لاش پہ شبیرِ نامدار ۔ بھیا تمھاری نرگسی آنکھوں کے میں نثار
اس نزع میں بھی تھا تمھیں بھائی کا انتظار ۔ آنکھیں پھرا کے ڈھونڈتے ہو ہم کو بار بار
شاید زباں ہے بند جو لب کھولتے نہیں ۔ روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں
مر جائے گا حسین برادر جواب دو ۔ اے میرے نوجواں مرے صفدر جواب دو
اب جاں بلب ہے سبطِ پیمبر جواب دو ۔ اے نورِ چشمِ ساقیِ کوثر جواب دو
لکنت زبانِ خشک کو ہے تشنہ کام ہیں ۔ بھیا تمھارے سر کی قسم ہم تمام ہیں
محسن تمھیں دیا ہے سکینہ نے کچھ پیام ۔ ایسا نہ ہو کہ یاں چلی آئے وہ تشنہ کام
جنبش ہوئی لبوں کو بھتیجی کا سن کے نام ۔ کی عرض اب غلام کی رخصت ہے یا امام
قدموں پہ آنکھیں ملنے کو دل بے قرار تھا ۔ مولا کے دیکھنے کا فقط انتظار تھا

منہ دیکھ کے بیٹے کا یہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال
کیوں چپ ہوئے کچھ اور کہو اپنے دل کا حال

ان سوکھے ہونٹوں پہ صدقے علی کا لال
کیا مدد کو آئے ہیں اب شیرِ ذوالجلال

رنگ کیوں ہے زرد کون سی ایذا گزرتی ہے
کیوں دم بدم کراہتے ہو کیا گزرتی ہے

گودی میں ہے مری دمِ آخر تمہارا سر
اور پاس کچھ جوان بھتیجا ہے نوحہ گر

گزرے گی جو تم پہ جو تھیں اس کی بھی ہے خبر
سینے پہ ہو گا تیغ لئے شمرِ بدگہر

شمشیر حلقِ خشک پہ چلتی ہے کس طرح
دیکھیں ہماری جان نکلتی ہے کس طرح

یہ بات سن کے نزع میں عباسؑ تھرتھرائے
قطرے لہو کے آنکھوں سے عارض پہ بہہ آئے

دوبارہ سر پٹک کے پکارے کہ ہائے ہائے
گر خون و دہن حسینؑ کے قدموں کے پاس لائے

ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
سر پاؤں پہ دھرا رہا اور دم نکل گیا

اکبرؑ نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کدھر گئے

منہ تو اٹھاؤ خاک سے رخسار بھر گئے
واحسرتا حسینؑ کو بے آس کر گئے

اب کون دے گا دکھ میں بہنؑ کے پسر کا ساتھ
دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ

اے میرے شیرِ صف شکن اے میرے نوجواں
پاؤں گا تم سا جاں نثار والا میں اب کہاں

فیضِ خدا کا آج جہاں سے مٹا نشاں
تم کو حسینؑ جانتا تھا اپنے تن کی جاں

بیٹوں میں اب پسر نہیں بھائی کی ہوتے ہو
بازو کٹائے شہر سے دریا پہ سوتے ہو

آتے ہی بھاگتی تھی ترائی کی جا تمہیں
واللہ کیا پسند تھی بیاباں کی ہوا تمہیں

بخشی خدا نے قبر بھی سب سے جدا تمہیں
آخر وہی ہوا کہ جو منظور تھا تمہیں

اس جنگ کے واسطے بچھڑے حسینؑ سے
بھیا جو آئے سر دیں اب سوؤ چین سے

قسمت میں ہے کہ دھوپ ہو جنگل کی اور ہم
کیا قہر تو دکھایا ہے گردوں نے بے ستم

کیا خوب ہو اگر ہمیں تجھے ہمارا دم
الفت یہ چاہتی تھی کہ قبریں بھی ہوں بہم

رو میں سرہانے بیٹھ کے جو سوگوار ہوں
ہم دونوں بھائیوں کے برابر مزار ہوں

آئی صدا یہ حضرت خاتونِ روزگار
بے ہے جہاں سے اٹھ گیا ایسا وفا شعار

اے میرے لال تیرے تڑپنے کے میں نثار
میرا پسر ہے آج سے عباسؑ نامدار

بھیا تمہیں لاش کی لینے کو آئی ہوں
پرسا تمہارے بھائی کا دینے کو آئی ہوں

وارث تم اب یہ مشک و علم لے کے جاؤ گھر
چلائے تب یہ رو کے شہنشاہ بحر و بر
ہم مر گئے کہ خلق سے بھائی گزر گیا
اکبر سے پھر کہا کہ علم خاک سے اٹھاؤ
بیوہ ہوئی چچی اسے پرسا دو خاک اڑاؤ
پوچھیں جو سب کہ سبطِ پیمبر کدھر گئے
اکبر یہ شہ سے سن کے جو روئے بحدِ بکا
ناگاہ آئی در سے سکینہ کی یہ صدا
روتے ہیں آپ کیوں مرے عمو کدھر گئے
فرما کے یہ زمیں سے اٹھے شاہ انس و جاں
پہنچے حرم سرا کے جو نزدیک ناگہاں
اندھیر ہے جہاں مجھے اب سوجھتا نہیں
ڈھونڈوں کہاں میں لے مرے عمو کدھر گئے
دریا پہ مشک بھیج دی اور خود گزر گئے
شانے کٹے تھے مشک بھی تیروں سے کٹ گئی
غل پڑ گیا کہ شہ کے علمدار ہائے ہائے
اے ابن فاطمہ کے مددگار ہائے ہائے
چھوٹے سے ہاتھ رکھ کے دل دردناک پر
حضرت نے لا کے گاڑ دیا صحن میں علم
سب سے کہا کہ جینے نہ دے گا ہمیں یہ غم
پوچھو ہمارے دل سے مصیبت جدائی کی
بھائی سے ساتھ بھائی کا چھوٹا ہزار حیف
بازو مرا قوی تھا سو ٹوٹا ہزار حیف
فریاد ہے لعینوں نے ہم پر ستم کیا

ایسا نہ ہو نکل پڑے زینب برہنہ سر
آماں کمر تو ٹوٹ گئی جائیں اب کدھر
بازو ہمارا تھا مرنے والا تو مر گیا
رنجوں پہ مشک خیمۂ عصمت میں لے کے جاؤ
بیٹا چچا کے بچوں کو جا کر گلے لگاؤ
کہہ دو سمجھو کہ بھائی کے لاشے پہ مر گئے
تڑپے اک آہ بھر کے شہنشاہ کربلا
بابا میں اب نکلتی ہوں گھر سے برہنہ پا
حضرت نے دی صدا کہ جہاں سے گزر گئے
رو کر علم سے باندھ دی وہ مشک خونچکاں
سر پیٹ کے سکینہ نے تب یہ کیا بیاں
ہے ہے علم تو آیا ہے میرا چچا نہیں
مجھ کو بتا دیا نہ وہاں کا جدھر گئے
پانی پیا نہ تشنہ دہن کوچ کر گئے
وہ کیا گرے ہماری ہی قسمت الٹ گئی
اے نور چشم حیدر کرار ہائے ہائے
اے فوج شہ کے جعفر طیار ہائے ہائے
دے مارا سر کو بالی سکینہ نے خاک پر
اور گر پڑے زمیں پہ شہنشاہ با کرم
جس سے جدا نہ ہوتے تھے کھوئے ان کو ہم
بھائی ہی جانتا ہے محبت کو بھائی کی
چھوڑا نہ پھل نہ پھول نہ بوٹا ہزار حیف
امت نے میرے باغ کو لوٹا ہزار حیف
تینوں سے سرو باغ علی کو قلم کیا

زیرِ علم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال — سر تھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
چلاتی تھی یتیم ہوئے میرے دونوں لال — دنیا سے کھو گئے مجھے عباسؑ خوش خصال
ہے ہے علیؑ کا نورِ نظر مجھ سے چھُٹ گیا — میں رانڈ ہو گئی مرا اقبال لُٹ گیا

ناگہ صدا علیؑ کی یہ آئی کہ اے بہو! — لاڑا تو یہ تمہارے سرِ عباسؑ نیک خو
آئی ہے تیرے پُرسے کو زہراؑ کشادہ مو — بی بی سُنیں اب حسینؑ کو رو کر رُلاؤ تو
بھائی کے غم میں لال مرا دردمند ہے — اب صبر کرو کہ صبر خدا کو پسند ہے

ہاں رو دو مُنہ یہ بُکا کا مقام ہے — تم میں شریک روحِ رسولِ انامؐ ہے
اب رخصتِ حسینؑ علیہ السّلام ہے — چہلم کی مجلسوں کا بھی اب اختتام ہے
موت آئی تو شریکِ عزا کون ہوئے گا — جو سال بھر بچے گا وہ پھر شہ کو روئے گا

آگے تمہارے مرتے جو عباسؑ باوفا — پُرسا نہ دوگے سبطِ رسولِ خدا کو کیا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا — زہراؑ بھی تنگ سے ہے قیامت کرو بپا
سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو — وہ نوجوان بھائی کا پُرسا حسینؑ کو

یہ کہہ کے ہائے حضرتِ عباسؑ خاک اُڑائی — پیٹو سروں کو ہاتھوں سے اور شہ کی طرف جاؤ
ہے ہے حسینؑ کہہ کے زمیں پر پچھاڑیں کھائیں — پُرسا پسر کا فاطمہ زہراؑ کو دے کے جاؤ
کل خاک میں ملائیں گے اس تشنہ کام کو — رخصت کرو حسینؑ علیہ السّلام کو

اے بے دیار و بے سر و سامان الوداع — اے بنتِ مصطفےٰ کے دل و جان الوداع
اے دو جہاں کے سیّد و سلطان الوداع — اے شیعانِ ہند کے مہمان الوداع
آہ و بکا سے ہم کبھی غافل نہ ہوئیں گے — جب تک جئیں گے آپ کی غربت پہ روئیں گے

مولا ضریحِ پاک پہ بلوا لیجے شتاب — اب ہجر کی اخترؔ کے دل کو نہیں ہے تاب
رہ جائے گی ہوس جو دیا زیست نے جواب — خاکِ شفا نے مجھے یا ابنِ بوتراب!
اچھی نہیں مریض کو دوری مسیح سے — حسرت یہ ہے کہ مروں لپٹ کر ضریح سے

۴

مرثیہ

بند ۱۲۱

یہ مرثیہ نول کشور بک ڈپو کے مطبوعہ سلسلوں میں شامل نہیں ہے۔ لیکن طباطبائی صاحب نے میر انیس کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی جلدوں میں شامل کیا ہے۔

طرز کلام سے بھی یہ مرثیہ میر صاحب ہی کا معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم نے بھی اس ترتیب میں شامل کر دیا واللہ اعلم ——— نائب نقوی۔

رن میں جب دمِ حُرِ ذیشاں نے شہادت پائی
اسدِ بیشۂ ایماں نے شہادت پائی
کبھی اس طرح نہ مہرِ فلک آرا چمکا
شرفِ زاہد و عبّاد ہوا واہ رے حُر!
ثانیِ بوذر و مقداد ہوا واہ رے حُر!
خاکساری ہو تو سر عرش سے جا لگتا ہے
وہی عاقل ہے جو نیکی کا نہ جادہ چھوڑے
نفسِ امّارۂ بدخو کا ارادہ چھوڑے
کھائے گر گود کے پھر شہ کا نوالا ہوگا
خوب سمجھا وہ کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے
چار دن گر ہے حشمت تو وہ حشمت کیا ہے
قبر مل جاتی ہے یا خاک میں تن ملتا ہے
کیوں نہ حیرت ہو فقیہانِ شرر والا کو
چاہیے جانبِ انجام نظر دانا کو
کس جگہ لطفِ شہِ صابر و شاکر لے گیا

قتل ہو شاہ کے مہماں نے شہادت پائی
یاورِ شاہِ شہیداں نے شہادت پائی
جس طرح حُرِ دلاور کا ستارا چمکا
زینتِ گلشنِ ایجاد ہوا واہ رے حُر!
شاہ کا بندۂ آزاد ہوا واہ رے حُر!
یوں ہی آقا کی غلامی کا صلا ملتا ہے
مال مصرف میں کفن سے نہ زیادہ چھوڑے
ورقِ نیکیِ اعمال نہ سادہ چھوڑے
قبر میں فوج نہ ہوگی نہ رسالا ہوگا
جو نہ مرتے ہوئے ساتھ ہو وہ دولت کیا ہے
گر ہے دانا تو زمیں کیا ہے زراعت کیا ہے
مال دنیا سے ملا بھی تو کفن ملتا ہے
حسنِ تقدیر نے اعلیٰ کیا یوں ادنیٰ کو
تر ہو کے اک قطرے نے شرمندہ کیا دریا کو
چلے جنت میں حبیب ابن مظاہر سے گیا

واہ کیا رتبۂ حُر ذی شاں کو ملا
جس کا جویا تھا وہ فردوس بھی خود اس کو ملا
باغِ جنت میں بھی ہمسایۂ حیدر پایا
پسرِ سعد نے شیطاں کی طرح بہکایا
نہ تھا فوج میں جنت کا جو رستہ پایا
شاد حیدر تو خوشی حضرتِ شبیر ہوئے
کیوں نہ ہو ابنِ ید اللہ کا عاشق تھا حُر
گو بظاہر تھا منافق پہ موافق تھا حُر
اس کی مظلومی پہ کیوں کر نہ محب سب روئیں
نہ رہا چند نفر کا جو رسالا نہ رہا
منہ تو خونی کی طرح حشر میں کالا نہ رہا
یوں بھی دنیا میں مسافر کوئی کم نکلا ہے
اے خوشا حال کہ خاکِ درِ شبیر ملی
نار سے نور ہوا عزت و توقیر ملی
صحبتِ بادشہِ کون و مکاں میں پہونچا
مل کے آنکھوں کو جو چومے قدمِ شاہِ زماں
ہاتھ باندھے ہوئے آیا تو کھلے بابِ جناں
لاکھ مردود جو بہکائیں تو کیا ہوتا ہے
اک غلامی میں شہنشاہ کی کیا کیا پایا
حُر کو حوریں بھی ملیں قصرِ معلےٰ پایا
بارک اللہ کی گردوں سے صدائیں آئیں
جیتے جی پاک رہے دنیا سے کیا تھا جو سفر
گلِ شبنم کی طرح جسم عرق میں تھا جو تر
کبھی ماتھا کبھی چہرہ کبھی سینہ پونچھا

آبِ کوثر شہِ مظلوم کے مہماں کو ملا
وہ ملا جو کہ نہ ہرگز کسی انساں کو ملا
گو کبھی حضرت کے رفیقوں کے برابر پایا
دامِ تزویر میں لیکن نہ وہ دانا آیا
شہِ والا کی حضوری میں مقدر پایا
دوست اللہ کے اٹھ اٹھ کے بغل گیر ہوئے
جو ملا اوج اسی اوج کے لائق تھا حُر
جو کہا تھا وہ کیا قول کا صادق تھا حُر
جس کو بھائی کی طرح حضرتِ زینب روئیں
کون سا چاند کا نقصان ہے جو ہالا نہ رہا
کون سے رتبے میں لاکھوں سے وہ بالا نہ رہا
زانوے حضرتِ شبیر پہ دم نکلا ہے
نیک صحبت کو بشر سمجھے کہ اکسیر ملی
شرطِ انصاف ہو ایسی کہ تقدیر ملی
پاؤں دوزخ سے بڑھاتے ہی جناں میں پہنچا
تیرگی رخ کی سمٹ کر ہوئی تجلی پنہاں
حُر کہاں زانوے فرزندِ ید اللہ کہاں
بگڑی بن جاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے
کس نے پایا ہے زمانے میں یہ اعلیٰ پایا
وہم میں بھی جو نہ آتا تھا وہ پایا پایا
راہ میں تھا کہ بہشتوں کی ہوائیں آئیں
آبِ کوثر جو ملا سرد ہوئے قلب و جگر
ہر طرف سے تھا اسی سمت ہواؤں کا گزر
اپنے رومالوں سے حوروں نے پسینہ پونچھا

آگے رکھتا تھا طبق میوؤں کے رضواں لا کر
شوق میں جب کہ لپٹ جاتی تھیں حوریں آ کر
مسکرا دینے نے حوروں کے بھی دل جلوا دیے
ڈالیاں سامنے ہیں پھولوں کی جس طرح چمن
بلبلیں شاخ گل تازہ پہ تھیں چہچہ زن
خوان نعمت کہیں ساغر تھا کہیں پانی کا
نظر آتے تھے جو کوثر کے چھلکتے ہوئے جام
کہتا تھا کچھ نہیں پانی سے زباں کو اب کام
تیسرا دن ہے کہ پانی جو نہیں پاتے ہیں
غم کا ماتم تھا کہ لڑنے گئے میداں میں عزیز
باغ جنت کی دکھائی انہیں تقدیر نے سیر
صبح سے کرتے تھے دونوں جو دعا مرنے کی
گھر میں ماں باپ کے بچوں کی جو لاشیں آئیں
غرض دونوں یتیموں نے برابر پائیں
آہ و زاری سے کبھی سوئے نجف دیکھتی ہیں
دونوں بیٹوں سے اشارا تھا کہ رخصت مانگو
جلد اللہ سے مر جانے کی ہمت مانگو
نیچے ہاتھوں سے چھوڑو سیروں کو دکھ دو
رات کو کہتے تھے جو کچھ وہ سخن بھول گئے
وارد گیر اسے قلعہ شکن بھول گئے
بچے شیروں کے بگڑ جاتے ہیں رن پڑتے ہیں
دو دو ل کہنے ہیں آقا سے حیا داوری ہم
ایک مطلب نہ ہوا تم سے ادا داوری ہم
شہ کو صدقے گئی ماموں نہ کہو باپ کہو

کوئی ہاتھوں میں لیے آتا تھا جام کوثر
گر دی جاہ جھکا لیتا تھا سر شرما کر
ڈالیاں پھولوں کی تھیں چہروں پہ آنچل ڈالے
لہلہاتے ہیں نئے رنگ سے جنت کے چمن
مسکرانے میں کھلے جاتے تھے غنچوں کے دہن
شور تھا شاہ کے مہمان کی مہمانی کا
منہ لگاتا تھا نہ پانی کو خبر نیک انجام
دشت غربت میں کئی روز سے پیاسے ہیں امام
بچے گھبرا کے تنا توں سے نکل آتے ہیں
لڑکے لاکھوں سے ہوا خاتمہ ان کا بخیر
پہلے مقتل میں عزیزوں سے فدا ہو گئے غیر
پانی مسلم کے یتیموں نے دعا مرنے کی
اٹھ کے ماں نے صف ماتم پہ بچھا دیں رکھائیں
بنت زہرا کبھی روئیں تو کبھی چلائیں
کبھی منہ پھیر کے لاشوں کی طرف دیکھتی ہیں
نذر خود مجھ کو کرو اذن شہادت مانگو
منہ میں خالق نے زباں دی ہو اجازت مانگو
قدم شاہ پہ جھک جھک کے سروں کو دکھلو
حسن تقریر میں انداز سخن بھول گئے
جیسے ہوتے ہو کہ دادا کا چلن بھول گئے
دیکھو لاشوں کو جو غازی ہیں وہ یوں اکڑے ہیں
جب بھی پوچھتے ہیں طلبگار رضا داوری ہم
کیسے بچے ہیں نصیب جاؤ گے کیا داوری شرم
ہیں نہ بولوں گی جو کہنا ہو وہ تم آپ کہو

اس خموشی کا سبب کیا ہے خدا خیر کرے
اب تو چپ رہنے کا چرچا ہے خدا خیر کرے
کام آجائے جو اولاد وہی کام کی ہے
قفل مطلب کی ہے مفتاح زباں کی تیزی
طبع رنگیں ہو تو مشکل نہیں رنگ آمیزی
شرم کس بات کی مطلب کے ادا کرنے میں
ماں کے پاس آکے یہ کہنے لگے وہ گل اندام
جب مناسب ہو تو کرتے ہیں بزرگوں سے کلام
ساتھ والوں کے ہوئے خلد پہ سے جاتے ہیں
شہ نے رخصت نہیں دی کہ رضا ہم نے نہ لی
شاہ مانع تھے کہ فردوس کی جا ہم نے نہ لی
اذن ملتا تو پرے توڑ کے مارے جاتے
جا کے دم بھر میں الٹ دیتے یہ لشکر کیا ہے
کوئی ہم سے بھی جگرداری میں برتر کیا ہے
چھین کر نیزوں کو تنکوں کی طرح توڑیں گے
فوج کیا آگ کا دریا ہو تو جھیلیں اس کو
کوفہ و شام کے طالب ہوں تو لے لیں ان کو
اپنے زوروں کو شجاعانِ عرب مانتے ہیں
شہ سے ضد کرکے اگر اذن وغا لیتے ہم
ملک ہوتی تو ابھی نہر کو جا لیتے ہم
شام تک فوج کے نقاروں کا غل کر دیتے
کہا زینب نے کہ سچ کہتے ہو تم ہاں واری
کیا کروں ہے مری خاطر جو پریشاں واری
سب کہیں فاطمہ زہرا کی کمائی بچ جائے

مجھ کو تو اور ہی دھڑکا ہے خدا خیر کرے
عقلیں ایسی ذہن ایسا ہے خدا خیر کرے
ہائے تشویش بزرگوں کے مجھے نام کی ہے
وقت پر چاہیے بلبل کی طرح گل ریزی
بات میں لطف ہو تقریر میں مطلب خیزی
زندگی موت ہے عرصہ نہ کرو مرنے میں
ابھی رہتے ہیں برادر کے یتیموں کو امام
آپ گھبرائیں نہ لیتے ہیں رضا رن کی غلام
کیا ہم ایسے ہیں کہ مرنے سے ڈرے جاتے ہیں
کیا سبب تھا کہ رہ ملک بقا ہم نے نہ لی
کون کہتا ہے کہ مردوں کی روا ہم نے نہ لی
سب سے پہلے ہمیں کوثر کے کنارے جاتے
پر شعدہ ہو گیا، شمر پہ اختر کیا ہے
لاکھ سر ماموں پہ صدقے ہیں یہ اک سر کیا ہے
منہ نہ پھیریں گے گا آپ جو منہ موڑیں گے
دو کہیں ہاتھ ہزیمت جو نہ دے لیں اس کو
کوہ بھی سامنے آجائے تو ریلیں اس کو
ہم بھی حیدر کے نواسے ہیں یہ سب جانتے ہیں
صدقہ شیر خدا جیتی ہے خدا لیتے ہم
ظلم فوج بھی ملتا تو اٹھا لیتے ہم
توڑ کر کوفے کا در نہر پہ پل کر دیتے
ہوں ہی آقا کی مدد چاہیے اماں واری
لاکھ تشویشیں ہیں اور ایک مری جاں واری
چاہتی ہوں کسی صورت مرا بھائی بچ جائے

ذکر یہ تھا کہ اُدھر طبل بجا لشکر میں
اُٹھ کے بیٹھی جو زرہ ابنِ حسنؑ نے بر میں
کچھ بھتیجے سے جو کہنا نہ مناسب دیکھا
ہاتھ جوڑے گئے حضرت کے قریب وہ دلبر
عرض کی اے شہِ ذی جاہ! سلیمان فر
ہم کو جب تک کہ سرافرازی کا خلعت نہ ملے
شہ نے فرمایا کہ کیا کہتے ہو اے دلدارو
لشکرِ شام میں کیوں کر تمھیں بھیجوں پیارو
دل کو خوں کرتا ہے آوارہ وطن کا رونا
اُٹھ کے زینبؑ نے کہا آپ یہ فرماتے ہیں کیا
میری خاطر سے انھیں دیجیے اب ان کی رضا
یہ ستم دیدہ نہ آوارہ وطن سمجھتے ہیں
باپ ان دونوں کا ہو کون غلام آپ کا ہو
آج لڑ بھڑ کے یہ مر جائیں تو نام آپ کا ہو
سج لیں ہتھیار ذرا بیٹھ کے دم لے لیجیے
شہ نے فرمایا بہت خوب بہت خوب بہن
مجھ سے چھٹتے ہیں یہ دونوں مرے محبوب بہن
نہیں رکتے چمنِ دہر سے جانے والے
ماں نے لے جا کے جو پوشاک انھیں پہنائی
نقشہ چھوٹی سی جو ہتھیار کی کشتی لائی
گھر گئے اور نہ زباں پر بھی صدا آہ کی ہو
سج چکے جسم پہ زیور کی طرح جب ہتھیار
دل کو زینبؑ کے نہ آتا تھا کسی طرح قرار
آگے آگے تو وہ ہیں تیغوں کو تولے ہوئے

ہو گیا ان دونوں کے رخصت سے تلاطم گھر میں
تھرتھری پڑ گئی زینبؑ کے تنِ اطہر میں
شہ کی ہمشیر نے پھر بیٹوں کی جانب دیکھا
شاہ نے چھاتی سے لپٹا لیے ان دونوں کو پھر
آرزو ہے کہ ہم اب صدقے ہوں ان قدموں پر
قاسمؑ و اکبرؑ و عباسؑ کو رخصت نہ ملے
منتیں کر کے کہیں گے یہ نہ چھریاں مارو
تیرہ ہو گا یہ گھر اے عرشِ خدا کے تارو
مجھ سے دیکھا نہیں جائے گا بہن کا رونا
میں بھی صدقے مرے ماں باپ بھی حضرت پہ فدا
مجھ کو ہے فخر کنیزی پہ علیؑ و زہراؑ
آپ آقا ہیں کہ لونڈی کو بہن کہتے ہیں
صورتِ ابرِ کرم خلق میں عام آپ کا ہے
صبر اب کیجیے دونوں کو یہ کام آپ کا ہے
میں اگر روؤں تو رونے کی قسم ہے مجھے
خیر بہتر ہے جو کچھ ہے تمھیں مطلوب بہن
اب مری زیست نہ ہوگی کسی اسلوب بہن
پہلے اٹھتے ہیں مری لاش اٹھانے والے
شانِ بھائی کی لگا دیکھنے ہنس کر بھائی
واہ رے صبر کہ خود ماں نے کمر بندھوائی
یہ اُنھی سے ہو جو بیٹی اسد اللہ کی ہو
کر کے تسلیم چلے خیمے سے وہ گل رخسار
روتی تھی عونؑ و محمدؑ سے لپٹ کر ہر بار
صحن میں بیٹھی ہیں بیبیاں سر کھولے ہوئے

گو ہیں غل تھا کہ خدا حافظ و ناصر بچو!
ہائے اے گلشن ہستی کے مسافر بچو!
کہتی تھی ماں کہ مرے صابر و شاکر بچو!
تم نے چھوڑا مجھے پردیس میں آخر بچو!
میں نہیں روتی ہوں آنسو نہ بہاتے جاؤ
واری اماں مجھے صورت تو دکھاتے جاؤ

فکر تھمنے کا نہیں وقت سدھارو جاؤ
میرے بچو! مرے شیرو! مرے پیارو جاؤ!
کام بگڑے ہوئے امت کے سنوارو جاؤ
جاؤ اے عرش معلیٰ کے ستارو جاؤ!
منزلیں قبر کی نزدیک ہیں گھر دور ہے
اتنا کہتی ہوں کہ دریا سے نظر دور رہے

دولھنیں بن کے جو شہزادوں کے رہوار آئے
تھامنے بازوؤں کو سید ابرار آئے
چڑھ کے گھوڑوں پہ جو میدان میں جرار آئے
غل ہوا لخت دل حیدر کرار آئے
مینہ سروں کا کوئی دم میں لب جو برسے گا
آج ان چھوٹی سی تیغوں سے لہو برسے گا

کیا کلیجے ہیں صغیروں کے شجاعت دیکھو
جنگ کے شوق میں چہروں کی بشاشت دیکھو
آیتیں مصحف ناطق کی ہیں صورت دیکھو
نرگسی آنکھوں کی طفلی میں جلالت دیکھو
قرۃ العین محمد سے شہنشاہ کے ہیں
آنکھیں آہو کی ہیں تیور اسد اللہ کے ہیں

ماں نے پہنائی ہے دولھا سی بنا کر پوشاک
آستینوں کے ہیں کس طرح سے الٹے ہوئے چاک
نور کے سانچے میں ڈھالے ہوئے ہیں سر تا پاک
لڑائی سے انھیں خوف نہ مر جانے سے باک
ان کے جوہر اسد اللہ کی شمشیر کے ہیں
بھول کر منہ پہ نہ جانا یہ پسر شیر کے ہیں

کس کے پوتے ہیں یہ جرار نواسے کس کے
ضرب ماسے کتے ہیں بچے ہیں دونوں پہ جب کے
عرب و روم کے سردار ہیں شاہد اس کے
مر گئے نالوں سے دلدل کے ان لپ کے
رک کے جاتے ہیں جدھر صید کی بو ہوتی ہے
شیر کے بچوں میں بھی شیر کی خو ہوتی ہے

فاطمہ ان کی ہے نانی تو علی نانا ہے
ضرب کرار کو گردوں نے بھی مانا ہے
شیر کے بچے ہیں تم نے انھیں کیا جانا ہے
بھاگتے ہیں وہ جنھوں نے انھیں پہچانا ہے
خود بھی کٹتے ہیں چپر کھلتی ہے سر کٹتے ہیں
ضرب ایسی ہو تو جبریل کے پر کٹتے ہیں

ہے تو یہ بزرگی یہ شرف اس سن پر
زلفیں چہروں پہ ہیں یا رات کا سایا دن پر
آنکھ وہ جان فدا کرتی ہیں پریاں جن پر
ہے غضب پیاس ہے دو دن کی یہ جو بچپن پر
ڈال یہ گل رہیں جہاں رات گھنیری ہووے
عمر بھر گر انھیں دیکھے تو نہ سیری ہووے

چین پیشانی پہ شمشیر علیؑ کی نا ہیں
عش ہر پا ہو جو گھوڑوں کو یہ غازی ہا ہیں
کون سنتا ہے نسیم سحری کی آواز
نرگسی آنکھوں پہ ابرو نہیں قرار رکھے
دیکھو آنکھوں کے ادھر رنگ کو رخسار رکھے
لب لعل ایسے کہ پریوں کا بھی دل شیدا ہے

پسر سعد لعیں فوج سے نکلا ناگاہ
ہر طرف ڈھالوں کا چھایا ہوا تھا ابر سیاہ
شام کی فوج نے ہر سمت نشاں کھولے تھے
چوب پڑنے لگی نقارۂ رزمی پہ اُدھر
ہنس کے فرمایا کہ لے سعد کے منحوس پسر
ڈرتے گر تو نہیں بڑھتا تو ہمیں آتے ہیں

او لعیں جعفر طیار کے پیارے ہم ہیں
مالک صبر ہیں گو پیاس کے مارے ہم ہیں
لب جادہ پہ تو ملک بہر سلام آتے ہیں
چھوٹے بھائی نے صدا دی کہ حضور آپ یہیں
اپنے لشکر پہ ہے ظالم کو غرور آپ یہیں
تو تنہا ہو کے صفیں فوج کی برباد کی ہو

سن کے یہ عونؑ نے فرمایا کہ بہتر چلئے
مصلحت خوب ہے یہ پہلے اسی پر چلئے
اپنے گھوڑے بھی وہیں ہوں گے جہاں جائے گا
کہہ کے یہ دونوں دلیروں نے وہاں گھوڑے
منہ سے ہاں کہنے کی بھی تاب نہ لائے گھوڑے
گر گئے خود ہی جفا کار جھجکے ڈر سے

خم ابرو حرم کعبہ کی ہیں محرابیں
دونوں بن بن کے وہ باتوں کو نہ کیوں کر چاہیں
ہنہنانے کی صدا ہے کہ پری کی آواز
ہیں غزال ختنی سامنے میں تلواروں کے
پھول رکھے ہوئے ہیں سامنے بہاروں کے
صاف دانتوں سے تاروں کی چمک پیدا ہے

دوڑے ہر صف کے جانے کو نقیبان سپاہ
چھپیں تلواروں کی کثرت سے ڈھکی جائے پناہ
قد اندازوں نے ترکش کے دہاں کھولے تھے
غیظ میں آئے ادھر راحت جان حیدرؑ
سامنے شیروں کے آ جنگ کا دعوی ہو اگر
دیکھ کیوں کر ترا سر کاٹ کے لے جاتے ہیں

ہم سے ہے عرش کی رونق وہ ستارے ہم ہیں
ہمتیں دیکھ کہ دریا کے کنارے ہم ہیں
ابھی کوثر کے چھلکتے ہوئے جام آتے ہیں
صید دب کے تماشا جانا وہ آپ یہیں
پھر نہ ہاتھ آئے گا غدار حضور آپ یہیں
اس کا سر لائیں تو آپ کو بڑی شادی ہو

چلئے لے قوت بازوئے برادر چلئے
پیچھے رہواروں کو مہر برابر چلئے
بچ کے اب شیروں کے پنجے سے کہاں جائے گا
بن گئے اڑ کے پری زادوں کے سائے گھوڑے
قلب لشکر میں صفیں روک نہ سکے گھوڑے
ہل گئے نعل کی کیلوں کے تلے سے

کثرت فوج میں دونوں کے جو رہوار پھرے
جنگ کو بڑھ کے سواران جفا کا پھرے
تنگ کاوے میں بھی اس طرح وہ جادار پھرے
جس طرح صفحۂ قرطاس پہ پرکا پھرے
یکہ تازی نہ فقط عہد شکن بھول گئے
چوکڑی آہوئے صحرائے ختن بھول گئے

کیا لکھے وصف کمیت قلم تیز قسم
نہیں تھمتے کوئی ساعت کوئی لحظہ کوئی دم
وہ سُبک رو ہیں کہ غنچوں پہ جو رکھتے ہیں قدم
کھلتی کلیوں کا تبسم نہ زیادہ ہو نہ کم
لاکھ بن بن کے چلے کبک تو کیا چلتی ہے
گھوڑے چلتے ہیں کہ گلشن میں صبا چلتی ہے

نظر آجائے نہ پر تن کا وہ جلد ایسا باریک
کھینچے ابریشم چینی تو ہے تشبیہ رکیک
تازیانہ ہے نسیم سحری کی تحریک
سرعتیں خون کے ہمراہ ہیں رگ رگ میں شریک
برچھوں اڑجانے کا جس دم محل آجاتا تھا
اعتقاد حکما میں خلل آجاتا تھا

تنگے گردن کے مہ نو سے کشادہ سینے
جن سے شرمندہ تھا مہتاب مجلی آئینے
سینے کیا صبر کی دولت کے وہ تھے گنجینے
پاس دریا تھا و لیکن نہ گئے پانی پینے
تیر سے قافیے ہیں مرنے کو جیتے تھے دونوں
ساتھ حیدر کے نواسوں کا دیے تھے دونوں

شہسواری کا وہ انداز وہ رانیں باگیں
ران پٹری کا وہ جمنا وہ عناں کی لاگیں
وہ سُبک رو کہ کریں صید جو آہو بھاگیں
سوتی آنکھوں میں جو دوڑیں تو نہ مردم جاگیں
لاکھ دو لاکھ پہ بھاری ہیں جو چار ایسے ہوں
گھوڑے چالاک ہوں ایسے تو سوار ایسے ہوں

شور تھا جھوم کے ان دونوں کا آنا دیکھو
تیر کی طرح کماں داروں پہ جانا دیکھو
غیظ میں تھوتھنیاں سینوں پہ لانا دیکھو
تھم کے غصے میں دہانے کا چبانا دیکھو
ہم دونوں کے گل تر سے کہیں خوشبو ہیں
چوٹیاں بال کی ہیں حور کے یا گیسو ہیں

دیکھو ان کو تو نہ طاؤس کا چلنا دیکھو
جھوم کو تیغوں کے نیچے سے نکلنا دیکھو
کالی آنکھوں کا شجاعت سے ابلنا دیکھو
دیکھو غصے میں کنوتی کا بدلنا دیکھو
بجلی جاتی ہے ہوا جسم کو گر لگتی ہے
ایسی آنکھیں ہوں تو دریا کی نظر لگتی ہے

پڑ گئی فوج میں ہلچل جدھر آئے دونوں
کٹ گیا تیروں کا جنگل جدھر آئے دونوں
پھٹ گئے ڈھالوں کے بادل جدھر آئے دونوں
چھپ گئے اسفلکردوں پیدل جدھر آئے دونوں
بجلیاں کوندرہی تھیں پئے دشمن ہیں
سر برستے تھے کہ ساون کی جھڑی تھی رن میں

آہنیوں کو جو اُٹھے ہوئے ہیں وہ کیشوں تک
یاد آتی ہے جو تیغِ شہِ مرداں کی چمک
یاد ہے وقت پر جبرئیل کے کٹ جانے کا
سر اُٹھے تھے نہ ابھی خاک سے پامالوں کے
چاک سینے ہوئے ہر صف میں زرہ والوں کے
نیچے آ کے جدھر تن سے نکل جاتے تھے
ہاتھ دونوں کے وہ چھوٹے سے وہ پیاری تیغیں
دھار منھ پر جو پڑی ہو گئیں عاری تیغیں
نہ پرے تھے نہ صفیں لشکرِ کفار کی تھیں
اُن کے بوسے کو تو دو دو جواں ملتے تھے
دوش تک سب کے وہ پہنچے کہ جدا شانے تھے
خاک میں برچھیوں والوں کے بھی دل ملتے تھے
نہ کسی سنگ پہ وہ رکتی تھی نہ آہن پہ
کبھی چار آئینوں پر تھی تو کبھی توسن پر
بند ہو جاتی ہیں آنکھیں وہ چمک جاتی ہیں
گھات وہ اُن کے وہ بازو اور وہ اُن کی چم
چھپ کے چار آئینوں میں صورتِ حرفِ مدغم
سایہ پڑ جاتا تھا جس پر اُسے تپ آتی تھی
نیچے دونوں سمتوں سے وہ جوہر اُن کے
کس کا منھ تھا کوئی آ جائے جو منھ پر اُن کے
تیغیں بڑھ کر صف پہ جا کے جو پھر پڑتی تھیں
خول کے خول بڑھے جس دل میں وہ آئے دلیر
الاماں کا ہوا اک غل جدھر آئے وہ دلیر
شیر بیشوں کو سپر کرتے تھے تلواروں میں

زلزلہ دشت میں برپا تھا لرزتے تھے فلک
پر سمیٹے ہوئے گردوں پہ سکتے میں ملک
آج پھر خوف ہے گیتی کے اُلٹ جانے کا
نیچے بڑھ کے جلے ابر اُٹھے ڈھالوں کے
زخم کیا کھل گئے منھ زخموں کے پرّاوں کے
خوں کا کیا ذکر ہے دم تن سے نکل جاتے تھے
ڈر کے ہاتھوں سے جھٹک دیتے تھے ناری تیغیں
نیچے تھے کہ چمکتی تھیں وہ دو دھاری تیغیں
تیزیاں سب اسد اللہ کی تلوار کی تھیں
ڈھالیں صد چاک تھیں تلواروں میں زنگ آئے تھے
انگلیاں تھیں نہ کلائی تھی نہ دستانے تھے
باغِ زہرا کے قلم کرنے کے پھل ملتے تھے
نیچے سر پہ بھی تھے تو کبھی گردن پہ
کبھی سینے پہ وہ چمکی تو کبھی جوشن پہ
صاف آوازِ انا البرق تھی تلواروں میں
چھوڑتی تھی نہ زرہ بر میں نہ چہرے پہ پھلم
یوں نکلتے کہ پھونک جاتا تھا دشمن کا بھی دم
تابش ایسی تھی کہ بجلی بھی تڑپ جاتی تھی
جو تھے سرہنگ کہیں تن تھے کہیں سر تھے
وار چلتے تھے ہر اک صف میں برابر تیغے
ایک اسوار پہ دو بجلیاں گر پڑتی تھیں
کبھی اس پر کبھی اس فوج پر آئے وہ دلیر
آئے تلواروں میں جب بے سپر آئے وہ دلیر
منھ چھپانا بھی بڑا عیب ہے تلواروں میں

سن سے چل جاتے تھے جب فوج پہ تلوار کے ہاتھ
ہاتھ آئے تھے انھیں حیدرِ کرار کے ہاتھ

یوں سواروں کو اٹھا کر وہ پٹک دیتے ہیں
ترکش اعدا کے مع تیر و کماں چھین لیے
پہلوانوں سے کئی گرزِ گراں چھین لیے
اوج لشکر کا ہوا پست پرے ٹوٹ گئے
بھاگ جانے پہ جو دل فوجِ گراں نے باندھا
پشت پر تیروں کو ہر ایک کماں نے باندھا

کون سے لوہے کی دیوار نہیں سر کی تھی
کیا جگر تھا جو تحمل کر کوئی میداں پکڑے
پاؤں گھوڑے کے زمیں نے دمِ جولاں پکڑے
شیر سے ڈر ہیں کہ جنھیں موت کہاں کھینچتی ہے

پسرِ سعد کے خیمے پہ چلے تھے اک بار
تول کر نیزوں کو ہاتھوں میں پکارے مقدار
بجلیاں تیغیں ہیں نعروں کی صدا رعد کی ہے
گرد خیمے میں زرہ پوشوں کے سنگیں پہرے
خوف سے شیروں کے ہو جاتے ہیں پانی زہرے
برچھیاں ہیں تبر و تیر ہیں تلواریں ہیں

بڑھ کے نعرہ کیا چھوٹے نے کہ سنتے بھی ہیں
رعد کیا رعد ابھی مانتے ہیں ہم ہیں وہ دلیر
شیر کی حق سے دعا پیر و جواں مانگتے ہیں
برچھیاں کیا یہ تبر کیا ہیں یہ تلواریں کیا
شرم کی بات ہے روباہوں کو للکاریں کیا
بھچکیاں گن کے کہیں شیر بھی تھم جاتے ہیں

چہرے کٹ جاتے تھے رہ رہ گئے دو چار کے ہاتھ
ایسے تیار تھے کب جعفرِ طیار کے ہاتھ

جس طرح گرد کو دامن سے جھٹک دیتے ہیں
ڈانڈ نیزوں کی قلم کر کے سناں چھین لیے
زور دادا کا دکھایا تو نشاں چھین لیے
بھاگ گئے سردار علمداروں کے جی چھوٹ گئے
کس کے کمروں کو ہر اک پیر و جواں نے باندھا
امن نے کوچ کیا بخت و اماں نے باندھا

خوف سے پاؤں کے نیچے کی زمیں سرکی تھی
سر نہ ہو تیغ اگر رستم و دستاں پکڑے
موت نے بھاگنے والوں کے گریباں پکڑے
پاؤں جب اٹھ گئے پھر فوج کہاں تھمتی ہے

پہلواں سامنے دو آ گئے باندھے ہتھیار
کدھر آتے ہو بس اب آگے نہ بڑھیو زنہار
ہم نگہباں ہیں یہ ڈیوڑھی پسرِ سعد کی ہے
جن کی تلواروں کے ہیں زخم سناں کے گہرے
جان کیا ہے جو ادھر آئے پرندہ ٹھہرے
یہ قناتیں نہیں فولاد کی دیواریں ہیں

برق چھپ جاتی ہے چمکے جو ہماری شمشیر
کون سا ہے وہ زبردست جو ہمسر ہے نہیں زیر
جن انھیں تیغوں سے جانوں کی اماں مانگتے ہیں
درِ خیبر سے بھی ہیں سخت یہ دیواریں کیا
تم تو پہلے ہی سے ڈرو ہو تمھیں ہم ماریں کیا
پسرِ سعد کا سر لینے کو ہم جاتے ہیں

عونؑ نے بھائی سے فرمایا کہ سب ہیں اعظم ہم
کب تلک تم لڑتے ہو دم لے تو ٹھہر کر کوئی دم
روکتے ہیں مجھے لڑنے سے یہ پیار آپ کا ہے
والدہ در سے استادہ ہیں پردے کے ادھر
جب سنیں گی کہ لڑا وہ سے فقط ایک پسر
کہیں گی بھائی کی بھائی نے نہ ہمراہی کی

کہہ کے یہ دونوں بڑھے کاندھوں پہ رکھے بھالے
گو وہ لڑکے کمسن سال، یہ بھولے بھالے
ان میں جو کچھ کہ ہنر ہے وہ خدا داد ہے سب
نہیں ان دونوں کو تعلیم کی حاجت زنہار
نیزہ بازی تو ہے کھیل ان کا یہ ہیں وہ جرار
کیا عجب بچپن کے نیزے کو جو صفدر توڑیں

دونوں سفاک ہٹانے لگے بھالے بڑھ کر
آ گئے گرد سواروں کے رسالے بڑھ کر
غل تھا غولوں کے اٹھنے سے گردوں پہ شفق پھولے گی
جو ہیں دو مہ نے نگیں کھلنے لگے نیزوں کے سنان
بجلیاں کوندتی تھیں پھرتے تھے اس طرح سنان
ہوش گم ہو گئے تھے بن گئی تھی جانوں پر

پہلوانوں نے بہت وار کیے ہٹ ہٹ کے
تھام کر بھالوں کی نوکیں جو دیئے دو جھٹکے
پست نامرد ہوئے یہ خاک سے آواز آئی
نظر آئیں جو سنانیں کہیں اور ڈانڈ کہیں
جوڑ کر تیروں کو چلّوں میں پکارے وہ لعیں
خیر نیزے تو گئے ہاتھ سے جان بازی ہے

چار ہو جائیں گے اک ضرب میں دونوں ظالم
غرض کی اس نے یہ ممکن نہیں طاقت کی قسم
دو دو میں اک صید مرا ایک شکار آپ کا ہے
پوچھیں گے ماموں سے وہ پوچھیں گی لڑائی کی خبر
کیا تعجب ہے مجھے دو دو بھی بخشیں نہ اگر
چھوٹے بیٹے نے بڑی جنگ میں کوتاہی کی

معرکے میں کہیں رکتے بھی ہیں مرنے والے
جنگ بھالوں کی بھی گویا ہے یہ دیکھے بھالے
جتنی چوٹیں ہیں علیؑ کی وہ انھیں یاد ہیں سب
شیر کے بچوں کو بھی کوئی سکھاتا ہے شکار
جن کو اللہ نے خود عرش سے بھیجی تلوار
جن کے نانا اسد حق وہ در خیبر توڑیں

دل بڑھانے لگے سب برچھیوں والے بڑھ کر
نیزے نیچے بھی پیادوں نے سنبھالے بڑھ کر
جو جئے گا یہ لڑائی نہ اسے بھولے گی
آسماں نے کیا دونوں پہ ستاروں کو سپند
بڑھنے دیتے نہ تھے دونوں کو علیؑ کے فرزند
ڈانڈیں پڑتی تھیں کبھی سر پہ کبھی شانوں پر

دونوں شیروں نے جواب ان کو دیئے ڈٹ ڈٹ کے
چھین کر خاک پہ ان دونوں نے نیزے پٹکے
احسن اللہ کی افلاک سے آواز آئی
ہٹ کے قبضوں میں کمانیں ستم ایجادوں نے لیں
ہے یہ پیغام قضا لے دل و جان شہ دیں
کوئی ہمسر نہیں اپنا قدر انداز ہیں

چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی نے یوں سمجھایا کہ
نیچے کے ادھر آپ کھڑے ہوں ہم ادھر
دم ہیں جو تنوں پہ ستمگاروں کی جانیں ہوں گی
جانب عون جو سرکش نے کیا تیر کو سر
کیا چھوٹے کی طرف تیر نے جس وقت گزر
تیر کٹ کٹ کے ادھر اور ادھر گرتے تھے
دونوں ترکش ہوئے خالی تو پکارے وہ ماہ
ان کمانوں کی خطا کیا یہ ہمارا ہو گناہ
نیچے وہ ہیں کہ فولاد کو کھا جاتے ہیں
یہ گماں تھا کہ ہے دو تانگ کی ایک یکتائیں
وہ ہیں لاکھوں پہ غلامانِ شہنشاہ زماں
گر خدا چاہے تو ہر جنگ بھی سر ہوتی ہے
ہم جگر گوشۂ حیدر ہیں غیور ابن غیور
تم ہو پرکیش و خطا کار جہاں میں مشہور
تم سے لڑیں تو پھر اس فوج پہ جانا ہی ہیں
سن کے یہ دونوں شریروں پہ علم کیں تیغیں
کبھی سیدھا انھیں دیکھا کبھی خم کیں تیغیں
یاں سے دو تین شب و روز کے پیاسے بھی بڑھے
لے زباں جوہر تیغ شہ مرداں دکھلا
لے قلم غازیوں کے حرب کا میداں کھلا
ظلم سے چلتی نہیں تلوار جہاں چلتی ہے
سن سے تلواروں کے چلنے کی صدا آجائے
سامنے معرکۂ دشت بلا آجائے
ابرو ہاؤں کا وہ کالا۔ وہ چمک دھاروں کی

عرض کی اس نے اجل بول رہی ہے سر پر
تیر جو آئے قلم کیجئے بے خوف و خطر
تیر چھوڑوں گا نہ چلے نہ کمانیں ہوں گی
چھوٹے بھائی نے قلم کر دیا اس کو بڑھ کر
عون کی تیغ سے تھا نصف ادھر نصف ادھر
ٹکڑے شہزادوں کے بجلی کی طرح پھرتے تھے
نیزہ بازی تو وہ اور یہ قد اندازی واہ
انھیں تنکوں پہ تھیں ناز تھا سبحان اللہ
شیر ان آنکھوں سے آنکھوں کو چرا جاتے ہیں
نہیں ملنے کی انھیں تیر سے پہلو سے اماں
کریں اک وار تو دو ہو کے گرے چل وہاں
زیست جب تک ہے یونہی موت بسر ہوتی ہے
ہنسکیں کیوں ہو کمانوں سے غضب فہم و شعور
کھینچو تیغیں کہ شجاعوں کا یہی ہے دستور
تیر سر کردۂ لشکر ابھی لاتا ہے ہمیں
برق شرما گئی یوں دھوپ میں چمکیں تیغیں
آنکھ خورشید نے جھپکائی یہ وہ کی تیغیں
نیچے نزل کے حیدر کے نواسے بھی بڑھے
جنگِ خیبر میں جو گزرا ہے وہ ساماں دکھلا
جلد دشمن کو فراق جسد و جاں دکھلا
غل ہو مجلس میں کہ تیغ دو زباں چلتی ہے
جس سے سر اڑتے ہیں تن سے وہ ہوا آجائے
جو ہوا دار ہیں انھیں جوشش و غا آجائے
بجلیاں آنکھوں میں پھرنے لگیں تلواروں کی

یا علیؑ اور طبیعت کو روانی دیجے
محو دشمن بھی ہوں وہ سحر بیانی دیجے
دم اوصاف زباں سیف زبانی دیجے
دست مداح میں تیغ صفہانی دیجے
دفتر رزم کو خوں ریز رسالا کر دوں
آپ حامی ہوں تو فوجیں تہ و بالا کر دوں

عمر و عنتر ہیں ادھر جعفر و حیدر ہیں ادھر
اُس طرف دیو سیہ دو مہ انور ہیں ادھر
خار سر کھینچے ہیں اس سمت گل تر ہیں ادھر
سامنے گرگ ہیں دو شیر دلاور ہیں ادھر
رعب یہ ہے کہ لہو جسم کے گھٹ جاتے ہیں
جب یہ بڑھتے ہیں تو وہ کانپ کے ہٹ جاتے ہیں

طبل رومی پہ لگی چوب کھلے سرخ نشاں
غل دلہن کا تھا کہ اللہ و محمدؐ کی اماں
بڑھ کے گرگیت صدا دیتے ہیں اس شیر زماں
نام کا دن ہے یہی گو ہے یہی ہے میداں
دونوں ہیں شیر درندہ نہ لپٹ کر لڑنا
اُن کے پنجوں میں نہ آجا یُو ہٹ کر لڑنا

لو گئے برق سے شہزادوں کے رہوار ادھر
لو بس اب گرم ہوا موت کا بازار ادھر
لو گریں بجلیاں دو تیغوں سے اک بار ادھر
لو پرے ہٹ گئے چلنے لگی تلوار ادھر
کوہ تھرا رہے ہیں ظلم کا بن جلتا ہے
نعرۂ یا اسد اللہ سے رن ہلتا ہے

کوششیں دونوں طرف ہوتی ہیں کد ہوتی ہے
جب یہ بڑھتے ہیں تو حیدرؑ کی مدد ہوتی ہے
تیغ ہے جراروں پہ تائید احد ہوتی ہے
ضرب جو ڈھال پہ پڑتی ہے وہ رد ہوتی ہے
سرخ ہے خون سے منھ چھوٹی سی شمشیروں کا
وار خالی نہیں جاتا ہے کبھی شیروں کا

گرد مجمع سے ہٹے ہیں فوج کے سالاروں کے
خوں ہیں تیروں کے تیغے پہ کمانداروں کے
ان کے سردار پہ دل بھٹتے ہیں جراروں کے
چار ہاتھے سے نظر آتے ہیں تلواروں کے
گرد سے شام کے آثار نظر آتے ہیں
نہ تو اسوار نہ رہوار نظر آتے ہیں

بھائی سے بھائی یہ کہتا ہے کہ قرباں بھائی
بڑھ کے اک وار سے اک وار بچے ہاں بھائی
عرض کرتا تھا وہ ناطق ہے نگہباں بھائی
لے لیا شاہ کے اقبال سے میداں بھائی
دم میں گر پڑتی ہیں لہے کی جو دیواریں ہیں
پسر سعد ہے اب اور یہ تلواریں ہیں

بجلیاں گرتی ہیں کس طرح ستمگر روکیں
پر لیے ڈھال کے ہیں تیغیں جو سپر پر روکیں
جن کی ضربت کو نہ جبریل کے شہپر روکیں
اُن کی تلواروں کو دو تیغیں تو وہ کیونکر روکیں
رن میں تیغ شہ مرداں کے پرے توڑتے ہیں
جو نہ مرحب پہ کھلیں یہ وہ بند جوڑتے ہیں

شیر سے بڑھتے ہیں جب یہ تو سرکتے ہیں وہ سنگ
ساتھ والوں کو عجب یاس سے تکتے ہیں وہ سنگ
دوست گردون یہ ہے کیا ہو گا جو منھ موڑتے ہیں
سینے تانے ہوئے جب بڑھتے ہیں غیرت والے
نظر غیظ وہ آفت ہے کہ خالق کی پناہ
شق تھا شق القمر اعجاز و کمال ان کا ہے
ہاں خبردار یہ کہہ کر جو وہ صفدر آئے
بیچ دونوں کے آئے تو برابر آئے
ایک اک ضرب میں طے مرحلۂ جنگ کیا
دے کے جب تیغ اجل مرگ کا پیغام آئی
نہیں بچتی کبھی مچھلی جو تہِ دام آئی
ڈر کے باگوں کو ادھر فوج ستم نے روکا
کہہ کے تکبیر سوئے فوج جو وہ ماہ بڑھے
دو کھڑاتے ہوئے مقتل کی طرف شاہ بڑھے
ابر سے شام کے مینہ تیروں کا پڑتے دیکھا
بھینچی تھیں زینب ناشاد جو پردے کے ادھر
کیا لڑے ہیں سپہ شام سے حضرت کے پسر
تیغیں جب چلتی ہیں سر خاک پہ گر پڑتے ہیں
پہلواں جنگ کو دو نکلے تھے عفریت خصال
دونوں شیروں نے کئے وار جو ہنگام جدال
خون نے بہہ بہہ کے تلاطم سب جو دکھلایا
یہ سخن حسن کے رخ پاک پہ تھرتھری آتی
صدقے اس شفقت و الطاف پہ ماں جاتی
وہ خدا وند ہیں آقا ہیں امام ان کے ہیں

تھرتھراتے ہیں لرزتے ہیں دبکتے ہیں وہ رنگ
نیچے ان کے جب آتے ہیں جھجکتے ہیں وہ سنگ
صید کو شیر کے بچے بھی یہ کہیں پچھاڑتے ہیں
فوج دشمن سے صدا آتی ہے ماشاء اللہ
چشم بد ہیں یہ جناب حسن کے در آتی ہے نگاہ
کور ہو جاتا ہے دشمن وہ جلال ان کا ہے
ملک الموت بھی گھبرائے ہوئے شمشیر آئے
تن رہے گھوڑوں پہ سر کٹ کے زمیں پر آئے
دوسرے وار میں گھوڑے کو بھی چورنگ کیا
دوست دوڑے نہ مدد کو پہ شام آئی
ہاتھ دستانوں نے پکڑے نہ زرہ کام آئی
موت کو خود نے نہ روکا نہ جبلم نے روکا
جوش میں آکے علمدار فلک جاہ بڑھے
قاسم ابن حسن آپ کے ہمراہ بڑھے
دونوں بچوں کو زرہ پوشوں سے لڑتے دیکھا
علی اکبر انہیں آ آ کے یہ دیتے تھے خبر
دیکھئے کشتوں کے پشتے ہیں وہ لاشے ہیں ادھر
شور ہے خیبر یوں ہیں کہ علی لڑتے ہیں
آپ کے پیاروں نے دکھلا دیا حیدر کا جلال
دھڑ سے سر کٹ کے گرے یوں کہ ہوا دشت قتال
بچوں پر کہیں دھبہ نہ لہو کا آیا
اشک ٹپکا کے کہا رن میں گئے کیوں بھائی
دھوپ میں پیاس میں تکلیف عبث فرمائی
میں ہوں لونڈی مرے فرزند غلام ان کے ہیں

بیبیاں صحن میں روتی تھیں جو کھولے ہوئے سر
ابھی لڑتے ہیں پسر زادوں کے مرے نور نظر
چاند سے کاندھوں پہ چھوٹے ہوئے گیسو دیکھو
جنگ ہے اب پسر سعد کے خیمے کے قریب
دل کو تھامے ہوئے دوڑے گئے ہیں یہ غریب
مل گیا گرد صفیں فوج کی توڑیں گے وہ
سب نے رو رو کے کہا کہنا ہے کیا دونوں کا واہ
جنگ اس عمر میں لاکھوں سے یہ ہے عزت جاہ
سر سے باندھے ہوئے گھوڑوں پہ وہ ذی شان ہیں
سر کو نہوڑا کے کہا حضرت زینب نے کہ ہاں
دونوں معصوم کہاں فوج کا انبوہ کہاں
ہاں صغیروں کو بھی اللہ ظفر دیتا ہے
جب سے وہ لڑتے ہیں ماں کی آتی ہو صدا
گوشۂ قبر کو اب چھوڑیے یا شیر خدا
گھر گئے فوج میں دو نور کے پیارے میرے
ذکر یہ تھا کہ ادھر بجنے لگا طبل ظفر
بڑھ کے میداں سے یہ عباس نے دی شہ کو خبر
ہم جنہیں ہائے غضب دو وہ خوش اقبال ہوں
کوٹ کر ہاتھوں سے چھاتی شہ بے پر دوڑے
تیغ تولے ہوئے عباس جری دلاور دوڑے
گرد لاشوں کے جو تھے یوں وہ جفا جو بھاگے
شہ نے ریتی پہ تڑپتے ہوئے پائے لاشے
گود میں خیمے کی ڈیوڑھی پہ جو لائے لاشے
نہ ابھی خاک جدا بالوں پہ ڈالو لوگو

بولی یہ ماں کی طرف دیکھ کے شہ کی خواہر
شور برپا ہے اماں مانگتے ہیں بانی شر
آؤ لوگو مرے فرزندوں کے حملے دیکھو
نہیں معلوم کہاں جا کے چھپا ہے وہ لعیں
پاس ماموں ہیں مددگار انھیں درکار نہیں
پسر سعد کا سر تن پہ نہ چھوڑیں گے وہ
آپ سی ماں ہو تو ایسے ہوں پسر غیرت ماہ
دن وہ اللہ دکھائے کہ بچے دونوں کا بیاہ
سایۂ شاہ فلک جاہ میں پروان چڑھیں
یہی شادی ہے کہ بچ جائیں امام دو جہاں
بیکسی ہے وطن و فاقہ کش دشت و بیاں
پر مرا دل مجھے ماتم کی خبر دیتا ہے
پیاری جیٹی کا مرے لٹتا ہے گھر واویلا
بیکسوں پر یہ تعدی یہ مصیبت یہ جفا
ہائے معصوم مرے ہائے نواسے میرے
گر پڑی بنت علی تھام کے ہاتھوں سے جگر
جلے گھوڑوں سے گرے حضرت زینب کے پسر
فوج امنڈ آئی ہے لاشے کہیں پامال نہ ہوں
کہیں بسمل سے گرے اور کہیں اُٹھ کر دوڑے
چھوڑ کر خیمے کا پردہ علی اکبر دوڑے
جس طرح شیر کی بو سونگھ کے آہو دوڑے
بڑھ کے عباس جری دلاور نے اٹھائے لاشے
فضہ چلائی کہ سیدانیو آئے لاشے
مل کے سب حضرت زینب کو سنبھالو لوگو

کہا زینبؑ نے جو سب اُٹھ کے لگے پٹنے سر
شادیاں ہو چکیں پروان چڑھے میرے پسر
دولھا والوں کی صدا زیرِ قنات آتی ہے

ماتمی صف پہ جو لاشوں کو شہا لا کر
ہاتھ بانو نے جو سینوں پہ رکھے گھبرا کر
غش تھے جب فوج سے لے کر انہیں ہم نکلیں
موت ہچکیوں میں گلوگیر ہوئی ہائے غضب
ان کے بچنے کی نہ تدبیر ہوئی ہائے غضب
چلے نیزے پہ سوئے شام مرا سر جاتا

پوچھا بانو نے کہ مرتے ہوئے کی تھی کوئی بات
رو کے فرمانے لگے شاہِ رفیع الدرجات
تیر پہلو سے کلیجوں سے سناں نہیں نکلیں
متصل ہچکیاں آتی تھیں کہ مشکل تھا کلام
دیجے گا ماں کو یہ ہم دونوں کی جانب سے پیام
تشنگی بھی ہے جراحت بھی ہے کاری اماں

ہم کو درپیش ہے اماں وہ مصیبت کا سفر
نظر آتا ہے جہاں سے نہ پہونچتی ہے خبر
دم لحد کی شبِ تاریک میں گھٹ جائے گا
سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی جب خواہرِ شاہ
بے قراری میں جو کی بیٹوں کے لاشوں پہ نگاہ
چھید آہوں نے جگر تیر سے پہلو ہو کر

لے کے لاشوں کی بلائیں یہ پکاری زینبؑ
دیکھے کن آنکھوں سے یہ شکل تمہاری زینبؑ
تم پہ چل جائیں یہ چھریاں وہ بھلا کیا سنبھلے
ابھی بے تاب ہے نہ کرو صدا جو ٹھہرو دم بھر
کوئی دیکھو کہ محافے دُلہنوں کے ہیں کدھر
کیسے لاشے مرے بچوں کی برات آتی ہے

حشر برپا کیا ہمدموں نے پچھاڑیں کھا کر
شاہ کہنے لگے آنکھوں سے لہو برسا کر
ابھی دونوں کے مری گود میں دم نکلے ہیں
خانہ بربادیٔ ہمشیر ہوئی ہائے غضب
یوں تلف دولتِ شبیرؑ ہوئی ہائے غضب
بچتے یہ کاش حسینؑ ابنِ علیؑ مرجاتا

ماں کے عاشق تھے یہ دونوں پسر نیک صفات
نزع میں بھی یہی کہتے تھے تڑپ کر ہیہات
ہائے اماں کے نہ آغوش میں جانیں نکلیں
جوڑ کر ہاتھ کہا مجھ سے کہ یا شاہِ انام
آپ کا حکم جو کچھ تھا وہ بجا لائے غلام
دودھ بخشو تو مجھے پیاسی ہماری اماں

جس میں ہر گام پہ سو طرح کا ہو خوف و خطر
کس کو معلوم ہے منزل ہے کدھر راہ کدھر
قبر میں بھائیوں کا ساتھ بھی چھٹ جائے گا
شہِ والا کا بیاں سن کے ہوا حال تباہ
منہ سے نکلا یہ غش آنے میں کہ انا للہ
خونِ دل بہنے لگا آنکھوں سے آنسو ہو کر

کیسی غفلت ہے یہ اے صدقے گئی واری زینبؑ
چونک اٹھو نہ کرے گریہ و زاری زینبؑ
گر وہیں ہو تو اماں کا کلیجا سنبھلے

بس بہت سو چکے، اے گیسوؤں والو اٹھو
اٹھو اب اے مرے دکھ درد کے پالو اٹھو
غش پہ غش آتے ہیں اماں کو سنبھالو اٹھو
آنکھیں ہاتھوں سے ملو نیند کو ٹالو اٹھو
طبل بجتے ہیں اُدھر فوج کا غل ہوتا ہے
واری اماں کوئی یوں جنگ کے دن سوتا ہے

شب کو جب کہتی تھی میں سو رہو دم بھر للہ
تم یہ کہتے تھے کہ آنکھوں میں زمانہ ہے سیاہ
جاگتے ہیں شہِ دیں سو رہیں ہم اماں واہ
کیسی یہ بے خبری اب ہے کہ خبر کچھ نہیں آہ
سرد ہیں تن، نہ حرکت مرے چینوں میں نہیں
ہے غضب آمد و شد دم کی بھی سینوں میں نہیں

اللہ الحمد کہ قربان ہوئے ماموں پہ
گل ہیں یہ زخم ہیں یا نخلِ قدِ موزوں پہ
صدقے ماں دونوں شہیدوں کے رخِ پُرخوں پہ
ہائے تیروں کے یہ سوراخ تنِ گلگوں پہ
دل ہی جانے کہ جو ماں بیٹوں سے چھٹ جاتی ہے
خوں کے قطروں سے مرے دودھ کی بو آتی ہے

دودھ ماں بخشے یہ ماموں سے کہا تھا پیارو!
میں بھی قربان مرا دودھ بھی اے غم خوارو!
اب بچھڑ جاؤ گے مادر سے مرے دلدارو!
ساتھ لے لو مجھے اے صف شکنو! جرّارو!
نخلِ ماتم میں یہ شاخِ ترو تازہ نکلے
ساتھ دو بیٹوں کے اماں کا جنازہ نکلے

موت کی مرے بلائیں نہ ہوئیں رد ہے ہے
خاک پہ سوؤ گے اب چھوڑ کے مسند ہے ہے
تم کہاں اور وہ تاریکیِ مرقد ہے ہے
کیا غضب ہو گیا اے عون و محمد ہے ہے
گھر سے نکلوں گی جو پہلو میں نہ ہو گے بچّو!
رات کو کون سی بستی میں رہو گے بچّو!

ہائے پہلا یہ سفر خوف کا اور تنہائی
دھیان رکھنا کہیں چھٹ جائے نہ چھوٹا بھائی
کیا ہوا واں یہ حقیقت نہ کسی نے پائی
نہ پھرا کوئی مسافر نہ خبر کچھ آئی
قافلے سے جو بھٹک جائے تو لُٹ جاتا ہے
راہ میں ساتھ تن و روح کا چھٹ جاتا ہے

بارک اللہ لڑے خوب عجب کام کیے
واہ ان چھوٹی سی عمروں میں بڑے نام کیے
طاقتیں گھٹ گئیں فاقے سحر و شام کیے
بخشش اُمّتِ عاصی کے سرانجام کیے
نیک بیٹے ہوں تو نام اب و جد کرتے ہیں
ہاں بہادر یونہی آقا کی مدد کرتے ہیں

کس مصیبت میں پھنسے اے مرے پیارے بچّو!
کیسی غربت ہوئی قربان تمہارے بچّو!
دونوں ان لاشوں پہ کوئی مجھے وارے بچّو!
دشت پر ہول میں گھر سے سدھارے بچّو!
عوضِ غسل یہاں خاک میں تن ملتا ہے
قبر ملتی ہے کسی کو نہ کفن ملتا ہے

دھوپ میں جلتے ہیں مُسلم کے تینوں کے بدن
لُٹ گیا حیدر و زہراؑ و محمدؐ کا چمن
کبھی کھیلے بھی تو گھر میں مرے کھیلے ہوں گے
چرخ نے کیا یہ مصیبت مرے سر پر ڈالی
ہائے یہ دشت پُر آشوب یہ راتیں کالی
مرنے والو تمھیں کاہے کو خبر ہووے گی

یوں ہی بن بیاہے وطن میں تم اگر مر جاتے
تربتیں مرقدِ زہراؑ کے برابر پاتے
آہ و فریاد سے ہنگامۂ محشر ہوتا
تم نہ روئے مجھے اماں تمھیں رونی ہے ہے
تم نہیں جاگتے قسمت مری سوئی ہے ہے
کس کے اب ننھے سے ہاتھوں سے کفن پاؤں گی

دن کو میں ان کو کبھی نہ کبھی رات کو رات
سوئے ایک بچھونے پہ جو یہ نیک صفات
دھیان تھا رنج و الم خواب میں ایمن نہ ہوں
اے لوگو مرے عاشق تھے مرے رشکِ قمر
شب کو منہ پھیرتی تھی ان کی طرف میں اگر
کہتے تھے آنکھ جھپک کر ابھی کھل جائے گی

کہہ کے یہ لاشوں سے لپٹی جو وہ آوارہ وطن
اُٹھ کے بانو نے یہ کی عرض کہ اے شاہِ زمن
ہائے صدمہ ہو یہ اولاد کے مر جانے کا
آئے لاشوں کے اُٹھانے کو جو شاہِ دوسرا
میرے سر پر جو پرانی ہو یہ زہراؑ کی ردا
خانہ داروں کو پس از مرگ بھی خرسند کرو

ریت تربت ہو تو اس دشت کا دامن ہو کفن
ہائے درپیش ہے تم کو بھی یہی رنج و محن
واری ماں رات کو جنگل میں اکیلے ہوں گے
موت نے کر دیئے ہے ہے مرے پہلو خالی
پاس ہوگی نہ یہ ماں پاؤں دبانے والی
پیٹنے رونے میں اماں کی بسر ہووے گی

جو زن و مرد ہیں پُرسے کے لیے سب آتے
سہرے تابوت پہ خود سبطِ نبیؐ بندھواتے
ننگے سر باپ جنازے کے برابر ہوتا
یہ چھری کس نے گلے میں چبھوئی ہے ہے
اب ہمارا نہ رہا خلق میں کوئی ہے ہے
قبر میں کون اُتارے گا جو مر جاؤں گی

ان ہی دونوں کی پرستاری میں گزری اوقات
میں نے منہ ان کی طرف سے نہیں پھیرا ہیہات
کبھی کروٹ نہیں بدلی کہ یہ بے چین نہ ہوں
روتے تھے یہ تو میں کرتی تھی خوشامد ہر دم
ہوتے تھے نیند میں بے چین مرے نورِ نظر
منہ ادھر کر لو تو اماں ابھی نیند آئے گی

گر پڑے ایک دلِ زار پہ دو کوہِ محن
لاشے اُٹھوائیے مر جائے گی ناشاد بہن
خوف ہے منہ سے کلیجے کے نکل آنے کا
جوڑ کر ہاتھوں کو یہ حضرت زینبؑ نے کہا
دو کفن ان کے یہ نادار بہن تم پہ فدا
ابھی چادر میں انھیں خاک کا پیوند کرو

٥

مرثیہ

بند ١٢٥

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں
سو شغل ہوں پر دھیان لگا رہتا ہے گھر میں
پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی نظر میں
سنگِ غمِ فرقت دلِ نازک پہ گراں ہے
اندوہِ غریب الوطنی کاہشِ جاں ہے

گو راہ میں ہمراہ بھی ہو قافلہ و زاد
جاتی نہیں افسردگیٔ خاطرِ ناشاد
جب عالمِ تنہائی میں آتا ہے وطن یاد
ہر گام پہ دل مثلِ جرس کرتا ہے فریاد
اک آن غم و رنج سے فرصت نہیں ہوتی
منزل پہ بھی آرام کی صورت نہیں ہوتی

ہمراہ سفر میں ہوں اگر حامی و ناصر
منزل پہ کمر کھول کے سوتے ہیں مسافر
جب ہو سفرِ خوف و پریشانیٔ خاطر
شب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہے آخر
ہر طرح مسافر کے لئے رنج و تعب ہے
رہ جائے کہیں قافلہ چھٹ کر تو غضب ہے

دکھ دیتے ہیں ایک ایک قدم پاؤں کے چھالے
منزل پہ پہنچنے کے بھی پڑ جاتے ہیں لالے
ہاتھوں سے اگر بیٹھ کے کانٹے کو نکالے
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے
درماندوں کے لینے کو بھی آتا نہیں کوئی
تھک کر بھی جو بیٹھے تو اٹھاتا نہیں کوئی

ہر دم دلِ نازک پہ مسافر کے ہیں یہ غم
تر رہتے ہیں اشکوں سے سدا دیدۂ پُرنم
تھمتا ہی نہیں قافلۂ اشک کوئی دم
ہوتا ہے عجب صاحبِ اولاد کا عالم
بابا کو تو فرزندوں سے چھٹنے کا الم ہے
والد سے جدائی ہو تو بچوں پہ ستم ہے

ہوں ساتھ میں بابا کے تو یاد آتی ہے مادر
مادر ہو تو یہ غم ہے کہ بابا نہیں سر پر
منزل میں سحر کرتے ہیں بستر پہ تڑپ کر
اور ان کے تو اشک آنکھوں سے تھمتے نہیں دم بھر
پردیس میں کیونکر انہیں دشمن سے اماں ہو
جن بچوں کے سر پر نہ تو بابا ہو نہ ماں ہو

بچے بھی وہ بچے جو نہ نکلے کبھی گھر سے
ماں جن کو نہ اک آن جُدا کرتی تھی بر سے
نےاوسے آگاہ نہ ایذائے سفر سے
وہ چھٹ گئے کوفے میں پہنچتے ہی پدر سے
زخمی تبر و تیر سے جب ہوتے تھے مسلم
بیٹوں کی تباہی کے لئے روتے تھے مسلم

جب لے گئے کوٹھے پہ لعیں قتل کی خاطر
رونے لگا گردن کو جھکا کر وہ مسافر
منہ سے تہِ خنجر یہی نکلا دمِ آخر
فرزندِ محمدؐ کا خدا حافظ و ناصر
روتے تھے علیؑ فاطمہؑ سر ننگے کھڑی تھی
تھا نیزے پہ سر لاش سرِ بام پڑی تھی

جب قتل ہوا ایلچی سیّدِ والا
بچوں پہ عجب حادثہ تقدیر نے ڈالا
کوئی نہ یتیموں کا رہا پوچھنے والا
نکلے تھے سے سینوں میں کلیجے تہ و بالا
کیسے بھی پریشان تھے کرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منہ گردِ یتیمی سے اَٹے تھے

پردیس میں معصوموں کا دشمن تھا زمانا
نے بیٹھنے کی جا تھی نہ رہنے کا ٹھکانا
بن باپ کئی روز سے کھایا تھا نہ کھانا
تقدیر میں غم کھانا تھا یا اشک بہانا
سہمے ہوئے آپس میں یہی کہتے تھے رو کر
ساتھ آئے تھے افسوس چلے باپ کو کھو کر

پاس اُن کے اگر ہوتے تو کچھ کام بھی آتے
ہم بخت نشانہ جو لعیں تیر لگاتے
پانی تو بھلا منہ میں دمِ مرگ چواتے
کاندھوں پہ پدر پاک کی لاش کو اٹھاتے
کیا جانیے مرنے پہ بھی کیا رنج و محن ہیں
گاڑے بھی گئے یا ابھی بے گور و کفن ہیں

مظلوم کی تربت کا پتا اب بھی جو پائیں
رخصت کے لئے قبر پہ روتے ہوئے جائیں
تعویذِ مزارِ پدر آنکھوں سے لگائیں
سر پیٹ کے فریاد کریں اشک بہائیں
پالا تھا ہمیں باپ نے چھاتی پہ سلا کر
قرآن بھی ہم پڑھ نہ سکے قبر پہ جا کر

تقدیر نے اب اُن کی اگر شکل دکھائی
اور قتل کی بابا کی خبر ان کو سنائی
پوچھیں گی جو سر پیٹ کے اور دے کے دُہائی
بچو کہو والد کی کہاں قبر بنائی
گردن کو جھکائے ہوئے خاموش رہیں گے
تربت بھی تو دیکھی نہیں کیا اُن سے کہیں گے

ہم سا بھی زمانے میں نہ ہو گا کوئی مجبور
تیجا تو کریں باپ کا اتنا نہیں مقدور
وارد ہیں وہاں رحم کا جس جا نہیں دستور
ماں دور، پدر دور، چچا دور، وطن دور
کس سے کہیں سن چھوٹے ہیں اور رنج بڑے ہیں
بابا کے تو مرنے سے تباہی میں پڑے ہیں

ایک ایک لعیں کوفے میں دشمن ہے ہمارا
اک دوست تھا ان کا سو وہ دنیا سے سدھارا
بغض کہیں چھپ کر نہیں ملتا بھی سہارا
غربت میں ہمیں باپ کے مرجانے نے مارا
اک دم میں یقیں ہے کہ تہ تیغ یہ سر ہیں
جب دوست نہ پایا کا بچا ہم تو پسر ہیں

یہ کہتے تھے اور روتے تھے وہ ہجر پدر میں
تصویر اجل پھرتی تھی دونوں کی نظر میں
تھا شور منادی کا یہ ہر راہ گزر میں
بیٹوں کو نہ مسلم کے چھپائے کوئی گھر میں
بتلائے کسی حجرے میں گر بند ہیں دونوں
حاکم کے گنہگار کے فرزند ہیں دونوں

معصوم سمجھ کر کوئی رحم ان پہ نہ کھائے
ہاتھ آئیں تو پکڑے ہوئے دربار میں لائے
مجرم کا کوئی منت و زاری پہ نہ جائے
دانا وہ ہے جو گوہر عزت کو بچائے
جس نے انھیں پنہاں کیا گھر اس کا لٹے گا
مرجائے گا پر قید سے جیتا نہ چھٹے گا

تھراتے تھے سب سن کے منادی کا یہ مذکور
تھے شہر کے دروازے سر شام سے معمور
دشمن جو علی کے تھے وہ تھے خرم و مسرور
جو دوست تھے حیدر کے وہ تھے عاجز و مجبور
باتیں انھیں معصوموں کی ہوتی تھی گھروں میں
منہ ڈھانپے ہوئے بی بیاں روتی تھیں گھروں میں

کہتی تھی کوئی کیا کریں کیونکر انھیں پائیں
جاسوسوں کا خطرہ ہے کہاں ڈھونڈھنے جائیں
جلادوں سے چھپ کر وہ اگر یاں چلے آئیں
ہم دل کی طرح ان کو کلیجوں میں چھپائیں
آقا ہیں وہ اس کے جو غلام شہ دیں ہے
ہم لونڈیاں حاضر ہیں جو اس سر پہ نہیں ہے

کیا روز سیہ چرخ نے بچوں کو دکھایا
ہے ہے نہ چچا سر پہ نہ اب باپ کا سایا
سات آٹھ برس کا سن اور دیس پرایا
جانیں نہ بچیں گی کسی دشمن نے جو پایا
کچھ بس نہیں کس طرح کوئی آہ بچائے
بچو تمہیں پردیس میں اللہ بچائے

شیعوں کے گھروں میں تو یہی گریہ و زاری
اور ڈھونڈھتے پھرتے تھے انھیں کوفے میں ناری
ناکے پہ لعیں کہہ گئے آ کر کئی باری
ہشیار خبردار اگر جان ہے پیاری
احکام ہیں حاکم کے خلل آنے نہ پائے
ناکے سے کوئی چھپ کے نکل جانے نہ پائے

دو طفل یہیں بچ گئے ہیں کل قاضی کے گھر سے
گر بچہ گرفتار جو آ نکلیں ادھر سے
خورشید سے ماتھے ہیں تو چہرے ہیں قمر سے
چھوٹے سے عمامے ہیں جو لپٹے ہوئے سر سے
گوندھی ہوئی زلفیں بسر دوش پڑی ہیں
آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی ہیں

ہے مہرِ درخشاں سے فزوں حُسن کا پرتو
کم سنی سے نکل جانے کی ہے ان کو تگ و دو
گورے ہیں گلے جلوہ نما کرنوں میں تن ہیں
پیشانیاں دونوں کی جو ہیں ماہِ منوّر
تعویذوں کی وہ چمکیں ہیں سینوں کے اوپر
بھاگے ہیں بڑا وقت جو دونوں پہ پڑا ہے

ہر ناکے پہ تھا حکم یہ اُن دونوں کی خاطر
اور پھرتے تھے حیران وہ مدینے کے مسافر
پھرتی تھی اجل ساتھ جدھر جاتے تھے دونوں
ناکے تک آ پہونچے نہ تھے وہ جگر افگار
چلّایا کہ بس آگے قدم رکھیو نہ زنہار
سنتے ہی اس آواز کو گھبرا گئے دونوں

بھائی سے کہا بھائی نے اب کیا کریں بھائی
افسوس کہیں امن کی جا ہم نے نہ پائی
آتے ہی بس اب برچھیاں تانیں گے ستمگر
یہ کہتے تھے جو آن ہی پہونچے وہ جفا جو
بچّوں پہ اٹھاتا تھا طمانچہ کوئی بد خو
وہ کہتے تھے ہم دامِ بلا میں تو پھنسے ہیں

جاتے تھے جو روتے ہوئے وہ گیسوؤں والے
جلّادوں میں معصوموں کے تھے جان کے لالے
حال اپنا اشارے سے جتاتے تھے کسی کو
پہونچے انھیں لے کر جو وہ ظالم سرِ دربار
تھا تختِ مرصّع پہ مکیں حاکمِ غدّار
بیٹھے ہوئے سب کرسیوں پہ چھوٹے بڑے تھے

مہتاب سے روشن ہیں یہ رخساروں میں گیسو
پہنے ہوئے ہیں ہنسلیاں مانندِ مہِ نو
لب پنکھڑیاں گل کی ہیں غنچے سے دہن ہیں
سجدوں کے جھلکتے ہیں نشاں صورتِ اختر
ہلتے ہیں ستاروں کی طرح کانوں کے گوہر
اک عمر میں چھوٹا ہے کچھ اور ایک بڑا ہے

دربار میں غل تھا کہ کرو جلد انھیں حاضر
کوئی نہ مددگار تھا نے حافظ و ناصر
تنہا بھی کھڑا کہتا تھا ادھر جاتے تھے دونوں
جو دیکھ لیا اُن کو کسی شخص نے اک بار
جاتے ہو کہاں بھاگ کے ہم آ پہونچے خبردار
سرتا بہ قدم بید سے تھرّا گئے دونوں

اعدا ہیں پیچھے نہیں آئے اجل آئی
مشکل ہے بہت موت کے پنجے سے رہائی
منّت بھی کریں گے تو نہ مانیں گے ستمگر
اور باندھ لئے رسّی سے ان دونوں کے بازو
کہتا تھا کوئی لے چلو کھینچے ہوئے گیسو
بازو کو یہ کس نے رسّی سے بندھے ہیں

بازار میں جاتے تھے سب دیکھنے والے
تکتے تھے ہر اک کو کہ ہیں کوئی چھڑا لے
رسّی میں بندھے ہاتھ دکھاتے تھے کسی کو
خدّام نے کی عرض کہ حاضر ہیں گنہگار
دہشت سے لرزنے لگے بچّوں کے تنِ زار
رسّی سے بندھے سامنے معصوم کھڑے تھے

معصوموں سے یوں کہنے لگا حاکم ملعون
اس بھاگنے کی اب کہو کیا تم کو سزا دوں
صدمے سے ہوا حال یتیموں کا دگرگوں
تھرّا کے وہ یہ کہنے لگے بیکس و محزوں
ہاں قتل ہی کرنے کے سزاوار ہیں ہم بھی
ہاں بیشک گنہگار، گنہگار ہیں ہم بھی

وہ کون معصوم ہیں یہ بیکس و دلگیر
دہشت کے سبب کانپنے میں رنگ ہے تغیر
پھولوں سے اندام نہیں لائق تعزیر
نادان ہیں کم سن ہیں کچھ ان کی نہیں تقصیر
طاقت ہے کہاں بھاگ کے جاتے یہ کدھر کو
بھولے ہیں بہت ڈھونڈھتے ہو ویں گے پدر کو

چپ رہ گیا وہ دشمن دیں سر کو جھکا کر
زنداں کے نگہباں سے کہا پاس بلا کر
کر قید انھیں حجرۂ تاریک میں جا کر
سنیو نہ جو فریاد بھی کریں اشک بہا کر
آرام سے دونوں میں کوئی سونے نہ پائے
قفل درِ زنداں کبھی وا ہونے نہ پائے

دیجو نہ خبردار مزے کا انھیں کھانا
گرمی میں بھی ٹھنڈا انھیں پانی نہ پلانا
یہ سحر بیاں ہیں کہیں باتوں پہ نہ جانا
بازو نہ کھلیں رسی سے جب تک ہیں توانا
دشمن کے ہیں فرزند اذیت انھیں دیجو
کپڑے بھی بدلنے کی نہ فرصت انھیں دیجو

اس طرح کے حجرے میں ہوں یہ دو لقا بند
جس حجرے کے رخنے بھی ہوں بند اور ہوا بند
دن بھر تو رہیں ایک ہی زنجیر میں پابند
اور رات کو ہو ایک جدا ایک جدا بند
سر کو در و دیوار سے ٹکرا کریں دونوں
آپس میں گلے ملنے کو تڑپا کریں دونوں

یہ سن کے انھیں لے گیا زنداں کا نگہباں
اک حجرے میں قیدی ہوئے دونوں مہ تاباں
گھٹنے جو لگا دم تو یہ چلائے وہ ناداں
در کھول دو دو پشتہ نہیں تن سے چلی جاں
بھاگیں گے نہ ہرگز ہمیں حجرے سے نکالو
اک طوق جو ہلکا ہو تو وہ طوق پنہا دو

دروازے سے ٹکرائے بہت سر کو وہ ناشاد
مادر کو بھی چلائے پدر کو بھی کیا یاد
بچوں کی کسی نے نہ سنی زاری و فریاد
کب کھولتے ہیں طائرِ پربند کو صیاد
بیتاب تھے اس طرح وہ پھنسنے کی ہوس میں
جوں تازہ گرفتار پھڑکتا ہے قفس میں

تاریک وہ حجرہ تھا مثال شبِ ظلمات
معلوم نہ ہوتا تھا کہ کب دن ہوا کب رات
مرقد کے اندھیرے کو بھی اس گھر سے تھی مات
بیٹھے ہوئے روتے تھے وہ آنکھوں پہ دھرے ہات
تھی پیش نظر وصل میں تنہائی کی صورت
بھائی کو نہ آتی تھی نظر بھائی کی صورت

دیوار میں نہ چھید نہ دروازوں میں روزن
وہ صورتیں بھولی وہ غریبی وہ لڑکپن
بوندیں بھی پسینے کی ٹپکتی تھیں زمیں پر
ہر صبح یہ معمول تھا منہ اشکوں سے دھونا
دیکھا نہ کبھی خواب میں بھی چین سے سونا
جز شکر خدا منہ سے نہ کچھ کہتے تھے دونوں
فاقے میں بسر کرتے تھے دن بھر وہ گل اندام
جا بیٹھتے دروازے کے نزدیک وہ گلفام
تھا خوف نہ بس ظالم اظلم کے غضب سے
کھانا وہ کہاں اور کہاں نازوں کے پالے
آپس میں یہی کہتے تھے وہ گیسوؤں والے
پانی بھی تو جی بھر کے نہیں ملتا ہے بھائی
سمجھاتا تھا چھوٹے کو بڑا بھائی یہ رو کر
دیکھو تو نہ سر پر ہے پدر اور نہ مادر
نعمت سے زیادہ ہمیں یہ نان جویں ہے
ایسے بھی بہت ہیں جنھیں ملتا نہیں دانا
بھائی ہے خدا مالک و مختار و توانا
موت آئی تو اس قید میں مر جائیں گے بھائی
رزاقی معبود حقیقی پہ کرو غور
دیندار ہی سے جو دور ہیں ان لوگوں کا ہو دور
ہیں قید میں جس کی وہیں سے جاتا ہے کھانا
زنداں میں بھی بھوکا نہ کبھی ہم کو سلایا
خاصان خدا نے بھی سدا رنج اٹھایا
عسرت رہی دنیا میں شہ عقدہ کشا کو

تھے داغ چراغوں کی طرح سینے میں روشن
چپ بیٹھے تھے پہروں وہ جھکائے ہوئے گردن
بل کھائی ہوئی زلفیں لٹکتی تھیں زمیں پر
اٹھ اٹھ کے نمازیں کبھی پڑھنا کبھی رونا
ہر رات کو خاک اوڑھنا اور خاک بچھونا
سر خاک پہ منہ ڈالے ہوئے تکتے تھے دونوں
جو مالک زنداں تھا وہ آتا تھا سر شام
دیتا انھیں دو روٹیاں اور پانی کے دو جام
اٹھ اٹھ کے سلام اس کو وہ کرتے تھے ادب سے
رو دیتے تھے جب حلق میں پھنستے تھے نوالے
قسمت کبھی دشمن پہ بھی یہ وقت نہ ڈالے
یہ سخت ہے روٹی کہ گلا چھلتا ہے بھائی
جا شکر نہیں شکوے کی کر صبر برادر
تھوڑا ہے کہ یہ بھی ہمیں ہوتا ہے میسر
منہ اپنا تو اس کھانے کے قابل بھی نہیں ہے
بچے کو جو پانی ہو تو ملتا نہیں کھانا
کچھ ایک سا رہتا نہیں دنیا میں زمانا
جیتے ہیں تو یہ دن بھی گزر جائیں گے بھائی
اس قید میں تھا رزق پہنچنے کا کوئی طور
ہم اور نمکداں اور زمیں اور ہوا اور
ہر طرح خدا بندے کو پہنچاتا ہے کھانا
دن بھر جو میسر نہ ہوا رات کو کھایا
دیکھو فاقہ کشی کا تو ہے میراث میں آیا
فاقے تو گزر جاتے تھے محبوب خدا کو

یہ قید کے دن شکر الٰہی میں گزارو
صابر رہو شاکر رہو ہمت کو نہ ہارو
رزاق وہ عالم کی عنایت اسے سمجھو
ظاہر ہیں رگیں تن کی بدن زرد ہو سارا
کیوں رشتے ہو قسمت سے کسی کا نہیں چارا
داور نے صدا مان جو یہ کھائی ہے بھائی
گھبراتے ہو کیوں روتے ہو کس واسطے بھائی
چھٹ جاتے ہیں طائر بھی جو ہوتے ہیں گرفتار
تاریکیٔ زنداں میں نہ اس طرح گھٹیں گے
محبوس ہماری ہی طرح تھے یہ گنہگار
زنجیر سوا تھا نہ کوئی سلسلہ جنباں
چھٹ جائیں گے زنداں میں سدا کون رہا ہے
جب چاہ سے نکلے تو اٹھائی وہ تباہی
کیا دور ہے ہو جائے اگر فضل الٰہی
دنیا کی امارت ہو تو خواہش ہمیں کب ہے
چھوٹے نے کہا سب ہے بجا آپ کا ارشاد
ہم سا تو زمانے میں نہ ہوگا کوئی ناشاد
یعقوب نے چاہا تھا نہ لگایا تھا پسر کو
گزرا جو اسی طرح انھیں قید میں یک سال
تن خشک ہوئے زرد ہوئے سر کے بڑھے بال
تن ضعف سے فرسودہ و لاغر ہوئے دونو
بچوں کو تو کیفیت میں ضعیفی نے کیا پیر
تھی تن کو نہ پہروں حرکت صورت تصویر
تن بھی تھا عذاروں سے گئی مستی کے چمن کی

جو مرضیٔ معبود ہے دم اس میں نہ مارو
روٹی جو ہے پانی کے گھونٹوں سے اتارو
گر صبر کی لذت ہے تو نعمت اسے سمجھو
کھا لو کہ عبادت کا رہے جسم میں یارا
یہ بھی نہ میسر ہو تو کیا زور ہمارا
تب فقر کی دولت انھیں ہاتھ آئی ہو بھائی
خالق ہو جو اسیروں کا یتیموں کا مددگار
ماہی کے شکم میں رہے کب یونس دیندار
یوسف نہ چھٹے قید سے کیا ہم نہ چھٹیں گے
کاہش تھی یہی اور یہی سختیٔ زنداں
خالق نے رہائی کا مگر کر دیا ساماں
ان کا جو خدا تھا تو ہمارا بھی خدا ہے
اور بعد تباہی کے ملی مصر کی شاہی
بندوں پہ ہے اس کا کرم لا متناہی
ہم کو تو فقط اس سے رہائی کی طلب ہے
بھائی بشریت سے یہ ہے نالہ و فریاد
چھوٹے بھی اگر تو نہ ہوں گے کبھی رنج سے آزاد
ہم قید سے چھٹ کر بھی نہ پاویں گے پدر کو
تھا دونوں کا افراط نقاہت سے عجب حال
خم ہو گئے کاہش سے مہ عید کی تمثال
رخ زرد مثال ورق زرد ہوئے دونو
سر چھاتیوں پہ جھک گئے حالت ہوئی تغیر
پیٹ سے جو لگیں نبضیں کہ ہوئیں پاؤں کی زنجیر
مستر سے نمایاں تھیں رگیں صاف بدن کی

ہم چشمی نرگس سے جو آنکھوں کو دیا تنگ
بیماروں کا ان نازکی پاؤں کے تھا ڈھنگ
جو گوشے گلے شکلِ قمر نور فشاں تھے
ناخن تھے سرنو سے جو بالائے انامل
اعضا میں عوض خوں کے حرارت ہوئی شامل
بیٹھے تھے جہاں ضعف بٹھا جاتا تھا ان کو

کاہیدہ تھے شکلِ تنِ مدقوق تن زار
رکھتا تھا جو دم زیست کے دن تھے وہ گرفتار
باقی تھا فقط تارِ نفس سینے کے اندر
تقلیلِ غذا قید کا دکھ باپ کا ماتم
چھوٹا یہی کہتا تھا بڑے بھائی سے ہر دم
افسوس یونہی عمر چلی جاتی ہے بھائی

پہونچا دیا اس غم نے ہمیں گور کنارے
جیتے ہیں مگر موت کے آثار ہیں سارے
ہمسا بھی کوئی بیکس و مغموم نہ ہوگا
کیا پوچھی نہ ہوگی خبر والدۂ ذی جاہ
کیا ہو گیا ہے خون زمانے کا سفید آہ
کاہے کو وہ رو دیں گی جو زنداں میں مرے ہم

اماں سے تو یہ ہم کو توقع نہ تھی بھائی
جیتے ہیں کہ مرتے ہیں خبر یہ نہ منگائی
منہ چومتی تھیں جیتے کبھی ہوتی تھیں اماں
ہنگام سفر کہتی تھیں بابا سے یہ ہر بار
سنتے ہیں خط آیا تو یہ لکھا تھا بتکرار
دونوں کی جدائی سے تڑپتی ہوں میں گھر میں

جوں مردمِ بیمار نقاہت سے وہ ہیں تنگ
جس طرح عرق کھینچے ہوئے پھول کی ہو رنگ
وہ تارے حلقوں میں گریباں کے عیاں تھے
سو قید میں بڑھ بڑھ کے ہوئے وہ مہِ کامل
تھے ضعف کی تصویر وہ دکھ درد کے حامل
اٹھنے کے تصور میں غش آجاتا تھا ان کو

ہر موئے بدن جسم پہ تھا کوہِ گراں بار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ برسوں کے ہیں بیمار
اک بال ہو جس طرح سے آئینے کے اندر
گھل گھل کے برس دن میں عجب ہو گیا عالم
فریاد رسی کون کرے کس سے کہیں ہم
نے قید سے چھٹتے ہیں نہ موت آتی ہے بھائی

مٹی نہ وطن کی تھی نصیبوں میں ہمارے
مرجائیں تو مرقد میں ہمیں کون اتارے
مرنا بھی کسی شخص کو معلوم نہ ہوگا
دیکھو تو کہ اماں بھی ہمیں بھول گئیں واہ
اب اوروں کی الفت میں ہماری نہیں کچھ چاہ
رو بیٹھے تو ہیں پاس ہوئے یا نہ ہوئے ہم

گزرا ہے برس دن کہ ہوئی ہم سے جدائی
پایا کہ نہ ہم تک ہوئی قاصد کی رسائی
ہم گھر سے جو نکلے تو بہت روتی تھیں اماں
بے ان کے مجھے چین نہیں پڑنے کا زنہار
صاحب مرے بچوں سے خبردار خبردار
بھجوا دو مرے پاس جو دونوں ہوں سفر میں

کیوں بھائی جو گھر میں ابھی ہم چھوٹ کے جائیں
رو رو کے جو ہم پاؤں پہ سر اُن کے جھکائیں
وہ کہتا تھا جو کہتے ہو کیا دُور ہے بھائی
بالفرض چچا جان جو تشریف نہ لاتے
بچھڑے ہوئے عباسِ علی شیر سے آتے
اللہ رکھے اُن کو یہ دم ہم میں نہیں ہے
کس طرح کہیں بھول گئیں ہو دیں گی مادر
کیا جانے کس آفت میں ہیں فرزندِ پیمبر
سنتے تو مدد اُن کے بھائی کی نہ کرتے
یہ کہتے تھے جو وا ہوا قفلِ درِ زنداں
بچھڑے ہوئے کھڑے ہو کے کہا با تنِ لرزاں
پینے کو نہ پانی نہ غذا چاہتے ہیں ہم
جو تو نے دیا شکر کیا اور وہی کھایا
بھوکی جو بہت پیاس تو اشکوں سے بجھایا
واقف ہے کہ کھانا کبھی دن بھر نہیں مانگا
گزرا ہے برس روز ہمیں خاک پہ سوتے
رہ جاتے تڑپ ڈر سے نہیں رات کو روتے
ہم سے ترا سردار عبث بر سرِ کیں ہے
تو رحم کرے شخص کہ بے جرم و خطا ہیں
لڑکے ہیں ستم کش ہیں غریب الغربا ہیں
اب قید کی تکلیف اٹھائی نہیں جاتی
رکھتا ہے بڑا اجر اسیروں کو چھڑانا
رہ جاتا ہے عالم میں کریموں کا فسانا
محتاج ہیں یاں اور تو کیا دیویں گے تجھ کو

کیا دور کے اماں ہمیں چھاتی سے لگائیں
کیا پیار سے لیں سر سے قدم تک وہ بلائیں
اللہ میں سب طرح کا مقدور ہے بھائی
ہم شکل نبی بھائیوں کو آکے چھڑاتے
کونے کو الٹ دیتے اگر ہم کو نہ پاتے
معلوم یہ ہوتا ہے کہ عالم میں نہیں ہیں
سب بچوں سے اپنے انہیں الفت ہے برابر
وہ قید سے غیروں کو چھڑا دیتے ہیں اکثر
تدبیر وہ بچوں کی رہائی کی نہ کرتے
اور دینے لگا آب و غذا اُن کو نگہباں
ہم تجھ کو دعا دیتے ہیں اے مردِ مسلماں!
کچھ حال جو سن تو، تو کہا چاہتے ہیں ہم
جی بھر کے اگر پانی نہ پایا تو نہ پایا
شکوے کا مگر حرف زباں پر نہیں آیا
سونے کے لیے رات کو بستر نہیں مانگا
پانی نہ ملا اتنا کہ کرتوں کو تو دھوتے
قیدی بھی چھٹے اکثر پہ رہا ہم نہیں پاتے
کچھ جرم نہیں ہے کوئی تقصیر نہیں ہے
وارث کوئی سر پہ نہیں پابندِ بلا ہیں
احساں کو نہ بھولیں گے کہ ہم اہلِ وفا ہیں
روٹی بھی کئی روز سے کھائی نہیں جاتی
بھوکوں کو طلب کرکے سخی دیتے ہیں کھانا
نیکی جو کرے نیک اُسے کہتا ہے زمانا
کام آ جو ہمارے تو دعا دیویں گے تجھ کو

دونوں نے فصاحت کا سخن جب یہ سنائے
زنداں کے نگہباں کے بھی آنسو نکل آئے
ہاتھ اس کی دعا کے لئے دونوں نے اٹھائے
پایا تو جو یہ سخن لب پہ لائے
کچھ رتبۂ محبوبِ خدا جانتا ہے تو
لے شخص محمدؐ کو بھی پہچانتا ہے تو

وہ کہنے لگا ان سے میں کیونکر نہیں آگاہ
مختارِ جہاں ختمِ رسلؐ سیدِ والا
ڈاکوں نے کہا حیدرِ صفدر سے بھی پرواہ
بولا مری تسبیح ہے نام اسد اللہ
نائب ہے مددگار ہے یاور ہے نبیؐ کا
حیدرؑ تو چچا زاد برادر ہے نبیؐ کا

وہ حق کا ولی ہے وہ امامِ دو جہاں ہے
وہ قبلۂ دیں ہے وہ شہِ کون و مکاں ہے
کعبے کی طرح اس کا شرف سب پہ عیاں ہے
اللہ کا ہاتھ اور محمدؐ کی زباں ہے
جو اس سے جدا ہے وہ محمدؐ سے جدا ہے
دنیا میں علیؑ ایک ہے اور ایک خدا ہے

کون ایسا ہے حیدرؑ سے جو آگاہ نہیں ہے
گمراہ ہے وہ ان سے جسے راہ نہیں ہے
آفاق میں حیدر سا شہنشاہ نہیں ہے
جو کہئے وہ سب کچھ ہے پہ اللہ نہیں ہے
حق سے نہ جدا وہ ہے نہ حق اس سے جدا ہے
آقا تو ہمارا ہے نصیری کا خدا ہے

یہ سنتے ہی جاں آگئی ان دونوں کے تن میں
گم ہو گیا دہشت سے جو لرزا تھا بدن میں
خشکیدہ زباں کرنے لگی شکر دہن میں
گویا کہ بہار آگئی ہستی کے چمن میں
چہرے سے خوشی ہو کے وہ مہرو نکل آئے
اک بھائی بہنا ایک کے آنسو نکل آئے

بولے کہ ہم اے شخص محمدؐ کے جگر ہیں
جھوٹے نہیں در پئے صداقت کے گہر ہیں
جو قتل ہوئے ہیں وہ ہمارے ہی پدر ہیں
واللہ نہیں مسلم بیکس کے پسر ہیں
آ کہتا ہے احمدؐ کو پیمبر ہے ہمارا
جو گھر ہے محمدؐ کا وہی گھر ہے ہمارا

یہ سنتے ہی تھرا گیا وہ مردِ خوش اطوار
معصوموں کے قدموں پہ گرا رو کے اک بار
کہتا تھا میں اس حال سے واقف تھا نہ زنہار
بخشو مجھے میں نے نہیں گھر کا تھا کسی کا
جو آپ کے لائق تھا وہ لایا نہیں کھانا
سچ ہے کہ مزے کا کبھی کھایا نہیں کھانا

میں تم پہ فدا اے اسد اللہ کے پیارو
مرتے ہیں نئے لاؤں یہ ملبوس اتارو
بندہ ہوں تمہارا ہوں مجھے قید ہو وارو
زاد و سفر لو مجھ سے جدھر چاہو سدھارو
شکوہ مرا اللہ و پیمبر سے نہ کیجو
جنت میں شکایت مری حیدرؑ سے نہ کیجو

قدموں سے اُٹھا کر وہ سخن لب پہ پھر لائے
دنیا کی ہر آفت سے خدا تجھ کو بچائے
واقف نہیں ہم راہ بتا دے تو رواں ہوں
دینے لگا دکھ وہ انھیں درہم و دینار
احسان یہ تیرا تھوڑا ہے اے مردِ خوش اطوار
بتلا دے پتہ ہم کو جگر بند نبیؐ کا

کعبے سے اِدھر بھیجا تھا بابا کو ہمارے
ساتھ ان کے تھے سب حیدرِ کرار کے پیارے
کے راہیں ہیں کاشتی ہو دیں گی وطن تک
حضرت کی خبر کچھ جو سُنی ہو تو بتا دے
جس سمت چچا ہوں اسی رستے پہ لگا دے
مطلوب زیارت ہمیں ہے شاہِ زمن کی

چاہا بہت اس نے کہ یہ بچوں سے چھپائے
گھبرا کے وہ معصوم سخن لب پہ یہ لائے
وہ کہنے لگا بیکس و مجبور ہیں شبیرؑ
جب رونے لگے وہ تو کچھ اس کو رحم آیا
دنیا میں کہاں ہے اسد اللہ کا جایا
شبیرؑ کے لشکر کا جوان کوئی نہیں ہے

عاشور کے دن ذبح ہوئے سبطِ پیمبرؐ
ناشدوں کا ستمگاروں نے لوٹا زر و زیور
دیکھا حرمِ شاہ نے دربار شقی کا
دنیا میں نہ اکبرؑ ہیں نہ عباسؑ نہ شبیرؑ
مارا گیا کر ہوئے قتل علی اصغرِ بے شیر
کیوں کاسہ اللہ کے پیاروں سے ملو گے

تو خالقِ اکبر سے جزا حشر میں پائے
حامی ہوں تری فاطمہؑ جب حشر میں جائے
بھائی ترے بچے ترے سائے میں جوان ہوں
شرما کے یہ کہنے لگے وہ بیکس و ناچار
توشہ ہے توکل کا ہمیں کچھ نہیں درکار
لشکر ہے کہاں سبطِ رسولِ عربیؐ کا

یاں آن کے ہم قید ہوئے وہ گئے مارے
سمجھے ہیں ابھی ہیں کہ کہیں دور سدھارے
کے رو زمیں پہنچیں گے شہنشاہِ زمن تک
جو راہ کہ نزدیک ہو وہ ہم کو بتا دے
کیا دور ہے خالق ہمیں بچھڑوں سے ملا دے
کعبے کی طرف جائیں کہ لیں راہ وطن کی

مظلوم کا جو ذکر تھا آنسو نکل آئے
کیوں خیر تو ہے آنکھوں سے کیوں اشک بہائے
تم جا نہیں سکتے کہ بہت دور ہیں شبیرؑ
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ بچوں کو سنایا
گھر فاطمہؑ کا خاک میں اعدا نے ملایا
عابدؑ کے سوا فاتحہ خواں کوئی نہیں ہے

خیمے بھی جلانے لگے تاراج ہوا گھر
افسوس کہ زینبؑ کی بھی چھینی گئی چادر
کوفے میں سر آیا تھا حسینؑ ابنِ علیؑ کا
سب چھوٹے بڑے ہو گئے زیرِ دمِ شمشیر
مٹی میں نہاں ہو گئی ایک ایک کی تصویر
اب جا کے ملو گے تو مزاروں سے ملو گے

سنتے نہیں معصوموں پہ رقت ہوئی طاری ۔ تڑپے یہ زمیں پر کہ غش آیا کئی باری
گھبرا کے وہ بولا نہ کرو گریہ و زاری ۔ دشمن کوئی سن لیوے نہ آواز تمہاری
ظالم ہے وہ حاکم یہ نہیں زور کسی کا ۔ یاں ڈھونڈھ کے خوں کرتے ہیں فرزند علی کا

وہ کہتے تھے کس طرح کلیجوں کو سنبھالیں ۔ اب بھائیوں کو توڑتی ہیں آہوں کی بھالیں
گھر خاک ہوا سر پہ بھی ہم خاک نہ ڈالیں ۔ دم رکتے ہیں کس طرح نہ آواز نکالیں
مشتاق تھے جن کے وہ قضا کر گئے ہے ہے ۔ ہم قید میں جیتے ہیں چچا مر گئے ہے ہے

گھبرا کے وہ بولا کہ مناسب نہیں تاخیر ۔ بہتر ہے اسی شب میں نکل جانے کی تدبیر
جلدی سے اٹھے واں سے وہ با حالت تغیر ۔ باندھیں کمریں اور وہ بچے ہوئے دلگیر
یوں نکلے بہ تعجیل اسیری کے محن سے ۔ جس طرح گریزاں ہو قمر چھٹ کے گہن سے

جب مسلم بیکس کے پسر قید سے چھوٹے ۔ آوارہ وطن خستہ جگر قید سے چھوٹے
دکھ سہہ کے عزادار پدر قید سے چھوٹے ۔ روپوش ہیں وہ شمس و قمر قید سے چھوٹے
گیسو بھی پریشان تھے گرتے بھی پچھڑتے تھے ۔ خورشید سے منہ گرد یتیمی سے اٹے تھے

وہ شہر پرآشوب وہ غربت وہ شب تار ۔ ایک ایک قدم خوف نہ رہبر نہ مددگار
ہاں جاتے، بیہوش غش کرتے تھے ہر بار ۔ دل ان کے دھڑکتے تھے لرزتے تھے تن زار
پیچھے کبھی ہٹ جاتے تھے گر پڑتے تھے دونوں ۔ ڈر ڈر کے کبھی ناد علی پڑھتے تھے دونوں

پھرتے رہے قسمت نے نہ کی راہ نمائی ۔ رستہ نہ ملا جانے کا اور نصف شب آئی
چھوٹے نے کہا چلنے کی طاقت جو نہ پائی ۔ اب تو ہمیں نیند آتی ہے ٹھہرو کہیں بھائی
کہتا تھا بڑا ہیں ابھی دن سخت ہمارے ۔ سوئیں گے جو بیدار ہوئے بخت ہمارے

دم لیتے کبھی گاہ قدم جلد اٹھاتے ۔ بچے ہوئے مڑ مڑ کے کبھی دیکھتے جاتے
تنہائی پہ آنکھوں سے کبھی اشک بہاتے ۔ گر پڑتے کبھی اور کبھی ٹھوکریں کھاتے
پڑ جاتے تھے نقاہت سے جو دم ہانپنے لگتے ۔ سایہ نظر آتا تو بدن کانپنے لگتے

لب پر نفس سرد بھرے آنکھوں میں آنسو ۔ غربت زدہ پھرتے تھے سراسیمہ وہ گل رو
تھا ہاتھ میں چھوٹے کے بڑے بھائی کا بازو ۔ دھڑکا تھا کہیں گھیر نہ لیں آکے جفا جو
چل سکتے تھے دونوں نہ ٹھہر سکتے تھے دونو ۔ گھبرائے ہوئے چاروں طرف تکتے تھے دونو

اک پیرزن اتنے میں نظر آگئی ناگاہ
یوں کہنے لگے اُس سے بصد عجز وہ ذیجاہ
معصوم ہیں ہم بے وطن و زار و حزیں ہیں
اس بستی میں دیندار نظر آتی ہیں تو
تم سے تو عجب طرح کی آتی ہمیں خوشبو
رکھتے ہیں قرابت تو رسول عربی سے
وہ بولی کہ آنکھوں پہ رکھوں تم کو میں دن رات
حاکم کا تو وہ دوست ہے اور دشمن سادات
لونڈی ہوں میں زہرا کی تمہارا ہی یہ گھر ہے
وہ بولے کہ خالق کرے رتبہ ترا عالی
درکار ہے فرش نہ تکیہ نہ نہالی
بن باپ کے ہیں ہم پہ مصیبت یہ نئی ہے
دونوں نے بہ شفقت جو کہا اس سے یہ رو رو
کہنے لگی میں تم کو چھپا رکھوں گی چھپ ہو
مہمان ہوئے جا کے ستم ایجاد کے گھر میں
کھانا بھی نہ کھایا نہ پیا دونوں نے پانی
وہ نیند نہ تھی موت کی گویا تھی نشانی
چلّایا ضعیفہ کو یہ زنجیر ہلا کر
پہنچی کے ضعیفہ کا لگا کانپنے اندام
در باہر سے ہر روز تو آتا تھا سرِ شام
در کھول نہیں آگ لگا دیتا ہوں گھر کو
در کھولا تو کس غیظ سے آیا وہ بد افعال
تھی رات تو آتش ہوئی بوجھ کے گھر خالی
آواز بھی ایسی کہ گزرتی تھی فلک سے

داماد کے آنے کی گھڑی دیکھتی تھی راہ
اک دو پہر اس گھر میں اماں وہ رہیں الغرض
مظلوم ہیں سید ہیں گنہگار نہیں ہیں
وہ بولی کہ تم دونوں ہو کس باغ کے گل رو
کہنے لگے تب چپکے سے وہ دیکھ کے ہر سو
مسلم کے پسر ہیں ہمیں کیجیو نہ کسی سے
پر صاحبِ خانہ ہے بڑا فاسق و بدذات
گر دیکھ لیا اس نے تو بچنے کی نہیں بات
گر ہے تو اسی ظالم بد ذات کا ڈر ہے
واقف نہیں ہم راہ سے اور رات ہے کالی
تو ہم کو چھپا رکھ کوئی حجرہ ہو جو خالی
شاید وہ نہ آئے کہ بڑی رات گئی ہے
تھی سو نہ معصوموں پہ رحم آگیا اس کو
میں صدقے گئی آؤ مری بی بی کے پیارو
دونوں کو اجل لے گئی جلاد کے گھر میں
اور سو رہے ہم مسلم مظلوم کے جانی
در وا نے یہ آ پہنچا ادھر ظلم کا بانی
کوسوں کا تھکا آیا ہوں در کھول دے آکر
بولی یہ بھلا آنے کا ہے کون سا ہنگام
چلّا کے وہ بولا کہ کہیں تھا تجھے کیا کام
لے تو نہیں آتی تو گرا دیتا ہوں در کو
پھینکا کہیں خنجر کہیں تلوار کہیں ڈھال
اور دیدۂ بد بیں تھے جوں ساغرِ خوں لال
ہلتی تھی زمیں پاؤں کے رکھنے کی دھمک سے

پاس آکے ضعیف نے بہت باتوں میں کھولا
تیوری وہ چڑھائے رہا کچھ منھ سے نہ بولا
کھینچی کبھی خنجر کبھی تلوار کو تولا
کہتا تھا کہ دل کا کوئی پھوڑا نہ پھپھولا
بچوں کو کبھی کاٹتا تھا طیش میں آکر
رہ جاتا تھا غصے سے کبھی ہونٹ چبا کر

اس طیش میں کھانا بھی نہ جلاد نے کھایا
پھر خواب اجل نے اُسے بستر پہ گرایا
باقی تھی پہر رات کہ پھر ہوش جو آیا
ابلیس نے سوتے ہوئے فتنے کو جگایا
بچوں کی جھلک حجرے سے دالان میں آئی
آواز بھی کچھ رونے کی پھر کان میں آئی

تاریک مثال دل کافر تھا وہ سب گھر
بر صورت گرگ لگا ڈھونڈنے اُٹھ کر
ظالم نے سرہانے سے لیا ہاتھ میں خنجر
پکڑے ہوئے دیوار گیا حجرے کے اندر
واں مسلم مظلوم کے پیارے نظر آئے
اک برج میں دو عرش کے تارے نظر آئے

جاگے جو کئی رات کے تھے وہ جگر افگار
سوتے تھے دھرے پیاسے رخسار پہ رخسار
تصویر سے بستر پہ کشیدہ تھے تن زار
باہیں جو گلے میں تھیں تو با دیدۂ خونبار
اک سینے کا تھا عکس جو اک سینے کے اندر
آئینہ نظر آتا تھا آئینے کے اندر

بازو پہ چھوٹے کے پڑا دست جفا کار
تو کون ہے کہنے لگا وہ چونک کے اک بار
جھنجھلا کے کہا اس نے کہ میں گھر کا ہوں مختار
تب بھائی کو چونکا کے یہ بولا وہ دل افگار
جس بات کا دھڑکا تھا وہ آفت کی گھڑی ہے
کیا سوتے ہو اُٹھو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

گھبرایا ہوا خوف سے اُٹھا وہ دل آرام
ظالم نے کہا کون ہو تم بیکس و ناکام
وہ بولے وہاں دے گا جو بتلائیں تجھے نام
اُس نے کہا ہاں دوں گا تو بولے وہ گل اندام
کھینچے ہوئے ہے ہاتھ میں تو تیغ جفا کو
ڈر لگتا ہے مجھ سے ہمیں ضامن دے خدا کو

مکار لگا کہنے کہ سب ہے مجھے منظور
پیماں شکنی ہونے یہ اپنا نہیں دستور
ڈر ڈر کے یہ کہنے لگے وہ بیکس و مجبور
اے شخص ہمیں ہیں پسر مسلم مغفور
تھا قتل کا ڈر اس سے کہ گھبرا کے چھپے ہیں
کر رحم کہ دامن میں ترے آ کے چھپے ہیں

سنتے ہی جفا کار نے بس آنکھ کو موڑا
یوں بازوؤں کو زور سے پکڑا کہ نہ چھوڑا
رسی میں انھیں باندھ لیا عہد کو توڑا
بچوں نے کئی بار بندھے ہاتھوں کو جوڑا
جب کھینچتا تھا گر کے مچلتے تھے وہ بچے
پر حجرے سے باہر نہ نکلتے تھے وہ بچے

دکھلاتا تھا خنجر انھیں جب کرتے تھے فریاد
دو دن سے تلک کھینچتا لایا ستم ایجاد
گرتے بھی تھے تو ٹوپیاں بھی گر گئیں سر سے

جس وقت نمودار ہوئے صبح کے آثار
چلائی جلی بیٹھی ضعیفہ جگر افگار
کیوں فاطمۂ زہرا کو رلاتا ہے کفن میں
بچوں سے لپٹی تھی جو کھولے ہوئے سر
وہ کہتی تھی تو ان کے عوض قتل مجھے کر
آنکھوں سے قدم ان کے لگانے نہیں پائی

جس وقت ہٹانے پہ بھی لپٹی گئی باری
چلے تو کہا واہیں تصدق ہوئی واری
دوڑو کوئی معصوم گرفتار بلا ہیں
روتے تھے ضعیفہ کی محبت پہ وہ مہرو
کھینچے لیے جاتا تھا یتیموں کو جفا جو
غم دیکھ کے دونوں جو ضعیفہ کا ورے تھے

بچوں کو لیے نہر پہ پہنچا جو وہ بے پیر
دل ہل گئے بٹ بٹ کے یہی دونوں کی تقریر
مظلوم ہیں حامی کوئی جنگل میں نہیں ہے
وہ بولے کہ مطلوب ہیں گر درہم و دینار
وہ جنس نہیں جس کا نہ ہو کوئی خریدار
یوسف کی طرح موتیوں میں جب کے تلیں گے

گر یہ نہیں مطلب تو نہ کر جرأت بے جا
دربار ستمگار میں جیتا ہمیں لے جا
آ کہ وہ ہو میں رخ انور نہیں دیکھے
بچوں پہ یہ دکھ ہائے یتیموں پہ یہ بیداد
کم زور تھے یہ اور زبردست وہ جلاد
مجرم کی طرح باندھ دیا دونوں کو در سے

دریا پہ چلا لے کے یتیموں کو جفاکار
جن باپ کے بچے ہیں یہ ظالم نہ انھیں مار
دو پھول تو رہنے دے محمد کے چمن میں
تلوار کے قبضوں سے ہٹاتا تھا ستمگر
ہے ہے مرے مہمان ہیں بیکس ہیں مضطر
کھانا بھی غریبوں کو کھلانے نہیں پائی

تلوار لے جھنجھلا کے ستمگار نے ماری
گرتے ہوئے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری
بچوں کو چھوڑ دے کہ یہ بے جرم و خطا ہیں
بہہ کے گریبان تلک آتے تھے آنسو
ایک ہاتھ میں تلوار تھی اک ہاتھ میں گیسو
وحشت سے بندھے ہاتھوں کو آنکھوں پہ دھرے تھے

اور دیکھی یتیموں نے چمکتی ہوئی شمشیر
کر رحم کہ معصوم ہیں ہم بیکس و دلگیر
ظالم نے کہا رحم مرے دل میں نہیں ہے
راضی ہیں یہیں بیچ دے چل کر سر دربار
ہم سے کہیں ملتے ہیں غلامان وفادار
ان لعلوں کے عقدے تھے اسی وقت کھلیں گے

دل آپ سے وحشت سے لرزتا ہو کلیجا
وہ بولا کہ حاکم ہی نے ہو قتل کو
جیتا نہیں دیکھا ہے کٹے سر نہیں دیکھے

دونوں نے کہا مالک و مختار خدا ہے
گر یوں ہی نمازیں تو ادا سر پہ قضا ہے
وہ بولا نمازوں سے بھلا فائدہ کیا ہے
جانوں کو بچالیں یہ نمازیں تو بجا ہے
وہ بولے کہ یہ شیوہ ہے مشہور ہمارا
سر دینا عبادت میں ہے دستور ہمارا

نامرد نے حملہ کیا تلوار اٹھا کر
سر رکھ دیا چھوٹے نے وہیں جلد بڑھا کر
تب ہاتھ سے چھوٹے کو بڑا بھائی ہٹا کر
جا بیٹھا تہِ تیغ وہ دم سر کو جھکا کر
تلوار چمکتی تھی تو ہٹ جاتا تھا بھائی
پھر دوڑ کے بھائی سے لپٹ جاتا تھا بھائی

سکتا تھا تلوار بڑے پر نہ علم کر
ڈر قہر خدا سے یہ جفا کر نہ ستم کر
وہ کہتا تھا پہلے مرا تن سے قلم کر
مل یوں ہی گلے بھائی سے وقفہ کوئی دم کر
اک وار میں سر دونوں کے تن پہ سے اتر جائیں
ہیں ساتھ ہی رنج میں بندھے ساتھ ہی مر جائیں

ناگاہ چلی ظلم کی تلوار بڑے پر
بالائے زمیں کٹ کے ستارا سا گرا سر
دریا میں ستمگار نے پھینکا تن اطہر
چلا کے یہ چھوٹے نے کہا ہائے برادر
دیکھا جو بڑے بھائی کا سر دست عدو میں
وہ گر کے تڑپنے لگا بھائی کے لہو میں

آیا جو شقی تیغ علم کر کے دوبارا
چلانے لگا بھائی کو وہ بھائی کا پیارا
مادر کو پکارا کبھی بابا کو پکارا
جلاد نے تن پر سے سر اس کا بھی اتارا
دھبا بھی نہ خوں کا لگا شمشیر عدو میں
بھائی کا لہو مل گیا بھائی کے لہو میں

جب تک کہ تڑپتا رہا اس کا تن لاغر
ٹھہرا رہا پانی پہ بڑے کا تن اطہر
چھوٹے کو بھی جب ڈال دیا نہر کے اندر
جا لپٹا بصد شوق برادر سے برادر
گہ ڈوبتے تھے گاہ ابھر آتے تھے دونو
خورشید سے دریا میں نظر آتے تھے دونو

خاموش انیس اب کہ ہو دل پر الم و رنج
یہ مرثیہ تو لیں گے جو اہل ہیں سخن سنج
دنیا کی دو رنگی سے نہ کر دل میں شکن رنج
مومن جو ہیں ان کے لئے یاں گنج در گنج
مطلب نہ کسی سے نہ علاقہ ہے کسی سے
لیویں گے صلا اس کا حسین ابن علی سے

٦

مرثیہ

بند ١٣٦

ہے شور آمدِ حُر فوجِ شاہ میں
ہر اک جو اس خوشی سے حسینی سپاہ میں
زہراؑ کی روح منتظرِ حُر ہے راہ میں
زینبؑ دعائیں دے رہی ہیں خیمہ گاہ میں
اللہ رے مرتبے حُر قدسی سرشت کے
حوروں نے وا کیے ہیں دریچے بہشت کے

غل قدسیوں میں ہے کہ خوشا حُر ہے شرف
دیکھو تو کس طرف سے یہ آتا ہے کس طرف
حامی ہیں فاطمہؑ تو کھڑے ہیں شہِ نجف
محبوبِ کبریا کی صدا ہے کہ لاتخف
اب نصیب ہیں گلگشتِ عنبر سرشت کی
دیتے ہیں خضرِ حُر کو بشارت بہشت کی

ہاتف کی یہ صدا کہ مبارک ہو وصلِ حُور
جنت بہت قریب ہے دوزخ سے بچ کے دور
حاضر ہو جلد دیر سے ہیں منتظر حضور
ہے قصرِ خلد اب کہ بحل ہو گئے قصور
قربِ حبیبِ حضرتِ داور نصیب ہو
دستِ علیؑ سے ساغرِ کوثر نصیب ہو

ہیں جس طرف حسینؑ وہ راہِ نجات ہے
ظلمت یہ کفر کی ہے وہ آبِ حیات ہے
ہے پاس دیں جسے وہ بشر خوش صفات ہے
دنیا کو چھوڑ کون بڑی کائنات ہے
ایسا نہ ہو کہ فوجِ عدو میں ہلاک ہو
دریا سے جا کے مل کہ گناہوں سے پاک ہو

ہے جزو و کل پہ قبلۂ عالم کا اختیار
مختارِ کارخانۂ حق ہیں وہ نامدار
ہے اُن کے ہاتھ میں قلمِ عفوِ کردگار
بخشائیں وہ جو لاکھ ہوں تجھ سے گناہ گار
اب نورِ عینِ فاطمہؑ تیرا شفیع ہے
ڈرتا ہے کیوں حسینؑ کا دامن وسیع ہے

فیاضِ خلد نام ہے اُس بادشاہ کا
حیدرؑ کا علم خلقِ رسالتؐ پناہ کا
کیا ذکر اس جناب میں تیرے گناہ کا
مالک ہے وہ جہاں کے سفید و سیاہ کا
کیسا وہ صبحِ شامِ غریباں نہ ہو گئی
مشکل پڑی وہ کس پہ کہ آساں نہ ہو گئی

وجہِ قبول توبۂ آدم ہے اُن کا نام
یہ قیدِ چاہ میں ہیں کنعاں کے آئے کام
حامی کلیم کے تھے یہی اس میں کیا کلام
جن پر درود بھیجیے یہ وہ ہیں والسلام
ان کے عدو کو راحتِ دنیا و دیں نہیں
حامی جو یہ نہ ہوں تو ٹھکانا کہیں نہیں

جنت کی آبرو ہیں مرض کی دوا ہیں یہ
ہادی ہیں یہ امام ہیں یہ مقتدا ہیں یہ
خورشید آسمانِ سخا و عطا ہیں یہ
سب روشنی انھیں کی ہے نورِ خدا ہیں یہ
رنجِ لحد سے اپنے محب کو بچاتے ہیں
سجاد بارِ قبر میں مومن کی آتے ہیں

یہ خانۂ کرم ہیں یہ رحمت کے باب ہیں
مانندِ خضر ہادیِ راہِ ثواب ہیں
جانِ رسولؐ ہیں خلفِ بوتراب ہیں
ذرّے کو کر دیں مہر یہ وہ آفتاب ہیں
مانندِ سبحہ رشتۂ ایماں قوی کرے
دانا وہ ہے امام کی جو پیروی کرے

جس کام میں ہو شر وہ شر اس سے جدا رہے
لازم ہے امرِ خیر کہ راضی خدا رہے
دریائے فیضِ حق سے سدا آشنا رہے
آئینۂ دل صاف رہے بے ریا رہے
گر ہو تو حق پرست کے دامن کا ہاتھ ہو
ساتھ اُس ولی کا دے کہ خدا جس کے ساتھ ہو

جو مرد ہیں جہاں میں وہ مرتے ہیں نام کو
دیندار جان دیتے ہیں عقبیٰ کے کام پر
ہے تین دن سے فوج کا نرغہ امام پر
قربان ہو حسین علیہ السلام پر
انسان کھوئے وقت کو پاتا نہیں کبھی
جو دم گزر گیا وہ پھر ہاتھ آتا نہیں کبھی

یہ صف کشی یہ وقت یہ ہنگام پھر کہاں
یہ صورتیں یہ لشکرِ اسلام پھر کہاں
گر صاحبِ نگیں ہو تو یہ نام پھر کہاں
دن ڈھل گیا تو شاہِ خوش انجام پھر کہاں
دنیا میں نورِ چشمِ نبیؐ کو نہ پائے گا
ان میں سے بعد عصر کسی کو نہ پائے گا

فرطِ خوشی سے یاں شہِ دیں کو نہیں قرار
خود چند گام بڑھتے ہیں اٹھتا ہے جب غبار
اکبر سے مسکرا کے یہ کہتے ہیں بار بار
آتا ہے میہماں مرے گھر میرا دوستدار
ایسے کی پیشوائی کو جانا ثواب ہے
لاکھوں بُروں میں نیک جو ہو انتخاب ہے

لکھا ہوا ہے مصحفِ زہرا میں اس کا نام
حُر تھے جری شبیہِ جعفر ناصرِ امام
ناجی ہے اس کے جرم بحل ہو گئے تمام
روئیں گے اس جری کی محبت میں خاص و عام
کیونکر رکھوں عزیز نہ اس خوش خصال کو
جس نے حسینؑ کے لئے چھوڑا عیال کو

یاں کا تو ہے یہ حال سنو اس طرف کا رنگ
حلقوں سے ہیں ملائے ہوئے اب کھینچ تنگ
توپیں لے کمک کو رنیان شام ہیں
حر اک طرف کھڑا ہے متامل مگر خموش
بھائی کا ہے خیال نہ کچھ ہے پسر کا ہوش
انجام کا خیال ہے ایمان کا درد ہے

ٹپکا کے اشک آنکھوں سے کہتا ہو آہ و داد
میرے سبب سے ہائے یہ شہید ہوا تباہ
محجوب ہوں خجل ہوں شہ مشرقین سے
بڑھ کر اگر کہوں ہیں کوئی جوڑتا ہو تیر
یہ کیا خطا ہے دور ہو او سرکش و شریر
کیا پاس کچھ نہیں دل و جان بتول کا

جب شمر نے سنے سخن حر حق شناس
کی عرض اے امیر نہایت ہوں بے حواس
وہ فکر کر کہ فوج کا کچھ بند و بست ہو
سادات پر ابھی نہ ستم تھا نہ ظلم و جور
غصہ ہے حر پھرا ہے تو دیکھ لے بغور
سب ایک دل ہیں قتل شہ مشرقین پر

حر در پے فساد ہے لشکر ہیں اے امیر
ہے اس کی سرکشی سے کماندار گوشہ گیر
دست پھر گیا ہے اس کا ہماری سپاہ سے
اس کو نہ تیرا پاس نہ حاکم کا کچھ ہے ڈر
بیٹے سے دم بدم ہی اشارہ کرے ہے پیر
اب یاں رہیں کہ سوئے شہ بحر و بر چلیں

فوج امیر شام ہے سب مستعد بہ جنگ
غل ہے کہ ہاں لڑائی میں اب کچھ نہیں درنگ
پھیل برچھیوں کے جانب فوج امام ہیں
پیچھے ہیں وہ ہزار جوانان درع پوش
آنکھوں میں اشک دل میں محبت کا جوش ہے
رعشہ تمام جسم میں اور رنگ زرد ہے

کیوں مصطفیٰ کے لال کی روکی تھی میں نے راہ
نظریں فاطمہ سے بچا مجھ کو یا الٰہ
کیا جانتا تھا میں کہ لڑیں گے حسین سے
کہتا ہے شمر تول کے شمشیر بے نظیر
حیدر کا نور چشم ہے کونین کا امیر
بے درد چھید نہ جانے کلیجا رسول کا

گھبرا کے وہ گیا عمر بے حیا کے پاس
لشکر میں ہے فساد مجھے فتح سے ہے یاس
آپس میں لڑ مرے تو غضب کی شکست ہو
بے طور کچھ مجھے نظر آتا ہے حر کا طور
ثابت ہوا مجھے کہ ارادہ ہے اس کا اور
وہ اپنی جان دیتا ہے نام حسین پر

کہتا ہے بے خطا ہے شہ آسماں سریر
بچے ہیں جو ہٹے نہیں دیتا کسی کو تیر
وہ جائے گا سبط رسالت پناہ سے
پھر اکڑا ہوا ہوا الگ مثل شیر نر
ہے جنت النعیم ادھر اور ادھر سقر
عاقل اگر ہے تو تو بتا دے کدھر چلیں

سنتے تھے سب جو بھائی سے اس نے کیا کلام
غیر از حسینؑ مجھ کو نہیں ہے کسی سے کام
پانی کیا ہے بند امامِ سعید پہ

یہ سن کے ابنِ سعدِ لعیں کو ہوا ہراس
آیا عجب شکوہ سے حرؑ خدا شناس
غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو

قبضے پہ ہاتھ اور زباں پر علیؑ کا نام
نیزہ بلند اور رخشِ خجستہ کام
دھڑکا کہ دیکھیے پسرِ سعد کیا کہے

خیمے سے دور تھا ابھی کچھ خستہ نامور
بالائے فرقِ نحس چمکتا تھا چترِ زر
نعرہ تھا بے حیا کو ہجومِ سپاہ پہ

غل تھا ہٹو بڑھو کا پیادوں میں بار بار
آگے تھے اہتمام میں دس بیس چوبدار
ظالم کے حکم میں سپہِ شام و روم تھی

کہتا تھا فخر سے یہ بہ نخوت وہ خود پرست
کہہ دے زمیں درست ہو جو ہے بلند و پست
آلِ نبیؐ کو تشنہ دہن ذبح کیجیو

حاکم کے حکم سے کوئی ہو منحرف اگر
مجرم ہے جائے گا جو ادھر سے کوئی ادھر
حاکم ہوں میں سزا کا مجھے اختیار ہے

تھرا رہے تھے سن کے یہ تاکیدِ خاص و عام
دیکھا کیا شقی یہ نہ حرؑ نے کیا سلام
پہنچا یہ جب قریب جو وہ شیرِ نر گیا

کہتا تھا نورِ عینِ علیؑ ہے مرا امام
سچ کہتے ہیں اسی لئے ہے نوکری حرام
دشمن ہے آلِ پاک کا لعنت یزید پر

بولا بلا تو لائے کوئی حرؑ کو میرے پاس
غصے سے رنگ سرخ مگر مجتمع حواس
جس طرح ٹوک دے کوئی غصے میں شیر کو

فرزندِ ارجمند بھی تولے ہوئے حسام
گرزِ گراں اٹھائے ہوئے باوفا غلام
ایسا نہ ہو حسینؑ کو ظالم برا کہے

غل یک بیک ہوا کہ برآمد ہوا عمر
تیغیں علم کیے تھے مصاحب ادھر ادھر
سایہ ہزار ڈھال کا تھا روسیاہ پر

پیدل تھے ساتھ گھوڑوں سے اترے ہوئے سوار
تھے پہلوان سلاح کو باندھے ہوئے قطار
چاروں طرف سلامی کے باجوں کی دھوم تھی

کھلوا نشاں لڑائی کا ہو جلد بندوبست
دریا پہ جائیں اور جوانانِ تیز دست
گر پاس آبرو ہے تو پانی نہ دیجیو

قطعی یہ حکم ہے کہ جدا کر بدن سے سر
بچے اسیر ہوئیں گے تاراج ہوگا گھر
درّہ ہے بیڑیاں ہیں اسیری ہے دار ہے

پہنچا یہ جب قریب گیا حرؑ نیک نام
کافر سے کیا جھکے وہ خدا سے جسے ہو کام
اللہ رے رعبِ حق پسرِ سعد ڈر گیا

ڈر کر کہا عمر نے کہ اے حُر نامور
کتنے جوان صفوں میں ہیں کتنے ہیں خیر پر
دنیا میں زور اپنا ہے اور اپنا ہاتھ ہے

بولا وہ بے حیا کہ نہ برہم ہو اے جری
حُر نے کہا عزیز نہ سر ہے نہ افسری
کیا اس کا ساتھ جس کی اطاعت گناہ ہو

کہنے لگا یہ حشر سے بہ نرمی وہ حیلہ ساز
سرور نہ ہوں گے ہم سے کبھی سرورِ حجاز
دیر اس میں کیا جو امر قریب الوقوع ہو

جو اس میں تیری رائے مجھے ہو وہی پسند
تھوڑے بہت ہیں یاورِ سلطانِ ارجمند
لشکر میں یاں بھی لاکھ دلاور جوان ہیں

ان میں بھی چھوٹے چھوٹے ہیں کچھ طفلِ نونہال
کیا جانئے دل میں سوچے ہیں کیا شاہِ خوش خصال
فوجوں کے ریلے ہوں گے جو دشت نبرد میں

آمادہ قتلِ شاہ پہ ہیں سب جوان و پیر
کیوں برچھیاں حسین پہ چلے چلیں کہ تیر
انساں کو اختیار ہے خود اپنے کام میں

سوچے اگر تو عاقل و ہشیار ہے بشر
ہر دم خدا کا یوں تو خطاوار ہے بشر
ایماں کا فیض ربِ عُلا کی طرف سے ہے

کتنے ہی تشنہ رہتے ہیں حبِ علی سے مست
کتنوں کی ہے جو فتح تو کتنوں کی ہو شکست
احوال مختلف ہے شقی و سعید کا

رن میں سوار تیرے رسالے کے ہیں جو ہم
حُر نے کہا کہ اس کی مجھے کچھ نہیں خبر
میں ہوں کسی طرف نہ کوئی میرے ساتھ ہے

اچھی نہیں یہ تند مزاجی یہ برہمی
میں وہ کروں گا جس میں ہو اپنی بہتری
حاکم ہو یا رئیس ہو یا بادشاہ ہو

عزت سے ہے یزید کو تیری وفا پہ ناز
اب بعد فتح اور بھی تو ہوگا سرفراز
تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو

پانی تو تین دن سے ہے پر بسیوق بند
پس جائیں گے اٹھائے سوار و نجیب سمند
واں ایک صف ہے جس میں بہتّر جوان ہیں

تلوار جن کے ہاتھ سے اٹھنے کی اور ڈھال
روکیں گے پہلوانوں کے حربے یہ خود و ڈھال
دب جائیں گے سواروں کے گھوڑوں کی گرد میں

کہتا ہے اب سپہر شاہِ قلعہ گیر
حُر نے کہا کہ مجھ سے نہ یہ پوچھ اے امیر
مجھ کو شریک کرتا ہے قتلِ امام میں

ہے دوزخی جو شر کا طلب گار ہے بشر
شر ہو کہ خیر فاعلِ مختار ہے بشر
شر اس طرف سے خیر خدا کی طرف سے ہے

کتنوں نے دل سے عہد کیا وعدۂ الست
کتنے ہوا پرست ہیں کتنے خدا پرست
عاشق کوئی حسین کا کوئی یزید کا

ہے رائے نیک یہ جو تجھے ہے اگر پسند
پانی مسافروں پہ بھی کرتا ہے کوئی بند
او شمت عقل پاس ابھی تجھ کو کسی کا ہے
فرزند فاطمہؑ کو نہ پہنچا کوئی گزند
واللہ بے قصور ہے وہ شاہ ارجمند
مجرم بھی ہو اگر تو نواسا نبیؐ کا ہے

نادم ہو دل میں منھ کو گریباں میں اپنے ڈال
توبہ کر اے امیر گروہ جفا خصال
ایماں کس کے گھر سے ملا یہ نہیں خیال
محسن کشی یہ کون سے مذہب میں ہے حلال
دنیا میں اک علیؑ کا یہی نور عین ہے
جو مصطفےٰ کی جان ہے یہ وہ حسینؑ ہے

حاکم ہے حرمت شرفا چاہیے تجھے
پردیسیوں پہ مہر و وفا چاہیے تجھے
روح رسولؐ حق سے حیا چاہیے تجھے
امداد بندگان خدا چاہیے تجھے
جو اپنے گھر میں آئے اسے گھیرتے نہیں
مہمان کے گلے پہ چھری پھیرتے نہیں

مہماں بھی کون سا کہ رسولؐ خدا کا لال
زہراؑ کی جان لخت دل شیر ذوالجلال
نہ ملک جس کے پاس نہ دولت نہ زر نہ مال
سید عیال دار مسافر شکستہ حال
کیا جانے یہ ستم تجھے کیوں کر پسند ہے
سولہ پہر سے آب رواں اس پہ بند ہے

لالچ نہ کر حکومت دنیا کا خدا سے ڈر
کعبے کو ڈھا کے کوئی بناتا ہے اپنا گھر
حاشے سے آدمی کو سدا چاہیے حذر
جس کی طلب میں دولت ایماں کو نذر کر
دنیا میں کیا خبر کہ رہے یا نہ تو رہے
وہ کام کر کہ جا کے سدا آبرو رہے

انساں کو پاس حرمت اسلام چاہیے
عقبیٰ بخیر جس میں ہو وہ کام چاہیے
منعم کو مثل ابر کرم عام چاہیے
گو صاحب نگیں نہ ہو پر نام چاہیے
فیض محبت شہ نامی نصیب ہو
گر ہو تو پنجتن کی غلامی نصیب ہو

کیا حاکم شقی کی محبت کا اعتبار
بد عہد و بے دغا و شریر و شراب خوار
نامرد بدترین جہاں ننگ روزگار
دنیا پرست و فاسق و بے دین و بد شعار
دن رات اس کو شغل شراب و غنا کا ہے
شیطان کا مطیع ہے عادی زنا کا ہے

باپ اس کا بھی ہمیشہ رہا ہو سر فساد
بغض علیؑ میں بھول گیا تھا خدا کی یاد
برسوں لڑا وصی نبی سے بعد عناد
شبر سے بعد صلح تھا اظہار اتحاد
پہنچا گئے رنج قبر میں خیر الانام کو
دلوا کے زہر جان سے مارا امام کو

یہ تشنہ لب حبیب الٰہی کا ہے حبیب
گر یہ نہ ہو سکے تو نجف یاں سے ہے قریب
مارا تھا گھیر کر یہیں شاہ مشرقین کو
محروم ہی رہا ہے سدا قاتل امام
دوزخ ہیں ابن ملجم ملعون کا ہے مقام
مردود تھا یہ دونوں جہاں میں پکار ہے
خطا ہے گر تو قبلۂ عالم سے جلد مل
میں بے تقیہ کہتا ہوں سن لے بگوش دل
چھوڑ انگشت صاحب مسجد کے ساتھ ہوں
یہ سن کے ہو گیا پسر سعد شوم دنگ
بولا کدھر خیال ہے مجھ سے کرے گا جنگ
نام حسینؑ منھ سے نہ بس بار بار لے
کیا جانتا نہیں کہ ہے اس نام سے عناد
حاکم سے دل پھرا ہوا اوروں سے اتحاد
جانے نہ جان جائے گی جانے میں کہ گر
رو لیں گے ہم حسینؑ سے کیا تیری احتیاج
نعلین پائے شہ کو سمجھتا ہو سر کا تاج
زحمت اٹھا کے زیور و زر لینے آئے ہیں
بے قتل ابن فاطمہؑ ہے سود کی محال
دم میں کریں گے باغ محمدؐ کو پائمال
ہوں گی علیؑ کی بیٹیاں بلوائے عام میں
فرزند فاطمہؑ کی رفاقت سے کیا حصول
جل جاؤں گا کریں گی اگر یہ دعا قبول
گر نام میرا سعد وہ اجلال لوں

تو ساتھ اُس امام کا دے تو زہے نصیب
مہلت ہمیں اتنی دے کہ نکل جائے یہ غریب
پہونچا بھی آؤں قبر علیؑ پر حسینؑ کو
ہے منتظر بھی کوئی کرے گا وہ انتقام
بے لعن و طعن بھی کوئی لیتا ہے اسکا نام
آتش کے گرز پڑتے ہیں لعنت کی مار ہے
ورنہ ہے گا احمد مرسل سے منفعل
جاتا ہوں دیکھ جاتا ہوں آقا کے متصل
تیرا شریک اب نہیں شہ کے ساتھ ہوں
غصے سے اور تیز ہوا تیرہ رو کا رنگ
ہوتا ہے حاکموں سے یہی گفتگو کا ڈھنگ
کہہ دوں کہ کوئی تن سے ترا سر اتار لے
دشمن سے کیسی دوستی اور کیا اتحاد
ایسی سزا ملے گی کہ برسوں کرے گا یاد
اچھا یہی ہے گر تو کسی کی دوا نہ کر
آل نبیؐ کے خون کے دریا بہیں گے آج
محتاج ہیں وہ آپ کدھر ہے ترا مزاج
کوسوں سے یاں حسینؑ کا سر لینے آئے ہیں
لوٹیں گے گھر علیؑ کا ملے گا متاع و مال
پیاسا شہید ہو گا رسولؐ خدا کا لال
بندی میں نبیؐ کی آل کی جائے گی شام میں
حُر نے کہا کہ دولت خوشنودیٔ رسولؐ
تیور بدل کے مجھ کو ڈراتا ہے اے جہول
انساں تو کیا ہے شیر کی آنکھیں نکال لوں

پھولا ہے اپنی فوج کی کثرت پہ تندخو
کیا تیری اصل کیا ترا منھ او سیاہ رو
کیا ڈر مجھے پسند ہو یا ناپسند ہو تو
کہتا ہے بار بار نہ لے شاہِ دیں کا نام
تو بندۂ یزید ہے میں خادمِ امام
نامِ حسینؑ دوست کو پیارا ہے جان سے
لعنت ترے یزید پہ کرتا ہوں برملا
اتنوں میں مجھ پہ ہاتھ تو ڈالے کوئی بھلا
ناحق مدد کرے گا مطیعِ امام ہوں تو
تو کیا لڑے گا لال سے حیدر کے او شریر
وہ شیر جب جنھوں نے پیا فاطمہؑ کا شیر
چھوڑا ہے شیر دوں نے کہیں آن بان کو
عقبیٰ خراب ہوتی ہے فوجِ ستم کے ساتھ
عزت ہے اب عیال کی اہلِ حرم کے ساتھ
چھوٹے گا روح سے بھی نہ مدفن حسینؑ کا
ہو قطع یہ زباں تری او دشمنِ امام
واجب ہے مثلِ کعبہ اسی گھر کا احترام
ہوئے ہیں قید دخترِ شیرِ الٰہ ہو
نظارہ خوب آگ کا یا لالہ زار کا
کیا اتحاد فرق ہو جب نور و نار کا
سمجھا ہے تو ثواب جسے وہ گناہ ہے
کیونکر نہ پاس خسروِ حق و نمک کروں
کہلاؤں شور بخت جو پاسِ نمک کروں
مڑ جاؤں منھ کو قبلۂ عالم سے موڑ کر

نامرد میرے سر کو اتارے گا تن سے تو؟
جرار بادشاہوں سے کرتے ہیں گفتگو
میں حق پہ ہوں زباں مری کس طرح بند ہو
میں حرزِ جاں سمجھتا ہوں نامِ شہِ انام
ہوئے گا نزع میں بھی زباں کو اسی سے کام
اس نام کا مزا کوئی پوچھے زبان سے
کہہ دے جو ہو کوئی ترے لشکر میں منچلا
کر دوں لہو سے لال بیابانِ کربلا
فوجیں بھگا چکیں جن نے ہیں اس کا غلام ہوں
جب کچھ کڑی پڑی ہے تو بھاگے ہیں تیغ پھیر
واں کا نہ اک جوان نہ ترا لشکرِ کثیر
اُلٹیں جو آستیں تو الٹ دیں جہان کو
ہے سر مرا شہِ دو جہاں کے قدم کے ساتھ
میں حشر میں بھی ہوں گا امامِ امم کے ساتھ
ڈھونڈھے گی میری خاک بھی دامن حسینؑ کا
لیتا ہے تو اسیریِ بنتِ علیؑ کا نام
خاموش بے ادب کہ ادب کا ہے یہ مقام
ویران شہرِ شام ہو کوفہ تباہ ہو
بلبل نے ساتھ گل کا دیا ہے کہ خار کا
میں دوست پنجتنؑ کا ہوں تو نابکار کا
تیری ہے اور راہ مری اور راہ ہے
کافر ہوں گر حسینؑ کے رتبے میں شک کروں
سبطین کا ساتھ چھوڑ کے تیری کمک کروں
مسکن بناؤں دیر میں کعبے کو چھوڑ کر

وہ عاشقِ حسینؑ یہ کہتے ہی بس چلا
رو کا کیے بہت پہ کسی کا نہ بس چلا
کھل گیا دماغ میں وہ بو سما گئی
پڑھ کر درود کہنے لگا مژدہ نیک خو
وہ راہ مل گئی مجھے تھی جس کی آرزو
محسن مرا حسینؑ سا احسان خدا کا ہے
یہ کہہ کے راہواروں سے اُترے وہ خوش سیر
باندھے جو ہاتھ کھل گیا باغِ ارم کا در
اے صاحبو غلام کو آنے کی راہ دو
امداد کا مقام ہے یارو مدد کرو
شیرِ خدا کے شیر کے پیارو مدد کرو
دیں پر درود ثواب کا ہاتھوں سے کام لو
لازم ہے رہبری کہ میں گم کردہ راہ ہوں
رحمت کے تم محیط ہو میں پُر گناہ ہوں
ڈالا تھا ہاتھ کیوں شہِ والا کی باگ میں
ڈرنے لگا دل تن پہ کرو مجھ کو سنگسار
جھکوا دو تن سے کاٹ کے دستِ گنہگار
رسّی بندھی ہو پاؤں میں اور تن پہ سر نہ ہو
میں یوں نہ جاؤں گا مجھے ہمراہ لے چلو
مجرم کو پیشِ شہ ذی جاہ لے چلو
ارماں ہے صدقے ہونے کا حسرت نکال دو
روتی یہ التجا تھی حُر حق کے فوجِ شاہ
اکبرؑ نے دی صدا کوئی روکے نہ اس کی راہ
مشتاق ہو کے دلبرِ زہرا رواں ہوا

لشکر دعائے فاطمہؑ کا پیش و پس چلا
حر جدھر تھا پیچھے رہ گئی کچھ یوں فرس چلا
ٹھنڈی ہوا بہشت کے گلشن کی آ گئی
صلِ علیٰ یہ ہے چمنِ فاطمہؑ کی بو
گھوڑوں سے اب اُتر کے چلو شہ کے روبرو
ہاتھوں کو باندھو سامنا مشکل کشا کا ہے
گھوڑوں پہ سب نے رکھ دیے ہتھیار کھول کر
بڑھ کر حُر جری یہ پکارا با چشمِ تر
صدقہ محمدؐ عربی کا پسر ... دو
مضطر ہوں اے نماز گزارو مدد کرو
اے عرشِ کبریا کے ستارو مدد کرو
عاصی کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لو
برسوں بھٹک کے دشتِ خطا میں تباہ ہوں
کس منہ سے نام عفو کا لوں روسیاہ ہوں
میری یہی سزا ہے کہ جلوا دو آگ میں
راضی ہوں کھینچ دو جو شکنجے میں جسمِ زار
پامال کر دیں لاش کو لشکر کے سب سوار
یہ سب قبول ہے پہ عذابِ سقر نہ ہو
راضی ہوں خواہ قتل کرو خواہ لے چلو
رسّی گلے میں باندھ کے للہ لے چلو
سر کاٹ کے حسینؑ کے قدموں پہ ڈال دو
غل تھا عجیب صاحبِ ایماں ہو واہ واہ
اترے فرس سے جلد شہنشاہِ دیں پناہ
قطرے کی پیشوائی کو دریا رواں ہوا

پھیلا کے ہاتھ یاں سے بڑھے شاہِ سرفراز
سر رکھ کے دونوں ہاتھوں پہ بولے شہِ حجاز
تو جھکیں ہے کس لیے میں شرمسار ہوں
دریافت کر لے دیر سے میں دیکھتا تھا راہ
دھڑکا کہ گھیر لے نہ تجھے شام کی سپاہ
ہم جو رہبری کو خضرِ وقت پاس تھے
کیوں ہاتھ کس کے باندھے ہیں جو تا ہوں میں خجل
واللہ تجھ سے صاف ہے ابنِ علی کا دل
کیوں تجھ کو آتی وحشتِ نارِ جحیم ہے
کیا ہی تو گناہ جو عبدِ سیاہ رو
کافی بہانا اشک کا ہے لے نجات تو
تاجی ہے اس کی راہ میں جو خاک ہو گیا
اے حر مقربانِ خدا ہیں ترے کفیل
تو ذی شرف ہے جو شرفا ہیں ترے کفیل
تو ہے اور گلشنِ جنت کی سیر ہو
یہ کہہ کے کھولے شاہ نے اس با وفا کے ہاتھ
حر جری نے چوم لیے مقتدا کے ہاتھ
جاری ہے فیضِ خالقِ ربِ جلیل میں
جان آ گئی تن میں حر نے جو دیکھا یہ شہ کا پیار
ہو آبرو وہ حیدر جو صدقے ہوں لاکھ بار
قربان یا حسین ترے حسنِ پاک کے
ہمراہ لے کے حر کو چلے سیدِ امم
فرماتے تھے حر کے ہاتھ کو اکبر نے بے کرم
جیسے رسولِ حق کے نواسے کی شان کو

قدموں پہ حر نے دوڑ کے رکھا سرِ نیاز
بھائی ترے ہیں در پہ طلبگار بے نیاز
اٹھ کر گلے لگو کہ بہت بے قرار ہوں
سیداں سے پھری نہیں اب تک مری نگاہ
میری تجھ ہی میں جان تھی اے میرے خیر خواہ
گو دور تھا حسین علی تیرے پاس تھے
اے بھائی دل کو کھول کے بھر کے گلے تو مل
جو کچھ ترے قصور تھے سب ہو گئے بحل
بھائی خدا کی ذات غفور الرحیم ہے
توبہ کے بعد اس کی بر آتی ہے آرزو
ہے رحمتِ خدا سے دو عالم بہار جو
دریا سے جو قریب ہوا پاک ہو گیا
حیدر خدا رسولِ خدا ہیں ترے کفیل
شاہد ہوں میں کہ سب شہدا ہیں ترے کفیل
میری بھی یہ دعا ہے کہ جنت بخیر ہو
اور اس کی مغفرت کی دعا کی اٹھا کے ہاتھ
شہ بولے آبرو ہے تری اب خدا کے ہاتھ
جنت ہے تیرا خلد ہے اور سلسبیل ہے
رو کر کہا غلام ان الطاف کے نثار
تو آفتابِ فیض ہے اے نورِ کردگار
پرتو سے مہر کر دیا ذرے کو خاک کے
عباسِ با وفا نے کیا سایۂ علم
قدسی درود پڑھ کے یہ کہتے تھے دم بدم
لاتا ہے کس خوشی سے سخی میہمان کو

داخل ہوا جو لشکرِ دیں میں وہ باوفا
تھا ہر زباں پہ نعرۂ تحسین و مرحبا
بھائی! کرم سے حضرتِ شبیرؑ کہتے ہیں
ناگاہ تیر چلنے لگے اُس سپاہ سے
مانگی رضائے حرب رفیقوں نے شاہ سے
مولا ابھی کسی کو نہ اذنِ وغا ملے
شہ نے کہا کہ واہ یہ جلدی یہ شوقِ جنگ
چلنے دے تیر کیوں متغیر ہے تیرا رنگ
دشوار ہے یہ زخم سے برچھی کی نوک کے
جی بھر کے تجھ کو دیکھ تو لیں اے وفا شعار
آنے میں تیرا شوق تھا اے میرے دوست دار
چلنے کا ذکر اب نہیں وہ بات اور تھی
ہنس ہنس کے آپ نے جو کہے حُر سے یہ کلام
کی عرض جانے دیجے مجھے سوئے فوجِ شام
دل کو یہ آرزو ہے کہ زخموں سے چور ہوں
حوریں بہشت سے مجھے دیتی ہیں یہ صدا
دنیا میں غیر رنج و مصیبت ہے اور کیا
پانی یہاں کا پی کے وہ لذت اُٹھائے گا
دعوت کریں گے آج تری شیرِ کردگار
حاضر ہیں خوانِ نعمتِ فردوس بے شمار
ہم ہیں نثار کو طبقِ زر لئے ہوئے
فرمایا شاہ نے یہی مرضی ہے گر تو خیر
خالق تجھے نصیب کرے اس چمن کی سیر
تیری مفارقت کا نہایت ملال ہے

لپٹے گلے سے حُر کے جو انانِ رسقا
غل تھا زہے نصیب زہے طالعِ رسا
بخت اس کو کہتے ہیں اسے تقدیر کہتے ہیں
وحشت بڑھی دل گئی زہراؑ کی آہ سے
کی حُر نے عرض قبلۂ عالم پناہ سے
چلنے نہ دیں غلام کو رن کی رضا ملے
تیرا فراق شیشۂ دل کے لئے ہے سنگ
جانے میں عجلت اس قدر آنے میں وہ درنگ
جانا یہاں سے سہل نہیں ہم کو روک کے
دنیا میں زندگی کا بھلا کیا ہے اعتبار
اب یاں سے جانے دینے میں ہے ہم کو اختیار
یہ صحبت اور ہے وہ ملاقات اور تھی
پھر جھک گیا قدم پہ وہ جرار نیک نام
آقا اسی میں اب ہے سرفرازیِ غلام
عزت ہو گر ہراولِ فوجِ حضور میں
اے میہماں حسینؑ کے جنت میں جلد آ
دیکھ آن کر یہ باغ یہ انہار یہ فضا
دنیا کی نعمتوں کا مزا بھول جائے گا
جلد آ محمدِ عربی کو ہے انتظار
آراستہ ہے قصر ترا اے وفا شعار
زہرا کھڑی ہیں ساغرِ کوثر لئے ہوئے
ہے تلخ زندگی کا مزا دوست کے بغیر
بھائی حسینؑ تجھ کو سمجھتا نہیں ہے غیر
اللہ جانتا ہے جو کچھ دل کا حال ہے

اس خانداں کے فیض سے واقف ہیں خاص و عام
بچے تمام رات تڑپتے ہیں بے طعام
طوفاں میں ہے جہاز حباب اسیر کا
میں کیا کہوں جو کچھ ہے سکینہ کو اضطراب
ننھی زباں دکھا کے جو کہتے ہیں آب آب
مضطر ہوں گرچہ سن کے یہ سب شور شین کو
یہ کہہ کے پیٹے سر سے فضہ آسماں وقار
مہماں کے غم میں قاسمؑ و اکبرؑ تھے اشکبار
باہر جو غل تھا رخصت مہمان شاہ کا
بیٹھے ہوئے غلام سے چلاتے تھے یہ شاہ
اے بیکسوں کے دوست غریبوں کے خیرخواہ
مہماں ہوا حسینؑ کا اس رنج و یاس میں
ناگاہ نکلی خیمے سے فضہ بہ اضطراب
کی عرض یا امام دو عالم فلک جناب
ان کا یہی ہے کام جو خوش اعتقاد ہیں
فرمایا ہے کہ لے مرے بھائی کے خیرخواہ
ہے کیا ارادہ پسر سعد روسیاہ
بستی بچے عرب کی اجڑ نہ جائے
کہنے لگے یہ حضرت فضہ کے جب کلام
کی عرض اے کنیز بتولؑ فلک مقام
سجدہ یہ دعا کر صبح سیاہ عدو کرے
یہ عرض کر کے شیر نے کھینچی فرس کی تنگ
چہرہ ہوا نور شجاعت سے لالہ رنگ
بر تو جو پڑ گیا تھا امام غیور کا

اور ہم نہ دے سکے تجھے پانی کا ایک جام
اب مجھ سے کیا کہوں علیؑ اصغر ہے تشنہ کام
بے دودھ کنٹھ بیٹھ گیا ہے صغیر کا
معصوم بھوک پیاس کی رو رو کہیں کہاں تاب
ہوتا ہے سوز غم سے کلیجہ مرا کباب
پر سب سے شاق ہے تری فرقت حسینؑ کو
رونے پہ شہ کے روتے تھے سارے رفیق یار
بیتاب تھے حبیبؑ علمدار بے قرار
سیدانیوں میں شور تھا فریاد و آہ کا
یارا حسینؑ کو تری فرقت نے آہ آہ
فرزند فاطمہؑ کو ڈھونڈے گی تیری چاہ
فاقہ کشوں کا ساتھ دیا بھوک و پیاس میں
چادر قدم تک اور رخ پاک پر نقاب
کہتی ہیں میہماں کو دعا بنت بوتراب
زہراؑ کی بہوئیں بیٹیاں سب ان سے شاد ہیں
چڑھ آئی ہے حسینؑ پہ کیوں شام کی سپاہ
اللہ جانتا ہے کہ شہ ہے بے گناہ
پردیس میں حسینؑ سے زینبؑ بچھڑ نہ جائے
ڈیوڑھی کی سمت جھک کے ادب سے کیا سلام
پھر جا کے اس گروہ کو سمجھانے لگا غلام
آل نبیؑ سے مجھ کو خدا سرخرو کرے
چہرے سے ہیں مثل برق لگا کوندنے رنگ
سینے میں الفت شہ دیں اور شوق جنگ
جلوہ تھا روئے پاک پہ ایماں کے نور کا

کیا خوش نما تھے دوش پہ شملے کے دو سرے
پہونچوں وہ قہر کی تھی کہ لاکھوں میں گھر گئے
جاتا ہے یوں جہاد کو اہل نفاق سے
رہوار کی وہ شان سواری کا وہ سماں
وہ تیغ تیز دست جری میں کہ الاماں
ہم پنجہ کون ہو کہ ید اللہ ساتھ میں
یوں ہاتھ میں تھا نیزۂ خطی بہ کر و فر
سینہ کشادہ اور رگ گل سی وہ کمر
رخسار تھے کہ پھول ہوں جیسے کھلے ہوئے
پلکوں کے بال تیز و سیاہ و کج و دراز
چہرے پہ رعب دین کی دولت سے سرفراز
سینے میں زنگ کفر جو تھا دور ہو گیا
پہونچا جونہی اڑا کے گھوڑے کو وہ دلیر
زور آوران فوج ہوئے اس کے ڈر سے زیر
بجلی گرے گی فوج پہ میری حسام سے
آقا مرا حسین ہے کونین کا امیر
یہ کہہ کے جوڑے تیر وہ دونوں نے کماں میں تیر
اس صاعقہ گرا کہ صدا تا فلک گئی
غازی ادھر بڑھا کہ ادھر تیغیں کھنچیں
تلواریں منہ چھپانے لگیں برچھیاں ہٹیں
روپوش مردمان جہاں دیدہ ہو گئے
غصے میں جس کو شیر نے ڈانٹا وہ مر گیا
آیا کبھی ادھر کبھی رہتا ادھر گیا
سارے علم زمیں پہ گرے کانپ کانپ گئے

دیکھے جو فوج کو تو گرد آن کر پھرے
دیکھے جدھر بہ غیظ سے بجلی ادھر گرے
بلبل چمن میں جاتی ہے جس اشتیاق سے
سر پہ تو خود بر میں زرہ دوش پر کماں
بدلے سپر کے ساتھ دعائے شہ زماں
دستانوں سے عیاں تھا کہ رو بے کے ہاتھ میں
اللہ کے جو نقطے ہیں یوں خنجری زبر
رشک غزال چشم مگر شیر سی نظر
پلکوں کی صف بھری ہوئی ابرو سے پیوستہ
ابرو میں سب کماں کی چمک و خم پیوست باز
بگڑے کو یوں بنائے جو شاہ بی کا رساز
نور خدا سے آ کے ملا نور ہو گیا
نیزہ زمیں میں گاڑ کے گو بجا مثال شیر
نعرہ یہ تھا کہ جنگ میں اب کس لئے ہے دیر
بڑھ کر بڑھو امام امم کے غلام سے
ہیں ابن فاطمہ کا ہوں اک بندۂ حقیر
کھینچی جری نے میان سے شمشیر بے نظیر
ابر سیاہ شام میں بجلی چمک گئی
سطر غلط کی طرح صفیں کی صفیں کٹیں
شاخیں نہال کفر کی سب یک قلم چھٹیں
ڈھالوں کے پھول برگ خزاں دیدہ ہو گئے
زوروں پہ جو چڑھا تھا سر اس کا اتر گیا
خالی ہوئی یہ صف وہ پرا خون میں کھنچ گیا
تیغیں سبھی چھپیں ڈھالوں میں منہ ڈھانپ چھپ گئیں

تنوں کے سر اڑا دیے ایک ایک وار میں
پیدل میں تھی نہ جان نہ دم شہسوار میں
سرکش سے چھین لے جو نشاں اس حسام ہے
روتا ہے وہ جو خاص غلام امام ہے
بھاگیں کہاں سوار زرہ تن پہ دام ہے
شعلے اٹھے ہیں آتش شمشیر تیز کے

گرتی تھی تیغ قہر جری جب مثال برق
کوئی تڑپ رہا تھا کوئی تھا لہو میں غرق
ہر دم نئی تھی چال جدال و قتال میں
پلٹی ادھر جگر سے تو دشمن کے ادھر چلی
وہ دو ہوا یہ اور طرف خوں میں تر چلی
کوندی جو شکل برق ستمگار ہاتھ میں

جس دم یہ تیغ قہر دم جنگ و جدل گری
جس صف پہ جب پڑی یہ گری بر محل گری
تھا قہر حق کا طور جری کی جدال میں
خاروں سے کربلا کا چمن صاف کر دیا
جاروب جن کے تیغ نے رن صاف کر دیا
کس صف میں کس پرے میں خبر بادفا نہ تھا

مانند ابر جس طرف آئی برس گئی
بجلی سی دم میں راس چپے پیش پس گئی
الجھی نہ چوٹیوں میں نہ پاکھر نہ زین میں
قربان تیغ قہر کی تراش و خراش کے
پھینکے زمیں پہ سینکڑوں نیزے تراش کے
دستانوں کو اڑا گئی ڈھالوں کی اوٹ میں

مارا اُسے اجری جسے پایا ہزار میں
ٹوٹی ہوئی صفیں تھیں بھلا کس قطار میں
مردوں کا مارنا نہیں مردوں کا کام ہے
گرتی ہے برق شعلہ فشاں قتل عام ہے
تازی بھی زخمی ہو گئے ترکی تمام ہے
دوزخ کھلا ہے منہ میں کوچے گریز کے

پہنچوں سے ہاتھ کٹتے تھے اور گردنوں سے فرق
کچھ اس میں اور برق میں تھا مطلقاً نہ فرق
مشرق میں مغربی تھی جنوبی شمال میں
عقدے کو سر کو کھول کے سوئے کمر چلی
غوطہ لگا کے ماہی بحر ظفر چلی
دریا لہو کا بہہ گیا جب وار ہاتھ میں

اس غول میں یہ غل ہوا برق اجل گری
اک آن میں زمیں پہ وہ صف منہ کے بل گری
کشتوں کے پشتے ہو گئے دشت قتال میں
جس سے خلش تھی دل کو وہ بن صاف کر دیا
آئینہ زمین و زمن صاف کر دیا
کوسوں زمیں پہ فوج ستم کا پتہ نہ تھا

ناگن کی طرح جس پہ گری اس کو ڈس گئی
راکب کے سر پہ آئی تو زیر فرس گئی
وہ خاک پر گرا یہ در آئی زمین میں
چھوڑا نہ سر بدن پہ کسی بدمعاش کے
ثابت نہ عضو تھے کسی ظالم کی لاش کے
چار آئینے کو چار کیا ایک چوٹ میں

نعرہ تھا ہاں نکل کے کوئی نوجواں لڑے
پسپا وہوں میں آکے جو شمشیریاں لڑے
غیرت جو ہو کسی کو تو پھر کیا درنگ ہے
سرکش بہت ہے شیث خطا پیشہ و شریر
سمجھا ہے اک عرب جوانوں سے گوشہ گیر
دیکھیں تو کس نے فوج کے سرکش بھگا دیئے

بھالا ہلا کے فوج سے اک پہلواں بڑھا
بھالا بڑھا نہ تھا کہ جری نوجواں بڑھا
غازی نے جنگ کا ہنر اس کو دکھا دیا
تیر و کماں کو لے کے بڑھا پھر وہ تیر دست
اللہ رے جری کی لڑائی کا بندوبست
آئی گئی وہ تیغ عجب رنگ ڈھنگ سے

پائی شکست فاش تو خفت کو ٹال کے
دو تین ہاتھ سیف کے حرؑ نے نکال کے
دشمن پہ گر کے رکتی ہے تیغ اجل کہیں
گرز گراں اٹھا کے پکارا وہ نابکار
آیا تھا گرز مشتعل سر کر ایک بار
بیٹھی جو ضرب تیغ دلاور عمود پر

دو کر کے خود کا سر تک اتر گئی
تڑپی مثال برق جگر تک اتر گئی
زیں سے رکی نہ تنگ سے نہ زیر بند سے
بڑھ کر پکارے حضرت عباسؑ باوفا
مشق یہ جنگ کے ہیں اسے کہتے ہیں وغا
لاکھوں کو دے شکست کسی کا جگر یہ ہے

منظور جب کو ہوئے مرا امتحاں لڑے
بھالوں کے نکلیں ہاتھ نشاں کے سناں لڑے
ہاں گو نہیں ہے اور یہی میدان جنگ ہے
یہ بے رخی ہے قدر انداز بے نظیر
دو شاخ کی کمان میں جوڑے تو کوئی تیر
کس نے خدنگ کاٹ کے تو دے لگا دیے

مار سیاہ تھا کہ نکالے زباں بڑھا
نعرہ کیا کہ او ستم آرا کماں بڑھا
مانند کلک تیرۂ مخلق بڑھا دیا
آواز دی اجل نے کہ ہاں ہاتھ سے شکست
بس ایک ہاتھ میں نہ انگوٹھا رہا نہ شست
چلہ کماں سے اُڑ گیا اور پر خدنگ سے

جھپٹا غضب سے تیغ و سپر کو سنبھال کے
پھل تیغ کا اڑا دیا اور پھول ڈھال کے
قبضہ کہیں تھا تیغ ستمگر کا پھل کہیں
اس ضرب کو تو دیکھ تو لے مرد نامدار
رو کر کے اس کا وار کیا حرؑ نے اپنا وار
شبل غبار کاٹ کے صاف آئی خود پر

سر سے گلے کو کاٹ کے بر تک اتر گئی
لے کر جگر کو صاف کمر تک اتر گئی
بوسہ دیا زمیں پہ اُتر کر سمند سے
اے مرحبا حسینؑ کے غمخوار مرحبا
کرتے ہیں آپ قبلۂ عالم تری ثنا
واللہ فاطمہؑ کی دعا کا اثر یہ ہے

بولا یہ ہاتھ جوڑ کے وہ صفدر جری
سردار چاہتے ہیں غلاموں کی برتری
مختار کائنات ہو عالم پناہ ہو

بس اتنی دیر تھم جو گئی برق تیز دم
نیزہ تو اس جری نے کیا تیغ سے قلم
صدمے سے دم اکھڑ کے جو سینے میں رک گیا

جھکنا تھا بس کہ چلنے لگے برچھیوں کے وار
تیروں کے ساتھ تیر ہوئے پہلوؤں کے پار
خنجر کھینچے ہوئے ہیں اجل سر پہ آئی ہے

خادم جہاں سے جاتا ہے شاہا اب آئیے
دشمن ہیں سب غلام ہے تنہا اب آئیے

زخمی رگیں جو کھنچتی ہیں صدمہ ہے جان پر
دوڑے یہ سن کے اس کی طرف شاہ [illegible]
بہتر ابھی حال ہو تو کہاں میرے دل کو چین
آتے ہیں آج حر کی کمک پیشوائی کو

آئی صدائے فاطمہؑ اے میرے نونہال
چلائی در سے خیمے کے زینب بصد ملال
زہرا کی بیٹیاں حر ذی شان کو روئیں گی

پہونچے جو میہماں کے سرہانے امام پاک
حر نے سنی جو شاہ کی آواز دردناک
دیکھا جو وہ اٹھا ہوا چہرہ غبار سے

پیوست تھا جو حلق میں اک تیر بے ستم
رومال فاطمہؑ جو لئے تھے شہ امم
ایسا کسی شہید کو رتبہ نہیں ملا

کیونکر نہ آفتاب کرے ذرہ پروری
صدقہ حسینؑ کا ہے یہ جرأت یہ صفدری
نعلین جن کے سر پہ رکھو بادشاہ ہو

مارا کسی نے پر اک تیرۂ ستم
لیکن جگر کے درد نے لینے دیا نہ دم
بس یا حسینؑ کہہ کے وہ ہرنے پہ جھک گیا

سر پر تبر کمر پہ لگی تیغ آب دار
گھوڑے سے گر کے شہ کو پکارا وہ جاں نثار
اے دلبر علیؑ دم مشکل کشائی ہے

وقت اخیر ہے شہ والا اب آئیے
مولا اب آئیے مرے آقا اب آئیے

سختی اجل کی سہل کرو میہمان پہ
بھائی نہ مضطرب ہو کہ حاضر ہوا حسینؑ
آئی صدا علیؑ کی کہ اے میرے نور عین
کہہ دو کہ ہم بھی آتے ہیں مشکل کشائی کو

ماتم میں حر کے میں نے بھی کھولے ہیں سر کے بال
رو تو بھی پہ لاشۂ حر اے علیؑ کے لال
سیدانیاں حضور کے مہماں کو روئیں گی

اک آہ کرکے گر پڑے حضرت بروئے خاک
قدموں پہ آنکھیں مل کے کہا [illegible]
زانو پہ سر کو رکھ لیا حضرت نے پیار سے

زخمی گلے سے خوں ابلتا تھا دم بدم
مہماں کے حلق پر اسے باندھا شہ کرم
مرنے سے پہلے تحفۂ خلد بریں ملا

خوں بند ہو گیا تو یہ بولا وہ نامدار
رو کر کہا حبیب نے اے حرّ باوقار
پہنچا دماغ عرش پہ اک مشت خاک کا
حرّ نے کہا حبیب سے رو رو کے زار زار
منہ رکھ کے منہ پہ کہنے لگے شاہِ نامدار
کچھ ہو سکا نہ فاطمہؑ کے نورِ عین سے
ہچکی یہ کیسی آئی ہے اب کیا ہو دل کا حال
محبوبِ حق ادھر ہیں ادھر شیرِ ذوالجلال
یوں رو رہی ہیں میرے تنِ پاش پاش پر
شہ نے کہا وہ بنتِ پیمبر ہیں نوحہ گر
اے حرّ ترے لیے مری مادر ہیں نوحہ گر
الفت ہے جن کو مجھ سے وہ آنسو بہاتے ہیں
حرّ وہ یہ سن کے چوم لیے شاہ کے قدم
مولا دعا پڑھو کہ نکلتا ہے میرا دم
یہ کہہ کے آنکھیں پھیر دیں منکا بھی ڈھل گیا
زہرا پکاریں مر گیا ہے حرّ جوان
عباسؑ نامدار سے پھر یہ کیا بیاں
ناصر کی صف بچھے گی جہاد کے واسطے
لاشہ اٹھا کے لے چلے عباسؑ نامور
میت لٹا کے خیمے کے در پر بچشمِ تر
یاور بس اب نہ لے گا وہ حرّ سا حسینؑ کو
بیکس یہ ہے بہت کہ ہے بیکس کا مہماں
مرنے لگا اس کے غم میں جو بانوئے خواں
سر دے کے حرّ یہیں مرے مہماں نے پائی ہیں

اے نورِ چشمِ فاطمہؑ زہرا ترے نثار
دیکھا جنابِ قبلۂ عالم کا تو نے پیار
رومال ہے یہ فاطمہؑ کے دستِ پاک کا
صدقے کرو غلام کو آقا پہ سات بار
اے ناصرِ نبیؐ و علیؑ میں ترے نثار
بھائی تری وفا کو نہ پوچھے حسینؑ سے
حرّ نے کہا قریب ہے وقتِ انتقال
اک بی بی پاشکستہ ہو کھڑی کھولے سر کے بال
ماں جس طرح بلکتی ہے بیٹے کی لاش پر
مضطر ہیں بے قرار تو ششدر ہیں نوحہ گر
خیمے میں اہلبیتؑ کھلے سر ہیں نوحہ گر
بچے بھی نام لے کے ترا بلبلاتے ہیں
ہچکی جو آئی پھر تو یہ بولا بدردِ غم
رخصت ہے یا حسینؑ چلے اب جہاں سے ہم
دیکھا رخِ حسینؑ کو اور دم نکل گیا
سر اپنا پیٹ پیٹ کے روتے شہِ زماں
مہماں کی لاش لے چلو دوڑو بھائی جاں
پیٹیں گے اہلبیتِ نبیؐ حرّ کے واسطے
تھے ساتھ ساتھ سبطِ پیمبر برہنہ سر
آواز دی کہ اے حرمِ سیدالبشر
دو آ کے میہمان کا پرسا حسینؑ کو
اہل و عیال ہیں نہ بہن ہے نہ اس کی ماں
دے گا جزا اسے خبرِ رب دو جہاں
جنت سے فاطمہؑ اسے رونے کو آئی ہیں

زاری یہ سن کے سبطِ رسولؐ امام کی
صف بچھ گئی ماتمی حرمِ عالی مقام کی
سر اپنا پیٹنے لگیں بہنیں امام کی
اور بیٹیاں بھی روئیں شہِ تشنہ کام کی
برپا تھا حشر، خوں سے تر و چاک خاک پر
بچے ذرا ذرا سے تڑپتے تھے خاک پر

چلاتی تھی یہ بانوئے مغموم و دل فگار
اے شہ کے میہماں میں تری لاش کے نثار
یہ نوحہ گر تھی زینبِ غمگین و سوگوار
ماں روئے جیسے بیٹے کے ماتم میں زار زار
بس اے انیسؔ شہ کا فدائی گزر گیا
شبیرؑ کہتے تھے کہ مرا بھائی مر گیا

سلام

مراد از دل آشکارا نہیں
وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں
وہ گل ہوں جدا اس سے ہے جس کا رنگ
وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں
وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور
وہ آتش ہوں جس میں شرارا نہیں
بہت زالِ دنیا نے دیں بازیاں
میں وہ نوجواں ہوں کہ ہارا نہیں
فقیروں کی مجلس ہے سب سے جدا
امیروں کا یاں تک گزارا نہیں
سکندر کے خاطر بھی ہے سدِ باب
جو دارا بھی ہو تو گوارا نہیں
گئے پہنے نعلین واں مصطفےٰ
فرشتے کا جس جا گزارا نہیں
جہنم سے ہم بے قراروں کو کیا
جو آتش پہ ٹھہرے وہ پارا نہیں
پھرے دوست جب ہو گئی قبر بند
کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں
گرے ڈگمگا کر زمیں پر حسینؑ
فرس سے کسی نے اتارا نہیں
ترے صبر کے میں فدا یا حسینؑ
چھری کے تلے دم بھی مارا نہیں
کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

رباعی

گھر میں نہ ڈھونڈو نہ انجمن میں ڈھونڈو
مرقد میں نہ ڈھونڈو نہ کفن میں ڈھونڈو
گلزارِ نجف میں مدح خواں ہوگا انیسؔ
بلبل کو جو ڈھونڈو تو چمن میں ڈھونڈو

مرثیہ

بند ۹٦

کیا پیشِ خدا صاحبِ توقیر ہے زہرا
خاتونِ جناں مالکِ تطہیر ہے زہرا
اُمِ الحسنؑ مادرِ شبیرؑ ہے زہرا
سرتا بہ قدم نور کی تصویر ہے زہرا
شوہر کو جو پوچھو تو شہنشاہِ عرب ہے
بیٹی ہے نبیؐ کی یہ حسب ہے یہ نسب ہے

حقا کہ شرافت میں وہ مریمؑ سے سوا ہے
زینت کے لیے عرش پہ نام اسکا لکھا ہے
بابا کا یہ رتبہ ہے کہ محبوبِ خدا ہے
وارث وہ ہے سب خلق کا جو عقدہ کشا ہے
بیٹے ہیں وہ دونوں کہ شفیعِ دوجہاں ہیں
اس طرح کے رتبے کسی بی بی کے کہاں ہیں

اوصاف میں سب خلق اگر ایک زباں ہو
زہراؑ کی بزرگی نہ بیاں ہو نہ بیاں ہو
گر چاہیں کہ عصمت کا کچھ احوال عیاں ہو
تو شاہدِ مضموں پسِ پردہ ہی نہاں ہو
جس طرح سے حیراں ہیں بشر حمدِ خدا میں
عاجز ہیں اسی طرح سے زہراؑ کی ثنا میں

کوشش ہی عبث طبع کو ہنگامِ رقم ہے
تعریف جو کچھ ذہن میں آتی ہے وہ کم ہے
اک نورِ الٰہی کی ثنا بسکہ اہم ہے
سجادۂ قرطاس پہ سجدے میں قلم ہے
توصیف نہ خامے سے ہے ممکن نہ زباں سے
تحریر سے افزوں ہے زیادہ ہے بیاں سے

ماں باپ پہ واجب نہیں فرزند کی تکریم
اس امر میں سب خلق پہ زہراؑ کو ہے تقدیم
کہتا تھا کہ جب آتی تھیں زہراؑ پئے تسلیم
خود اُٹھ کے رسولِ عربی کرتے تھے تعظیم
الطافِ محمدؐ ہو یہ جس بابِ کرم پہ
دروازہ گرا دیں اسی بی بی کے ستم پہ

کیا حضرتِ خاتونِ قیامت کا ہے رتبا
وہ زادہ ہے فخرِ محمدؐ کو ہے جس کا
کھاتی ہیں محمدؐ کی قسم حضرتِ زہرا
ہے دامنِ پاک اس کا محمدؐ کا مصلا
وہ روح سے طاہر ہے تو پاکیزہ ہے جاں سے
کوثر سے وضو کرے تو لے نام زباں سے

ہے اس کی ردا ابرِ کرم آیۂ رحمت
جو گوشہ ہے اس کا وہ ہے اک گوشۂ جنت
وہ حشر میں مومن کو بچائے گی تعب سے
اس چادرِ انور کی بزرگی میں کہوں کیا
تب پاس یہودی کے
گھر ہو گیا پُرنور تو حیراں ہوئے کافر
آفاق میں زہراؑ کا نہیں ہے کوئی ہمسر
حوّا کا شرف نورِ خدا عرش کا زیور
ثانی کوئی زہراؑ کا نہ ہوگا نہ ہوا ہے
ان کی بھی وہ عزت ہو جو زہراؑ کی ہو توقیر
بنتِ جگرِ شیرِ خدا صاحبِ تطہیر
ممتاز کیا حق نے نواسی کو نبیؐ کی
فاقوں میں شکایت نہ کبھی لب تک آئی
تھی آسیہ کا فخر یہ اللہ کی جائی
جو پاس ہو اصرف کیا راہِ خدا میں
بابا ہے یداللہ تو نانا شہِ لولاک
مادر کا شرف جانتے ہیں صاحبِ ادراک
ذی رتبہ خدیجہ ہوئیں زہراؑ کی طرف سے
اک صبح لبِ بام ہیں از طاعتِ داور
جب تک کہ نہ چہرے پہ لیا گوشۂ چادر
اعدا نے جو تاراج کیا گھر کو نبیؐ کے
ہاں یاد ہے جو رنج و الم خلق میں پائے
فاقے بھی کیے میوۂ فردوس بھی کھائے
ملتا تھا چلن فاتحِ خیبر کے چلن سے

ہر تار ہے سررشتۂ ایمان و شریعت
سب اس پہ نظر دوختہ ہیں بہرِ شفاعت
ہو جائے گی طے راہِ صراط اس کے سبب سے
اک روز جو اتفاق ہوا روزی پہ جو فاقہ
جو دے کے گرو اس نے رکھی چادرِ زہراؑ
اسی شب اسی وقت مسلماں ہوئے کافر
زوجہ اسد اللہ کی اور بنتِ پیمبر
قرآں میں جسے یاد کرے خالقِ اکبر
ہاں حضرت زینبؑ کو جو کہیے تو بجا ہے
ساری وہی سیرت وہی صورت وہی تقریر
مخدومۂ عالم شہِ کونین کی ہمشیر
عصمت تھی جو زہراؑ کی تو شوکت تھی علیؑ کی
تھا شکر کیے نانِ جویں ایک جو کھائی
فضہ کے عوض کرتی تھی خود آپ صفائی
زہراؑ کی طرح ہوتے تھے پیوند ردا میں
جن کے لیے پیدا کیے اللہ نے افلاک
اصلاً تھے میں ہیں حضرت زینبؑ گہرِ پاک
ہر طرح فضیلت ہے انھیں ماں کی طرف سے
امت کی دعا مانگتی تھیں کھولے ہوئے سر
خورشید فلک شرم سے نکلا نہ فلک پر
سر ننگے پھریں بعد حسینؑ ابنِ علیؑ کے
سب زینبِ مخدومہ کے حصے میں وہ آئے
عزت بھی ملی اور مصائب بھی اٹھائے
بولی نہیں باندھے گئے بازو جو رسن سے

جب خلق سے وقت سفر فاطمہؑ آیا
روئیں بہت اور بیٹے کو چھاتی سے لگایا
اے زینبؑ بیکس مری دولت سے خبردار

بیٹی اسے زہراؑ نے بڑے دکھ سے ہے پالا
کبھی اسے آنکھوں کی ضیا گھر کا اجالا
سوئی ہوں تو پہلے اسے سوئی ہوں سُلا کر

یہ خیر سے جب سال کے گھٹنیوں چلنے
جب نام خدا یہ لگے اٹھ اٹھ کے سنبھلنے
ہر گام پہ سایہ کی طرح پیچھے پھری ہوں

شانے سے کبھی ٹوٹتا تھا زلف کا گر بال
اک دن خفا بہن سے جو گردن ہوئی تھی لال
کرتے کا گریباں جو ذرا تنگ ہوا تھا

اے لاڈلی اس لال کا دشمن ہے زمانا
تکلیف بھی سہ بھجو دیا ابھی اٹھانا
ہر رنج میں اس بھائی کے کام آئیو زینبؑ

زہراؑ نے جو ارشاد کیا تھا دم رحلت
دن رات یہاں تک رہی سرگرم اطاعت
شفقت سے نظر کرتے تھے ہر آن بہن پر

تھیں بھائی کے آرام کی ہر وقت طلبگار
جانے کا کہیں قصد جو کرتے شہ ابرار
شہ کہتے تھے ٹکڑے سے مرا دل کرتی ہو بھینا

کہتی تھی یہ زینبؑ کہ مرا فخر ہے بھائی
عزت انھیں قدموں کی بدولت تو ہے پائی
تم سر پہ بہن کے شہ مرداں کی جگہ ہو

تب زینبؑ و شبیرؑ کو پاس اپنے بلایا
زینبؑ کے دیا ہاتھ میں ہاتھ اور یہ سنایا
محبوبؑ الٰہی کی امانت سے خبردار

ہے روح مرے جسم کی یہ گیسوؤں والا
چہرے سے کبھی گرم ہوا میں نہ نکالا
چلتی بھی جو بیٹی ہے تو گودی میں اٹھا کر

میں چھوٹے سے تلووں سے لگی آنکھوں کو ملنے
دی طاقت رفتار بھی خلاق ازل نے
ٹھوکر بھی جو کھائی ہے تو میں ساتھ گری ہوں

کرتی تھی پریشانی خاطر مجھے بے حال
تیغ زدہ تھا تر ہو گیا تھا اشکوں سے رومال
دم گھٹ کے مرا یاد ہے کیا حال ہوا تھا

شبیرؑ کو میرے نظر بد سے بچانا
صدقے گئی مادر کی وصیت نہ بھلانا
جانے یہ جدھر ساتھ چلی جائیو زینبؑ

بھولی نہ کسی وقت وہ مادر کی وصیت
شاہ شہدا بھول گئے ماں کی محبت
وہ ان پہ تصدق تھی یہ قربان بہن پر

سوتے تھے جو شبیرؑ تو دیتی تھی یہ پہرا
رکھ دیتی تھی خود جھاڑ کے نعلین وہ غمخوار
کیوں بھائی کو ہر بار خجل کرتی ہو بھینا

کیا ہو گیا بھینا نے جو نعلین اٹھائی
چھوٹی ہوں میں گو ہوں اسد اللہ کی جائی
فرماتے تھے شبیرؑ کہ تم ماں کی جگہ ہو

شور ہے شیدائے برادر وہ خوش اوقات
فرزندوں پہ طفلی سے یہ تاکید تھی دن رات
صدقے گئی خادم ہیں یہ سگ سبط نبی کے
محبوب الٰہی کے برابر انھیں سمجھو
صدقے گئی سب خلق سے بہتر انھیں سمجھو

فرزندوں کو ماں باپ سے کیا ملتا ہے پیارو
سر ماموں کے قدموں پہ جھکانے میں شرف ہے
رومال کھڑے ہو کے ہلانے میں شرف ہے
تسلیم کو جھکنا ہے عبادت کے برابر

آقا ہے حقیقت میں خداوند مجازی
کر سکتے ہیں کیا دشمن سلطان حجازی
کس جنگ میں تلوار چمکتی نہیں ان کی
نامرد برے وقت میں ٹل جاتے ہیں پہلے
رخنے کو پرے سے وہ نکل جاتے ہیں پہلے
سینوں کو سپر کرتے ہیں تلوار کے آگے

بجلی کی چمک گر تھی تیغوں کی چمک سے
کڑکا تھا ہوا میداں میں کمانوں کی کڑک سے
اک دل ہوئے سب قتل شہ تشنہ دہن پہ
یاں سے بھی نکلنے لگے مردان ذوی القدر
دکھلا دیا انداز وغائے احد و بدر

حملے کیے شیروں کی طرح برچھیاں کھا کر
مارے گئے مولا کے جو انصار و موالی
جس دم وہ چلے رونے لگے سرور عالی
تھا غلغلۂ دار و گیر اہل ستم میں

بے مرضی شپیر نہ کرتی تھی کوئی بات
ماموں کی غلامی میں رہو جوڑے ہوئے ہات
تم یہ نہ سمجھیو کہ نواسے ہیں علی کے
ہم مرتبۂ حیدر صفدر انھیں سمجھو
آقا انھیں مالک انھیں سرور انھیں سمجھو

ایسوں ہی کے ملنے سے خدا ملتا ہے پیارو
نعلین کو آنکھوں سے لگانے میں شرف ہے
خادم کی طرح ہاتھ دھلانے میں شرف ہے
آقا کی اطاعت بھی ہے طاعت کے برابر

پڑتا ہے برا وقت تو سر دیتے ہیں غازی
جو مرد ہیں شیروں سے وہ بھڑ جاتے ہیں غازی
لاکھوں سے کبھی آنکھ جھپکتی نہیں ان کی
ہتھیار دلیروں سے بھی چل جاتے ہیں پہلے
آنچ آتی ہے آقا پہ تو جل جاتے ہیں پہلے
پیچھے تو وہ ہوتا ہے یہ سردار کے آگے

چنگاریاں اڑتی تھیں سنانوں کی چمک سے
تیر آتے تھے جوں تیر شہاب آئے فلک سے
حملہ کیا دو لاکھ نے ہفتاد و دو تن پہ
واں ایک پہ گرتے تھے ہزار آ کے یہ تھا غدر
شمشیر و سناں سے ہوئے مجروح سر و صدر

گر گر پڑے گھوڑوں سے ہزاروں کو گرا کر
تب حضرت مسلم کے یتیموں نے رضا لی
اک حملے میں دونوں نے پرے کر دیئے خالی
برپا تھا تلاطم حرم شاہ زمن میں

بتیابی سے تھا حضرت زینب کا عجب حال
رعشہ تھا تن زار میں خورشید کے تمثال
لب خشک تھے رخ زرد پسینہ تھا جبیں پر
پھرتی تھی کبھی صحن میں کرتے ہوئے نالے
تلواریں چمکتی تھیں نظر آتے تھے بھالے
زینب پہ ستم ہو شہ دلگیر کے ہوتے

اتنے میں خبر آ کے جو فضہ نے سنائی
یہ سنتے ہی زردی سی رخ پاک پہ چھائی
ہیں کیسی تھی اعدا سے وغا کرتے ہیں دونوں
ماموں پہ یہ آفت ہے اور ان کو نہیں کچھ دھیاں
بن باپ کے بچے تو سدھارے سوئے میداں
شب تک تو وہ مرنے کی قسم کھاتے تھے مجھ سے

وہ کیا تھا جو دونوں یہ کیا کرتے تھے تقریر
اب کیا ہے جو مر جانے میں کرتے ہیں وہ تاخیر
وہ جانے نہ دیتے تھے اگر فوج ستم پر
اچھا کیا جو کچھ کیا مرنے کو نہ جائیں
کیا کام ہے مجھ سے مجھے صورت نہ دکھائیں
پھر جائیں وطن چھوڑ کے مجھ خستہ جگر کو

یہ کہتی تھیں جو شور ہوا فوج میں اک بار
پھر جا کے خبر لائی یہ فضہ جگر افگار
سب خورد کلاں فوج کے رستے میں گھرے ہیں
فرماتے ہیں شبیر کہ خیمے میں تو جاؤ
یہ داغ بھی سہہ لیں گے تم آنسو نہ بہاؤ
وہ کہتے ہیں منہ ان کو دکھانے کے نہیں ہم

تسبیح تو تھی ہاتھ میں بکھرا دیئے تھے بال
حق سے یہ دعا تھی کہ بچے فاطمہ کا لال
چادر سر اطہر کی ڈھلکتی تھی زمیں پر
در پر کبھی جاتی تھی کلیجے کو سنبھالے
کہتی تھی کہ یا رب مرے بھائی کو بچالے
فرزندوں کو دیتی ہوں میں شبیر کے بدلے

رہوتی ہے مسلم کے یتیموں میں جدائی
فرمایا نصیحت مرے بیٹوں نے بھلائی
کس کھیل میں مصروف ہیں کیا کرتے ہیں دونوں
اب جیتے نہ ہوئیں گے تو کب ہوئیں گے قرباں
ہشیار ہیں عاقل ہیں کچھ ایسے نہیں ناداں
ہاں دودھ انھیں باتوں پہ بخشاتے تھے مجھ سے

ہو جائیں گے ہم پہلے نثار سر شبیر
شرمندہ ہوں بھائی سے یہ ہے میری تقدیر
کیوں گر پڑے دونوں کے ماموں کے قدم پر
پر کوئی یہ کہہ آئے کہ اب گھر میں نہ آئیں
مادر کی ملاقات سے سب ہاتھ اٹھائیں
ہاں مر گئی آباد رہیں باپ کے گھر کو

ٹکڑے ہوئے تلواروں سے مسلم کے بھی دلدار
روتے ہیں بھتیجوں کے لئے سید ابرار
رخصت کے لئے ماموں کے قدموں پہ گرے تھے
قدموں سے اٹھو سر مری چھاتی سے لگاؤ
منظور جدائی ہے تو مادر سے مل آؤ
اماں ہیں خفا خیمے میں جانے کے نہیں ہم

یہ سنتے ہی بشاش ہوئی زینبؑ ذی جاہ فرمایا مبارک ہو سدھاریں سوئے جنگاہ
اُمید بر آئی مری الحمد للہ لو صاحبو اب مرنے کو جاتے ہیں مرے ماہ
رخصت ہی نہ ملتی تھی تامل یہ فقط تھا
سمجھی تھی جو کچھ میں وہ گماں میرا غلط تھا

دونوں نہیں ماموں کے قدموں سے اُٹھاتے اِس آخری وقت اور مجھے پیار دلاتے
ملتی جو اجازت تو گلے پہلے کٹاتے کیا صاحب غیرت ہیں کہ مجھ تک نہیں آتے
ڈر ہے کہ بھتیجوں کے لئے روئیں گی اماں
ہم جائیں گے زندہ تو خفا ہوئیں گی اماں

بانو نے کہا پھر انہیں چھاتی سے لگا دو بے رحم کی جا رحم اب ان پیاسوں کی کھاؤ
کچھ سوچ کے زینبؑ نے کہا خیر بلاؤ کہہ دے کوئی بے ماں سے ملے رن کو نہ جاؤ
تم سے ابھی کچھ کام ہے سُن لو گے تو جانا
کچھ نانی کا پیغام ہے سن لو گے تو جانا

فضہ نے بلایا تو وہ میدان سے آئے دیکھا انہیں ماں نے کہ سروں کو ہیں جھکائے
چھاتی سے لگانے کے لئے ہاتھ بڑھائے وہ جوڑ کے ہاتھوں کو سخن لب پہ یہ لائے
ہم دیر سے رخصت کے طلبگار تھے اماں
تقصیر ہماری نہیں لاچار تھے اماں

فرزندوں کے اس عجز پہ رقت کا ہوا جوش چھاتی امنڈ آئی تھی مگر رہ گئی خاموش
لپٹا لیا چھاتی سے انہیں کھول کر آغوش فرمایا میں آزردہ نہیں کھوئے ہو کیوں ہوش
جی بھر کے نہ دیکھا تھا سو دیکھا تمہیں میں نے
پیارے ہو تو لو دودھ بھی بخشا تمہیں میں نے

مرنے کو چلے جان نہ کی ماموں سے پیاری آؤ مجھے قربان تو ہو لینے دو واری
تھی آگے تو اب آج سے لونڈی ہوں تمہاری مادر سے یہ کہنے لگے با گریہ و زاری
افراط محبت سے یہ گفتار نہ کیجے
نا چیز غلاموں کو گنہگار نہ کیجے

جھک جھک کے بجا لائے جو وہ آخری آداب اس وقت تو زینبؑ کی بھی آنکھیں ہوئیں پُر آب
دروازے تک ساتھ گئی مضطر و بیتاب گھوڑوں پہ چڑھے دونوں سجے جنگ کے اسباب
چلائی یہ مادر کہ خدا حافظ و ناصر
بولے وہ دو دُر کہ خدا حافظ و ناصر

جنگاہ میں گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے آئے شان اپنی سواری کی دکھاتے ہوئے آئے
تیغوں کو دلیرانہ ہلاتے ہوئے آئے ایمان سوئے کفر بتاتے ہوئے آئے
لرزہ تھا شجاعوں کو دلیروں کی نظر سے
سہمے تھے صف فوج کو شیروں کی نظر سے

دو شیر چلے جاتے تھے اس فوج کو رولے
سب پیچھے ہٹے جاتے تھے تلواروں کو تولے
غالب ہوا رعب ان کا ہر اک تیغ بکف پر
غل تھا کہ خوشا حسن زہے دبدبہ و جاہ
اک مہر ہے افلاک شرافت کا تو اک ماہ
کیا غور سے کرتے ہیں جو رخ لشکر کیں پر

ان ابروؤں پہ دیکھو یہ پیشانیوں کی ضو
تشبیہ کے خاطر میں خیال آتے ہیں سو سو
کیونکر نہ زمیں فخر کرے عرش بریں پر
زیبا تو قد پھول سے منھ چاند سے رخسار
نرگس انھیں آنکھوں کے تصور میں ہے بیمار
مردم ہیں سیہ پوش یہ سامان عزا ہے

ہیں حسن و شرافت کے سراپا میں قرینے
پتلی کمریں گل سے بدن چاند سے سینے
آئینے کو نسبت ہے ضیا میں نہ صفا میں
بولا کوئی سینوں کو نہ رخساروں کو دیکھو
چھوٹی سپریں چھوٹی سی تلواروں کو دیکھو
گھوڑے ہیں یہ نظارہ ہے خدا جانے یہ کیا ہیں

لشکر میں یہ غل تھا کہ وہ جانباز پکارے
ہم وہ ہیں کہ جب ہوتے ہیں میداں میں اکیلے
ہے قہر خدائے دو جہاں ضرب ہماری
توڑا ہے جنھوں نے در خیبر وہ ہمیں ہیں
جو سارے شجاعوں پہ رہے ڈٹ وہ ہمیں ہیں
ہر وقت ہے ثابت قدمی ساتھ ہمارے

کیا منھ تھا جو دم مارے کوئی یا کوئی پھرے
سُدھ تھی نہ کسی کو جو سپر پشت سے کھولے
جس صف پہ گری یہ وہ گری دوسری صف پر
رکتے ہیں کہ دو شیر ہیں العظمۃ للہ
دیکھے انھیں یعقوبؑ تو یوسف کی نہ ہو چاہ
دو صاعقے گر پڑتے ہیں اک بار زمیں پر

دو بدر نظر آتے ہیں اور چار مہ نو
یہ برق تجلی ہے کہ رخساروں کا پرتو
ذرے نہیں چمکے یہ ستارے ہیں زمیں پر
پیچیدہ ہیں سنبل کی طرح گیسوئے خمدار
دو خون میں گچھے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار
آنکھوں سے نظر آئے زباں کو تو بجا ہے

گویا ہیں یہ لب خاتم قدرت کے نگینے
اس طرح کے سینے کبھی دیکھے ہیں کسی نے
مہتاب سے روشن ہیں گریبان قبا میں
حسن ایک طرف دونوں کے ہتھیار کو دیکھو
نظروں سے چھپے جاتے ہیں رہواروں کو دیکھو
طاؤس ہیں بجلی ہیں چھلاوا ہیں ہوا ہیں

لڑتا ہو جسے سامنے آ جائے ہمارے
رستم کو بھگا دیتے ہیں تلواروں کے مارے
رکتی نہیں دشمن سے کبھی ضرب ہماری
مشہور ہیں قاتل در عنتر وہ ہمیں ہیں
اتری جنھیں شمشیر دو پیکر وہ ہمیں ہیں
چھوٹے نہیں تیغوں سے کبھی ہاتھ ہمارے

جنگ احد و بدر کو کس طرح کیا سر
دم میں حرم کعبہ سے بت کر دیے باہر
ہم صور ہیں میکائل و اسرافیل سے پوچھو
عاجز نہیں گو بے تعب و تشنہ دہانی
دنیا میں کوئی آج ہمارا نہیں ثانی
سجدو کی طاعت کا سرانجام نہ ہوتا
دادا میں جو قوت تھی، وہ قوت بھی ہے ہم میں
وہ دبدبہ وہ شان وہ شوکت بھی ہے ہم میں
چھوٹے ہیں حقیقت میں پہ حاصل ہے برابر
خیبر سا جو دروازہ کوئی ہو تو اکھاڑیں
جوں نقش فنا ہستیٔ اعدا کو بگاڑیں
کچھ دھیان میں لاتے نہیں لشکر کو کسی کے
پڑھ کر یہ رجز دونوں نے جولاں کیے گھوڑے
غل تھا کہ خبردار کوئی منہ کو نہ موڑے
یا مار کے تلواریں گرا دیتے ہیں تم کو
دشمن کی صفیں بڑھنے لگیں تخت ہلانے
دل ہل گئے نقارۂ رزمی کی صدا سے
نعروں کا دلیروں کے گیا شور فلک پر
اسوار چلے جاتے تھے نیزوں کو سنبھالے
ہٹ ہٹ کے بڑھاتے تھے قدم برچھیوں والے
دو دن کے تھے پیاسے پہ غضب لڑتے تھے دونوں
بجلی سے کبھی یاں تو کبھی واں نظر آئے
جب پہنچے سواروں کے بالائے سر آئے
پاس آ کے جھکے ان کے کمک کرنے کو جو تھے

خندق کی لڑائی میں چڑھا کوئی نہ منہ پر
صفین میں لشکر کی صفیں ہو گئیں بے سر
ان ہاتھوں میں کیا زور ہے جبریل سے پوچھو
للکاریں تو ہو جائے جگر شیر کا پانی
ہیں فضل الٰہی سے ہمیں دین کے بانی
ہم ہوتے نہ دنیا میں تو اسلام نہ ہوتا
ہے زور بھی نانا کا شجاعت بھی ہے ہم میں
اور ماموں کی مظلومی و غربت بھی ہے ہم میں
رتبے میں تو قرآن و حمائل سے برابر
مرحب سا جواں سامنے آئے تو پچھاڑیں
در آئیں اگر کوہ میں ان نیزوں کو گاڑیں
ہم اور نہیں کوئی نواسے ہیں علیؑ کے
رن چلنے میں ادھر تیر کماں داروں نے جوڑے
تم دونوں بہادر ہو تو ہم بھی نہیں تھوڑے
یا نیزوں کی نوکوں پہ اٹھا لیتے ہیں تم کو
لہرائے نشانوں کے پھریرے بھی ہوا سے
لشکر میں در آئے شہ مرداں کے نواسے
تیغوں کی چمک پھیلی تھی بجلی کی چمک پر
تھا شور کہ کھو دیتے ہیں ان سینوں کو بھالے
پر رکتے نہ تھے شاہ کی آغوش کے پالے
جو رکن تھا تیر سے جا پڑتے تھے دونوں
غارت کیا اس صف کو تو اس غول پر آئے
سر تک نہ گر آئے کہ وہ تا کمر آئے
جلدی میں کمر سے جو کھنچا ہاتھ تو دو تھے

وہ چھوٹی سی تیغیں تھیں کہ تھا قہرِ الٰہی
بھاگے چلے جاتے تھے نمودار سپاہی
کٹ کر سرِ کفّار سے تن دور ہوئے تھے
بھاگڑ تھی سواروں میں پسے جاتے تھے پیدل
جس غول پہ وہ شیر چلے پڑ گئی ہلچل
بجلی کی تڑپ فوج میں دکھلاتے تھے دونو

تلواروں پہ پڑتی تھیں سپاروں کی ڈھالیں
ناگن کی طرح ڈستی تھیں ان نیزوں کی بھالیں
بھاگیں تو کسی گوشے میں جانا نہیں ملتا
ہاتھوں سے شجاعوں کے گرے پڑتے تھے ہتھیار
لشکر میں جو تھے شہرۂ آفاق کماندار
ہوش تھا سراپا کو تو نہ سوجھتی نظر کو

جب آن پڑی برچھیوں اور تیغ لڑائی
تنہا میں دکھاؤں انھیں ہاتھوں کی صفائی
کثرت سپہ شام کی کم کرکے پھر آیا
دم لیتا تھا جب ایک ہزاروں کو بھگا کر
پھر آتا تھا جب وہ انھیں دریا سے ہٹا کر
اسواروں سے حضرت کی عناں چھوٹ گئی تھی

عباس صدا دیتے تھے ہاں اے مرے شیرو
لڑتے ہو عجب شان سے شاباش دلیرو
اس جنگ کی خیمے میں بڑی دھوم پڑی ہے
عباسِ علمدار تو کرتے تھے تقریر
فرماتے تھے کچھ مجھ کو بن آتی نہیں تدبیر
کیا صاحبِ شمشیر جدا ہوتے ہیں مجھ سے

آفت تھی پیادوں پہ سواروں پہ تباہی
پڑتے تھے زرہ پوشوں کے تن صورتِ ماہی
چار آئینے شیشوں کی طرح چور ہوئے تھے
تلواروں سے پھٹ پھٹ گیا تھا ڈھالوں کا دل
دونی تھی ہر اک حملے میں رہواروں کی چل بل
ہر غول پہ پیکار سے پھر جاتے تھے دونو

سکتے تھے کہ خود سنبھلیں کہ ہتھیار سنبھالیں
فرصت نہیں ترکش سے جو تیروں کو نکالیں
سوفاروں سے چلّوں کو ملانا نہیں ملتا
دہنے میں تو لیتے تھے سپر بائیں میں تلوار
خود بنتے تھے تیروں کا نشانہ وہ خطاوار
پیکاں تو ادھر رکھتے تھے سوفار ادھر کو

چھوٹے نے کہا آپ ٹھہر جائیے بھائی
یہ کہتے ہی رہوار کی باگ اس نے اٹھائی
اک حملے میں نیزوں کو قلم کرکے پھر آیا
تب وہ سر گرتا تھا کمانداروں پہ جا کر
جاتا تھا پیادوں پہ گھوڑے کو اٹھا کر
کیا لڑتے تھے کہ لشکر کی کمر ٹوٹ گئی تھی

قابو سے نکل جائیں نہ دوڑو انھیں گھیرو
سر کر دو لڑائی تو ادھر گھوڑوں کو پھیرو
ماں ڈیوڑھی پہ چھاتی سے لگانے کو کھڑی ہے
روتے تھے کلیجے کو سنبھالے ہوئے شبیر
میداں سے بلاؤں تو خفا ہوں گی ہمشیر
پالے ہوئے دو شیر جدا ہوتے ہیں مجھ سے

ہم شکل پیمبر انھیں تم بھیج کے لاؤ
عباس علی عون و محمد کو بلاؤ
سائے میں علم کے مرے پاس آن کے دم لو
تھے مضطر و بیتاب ادھر حضرت شبیر
سر کھولے تھی قبلے کی طرف شاہ کی ہمشیر
بابا سے ابھی صغر و اکبر تو جدا ہوں
سن چھوٹے ہیں جاتے ہیں اور تشنہ دہن بھی
بچھڑے ہوئے ہیں باپ سے آوارہ وطن بھی
اس کی نہیں طاقت کہ یہ دولت مری لٹ جائے
سب بیبیاں کہتی تھیں یہ کیا کرتے ہو ارشاد
دنیا میں سدا کوکھ تمھاری رہے آباد
ہو فتح کا غل شاہ امام دو جہاں ہوں
وہ دن ہو کہ ان دونوں کا تم بیاہ رچاؤ
گرد ان کے پھرو آنکھوں سے سہرے کو لگاؤ
وہ کہتی تھی قسمت میں تو بربادی ہے لوگو
میں تنہا ہوں جیتوں نہ نکلے مرے ارماں
چہروں پہ ہے شملوں کے کٹے بچوں کی کیا شاں
جاگے ہوئے ہیں شب کے گرے پڑتے ہیں دونو
تلواروں سے مجروح ہوں یا برچھیاں کھا جائیں
اس غم سے مرا دل دہلتا ہے دونوں کو دعا دیں
ڈیوڑھی سے صدا ان کو سنانے کی نہیں ہیں
یہ ذکر تھا جو شور اٹھا دشت وغا سے
کیا چھاتیوں پر برچھیاں ماری ہیں وغا سے
دیکھے انھیں کہہ دے کوئی حضرت کی بہن سے

قاسم مرے پیاروں کی مدد کرنے کو جاؤ
کہہ دو کہ برا حال ہے ماموں کا اب آؤ
پھر جائیو لڑنے کو تھیں رو کے اب تو خفا ہو
اور بیبیاں دروازے پہ تھیں مضطر و دلگیر
ہاتھوں کو دھرے ہاتھوں پہ کرتی تھی تقریر
یا رب مرے بچے مرے بھائی پہ فدا ہوں
پابند مصیبت ہیں گرفتار محن ہیں
جاتے ہیں تجھے فدیۂ سلطان زمن ہیں
عزت سے یہ مر جائیں تو عزت مری رہ جائے
دشمن کو بھی خالق نہ دکھلائے غم اولاد
برباد ہوں ہاتھوں سے انھیں کے ستم ایجاد
وہ دونوں پسر ماموں کے سائے میں جواں ہوں
نہلا کے انھیں خلعت شاہانہ پنہاؤ
دو چاند سی گھر میں دو دلھنیں بیاہ کے لاؤ
ماموں پہ یہ صدقے ہوں یہی شادی ہے لوگو
لڑنے کو چڑھے حق نے چڑھایا انھیں پرواں
ان چہروں کے صدقے میں اور ان شہزادوں کے قرباں
میدان میں دولھا سے بنے رہتے ہیں دونو
ممکن نہیں جیتے جو وہ میدان سے آئیں
لے آئے کوئی چھوٹے سے ہاتھوں کی بلائیں
چاہا ہے کہ بلا لوں سو بلانے کی نہیں ہیں
وہ قتل ہوئے شیر الٰہی کے نواسے
وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو دن کے پیاسے
پھرتی سی زبانیں نکل آئی ہیں دہن سے

ان شیروں نے لشکر کے نمودوں کو مارا
پامال پیادے کیے اسواروں کو مارا
آئے تھے حمایت کو حسینؑ ابنِ علیؑ کی
ہاں تسلیہ کو دونوں کے لیے لوٹنے والو
پٹکوں کی گرہ کاٹ کے ہتھیار نکالو
اب کھینچے ہوئے تیغ دو دم آئیں گے شبیرؑ
یہ سنتے ہی عباسؑ کو شبیرؑ پکارے
زینبؑ نے کہا شور ہے دریا کے کنارے
الطاف و کرم دونوں پہ فرماتے ہیں شبیرؑ
لے بی بیو کیوں بیٹھی ہو خیمے میں تو جاؤ
دو دولھا ہیں دو مسند ہیں جلدی سے بچھاؤ
باجوں کا یہ غل ہے کہ سنائی نہیں دیتا
فضہ گئی اور پلٹتی میداں سے آئی
حیدرؑ کے نواسوں نے تو جاں ہی گنوائی
باندھیں ہیں صفیں شاہ کو آنے نہیں دیتے
شبیرؑ بھی کھینچے ہوئے تلوار کھڑے ہیں
ہم شکل نبیؐ لڑنے کو تیار کھڑے ہیں
یہ کہتے ہیں جس طرح سے وہ گئے ہم بھی بس گے
یہ سنتے ہی خیمے میں تلاطم ہوا اک بار
چلائی بہن صدقے ہو یا سیدِ ابرار
زخمی ہوئے گر آپ تو مر جاؤں گی بھائی
تم کو علی اکبرؑ کی قسم خیمے میں آؤ
صدقے گئے بیٹے تجھے تم شکل دکھاؤ
کس واسطے حضرت چلے آتے نہیں گھر میں

کیا کیا پسرِ سعد کے غمخواروں کو مارا
ساونتوں کو پسپا کیا جراروں کو مارا
ان چھوٹے سے ہاتھوں سے بڑی تیغ زنی کی
یہ نیچے ان دونوں کے قبضوں کو چھڑا لو
ان چھوٹے سے شملوں کو سرہانے سے اٹھا لو
سر پیٹ کے ان لاشوں کو لے جائیں گے شبیرؑ
دو زرد کر مرے بھانجے دنیا سے سدھارے
لوگو مرے فرزندوں نے سر موں پہ اٹھائی
لاشوں کو اٹھانے کے لیے جاتے ہیں شبیرؑ
میداں سے برات آتی ہے آنسو نہ بہاؤ
ڈیوڑھی پہ جو آئی ہو سواری تو بتاؤ
مجھ کو تو کچھ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا
رو کر یہ خبر زینبؑ بیکس کو سنائی
اب ہوتی ہے لاشوں کے اٹھانے پہ لڑائی
معصوموں کے مردے بھی اٹھانے نہیں دیتے
بپھرے ہوئے عباسؑ علمدار کھڑے ہیں
قاسمؑ بھی سنبھالے ہوئے ہتھیار کھڑے ہیں
وہ کہتے ہیں سر دیں گے پہ لاشوں کو نہ دیں گے
در پر گئی پھر آتی ہوئی زینبؑ ناچار
پھر آ کے مجھے بچوں کی لاشیں نہیں درکار
سر پیٹتی خیمے سے نکل آؤں گی بھائی
لاشے جو اٹھانے نہیں دیتے نہ اٹھاؤ
میداں سے بھتیجوں کو مرے بچ کے لاؤ
جو دیتے ہیں صدقہ اُسے لاتے نہیں گھر میں

معلوم ہوا مارے گئے برچھیاں کھا کر
ہیں ان کو نہ رکھ چھوڑتی چھاتی سے لگا کر
خوں میں انھیں سرشار نہ دیکھا تو نہ دیکھا
میں بیٹوں کے دیدار کی طالب نہیں زہرا
تم چار جواں اور ادھر لاکھ ستمگار
منھ سے کہیں بانو کے خجالت نہ ہو مجھ کو

چلا کے یہ بانوئے علی اکبر کو پکاری
حق بھر کے جو کرنے کی نہیں گریہ و زاری
پامال ہوں لاشے یہ گوارا تمھیں کب ہے
تھا ماں کے جو رونے سے کلیجہ تہ و بالا
آنکھوں سے بہے اشک گر دل کو سنبھالا
اک لاش کو وہ آپ بصد یاس لیے ہیں

زینب کو لیے بیبیاں گھر میں گئیں باہم
داخل ہوئے لاشوں کو لیے سرور عالم
حیران تھی کچھ منھ سے نہ کہہ سکتی تھی زینبؑ
کہتی تھی سمجھتی نہیں کیسی ہے یہ فریاد
اکبر مجھے اصغر مجھے جیتا رہے سجاد
سب ان کے عبث ہوش مرے کھوتے ہو لوگو

سر کھولے ہیں کیوں سب مجھے آتا ہے سودا
اکبر با پسر جیتا ہے میں تو نہیں ہے آس
منھ ڈھانپتے ہو کیوں یہ کوئی رونے کی جا ہے
کہنے کو کہا یہ مگر آنسو نکل آئے
لاشے وہیں لا کر شہ بیکس نے لٹائے
تعظیم کو اٹھتے ہوئے گرنے لگی زینبؑ

جیتے نہیں جو ماں سے لپٹ جائیں گے آ کر
آتے بھی مرے پاس تو سوتے وہیں جا کر
گر آخری دیدار نہ دیکھا تو نہ دیکھے
صدقے کروں حضرت پہ جو سو ایسے ہوں دلدار
ہم شکل پیمبر کو جو کھینچیں تلوار
خاتون قیامت سے ندامت نہ ہو مجھ کو

بے لاشے لیے رن سے نہ تم آئیو واری
مر جائیں گی صدمے سے پھوپھی جان تمھاری
ماں بیٹوں کا دیدار نہ دیکھے تو غضب ہے
منھ پردے سے گھبرا کے سکینہ نے نکالا
بولی کہ لیے آتے ہیں لاشے شہ والا
اک لاش کو آغوش میں عباس لیے ہیں

سر کھول دیے سب نے بچھا کر صف ماتم
غل پڑ گیا حیدر کے نواسے ہوئے بے دم
سب روتے تھے ایک ایک کا منھ تکتی تھی زینبؑ
تم سب کو ہے کس بات کا غم کیا ہوئی بتا
گھر میں نہ ہوئی تو نہ ہوئی اک بی والا
بھائی تو پھرے خیر سے کیوں روتے ہو لوگو

ہے ہے نہ کرو بھائی کو آنے دو مرے پاس
قاسم تو سلامت ہیں جو بیٹوں سے بھی پیارے
ماموں پہ جو صدقے ہوئے خوش ہونے کی جا ہے
سب بیبیوں نے پونچھے سر اشک بہائے
زینب کے قریب بیٹھ گئے سر کو جھکائے
گرد دو پسر فاطمہ پھرنے لگی زینبؑ

رونے لگے زینبؑ سے لپٹ کر شہِ دلگیر
لاشوں کو کرو پیار، جو ہے خاطرِ شبیرؑ
ان لاشوں کو لو گود میں اپنی کہ یہاں تم
بس آگے نہ دے طول انیسؔ جگر افگار
اس مرثیے کا دیں گے صلہ احمدِ مختار
غم کھا نہ ترے قدر شناس ابنِ علیؑ ہیں

فرمایا کہ میں تجھ پہ فدا اے مری ہمشیر
اک دم میں چلے جائیں گے یہ کشتۂ شمشیر
پھر بیٹیوں کا دیدار کہاں اور کہاں تم
بیتاب ہے دل سینے میں اور چشم ہے خونبار
محروم رہے کوئی وہ ایسی نہیں سرکار
فیاض وہ عالم میں ہیں سخی ابنِ سخی ہیں

رُباعی

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں
توفیق رفیق ہو تو چلتا ہوں میں
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں انیسؔ
کیوں رک گئے پاؤں ہاتھ ملتا ہوں میں

رُباعی

غفلت میں نہ عمر کو بسر کر
انجام پہ اک ذرا نظر کر
اس طول امل سے فائدہ کیا
کل کوچ ہے قصہ مختصر کر

رُباعی

اے خالقِ ذوالفضل و کرم رحمت کر
اے دافعِ ہر رنج و الم رحمت کر
سبقت ہے سدا غضب پہ رحمت کو تری
اپنی تجھے رحمت کی قسم رحمت کر

۸

مرثیہ نمبر ۱۰۶

غل آمدِ عباس کا ہے فوجِ ستم میں
روباہوں کو دھڑکا ہے کہ شیر آتا ہے ہم میں
سردار جھکائے ہوئے سر بیٹھے ہیں غم میں
سب کہتے ہیں نازل ہوئی آفت کوئی ہم میں
کون اس سے لڑے گا وہ شجاعِ ازلی ہے
شوکت میں ہے جعفر تو شجاعت میں علی ہے

جانباز ہے جرار ہے صفدر ہے وہ غازی
جرأت میں ہزاروں کے برابر ہے وہ غازی
بے شبہ و شک ثانیِ جعفر ہے وہ غازی
اے لشکرِ پرستم لشکر ہے وہ غازی
لاکھوں ہیں پہ اس سج کا جواں ہم میں نہیں ہے
ہم کیا ہیں کہ ایسا کوئی عالم میں نہیں ہے

وہ شیرِ خدا دلبرِ ضرغامِ خدا ہے
بابا کا یہ رتبہ ہے کہ ہم نامِ خدا ہے
دیندار ہے وابستۂ احکامِ خدا ہے
ضرب اس کی ہر اک ضربتِ صمصامِ خدا ہے
تھراتے ہیں ساتوں فلک اس تیغ کے ڈر سے
نے کوہ سے رکتی ہے نہ جبریل کے پر سے

اس تیغ سے وقفہ ہمیں دم بھر نہ ملے گا
لاشے نظر آئیں گے یہ لشکر نہ ملے گا
سر ہاتھ جو آئے گا تو پیکر نہ ملے گا
پیکر جو ملا سر تہِ افسر نہ ملے گا
آیا وہ پئے جنگ تو کب ہوش رہیں گے
چار آئینے والے نہ زرہ پوش رہیں گے

اس شیر کی شمشیر ہے مفتاحِ درِ فتح
بندوں کی طرح رہتا ہے قدموں پہ سرِ فتح
ہر گام پہ دیتی ہے شجاعت خبرِ فتح
آمد سے بہادر کی عیاں ہے اثرِ فتح
آئینۂ اجلال و حشم سینہ ہے اس کا
اقبال بھی اک خادمِ دیرینہ ہے اس کا

ہاتھ آئی کسے خلق میں اس طرح کی توقیر
ہم پنجۂ دستِ احدی بازوئے شبیر
کیا قدرتِ اللہ ہے اللہ ری تقدیر
گر شیرِ خدا مصحفِ ناطق تو یہ تفسیر
بابا کی طرح صاحبِ شمشیر و علم ہیں
حرمت یہ علاوہ ہے کہ سقائے حرم ہیں

الفت میں ہیں عباسؑ امام دو جہاں ایک | ان دونوں کے قالب تو ہیں دو اور ہے جان ایک
دل ایک جگر ایک زباں ایک بیاں ایک | مرجائے جو ہو ایک کی آنکھوں سے نہاں ایک
سردار ہو ایسا جو ملازم ہو تو ایسا | آقا ہو تو ایسا ہو جو خادم ہو تو ایسا

ہشیار رہو تم سے اے مورچے والو | ان چلوں سے تیر اے قدر اندازو ملاؤ
آمد ہے علمدار کی نیزوں کو سنبھالو | کھولو سپریں تیغ میانوں سے نکالو
تیغ ان کے پدر کی سر مرحب پہ چلی ہے | عباسؑ علی وارث شمشیر علی ہے

جس طرح کہ خیبر میں لڑے فاتح خیبر | لاکھوں سے اسی طرح لڑے گا یہ دلاور
سرکردی لڑائی جو اسے کر دیا بے سر | گھٹ جائے گا دم دیدۂ سبط پیمبر
ٹوٹے گی کمر ماتم سقائے حرم میں | مرجائے گا سردار علمدار کے غم میں

زینت وہ علم کی تو علم اس کا حشم ہے | شوکت میں یہ افضل بزرگی میں یہ عم ہے
وہ آیۂ رحمت ہے تو یہ ابر کرم ہے | بے مثل علمدار ہے نایاب علم ہے
دونوں کا شرف سارے زمانے پہ عیاں ہے | الحمد کا نشاں وہ ہے یہ حیدر کا نشاں ہے

ہو ایک طرف جمع اگر ساری خدائی | عباسؑ سے ہونے کی نہیں عہدہ برآئی
جانیں نہ بچیں گی کہ غضب کی ہے لڑائی | اور شیر کی آمد کو یہ سمجھو اجل آئی
یہ لشکر رومی و عراقی نہ رہے گا | دو لاکھ جواں میں کوئی باقی نہ رہے گا

دیکھا جو عمر نے کہ تزلزل میں ہے لشکر | یوں کہنے لگا جا کے ہر اک صف کے برابر
عباسؑ جو آتا ہے تو کس بات کا ہے ڈر | اے غازیو کیوں کانپتے ہو خوف سے تھر تھر
فاقے سے کئی دن کے ہے اور تشنہ دہاں ہے | یاں لاکھ نمودار ہیں اور ایک جواں ہے

کس کس سے لڑے گا اسد اللہ کا پیارا | ہے لاکھ جوانوں کو کبھی ایک نے مارا!
یہ ننگ سپاہی نہیں کرنے کا گوارا | تلواروں سے اب ترک ہو دریا کا کنارا!
اولاد علیؑ سے جو اسی طرح ڈرو گے | کیوں کر پسر فاطمہؑ کو ذبح کرو گے

عباسؑ تو ہے حیدر و صفدر کی نشانی | تصویر پیمبر ہے ابھی تم کو مٹانی
میداں میں وہ دکھلائے گا کیا زور جوانی | کھانا تو کہاں جس کو میسر نہیں پانی
تلواروں سے کاٹو سر عباسؑ علی کو | بیکس کرو فرزند رسولؐ عربی کو

طالب ہو اگر زر کے تو لو درہم و دینار
باقی نہیں اب کوئی، اگر ہے تو علمدار
خالی ہو جو دنیا سے شیر خدا سے
منظور نہیں راحت فرزند پیمبر
دیکھوں تو تڑپتا ہے علمدار دلاور
تم لوگ انھیں لاش پہ آنے نہیں دیتے
راضی ہوئے خونریزی پہ وہ زیست کے طلبگار
تھے تیس ہزار اک صف اوّل میں کماندار
دواں میں سواران عراقی کے پرے تھے
دہنی طرف اک فوج تھی بائیں طرف اک فوج
کھولے جو پھریرے تو نشانوں کو ملا اوج
تھا خوف نجوم فلک حدت چرخ بریں کو
ہر سمت سے ڈھالوں کی گھٹا دشت پہ چھائی
پوشیدہ تھی رہواروں کی ٹاپوں سے ترائی
نیزوں سے وہ سب دشت نیستان ہوا تھا
چمکے کے سر ہی کو چھپاتا تھا کوئی سنگ
چار آئینہ و خود و زرہ سے سرا چورنگ
شادی ہے کہ گھر ہو دے گا تاراج علیؑ کا
تھا نعرہ زناں فوج میں یوں شمر ستمگار
کھینچے ہوئے تلواریں رہو جنگ پہ تیار
بڑھ بڑھ کے نہ عباسؑ خوش اوقات سے لڑنا
دو دو ہی طرف برچھیوں والو تو اگر آئے
زغہ کریں سواروں پہ اگر تیغ کو چمکائے
اس شیر کو دریا کی ہوا کھانے نہ دینا

قیمت سر عباسؑ کی ہوں دینے کو تیار
ہاں غازیو توڑو کمر سید ابرار
بھر دوں گا سواروں کی رکابوں کو طلا سے
اک عید ہو پھر ہے جو برادر سے برادر
ہاتھوں سے کمر پکڑے چلے آتے ہیں شبّر
عباسؑ کا مردہ بھی اٹھانے نہیں دیتے
دریا کے کنارے پہ جمیں جا کے صفیں چار
اور ان کے عقب برچھیاں تانے ہوئے خونخوار
تلواروں کو کھینچے ہوئے کاندھوں پہ دھرے تھے
نقارے تھے گھوڑوں پہ کہیں کوہ کہیں فوج
دریا کی طرح لشکر کیں مارتا تھا موج
رہواروں کی ٹاپوں سے تزلزل تھا زمیں کو
جب دیکھا تو تلوار چمکتی ہوئی پانی
دریا نے بھی پیاسوں سے شکل اپنی چھپائی
اک پیاسے سے لڑنے کا یہ سامان ہوا تھا
یہ چمکے گی جب سر پہ تو ٹھہرے گی نہ تنگ
عباسؑ کے ہاتھوں کو میں توڑوں گا دم جنگ
دنیا سے مٹا دوں گا نشان آج علیؑ کا
ہاں او غازیو ہاں شمر سے ہشیار خبردار
آتا ہے وغا کو خلف حیدر کرار
اس شیر سے لڑنا تو ذرا گھات سے لڑنا
ٹیلے سے کماں داروں کی صف تیر چلائے
حملے سے پیادوں کے پرے آکے لپٹ جائے
اس قلزم آہن سے نکل جانے نہ دینا

تھی فوج اُدھر مستعد قتل علمدار
بیتاب تھے بسمل کی طرح سید ابرار
اُٹھتے تھے کبھی اور کبھی غش ہوتے تھے شبیر
سمجھاتی تھی صدقے ہو بہن جی کو سنبھالو
روٹھے ہوں جو عباسؑ دلاور تو منا لو
یکتائے زمانہ وہ جدائی نہ سہے گا
کیا مجھ کو سمجھاتے ہو بہن بھائی کٹک جاؤ
منت کرو عباسؑ کا سر چھاتی سے لپٹاؤ
کچھ فکر نہیں جی سے گزر جائے گا شبیر
زینبؑ وہ جواں ہے مری پیری کا سہارا
گو حق اس کا نہیں خلق سے پر کوچ ہے پیارا
یہ وقت ہے بیدار ہوئی نہیں جاتی
اس بھائی کا مرنا مجھے خالق نہ دکھائے
عباسؑ جنازہ مرا کاندھے پہ اٹھائے
ہم پیر ہیں جینے کی ہمیں آس کہاں ہے
یہ کہہ کے تڑپتے تھے شہ بیکس و مضطر
تھے مضطر و بیتاب حرم کھولے ہوئے سر
رومال تو ہے آنکھوں پہ منہ اکبر کی طرف ہے
گودی میں ہیں مظلوم سکینہؑ کو سنبھالے
فرماتے ہیں جینوں سے کہ لانے دو چاپے
ورد زباں ہے چچا جان کی خبر لا دیو بیٹا
سائے کی طرح تم نہ کبھی پاس سے جانا
چومے ہوئے ہاتھوں کو سدا سامنے آنا
گر تیغ ہو یہ بعد شہنشاہ زمن کے

عباسؑ اُدھر سج کے تھے جنگ کے ہتھیار
بھائی کو سمجھاتے ہوئے تھی زینبؑ ناچار
زینبؑ بھی تڑپ جاتی تھی جب روتے تھے شبیر
شہ کہتے تھے بیتاب ہوں بھائی کو بلا لو
کہہ دو کہ ذرا بھائی کو چھاتی سے لگا لو
جس کے لیے مرتے ہو وہ بھائی نہ جیے گا
تم کو سر اکبرؑ کی قسم ہے اسے سمجھاؤ
بن پانی کہاں غش ہے سکینہؑ کو جلاؤ
یہ داغ ہے وہ داغ کہ مر جائے گا شبیر
بچپن سے میں پالا ہوا ہوں کہ وہ مجھے پیارا
کس طرح کریں صبر نہیں صبر کا یارا
تصویر علیؑ ہاتھ سے کھوئی نہیں جاتی
میں اس کو نہ روؤں وہ مری قبر بنائے
ہاتھوں سے علمدار مجھے گاڑنے جائے
قابل نہیں مرنے کے ابھی وہ تو جواں ہے
پروانہ سی گرد شہ دیں پھرتی تھی خواہر
دیکھا کہ چلے آتے ہیں عباسؑ دلاور
زوجہ تو پس پشت ہے پہلو میں پسر ہے
اور ننھے سے ہاتھوں کو وہ گردن میں حمائل
کرتا ہے پدر تم کو سکینہؑ کے حوالے
شہزادی کو تم کھیل میں بہلائیو بیٹا
ان ننھے سے قدموں کے تلے آنکھیں بچھانا
یہ بیٹھے تو وہاں کھڑے ہو کے ہلانا
رکھو دیکھو گلا دوڑ کے چلتے میں بہن کے

ان باتوں کو سن سن کے پسر کرتا تھا زاری
عباسؑ کے بھی اشک تھے رخساروں پہ جاری
کہتے تھے سکینہؑ سے میں صدقے مری پیاری
شفقت رہے اس پر یہ فغاں ہے ہماری
اک عبد وفادار مدام اپنا سمجھنا
تم بعد مرے اس کو غلام اپنا سمجھنا

اشک آنکھوں میں بھر بھر کے یہ کہتی تھی وہ ناداں
میں آپ پہ اور آپ کے فرزند پہ قرباں
بھائی کو غلامی میں دیا واہ چچا جاں
کیا کہتے ہو کچھ یہ تو جدائی کا ہے ساماں
بابا کے بھی رونے کا نہ کچھ پاس کرو گے
کیا ان کو یتیم اور ہمیں بے آس کرو گے

بہلاتے تھے عباسؑ بصد اشک فشانی
کیوں روتی ہو تم یہ مرا مطلب نہیں جانی
عاشق کہیں جاتے ہیں تو دیتے ہیں نشانی
ہم نہر سے بی بی کے لیے لاتے ہیں پانی
وہ کہتی تھی آنا ہو تو جلد آئیو عمو
کوثر پہ نہ پانی کو چلے جائیو عمو

زینب کی طرف دیکھ کے فرمانے لگے شاہ
در پیش تھا جس بات کا دھڑکا مجھے اندر
لو بھائی کو تھامو کہ کمر ٹوٹتی ہے آہ
عباسؑ چلے مرنے تو ہم بھی ہیں سر راہ
خنجر کوئی رہ رہ کے لگاتا ہے جگر کو
تم دل کو سنبھالو میں پکڑتا ہوں کمر کو

آپہنچا قریب شہ کے علمدار قضا را
آغوش مبارک سے سکینہؑ کو اتارا
قدموں پہ جھکا بھائی کے وہ بھائی کا پیارا
حضرت نے کہا چھوٹتے ہو ساتھ ہمارا
سر قدموں سے سرکاؤ میں قربان برادر
لو روؤ نہ اللہ نگہبان برادر

آداب بجا لا کے تصدق ہوئے عباسؑ
غش ہو گئے صدمے سے شہ بیکس بے آس
روتے ہوئے عباسؑ چلے گھر سے بصد یاس
گھبرائے ہوئے غول تھا اندر کی جو پاس
ٹوٹا تھا فلک زوجۂ عباسؑ حزیں پر
اٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

چلاتی تھی ہے ہے مرے صفدر مرے والی
لونڈی کے بھرے گھر کو کیے جاتے ہو خالی
دم لو کہ ذرا ہوش میں آئیں یہ زن خالی
مر جائے گی بعد آپ کے یہ پیٹنے والی
اک دم مرے پاس ٹھہرتے ہوئے جاؤ
جاتے ہو تو بسمل مجھے کرتے ہوئے جاؤ

مڑ کر کہا عباسؑ نے باخاطر ناشاد
صاحب ابھی لازم نہیں یہ نالہ و فریاد
دنیا میں کیا حق نے تمہیں صاحب اولاد
کبرا تو ہوئی صبح شب عقد کو برباد
دیکھو گی جو اس کو تو کلیجہ نہ پھٹے گا
شہزادی کی خدمت میں رنڈاپا بھی کٹے گا

فرما کے یہ دروازے پہ روتے ہوئے آئے
اور بیٹھ گئے کرسی پہ ہتھیار لگائے
موزے قدم پاک میں خادم نے چڑھائے
کرسی سے جو اٹھے تو سخن لب پہ یہ لائے
ہے قصد ہو لشکر کفار پہ یلغار
اصطبل سے لائے کوئی رہوار

حاضر ہوا شبدیز علمدار دلاور
جس طرح سے دلہن آتی ہے پہنے ہوئے زیور
وہ ساز کا عالم وہ گندھی چوٹیاں بکھر
پھولوں کی جھلی لگتی تھی کیا آہنی پاکھر
پانی جو نہ پہونچا تھا بہم تشنہ دہاں کو
غصے سے چباتا تھا دہانے میں زباں کو

القصہ چڑھے گھوڑے پہ عباس علمدار
بجلی کی طرح کوند گیا دشت میں رہوار
وہ چاند سی صورت وہ چمکتے ہوئے ہتھیار
سرتا بہ قدم ہو بہو حیدر کرار
تکتے تھے عدو بازوئے شاہ زمنی کو
غل تھا کہ علی آئے ہیں خیبر شکنی کو

یہ ذکر ابھی تھا کہ سواری نظر آئی
پنہاں ہوئی گرد اور کبھی باری نظر آئی
شان چمن قدرت باری نظر آئی
آمد اسد اللہ کی ساری نظر آئی
آتا تھا جری ڈالے ہوئے گھوڑے کو رن میں
تھیں پھولوں کی پیٹیں کہ چلی آتی تھیں بن میں

نور رخ عباس سے صحرا ہوا معمور
خورشید فلک شرم سے تھا ابر میں مستور
سایے کی جگہ دھوپ تھی اور دھوپ کی جا نور
اشجار بیاباں میں سب تھے شجر طور
ذرے کا بھی تھا اختر اقبال چمک پر
کرتے تھے حقارت سے نظر شمس و قمر پر

مطلع

بیت ابروں کی مطلع دیوان علی ہے
اس دیدۂ حق بیں پہ فدا جان علی ہے
نرگس ہے مگر نرگس بستان علی ہے
اس پر وہ تصدق ہے جو قربان علی ہے
زیبا ہے اگر کہئے ایماں انھیں کہیے
گر کہیے تو سرچشمۂ عرفان علی ہے

رنگ گل خورشید میں رخسارۂ تاباں
تفسیر ہے خط اور رخ صفحۂ قرآں
ہے مہر تو ابرو کہ ہے رحل پہ قرآں
یا صفحۂ سیمیں پہ رقم ہے خط ریحاں
خالق نے دل شب میں جگہ دی ہے سحر کو
اس حسن سے دیکھا نہیں ہالے میں قمر کو

درج گہر بحر فصاحت یہ دہاں ہے
باغ جناں سبزۂ گلزار جناں ہے
اس لب میں ہے جو لعل یمن آب کہاں ہے
ہیرے کی چمک گوہر دنداں سے عیاں ہے
تابندہ نہ کیوں کر ہوں اگر ایسی صدف کے
نایاب نگینے ہیں یہ سب در نجف کے

گردن پہ خدا نور کے سانچے میں ڈھلی ہے
نور اس کا ضیا بخش شبستان علی ہے
موجود کئی بازوں پہ بھی افسانہ ہے اس کا
کس حسن سے تیار ہیں اس شیر کے شانے
بخشا ہے عجب بازوں کو زور خدا نے
مارے جو طمانچہ تو جگر شیر کا پھٹ جائے
غل تھا کہ جہاں میں علم ایسا نہیں دیکھا
اقبال و جلال و حشم ایسا نہیں دیکھا
طوبیٰ ہو تو ایسا ہو کامل ہو تو ایسا
بولا کوئی پوشاک کی زیبائی کو دیکھو
خادم بھی جلو میں نہیں تنہائی کو دیکھو
کس حسن سے لٹنے کے علمگار کھڑے ہیں
عالم میں ہوئے چار اولوالعزم علمدار
بعد اُن کے ہوئے زیب علم حیدر کرار
کرسی کے بھی پائے سے سوا پایہ ہے رتبہ
اللہ رے اللہ عجب شان علم ہے
رحمت کا یہ دریا ہے یہ دامان کرم ہے
ہے نور کا عالم علم نور خدا ہے
انوار الٰہی کا خزینہ ہے یہ سینہ
ہم رتبۂ تابوت سکینہ ہے یہ سینہ
مہتاب تجلی نور میں خورشید ضیا میں
کیا کہیے ثبات قدم بازوئے شبیر
فتح نہیں خود اُن کا مثال خط تقدیر
تلواروں کے سو وار اگر سر پہ چلیں گے

روشن ہے کہ شمع حرم نور ازلی ہے
اس شمع سر طور بھی غیرت سے جلی ہے
کہتے ہیں جسے مہر وہ پروانہ ہے اس کا
مہتاب کو شرمندہ کیا جس کی ضیا نے
قدر اس کی پیمبر سبط نبی کیا کوئی جانے
وہ انگلیوں سے کوہ کو دے دیں تو اُلٹ جائے
زور ایسا نہیں پنجۂ محکم ایسا نہیں دیکھا
سرداروں میں ثابت قدم ایسا نہیں دیکھا
ایسے علم نور کا حامل ہو تو ایسا
اس قامت پرنور کی رعنائی کو دیکھو
قائم ہے گردن کی توانائی کو دیکھو
کس شان سے تو سے ہوئے تلوار کھڑے ہیں
اک حضرت حمزہ تھے تو اک جعفر طیار
عباس اب اس منصب والا کا ہے مختار
سمجھا دست بدست اس کو یہ ہاتھ آیا ہے رتبہ
سب عالم بالا بھی ثنا خوان علم ہے
خورشید ہے یا پنجۂ تابان علم ہے
موسیٰ نے دھرا ہے ید بیضا کو عصا پر
دریائے شجاعت کا سفینہ ہے یہ سینہ
گوہر ہیں میں وفا کا ہے وہ گنجینہ ہے یہ سینہ
آئینے کا پردہ ہے گریبان قبا میں
کاغذ پہ سیاہی نہیں جلتی دم تحریر
اقلیم شجاعت ہے انھیں قدموں کی جاگیر
یہ پاؤں جگہ سے نہ مٹیں نہ ہٹیں گے

خاک اس کی ہے جو نقشِ قدمِ پاک کی پائیں
حورانِ جناں کحلِ بصر اس کو بنائیں
اس خاک پہ طائر کوئی لوٹے تو ہما ہو

یہ شانِ علم اور پھریرے کا وہ عالم
پنجے کو ہے پرچم سے لگائے ہوئے مریم
یہ عرش کا رتبہ ہے نہ افلاک کا رتبہ

سروِ چمن آرائے ہدایت ہے یہ رایت
مہرِ فلک لطف و عنایت ہے یہ رایت
جو سائے میں اس کے ہے وہ ہے ظلِ الٰہی میں
ذکرِ علم حمد ہے قرآں میں آیا
مصروف جو امت کی طرف شاہ کو پایا

شکلِ کفِ سائل جو ہے پنجہ یہ سبب ہے
یہ وہ ہے علم جس کو بھتیجے نے اٹھایا
ہاتھ آیا شرف جب اسے جعفر نے اٹھایا
ہوگا یہ ہما سایہ فگن اب نہ کسی پہ
ناگاہ علمدار نے جولاں کیا رہوار
آواز سے قرنا کی لرزنے لگے کفار

شکلِ کفِ افسوس جلاجل سے عیاں تھی
گرنا کا ہو میدانِ شہادت میں قضارا
تلواریں چمکنے میں یہ کرتی تھیں اشارا
جلووں سے لاتے تھے عدو تیر جو رن میں
تانے تھا جو سینہ اسد اللہ کا فرزند
انگلی سے بتاتے تھے نہ گویائی تھی ہر چند
نشانِ اسد اللہ ہے اس تشنہ گلو میں

افلاک سے آ کر ملک آنکھوں کو بچھائیں
زہادِ تیمم کے لئے فخر سے جا ہیں
اعمیٰ اسے آنکھوں سے لگائیں تو ضیا ہو

یہ ابرِ کرم ہے تو وہ ہے نیرِ اعظم
انگشتِ شہادت سے اشارہ ہے یہ پرچم
ہے سب سے فزوں پنجتنِ پاک کا رتبہ

یا سورۂ والشمس کی آیت ہے یہ رایت
دستِ کرمِ شاہِ ولایت ہے یہ رایت
اعجاز ہے حسین کا پھریرے کی ہوا میں
شیعوں کے سروں کا ہے یہی حشر میں سایا
ہے بہرِ دعا ہاتھ علم نے بھی بڑھایا
اللہ سے امت کی شفاعت کی طلب ہے

کس فخر سے حمزہ سے دلاور نے اٹھایا
وہ اٹھ گئے دنیا سے تو حیدر نے اٹھایا
بس خاتمہ ہے حضرتِ عباسِ علی پر
ڈنکے پہ لگی چوب میانِ صفِ اشرار
تھی صاف صدا ہائے علمدار علمدار
مچھلی بھی نشانوں کی پھریرے میں طپاں تھی

صحرائے پُر آشوب لگا گونجنے سارا
قبضے میں ہیں غیروں کے نہیں زور ہمارا
انگشتِ تاسف تھی کمانوں کی دہن میں
تھراتا تھا نیزہ کہ ہیں دشمنِ ہر رگ بند
یہ حیدرِ صفدر کے کلیجے کا ہے پیوند
آلودہ نہ کرنا ہمیں پیاسے کے لہو میں

ناگاہ کہا شمرِ سیہ رو نے یہ آ کو
ہے لشکرِ تیار کہ اُمڈا ہے سمندر
ہو گا یہ تلاطم کہ دلِ کوہ ہلے گا
عباسؑ پکارے کہ خبردار ہم آئے
اک وار میں اس صف کے اس پار ہم آئے
تلوار کے وارث شہِ افلاک ہمیں ہیں
ہے زورِ علیؑ ہر رگ و ریشے میں ہمارے
شیر آ نہیں سکتا کبھی بیشے میں ہمارے
دیکھیں تو ہم اس تیغِ شرر دم کو تو روکو
فرما کے یہ شمشیرِ شرر دم کو نکالا
ڈھالوں کا اٹھا ابر اک سمت سے کالا
غل ہوتا تھا کرتے تھے دو پارہ جو سپر کو
چمکی جو علمدار کی شمشیرِ شرربار
نعرہ کیا غازی نے کہ یا حیدرِ کرار
بجلی سے یکایک جو گرے لشکرِ کیں پہ
گھوڑے کو جو ڈپٹا کے کوئی سامنے آیا
بازوئے یداللہ کا زور اس کو دکھایا
اللہ رے ضرب اس کی گیا خود تو سر میں
شمشیر تھی اک صاعقۂ قہرِ الٰہی
ہر غول پہ ادبار تھا ہر صف پہ تباہی
بھاگے چلے جاتے تھے عدو جان کے ڈر سے
للکارے یہ دریا کی طرف باگ اٹھا کر
اسوار بہم ہو گئے نیزوں کو ہلا کر
بڑھنا نہ خبردار جو اندیشۂ جاں ہے

کیا قصد ہے اے وارثِ ذریتِ حیدر
گر صلح کریں آپ تو ہے جنگ سے بہتر
ان تیغوں کے گھاٹوں میں تھیں گھاٹ لگے
جاتا ہے کہاں ظالمِ غدار ہم آئے
لے نہر سے اور گھاٹ سے ہشیار ہم آئے
آبِ دمِ شمشیر کے پیراک ہمیں ہیں
کٹتا ہے پہاڑ ایک ہی تیغے میں ہمارے
ثابت قدمی آئی ہے حصے میں ہمارے
دریا کو تو روکا ہے بھلا ہم کو تو روکو
بالا ہوا رہوار کو کاوے پہ جو ڈالا
بجلی جو گری ہو گیا لشکر تہ و بالا
دو کر دیا انگشت سے احمدؐ نے قمر کو
معلوم ہوا عنصرِ خاکی کرۂ نار
چھینٹا جو دیا آب میں تھا فوج کے ہوا
رہوار تھے اسواروں پہ اسوار زمیں پر
رہوار سے رہوار کو غازی نے ملایا
تلوار کا قبضہ سرِ دشمن پہ لگایا
سر سینے میں پنہاں ہوا اور سینہ کمر میں
دم میں ہوئی نابود تو وہ دستہ سپاہی
تیغوں کی سپیدی تھی نہ ڈھالوں کی سیاہی
گرتی تھی جو سر پہ تو اڑتی تھی کمر سے
وا نہر میں ہم جاتے ہیں روکے کوئی آ کر
چلائے عدو تیر کمانوں میں ملا کر
واں گھاٹ پہ تیغوں کی تو یاں تیر کمانیں

دریا کے کنارے پہ ہے وہ قلزمِ قہر
اس بحر سے جو پار تو ہو جو کہیں تا نہر
بے خوف میں ہوئے غرق نکل جاؤ تو دیکھیں
عباسؑ نے نعرہ کیا رُکتے ہیں کہیں شیر
یہ کہہ کے جو جھپٹے تو زبردست ہوئے زیر
تیغیں وہ صفیں اور نہ وہ قلزم نظر آیا
عباسؑ جب اُس خون کے دریا کو گئے تیر
چل نہر پہ اب جلد کہ ہے خاتمہ بالخیر
بس چار سو تو تو ہوا پر نظر آئے
دریا میں جو پہنچا اسد اللہ کا پیارا
تم سب یہی کہتے تھے کہ ہے گھاٹ ہمارا
تم کہتے تھے ہم نہر پہ جانے نہیں دیتے
پیشانی پہ سجدے کا نشان ہے کہ ستارا
پھر دم آئی یہ خوشی ہو کے پکارا
منہ ملنے لگیں مچھلیاں دامانِ علم پر
آئی یہ ندا حضرتِ الیاسؑ کی یکبار
ہوں غرقِ خجالت کہ ہیں پیاسے شہِ ابرار
یہ نہر ہے جس کا اسے کیا آج قلق ہے
پھر لو تو اے حیدرِ کرار کے جانی
کہنے لگے عباسؑ بصد اشک فشانی
ہو جیسی بھی پیاس کی تکلیف سہی ہے
بیتاب کیا دل کو سکینہ کے جو غم نے
خیمے کی طرف رُخ کیا اُس ابرِ کرم نے
روتے ہوئے افغانِ خدا سے نکل آئے

ہے خنجر و شمشیر و سناں جس کی ہر اک لہر
چشمہ تو وہ شیریں ہے مگر ہے اثرِ زہر
اس نہر سے اس مشک کو بھر لاؤ تو دیکھیں
ہیں شیرِ الٰہی کے پسر صاحبِ شمشیر
تلوار کے گھاٹ اُن کو اتارا نگی دیر
دریا پہ سمندر کا تلاطم نظر آیا
گھوڑے سے کہا حال بہت پیاس سے ہے غیر
اعدا کے سروں پر سے اُڑا اسپِ فلک سیر
عباسِ علیؑ نہر کے اندر نظر آئے
للکار کے یوں فوج کو غازی نے پکارا
بتلاؤ تو دریا ہے ہمارا کہ تمہارا؟
تو آؤ تو اب ہم تمہیں آنے نہیں دیتے
پانی رُخِ پُرنور سے روشن ہوا سارا
عباسؑ کے چہرے کا کرو چل کے نظارا
اُٹھ اُٹھ کے حباب آنکھوں کو ملتے تھے قدم پر
صدقے ترے اے فوجِ حسینی کے علمدار
ناحق یہ جفا کرتے ہیں سید پہ ستمگار
شاہد ہوں میں اس کا یہ شبیرؑ کا حق ہے
اک جام میں میں لا کے پلا دوں تجھے پانی
بھول نہیں آقا کی مجھے تشنہ دہانی
جس لڑکی کا سقہ ہوں وہ دم توڑ رہی ہے
جلدی سے بھر اشک کو سقائے حرم نے
کی جست بکایک فرسِ تیز قدم نے
پیاسے گئے اور نہر سے پیاسے نکل آئے

دریا سے نکلنا تھا کہ پھر فوج نے گھیرا
سو گرد پڑے گھوڑے کی جدھر باگ کو پھیرا
آنکھوں میں تو کیا ہیں یہ دو کروں لگا نہ رکا ہوں
لہراتا تھا سر پر علم دیں کا پھریرا
تھا زخم بدن پر کہیں اوچھا کہیں گہرا
تھا اس کے پرخچے اڑتے تھے اس تیز ریغ
جرأت میں تو بے مثل تھا اور جنگ میں یکتا
خورشید سا خود سیر انور تھا چمکتا
جس صف کی طرف دیکھتے تھے تیر سے پھر کر
جب میمنے کا رخ کرتے تھے اک صف کو بھگا کر
بڑھتے تھے وہ جب تیرہ کی چلوں سے کلا کر
تھا سامنا دو لاکھ سے اک تشنہ جگر سے
غل فوج میں تھا مشک کو لے جانے نہ دینا
مشکیزے کے نزدیک سپر لانے نہ دینا
تلوار یہاں علم کرے جو لشکر پہ جھکیں گے
ہے یکہ و تنہا ابھی آئے نہیں شبیر
نیزے پہ چلیں نیزے تو شمشیر پہ شمشیر
آدھا بھی تو عباس دلاور کو نہ یاد ہیں
ہوتا تھا ادھر قتل علمدار کا ساماں
جاتے تھے کبھی خیمے میں با دیدۂ گریاں
گھبرائے ہوئے نہر سے عباس پھرے ہیں
بیٹھے ہیں مرے بھائی پہ رن میں بہت تیر
مشتاق ہے عباس سے اس اللہ کی تصویر
سب مل کے دعا مانگو کہ ہیں یاور سلامت

وہ چاند تھا اور شام کے بادل کا اندھیرا
نعرہ تھا کہ اللہ مددگار ہے میرا
روباہ ہیں یہ میں پسر شیر خدا ہوں
تلوار سے پانی تھا ستمگاروں کا زہرا
رہوار ہرن سا کہیں چمکا کہیں ٹھہرا
گھوڑا اتھا سبک تیز نسیم سحری سے
تھی شمر کو حیرت عمر سعد کو سکتا
غصے میں جو تھے خون تھا آنکھوں سے ٹپکتا
دو چار جواں خوف سے مر جاتے تھے گر کر
تب دوسری صف سامنے جم جاتی تھی آ کر
نعرہ جو کرتے تھے یہ مشک کو چھاتی سے لگا کر
تشنہ تھا زمیں میں بھی نکل جاؤں کدھر سے
پیاسوں تک اس پانی کو پہونچانے نہ دینا
شبیر بھی آ دیں تو انہیں آنے نہ دینا
بچھرے ہوئے وہ شیر کسی سے نہ رکیں گے
ہاں اے قدر اندازو کمانوں سے چلیں تیر
سب ٹوٹ پڑے جلد رہا سب نہیں تاخیر
جھپٹا شہ مظلوم پہ اور کو نہ یاد ہیں
گھبرائے ہوئے پھرتے تھے واں فرزند زہرا
زینب بھی کبھی کہتے تھے اب تن سے چلی جاں
ہو آئیں گے کیونکر کہ ہزاروں میں گھرے ہیں
روتا ہے ستمگاروں سے وہ صاحب تدبیر
جاتا ہے مدد کرنے کو عباس کی شبیر
تیغوں سے بچا کر اسے آؤں سلامت

زینبؑ نے کہا سوئے نجف ہاتھ اٹھا کر
عباسؑ کو گھیرے ہوئے ہے شام کا لشکر
مشکل سے کسی پیاسے کو جانا نہیں ملتا
بن پانی تڑپتی ہے مرے بھائی کی اولاد
عباسؑ کو آنے نہیں دیتے ستم ایجاد
یاں صبح سے ہے پیاس کا غل بے وطنوں میں

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ چلے رن کی طرف شاہ
گھبرا کے کہا زوجۂ عباسؑ نے ناگاہ
بے غیظ سا اس دم شہ والا کے پسر کو
جس طرح ہو روکو انھیں گر گر کے قدم پر
عاشق کی طرح دیتے ہیں ہم بھائی کے دم پر
بھائی کو اسی جا سے پکاریں شہ والا

وہ رات تلک مجھ سے یہ کہتے تھے بہ تکرار
جب غل ہو کہ لشکر میں گھرا شہ کا علمدار
بھجوائیں جو اکبرؑ کو تو بھجوانے نہ دینا
چلائی سکینہؑ سنو اچھے مرے بابا
عمو کے لیے آہ مرا دل ہے تڑپتا
کہیو نہ مری پیاس کا غم کھائیں چچا جان

اب پیاس نہیں مجھ کو میں قربان تمھارے
میں جیتی ہوں مرنے کی نہیں پیاس کے مارے
اچھے مرے عمو مجھے شکل اپنی دکھا دو
جو کہتے ہیں دشمن ہیں وہ تم پانی نہ لاؤ
میں اب نہ کہوں گی کہ مری پیاس بجھاؤ
جب سے گئے ہو غم ہے اسی آن سے مجھ کو

تم قبر میں کیا سوتے ہو اے حیدرِ صفدر
یہ تیسرا دن ہے کہ نہیں پانی میسر
پانی کوئی لاتا ہے تو لانا نہیں ملتا
میں زینبؑ دل خستہ ہوں سن لو مری فریاد
اے کل کے مددگار رہیں ہے دم امداد
اور واں وہ بہشتی ہے گھرا تیغ زنوں میں

تلوار پکڑ کر علی اکبرؑ ہوئے ہمراہ
بھائی تمھیں بچانے کو چلے ہیں شہ ذی جاہ
اے بھیا روکو کوئی زہرا کے پسر کو
عباسؑ ہے سو بھائی فدا شاہ اُمم پر
آئے تو یقیں ہے کہ خفا ہوویں گے ہم پر
میں یہ نہ کہوں گی کہ سدھاریں شہ والا

صاحب یہ مری بات نہ تم بھولیو زنہار
ہونا نہ کبھی تم کہ جئیں گے شہ ابرار
میدان میں آقا کو مرے جانے نہ دینا
بیٹے چلو مجھ کو بھی جہاں ہے مرا سقا
بے دینوں نے پانی کے لیے ہے انھیں روکا
میں پانی سے باز آئی چلے آؤ چچا جان

چھوڑ آؤ مری مشک کو دریا کے کنارے
پانی کی نہیں چاہ تمھیں ہو مجھے پیارے
مشکیزے کا منہ کھول کے پانی کو بہا دو
بہتر ہے نہ مرے واسطے تم خوں میں نہاؤ
مجھ کو یہ گوارا نہیں تم برچھیاں کھاؤ
شرمندہ نہ کیجے گا چچی جان سے مجھ کو

عمو اپنا بچی کو نہیں دکھلانے کی گھڑی ہے
میدان سے تدبیر کو آنے کی گھڑی ہے
مشکیزے کے باعث تھیں تو کہیں گے ستمگر
کہتی تھی سکینہ تو یہ با صد غم و حسرت
عباسؑ علمدار پہ واں آ گئی آفت
جس وقت قلم ہو کے گرے ہاتھ زمیں پر
مشکیزے کے تسموں کو پکڑ دانتوں سے بیچارہ
شوکت سے یہ پیدا تھا کہ ہیں جعفر طیار
ہلتا تھا نہ مشکیزہ نہ جنبش تھی دہن کو
ناگاہ ہوا مشک سے اک تیر ستم پار
بہنے لگا سینے سے لہو ہو کے دل زار
گھبرایا جب اتھ ہر اک کٹ گیا اس کا
خوں شانے سے شش و دہن مشک رواں تھا
خیمہ شہِ مظلوم کا آنکھوں سے نہاں تھا
اک بار اشارہ جو کیا لشکر کیں نے
اس ضرب سے سر ہو گیا غازی کا دو پارا
یا سبطِ نبی اہلِ ستم نے مجھے مارا
اعدا کو ہٹاتے ہوئے شمشیر سے آئے
عباسؑ کو ریتی پہ تڑپتا ہوا پایا
چلائے یہ کیا مجھ کو مقدر نے دکھایا
اعدا نے مٹایا ہے نشانی کو علی کی
لاشے سے لپٹ کر یہ بصد درد پکارے
دنیا میں یہ مظلوم بچے کس کے سہارے
گھر دو اسی داغ سے ہم ہو گئے بھائی

ڈیوڑھی پہ کھڑی ہوں میں نہیں جانے کی گھڑی ہے
حاجت نہیں کچھ پانی کے پہونچانے کی گھڑی ہے
پانی جو نہ ہوگا تو نہ رو دیں گے ستمگر
اور نہر پہ گھبرائے ہوئے جاتے تھے حضرت
شانوں پہ لگی دونوں طرف تیغ کی ضربت
وہ خون کے پرنالے بہے دامنِ زیں پر
ٹھکرانے لگا گھوڑے کو وہ زخمی علمدار
فرزند پہ ہوتے تھے فدا حیدرِ کرار
اک تیر تھا منہ میں لئے جاتا تھا ہرن کو
اس وقت تو رونے لگے عباسؑ علمدار
نے بچکا سر اک کو ہرنے پہ گئی بار
مشکیزے کے چھدنے سے جگر پھٹ گیا اس کا
طاقت جو نہ تھی حالتِ غش میں جواں تھا
اک شخص پسِ پشت لئے گرز گراں تھا
مارا سرِ عباسؑ پہ اک گرز لعیں نے
تیورا کے گرے گھوڑے سے اور شہ کو پکارا
اس دم شہِ دیں کو نہ رہا ضبط کا یارا
بھائی کی جو آواز سنی شیر سے آئے
دل میں یہ اٹھا درد کہ منہ کو جگر آیا
مارا گیا ہے ہے اسد اللہ کا جایا
بس آج کمر ٹوٹ گئی سبطِ نبی کی
صدقے ترے اے یارِ وفادار ہمارے
ہو کو مرے عاشق مرے شیدا مرے پیارے
یہ ہاتھ مرے تھے جو قلم ہو گئے بھائی

عباسؑ نے کی شہ پہ نظر ہوش میں آ کر
سر بھائی کے قدموں پہ ملا اشک بہا کر
حیدرؑ کی صدا آئی کہ لو مر گئے عباسؑ
زہراؑ کی صدا آئی علمدار سدھارے
حضرت نے کہا صفدر و جرار سدھارے
جنت کو گئے ہم سے یہ کیا کر گئے بھائی
سر پیٹ کے ہاتھوں سے پکارے شہ عالم
ہے ہے مرے یاور مرے بازو مرے ہمدم
مرنے سے ترے زور گھٹا سبط نبیؐ کا
خاموش انیس اب کہ جگر ہو گیا گھائل
ہر چند یہ کہنا نہیں تعریف کے قابل
اس کا نہیں دعوی ہے کہ میں کون ہوں کیا ہوں

بولا نہ گیا، دے زباں خشک دکھا کر
دنیا سے گئے نرگسی آنکھوں کو پھرا کر
تنہا ہوئے شبیرؑ سفر کر گئے عباسؑ
بیکس ہوئے شبیرؑ کہ غمخوار سدھارے
دنیا سے مرے جعفرؑ طیار سدھارے
باتیں ابھی کرتے تھے ابھی مر گئے بھائی
ہے ہے مرے جعفرؑ مرے حمزہؑ مرے رستم
ہے ہے مرے صفدر مرے حیدرؑ مرے ضیغم
تو قوت بازو تھا حسینؑ ابن علیؑ کا
اس نظم کا دیویں گے صلہ سرور عادل
ان نام ہے شبیرؑ کے مداحوں میں داخل
کیا میری حقیقت ہے کہ میں ہیچمداں ہوں

رباعی

دھوپ آ کے یہاں پہ زرد ہو جاتی ہے
آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے
آہوں کے ہیں پنکھے اور آنسو کا چھڑکاؤ
یاں گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے

۹

مرثیہ
بند ۹۴

عباسِ علی گوہرِ دریائے شرف ہے
غازی کی وفاداری کا غل چاروں طرف ہے
حقا کہ زمانے میں بہادر نہیں ایسا
ہم طلعتِ یوسف تھا وہ اولادِ علی میں
ہمت نہ یہ جرأت نہ یہ شوکت تھی کسی میں
مشہور ہے اس صاحبِ شمشیر کی طاقت

غازی کی نہ ہے قدر نہ ہے دبدبہ و جاہ
زیبِ علمِ فوجِ شہِ بر صفِ جنگاہ
بخشش سے کبھی ہاتھ کو خالی نہیں پایا
اللہ نے دی عزت و توقیرِ یداللہ
ہر بات میں رنگینیِ تقریرِ یداللہ
روشن ہوا دل قدرتِ اللہ کو دیکھا

لشکر شکن و صفدر و زور آور و خوش رو
خلقِ حسنی غربتِ شاہنشہِ خوش خو
ایسا نہ ہوا کوئی نہ ہووے گا جہاں میں
سروِ چمنِ مرتضوی تھا قدِ بالا
عضو بدن ایسے کہ کہے دیکھنے والا
رخ ایک طرف حسن سے اعضا نہیں خالی

تھا لعل نہ یہ جیسے وہ دُرِّ نجف ہے
کیوں شیر نہ ہو شیرِ الٰہی کا خلف ہے
اس نہ صدفِ بحر میں اک دُر نہیں ایسا
تھی قوتِ خیبر شکنی شیرِ جری میں
تھا ایک جواں لشکرِ اللہ و نبی میں
آنکھ اس سے ملائے یہ نہیں شیر کی طاقت

حمزہ کی جو شوکت تو شکوہِ اسداللہ
اقلیمِ جوانمردی و ہمت کا شہنشاہ
جعفر نے بھی رتبہ جو خالی نہیں پایا
مشہور ہوئی وارثِ شمشیرِ یداللہ
صورت کا یہ انداز کہ تصویرِ یداللہ
دیکھا شہِ مرداں کو جو اس ماہ کو دیکھا

فرزندِ یداللہ تو شبیر کا بازو
ساری وہی ہمت وہی خصلت وہی خو
کیا کیا صفتیں جمع تھیں اس ایک جواں میں
فرزندِ علی نے جسے آغوش میں پالا
ہے نور کے سانچے میں خدا نے اسے ڈھالا
خوبی ہے سراپا میں کوئی جا نہیں خالی

رعب ایسا کہ شیروں کا جگر خوف سے تھرائے
علم ایسا کہ تصویر حسن آنکھوں میں پھر جائے
نظارہ خورشید گوارا تھا نظر کو
اس طرح کا صفدر کوئی آفاق میں کم تھا
ہمراہ سدا لشکر اقبال و حشم تھا
شبیر کا سا سردار خوش اطوار نہ ہوگا
اللہ نے دو شیر کیے خلق میں پیدا
ہمت میں یہ بے مثل شجاعت میں وہ یکتا
ان کو تو نبوت کا نگہبان کیا تھا
کیا کیا شہ مرداں نے محمد کی مدد کی
برباد کیا کفر کو اور دیں میں کمک کی
کہہ دے کوئی اصحاب وفادار کدھر تھے
وہ فخر شجاعان جہاں فارس میداں
خیبر کش و خیبر شکن و ضیغم یزداں
پر جلتے تھے اُن سب کے جہاں جو پرے تھے
خندق کی وغا میں جو ہوئی فوج صف آرا
اک ضرب میں مولا نے کیا اس کو دو پارا
بس اب نہ رسول دو جہاں ہووے گا ایسا
عباس کو بھی ایسی ہی تھی الفت شبیر
عاشق کی طرح دیکھتے تھے صورت شبیر
نعلین بھی شہ کی انھیں افسر کے برابر
افسوس وفاداری عباس خوش اطوار
رکھتے ہیں علم شہ کے جب وہ اس طرح اطوار
مرنے پہ بھی عشق شہ خوش خو نہیں چھوڑا

زور ایسا کہ قوت اسد اللہ کی یاد آئے
حسن ایسا کہ یوسف بھی جسے دیکھ کے شرمائے
اس رخ پہ ٹھہرنے کا نہ یارا تھا نظر کو
حقا کہ وہ فخر عرب و روم و عجم تھا
زیبا تھا علم اس کو تو وہ زیب علم تھا
عباس سا دلاور سا علمدار نہ ہوگا
حیدر سا ولی حضرت عباس سا آقا
عاشق وہ محمد کے یہ شبیر کا شیدا
حکم ان کو امامت کی حفاظت کا دیا تھا
جو آئی بلا شیر الٰہی نے وہ رد کی
مشہور ہے عالم میں وغا بدر و احد کی
تلوار چلی جب تو علی سینہ سپر تھے
شمشیر خدا قوت دیں کاشف قرآں
تھا بدر علم میں بھی محمد کا نگہباں
ٹھہرے نہ قدم ان کے علی کو جو پڑے تھے
واں عمرو سے لڑنے کا نہ تھا ایک کو یارا
گردوں سے فرشتوں نے یہ خوش ہو کے پکارا
تیغ ایسی نہ ہوگی نہ جواں ہووے گا ایسا
اک آن گوارا بھی نہ تھی فرقت شبیر
یا طاعت معبود تھی یا خدمت شبیر
حضرت کو سمجھتے تھے پیمبر کے برابر
ہے بعد فنا بھی وہی عشق اور وہی پیار
اور بیچ میں ہوتی ہے ضریح شہ ابرار
اب تک شہ مظلوم کا پہلو نہیں چھوڑا

مرنے رہے شبیرؑ پہ جب تک کہ جئے ہیں
بے دست ہیں ہاتھوں سے مگر سایہ کئے ہیں
عاشور کے دن تعزیہ داری میں ہیں آگے
بھائی تھے مگر بندۂ شاہِ شہدا تھے
وہ گل تھے تو یہ بلبلِ بستانِ وفا تھے
بلبل کو بھی یہ عشقِ گلستاں نہیں ہوتا

عباسؑ سا دل سوز نہ ہوگا کوئی زنہار
دیکھا کبھی دنیا میں نہ یہ اُنس نہ یہ پیار
مطلوب جو اس طرح کا طالب ہو تو ایسا
بیٹی سے محبت جو بہت رکھتے تھے سرکار
آغوشِ مبارک میں لئے پھرتے تھے ان کو
فرماتے تھے گھر کی مری آبادی ہے یہ تو

گردن سے لپٹ کر جو وہ کہتی تھی چچا جاں
زانو پہ بٹھاتے جو اسے سرورِ ذی شاں
پھر وہ تھا کہ ثابت نہ ہو سلطانِ اُمم پر
زینب سے یہ فرماتے تھے اکثر شہِ ذی جاہ
ہے اس کی وفا سے دلِ شبیرؑ ہی آگاہ
پیاسا ہو گر اور کوئی پاس نہ ہووے

کیوں اب عزا تم نے سنا بھائیوں کا پیار
قاسم جو ہوا رن میں فدائے شہِ ابرار
سنتے ہی مگر فنا و الم ہو گئے شبیرؑ
زینبؑ سے کہا ہو بہن اب تن سے چلی جاں
صدقے ہو برادر نے رد کو کس عنواں
فرزند جدا ہو مرا بھائی نہ جدا ہو

بے جان تو ہیں بھائی پہ مگر جان دیئے ہیں
آغوش میں فرزندِ پیمبرؐ کو لئے ہیں
محشر میں تو ہیں پہلو میں سواری میں ہیں آگے
وہ ان پہ تصدق یہ شہِ دیں پہ فدا تھے
وہ قبلۂ ایماں تھے تو یہ قبلہ نما تھے
پروانہ بھی یوں شمع پہ قرباں نہیں ہوتا

اک جان دو قالب انھیں کہنا ہے سزاوار
قربان علمدار نثارِ شہِ ابرار
صاحب ہو تو ایسا جو مصاحب ہو تو ایسا
عاشق تھے سکینہؑ کے علمدار دلاور
بیٹوں سے زیادہ انھیں پیاری تھی وہ دختر
خادم ہوں میں اس کا مری شہزادی ہے یہ تو

یہ کہتے تھے ہم تو ترے آواز کے قرباں
منھ چومتے تھے پاؤں پہ رکھ دیتے تھے سر ان
مل لیتے تھے آنکھیں شہِ والا کے قدم پر
یہ بھائی ہے بیٹوں سے زیادہ مجھے واللہ
عباسؑ نہیں سا تو علیؑ ہیں مرے ہمراہ
میں قالبِ بے جاں ہوں جو عباسؑ نہ ہووے

اب سبطِ پیمبرؐ سے بچھڑتا ہے علمدار
عباسؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
ہاتھوں سے کمر تھام کے خم ہو گئے شبیرؑ
عباسؑ دلاور کے بچھڑنے کا ہو سامان
مرجھا گئے گل میں گر وہ سنجائے ہے سیداں
جیتا رہے عباسؑ حسینؑ اس پہ فدا ہو

اس بھائی سے پہلے مجھے اللہ اُٹھا لے
وہ میرے یتیموں کو مری طرح سے پالے

سجاد کو سمجھائے سکینہ کو سنبھالے
عباس جنازہ وہ مرا اس گھر سے نکالے

اس کو یہ خوشی ہے کہ برادر مجھے رو لے
میں اس کو نہ روؤں وہ رلا دے مجھے پہلے

میں نے تو ہے بیٹوں کی طرح سے اُسے پالا
زینت مرے گھر کی مرے لشکر کا اُجالا

میں اس کا ہوں عاشق وہ مرا چاہنے والا
کیونکر نہ ہو سینے میں کلیجہ تہ و بالا

پاؤں گا کہاں جا کے اگر کھوئے گا عباس
پیدا نہ علی ہوں گے نہ پھر ہوئے گا عباس

بھائی نہیں وہ روح ہے شبیر کے تن کی
جب جان نہ ہو جسم میں تو کیا قدر تن کی

جاتی ہے بہار آج محمد کے چمن کی
بھیا یہی دولت ہے مجھ آوارہ وطن کی

تصویر علی جب نہ مرے گھر میں رہے گی
پھر جان نہ فرزند پیمبر میں رہے گی

بابا کی نشانی ہے وہ اے زینب دلگیر
عباس کے ہونے سے قوی ہے دل شبیر

ہاتھوں سے گنوا دوں میں ید اللہ کی تصویر
رکھ دیتا ہے بازو کوئی اپنا تہ شمشیر

دانستہ بھلا اپنا برا کرتا ہے کوئی
اس طرح کے عاشق کو جدا کرتا ہے کوئی

رن سے مرے لاشے کو اٹھا لائے گا پھر کون
ہمراہ جنازے کے مرے جائے گا پھر کون

بچے مرے ڈر جائیں گے تو سمجھائے گا پھر کون
وطنے پہ تبا کے تمہیں پہونچائے گا پھر کون

اعدا کو مری روح کا بھی پاس نہ ہوگا
بربادی ہے اس گھر کی جو عباس نہ ہوگا

فرما کے جو یہ بیٹھ گئے خاک پہ سرور
بیتابی شبیر پہ زینب ہوئی مضطر

فضہ سے یہ کہنے لگی اشک آنکھوں میں بھر کر
باہر ہیں کہ خیمے میں ہیں عباس دلاور

یاں بادشہ عرش نشیں خاک نشیں ہے
کیا بھائی کے رونے کی خبر ان کو نہیں ہے

بولی یہ سکینہ کہ سنو مجھ سے پھوپھی جاں
میں تھی وہیں کرتے ہیں چچا کوچ کا ساماں

ہاتھوں سے چچی جان نہیں چھوڑتی داماں
وہ کہتے ہیں ہونے دو مجھے شاہ پہ قرباں

اس فدیۂ سلطان دو عالم کو نہ روکو
ہم جوڑتے ہیں ہاتھوں کو اب ہم کو نہ روکو

کہتی ہیں چچی قدموں پہ سر رکھ کے چچا کے
صاحب ہیں تمہیں واسطے دیتی ہوں خدا کے

فرزند بلکتے ہیں مرے اشک بہا کے
تم پیار بھی کرتے نہیں چھاتی سے لگا کے

ڈرنے لگا ہے غم ان کے یہ رخصت کی خوشی ہے
اللہ تمہیں ایسی شہادت کی خوشی ہے

ہے ہے تمہیں کچھ میری جدائی کا نہیں غم
فرماتے ہیں وہ، دھیان کسی کا نہیں اس دم
رونا نہ وصیت یہ کئے جاتا ہوں تم کو
یہ سن کے جو ہیں رونے لگی اشک بہا کر
اب پانی پلاتے ہیں تمہیں نہر سے لا کر
پر حال بیاں کا مرے آقا سے نہ کہنا

زینبؑ کو سکینہؑ نے خبر جب یہ سنائی
بیٹی سے کہا مشک جو تم سے ہے منگائی
بے وجہ تو بگڑے کو جا پانی نہیں مانگا
اس پڑنے میں بی بی انھیں منظور ہے مرنا
اُلفت ہے تو پانی کا سوال اُن سے نہ کرنا
پانی کے لئے ہاتھ سے کھو دو گی چچا کو

گھبرا کے یہ کہنے لگی حضرت سے وہ ناداں
سب روتے ہیں یاں تو ہے کچھ اور ہی ساماں
بے رو کے ہوئے اُن کو اب آرام نہ لوں گی
ہر چند کہ دم ہونٹوں پہ ہے پیاس کے مارے
پانی مجھے پیارا نہیں عباسؑ ہیں پیارے
عاشق ہیں مرے مجھ کو رلا سکتے ہیں عباسؑ

بس اتنے میں عباسؑ دلاور نظر آئے
کچھ سوچ کے زینبؑ نے قدم جلد بڑھائے
جو کہنے کو آئے ہو وہ ہمشیر سے کہنا
بھائی ہے مرے دل و بیکس و بے آس
سب طرح کے اندیشے ہیں سو طرح کے وسواس
[illegible] دریا و پہ بیٹھا و نجف ہے

منظور ہے یہ قید میں سر ننگے پھریں ہم
تجھ پہ بھی فدا ہم بھی نثار شہ عالم
بانو کی کنیزی میں دیے جاتا ہوں تم کو
فرمایا چچا نے مجھے چھاتی سے لگا کر
تم مشک کوئی چھوٹی سی لے آؤ تو جا کر
روتی ہیں پھوپھی یہ شہ والا سے نہ کہنا

شہ بولے بہن اب نہ رکے گا مرا بھائی
واللہ سکینہؑ یہ ہے پیغام جدائی
تم نے تو چچا سے کہیں پانی نہیں مانگا
منت سے انھیں روکیو سر پاؤں پہ دھرنا
دشوار ہے نیزوں میں بھرے مشک کا بھرنا
دریا پہ جو بھیجو گی تو رو دو گی چچا کو

سچ کہتے ہو بابا مجھے اس کا نہیں دھیان
اب مجھ پہ کھلا مرنے کو جاتے ہیں چچا جان
مر جاؤں گی پانی کا مگر نام نہ لوں گی
اب جانے نہ دوں گی انھیں دریا کے کنارے
کیا ہاتھوں سے کھو دوں گی میں بازو کو تمہارے
تم رو دو نہ بابا کہیں جا سکتے ہیں عباسؑ

جا کر آئے بیٹھے ہوئے ہتھیار لگائے
فرمایا کہ صدقے تھے بہن اُن کے نہ جائے
مر جائیں گے رخصت کو نہ ہمشیر سے کہنا
تم اُن کو رلاؤ تمہیں لازم نہیں عباسؑ
جب تم نہ ہوئے پاس تو جینے سے ہوئی آس
منصف ہو تمہیں بھائی مرا حق کی طرف ہے

قوت نہیں ان کی نہیں شوکت نہیں اقبال — بچھڑو گے تو جینے کا نہیں فاطمہؑ کا لال
لو آن کے دیکھو تو برادر کا ذرا حال — کس درد سے رہتے ہیں دھرے آنکھوں پہ رومال
کہتے ہیں کہ ساتھ اس کے ہمارا ابھی یہ سر ہے — بھیا مجھے عباسؑ کے مر جانے کا ڈر ہے
عباسؑ بھی جب رونے لگے زینبؑ یہ سن کر — اور دست ادب باندھ کے قدموں پہ جھکا سر
کی عرض کہ اے وارث ذریت حیدر — حضرت کو سمجھتا ہوں میں زہراؑ کے برابر
اس رنج و مصیبت سے رہائی مری کیجے — اے بنت علیؑ عقدہ کشائی مری کیجے
دنیا میں علیؑ ہوتے تو غم کاہے کو سہتا — یوں اشکوں کا دریا مری آنکھوں سے بہتا
ماں ہوتیں تو کچھ ان سے سفارش کو میں کہتا — رخصت کا فقط کام تھا یوں بند نہ رہتا
کیا غم ہے کہ سر پر مرے ماں باپ نہیں ہیں — پالا تھا مجھے کیا مری ماں آپ نہیں ہیں
اب جینے سے بیزار ہے دنیا میں مرا دل — گر آپ مدد کیجے تو آساں ہو یہ مشکل
ساتھی تو ہوئے سب چمن خلد میں داخل — دن ڈھلتا ہے [illegible]
آداب تو مانع ہے یہ دل رہ نہیں سکتا — میں فاطمہؑ کے لال سے کچھ کہہ نہیں سکتا
بھائی نہ کہو میں ہوں غلام آپ کا ہمشیر — وہ کیجیے کہ رخصت پہ رضامند ہوں شبیرؑ
مر جانے میں ہے آج مری عزت و توقیر — شبیرؑ کے جب سے مری چھاتی پہ لگیں تیر
کوشش کرو اپنے جد امجد کا تصدق — دلوا دو رضا عونؑ و محمدؑ کا تصدق
عباسؑ کا منہ دیکھ کے زینبؑ نے کہا لو — بھائی تھی میں ان کو یہ سمجھاتے ہیں مجھ کو
شبیرؑ تو رونے پہ یہ کہتے ہیں رضا دو — کس کی کہوں کس کی نہ کہوں کیا کروں لوگو
ہے ہے نظر آتی ہے تباہی مجھے گھر کی — اماں کی وہ دولت یہ کمائی ہے پدر کی
بتلاؤ میں اس لوٹے ہوئے گھر کو سنبھالوں — یا ہاتھوں سے اپنے دل مضطر کو سنبھالوں
بہلاؤں سکینہ کو کہ اصغر کو سنبھالوں — عباسؑ کو روکوں کہ برادر کو سنبھالوں
جاں ان میں لگی ہے مرا دل ان کی طرف ہے — یہ لعل ہے زہراؑ کا تو یہ دُرِّ نجف ہے
کیونکر کہوں بھائی سے کہ بھائی کو جتا دو — عباسؑ علمدار کو ہاتھوں سے گنوا دو
مرنے پہ یہ مرتے ہیں انہیں اذن وغا دو — غم ہوگا تو خوش ہوں گے تمہیں مجھ کو بتا دو
بھائی کو یہ سنتے ہی غش آجانے لگا بھائی — ہم سے تو نہ رخصت کو کہا جائے گا بھائی

لے چلنے کو سے چلتے ہو آؤ مرے ہمراہ
زانو پہ جھکائے ہوئے سر رو دیے تھے شاہ
شہ نے کہا کیا کہتے ہو فرماؤ برادر
ان ہاتھوں کو جوڑے ہوئے آنے کے میں صدقے
کیوں روتے ہو اس اشک بہانے کے میں صدقے
بھائی یہ تری گلبدنی بھاتی ہے مجھ کو
نخل کے کف پا سے لگا کہنے علمدار
سائل کوئی پھر جائے یہ ایسی نہیں سرکار
جب تک کہ رضا ان کی نہیں پاؤں گا آقا
شہ بولے مرے سر کی قسم سر تو اٹھاؤ
اچھا مرے غم کھانے کا کچھ دھیان تو لاؤ
قرباں تمہیں ہونے کو بنایا ہے خدا نے
روتے ہوئے قدموں سے اٹھے حضرت عباس
فرمایا سکینہؑ ہے کہ اب کچھ نہیں وسواس
اب نہر بھی نزدیک ہے کوثر بھی قریب ہے
منہ تکنے لگی شاہ کا یہ کہہ کے وہ خوش بخت
لشکر کا علمدار تو ہم کر چکے ان کو
جب سے دوبالا ہوا رتبہ ترے عشق کا
مشکیزے کو لے آئی سکینہؑ جگر افگار
خیمے میں پئے نخل کر چلا شاہ کا غمخوار
ہاتھوں سے اسے تھام کے دل سب نے سنبھالا
خیمے سے برآمد ہوا ابن شہ مرداں
اک نور خدا پھیل گیا تا سر میداں
موسیٰ نے بھی دیکھا تھا نہ اس نور کا جلوا

جوڑے ہوئے ہاتھوں کو چلا ابن ید اللہ
قدموں پہ گرا سبط پیمبرؐ کے وہ ذیجاہ
اٹھو مری چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر
سر شرم سے قدموں پہ جھکانے کے میں صدقے
بازو کے تصدق ترے شانے کے میں صدقے
بو حیدر کرار کی آ جاتی ہے مجھ کو
ہیں آپ سخی ابن سخی بادشہ ابرار
خادم بھی ہے مر جانے کی رخصت کا طلبگار
اس سر کو نہ ان قدموں سے سرکاؤں گا آقا
کیوں روتے ہو کب میں نے کہا یہ کہ نہ جاؤ
فاقے کیے ہیں تین دن اب برچھیاں کھاؤ
شبیر کو رونے کو بنایا ہے خدا نے
اور گرد پھرے سبط پیمبرؐ کے بصد یاس
کیوں مشک اٹھا لی ہے نئے آ کے مرے پاس
بولی یہ سکینہؑ کہ مجھے پیاس نہیں ہے
حضرت نے کہا جاؤ انھیں مشک بھی لا دو
اب مرتبہ تم پیاسوں کی سقائی کا بخشو
اب حشر تلک ساتھ رہا مشک و علم کا
غازی نے اسے لے کے بھتیجی کو کیا پیار
غش کھا کے گری زوجۂ عباسؑ علمدار
شہ اٹھ کے جو گرنے لگے زینبؑ نے سنبھالا
گھوڑے پہ چڑھا ہاتھ سے گرد آ کے لباں
ذرات زمیں ہو گئے خورشید درخشاں
ہر نخل میں تھا یاں شجر طور کا جلوا

کاندھے پہ علم رکھ کے جو گھوڑے کو اڑایا
یہ نور کسی حور کے چہرے نے نہ پایا
پڑھنے کو درود آئی تھیں روحیں شہدا کی
گھوڑے کی وہ چھل بل وہ چمکتے ہوئے جھنڈا
اللہ رے شکوہ علم و شان علمدار
سائے میں علم کے وہ سلیمان زمن تھا
پنجہ تھا کہ تھا دست خدا سر پہ جری کے
ہو جاتی تھی جنبش جو پھریرے کو ذری کے
کرسی سے جو بالا ہو یہ پایا ہے اس کا
میدان میں آیا پسر ضیغم یزداں
نعرہ جو غضنفر نے کیا یا شہ مرداں
غل پڑ گیا لو شیر خدا نعرہ زن آئے
یوں لاکھوں پہ آئے یہ شجاعت ہے کسی میں
شق ہو جگر شیر یہ ہیبت ہے کسی میں
گر ہوں اسد اللہ تو کچھ دور نہیں ہے
ادعا کے سخن سن کے علمدار پکارا
تم جس کے ثنا خواں ہو وہ بابا ہے ہمارا
لاکھوں کو بھگا دیتا ہوں یہ کام ہے میرا
مشہور جو حیدر کی ہے تصویر وہ میں ہوں
آقا نے جسے بخشی ہے توقیر وہ میں ہوں
کس لب پہ مری شان میں احسنت نہیں ہے
محراب در کعبۂ ایماں ہے مری تیغ
جل جاؤ گے برق شرر افشاں ہے مری تیغ
اک دو کے لہو سے نہیں بھرتا شکم اس کا

کیا تیز پری تھی کہ ہوا ہو گیا سایا
تھا تخت سلیماں کہ ہوا پر نظر آیا
غازی کی سواری تھی کہ قدرت تھی خدا کی
شعلہ وہ چھلاوا روش پہ وہ ہاتھ میں تلوار
حمزہ کوئی کہتا تھا کوئی جعفر طیار
یا فرق ہمایوں پہ ہما سایہ فگن تھا
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے بال پری کے
جھونکے چلے آتے تھے نسیم سحری کے
طوبیٰ جسے کہتے ہیں وہ سایا ہے اسی کا
روباہوں کا لشکر ہوا دہشت سے پریشاں
تھرا گئے دل گونج گیا قتل کا میداں
گھوڑوں کو بھگا لو شہ خیبر شکن آئے
پروا نہیں مرنے کی یہ ہمت ہے کسی میں
نعرے سے ہلیں کوہ یہ طاقت ہے کسی میں
یہ غیر علیؑ اور کا مقدور نہیں ہے
حیدر نہیں یہ حیدر صفدر کا ہے پیارا
ہم آئے ہیں اب نہر سے کر جاؤ کنارا
عباسؑ غلام شہ دیں نام ہے میرا
ہے جس کا پدر صاحب شمشیر وہ میں ہوں
بازو جسے فرماتے ہیں شبیر وہ میں ہوں
آفاق میں مجھ سا کوئی ساونت نہیں ہے
کافر کے لیے آتش سوزاں ہے مری تیغ
میں بحر شجاعت ہوں تو طوفاں ہے مری تیغ
کھنچ آئے گا لشکر دم اژدر ہے دم اس کا

دیتے ہیں فلک ابنِ یداللہ سے کم ہے
دشمن ہو اگر شیر تو روباہ سے کم ہے
زور آور سرکش کا بھی اب سر نہیں اُٹھتا
بچتا نہیں نیزے سے مرے سینۂ دشمن
کرتا ہے مرا نیزہ دلِ کوہ میں روزن
آگے مرے ہیں زیر زبردست جہاں کے

تلوار جو کھینچوں تو زمیں لاشوں سے بھر جائے
دشمن جو چڑھے منہ پہ تو سر تن سے اُتر جائے
کس کا ہے یہ منہ بڑھ کے جو ٹوکے مجھے کوئی
یہ سنتے ہی ہتھیار لعینوں نے سنبھالے
چمکاتے ہوئے تو اندر بڑھے برچھیوں والے
گردوں پہ پہونچی تھی صدا طبلِ وغا کی

چلّاتے کہ نرغے میں ہے یارب مرا بھائی
یہ ایک طرف ایک طرف ساری خدائی
بے جان دیے پھر کے نہ یاں آئے گا عباس
یاں فوج پہ تلوار علمدار نے کھینچی
تصویر اجل آنکھوں میں تلوار نے کھینچی
سر کو ابھی پہونچی تھی نہ بیداد گروں کے

تھا شور کہ ہے چار طرف شعلۂ آتش
گھوڑوں کا یہ عالم ہے کہ ہیں نعل در آتش
اس آگ نے سرتا بہ قدم گھیر لیا ہے
نیزے کے لگانے میں جو اُستادِ جہاں تھے
جن پاس علم تھے کہیں اُن کے نہ نشاں تھے
تیروں کی نہ چلّوں کی نہ ترکش کی خبر تھی

اقبالِ سلیماں بھی مرے شاہ سے کم ہے
آگے مرے اک کوہِ گراں کاہ سے کم ہے
گردوں سے مری تیغ کا لنگر نہیں اُٹھتا
چھٹتی نہیں پنجے سے مرے شیر کی گردن
جالا نیزۂ فولاد کا بن جاتا ہے جوشن
رستم کو پکڑ لیتا ہوں چلّے میں کماں کے

آبِ دمِ شمشیر سروں پر سے گزر جائے
غصّے سے اگر شیر کو دیکھوں تو وہ مر جائے
وہ نہر میں جاتا ہوں میں روکے مجھے کوئی
تلواریں علم ہو گئیں سیدھے ہوئے بھالے
گرد آ گئے تنہا کے سواروں کے رسالے
فریاد گئی عرش پہ شاہِ شہدا کی

اک جان کو درپیش ہے لاکھوں سے لڑائی
ہے شام کے لشکر کی گھٹا چاند پہ چھائی
مر جائے گا شبیر جو مر جائے گا عباس
واں آہ حرم میں شہِ ابرار نے کھینچی
گھوڑے کی عناں دوڑ کے سردار نے کھینچی
ہاتھوں سے گرے چھوٹ کے گرزے پسروں کے

ہے پا بھی ادھر بھی بالائے سر آتش
کس راہ سے بھاگیں ادھر آتش اُدھر آتش
معلوم ہوا زیست نے دل پھیر لیا ہے
ایسے گئے ثابت نہ ہوا یہ کہ کہاں تھے
چھپے ہوئے گوشوں میں کماندار نہاں تھے
گر تھی تو اسی شعلۂ سرکش کی خبر تھی

میداں میں پڑے ہوتے تھے سر تہ و بالا
جوں ماہی بے آب تھے پیکر تہ و بالا
اسوار تھے گھوڑوں کے برابر تہ و بالا
اک تیغ سے تھا شام کا لشکر تہ و بالا
موذیوں کے ہتھیار بھی ناکارہ ہوئے تھے
خنجر آہن تھے اور آئینہ بھی سب پارہ ہوئے تھے

رہوار سبک سیر و نسیم سحری تھا
ہم پیکر طاؤس دم جلوہ گری تھا
تن تن کے اٹھانے میں قدم کبک دری تھا
کاوے میں جو پرکار تو اڑنے میں پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایا بھی نہ اس کا نظر آتا تھا کسی کو

تھا کاوہ کناں جوشوں سے حلقۂ گردن
سم بدر سے اور نعل مہ نو سے تھی روشن
آہو سے بڑی آنکھ نگہ شیر کی چتون
ٹاپ اس کی طمانچہ تھا اجل کا پئے دشمن
مست مے نخوت جو وہ مغرور ہوئے تھے
شیشوں کی طرح کاسۂ سر چور ہوئے تھے

تلوار سے جب شام کے بادل کو ہٹایا
عباسؑ علمدار کو دریا نظر آیا
منہ کرکے سوئے چرخ کہا شکر خدایا
یاں تک تو ترا فضل سلامت مجھے لایا
غم ہے کہ نہ داں پیاس سے بچے کہیں مر جائیں
اب پانی جو مل جائے تو سب کام سنور جائیں

یہ کہہ کے گئے نہر میں عباسؑ خوش اطوار
آقا کو بھی پانی کو بھی تکنے لگا رہوار
جب بھر چکے مشکیزہ تو دل دو یہ کی گفتار
گرمیں ہوں وفادار تو تو بھی ہے وفادار
شرمندگی ہووے گی بڑی پیاس بجھا کے
بچے ابھی پیاسے ہیں امام دوسرا کے

دریا سے چلا بحر شجاعت کا شناور
گویا افق چرخ سے نکلا مہ غرا وہ
غل مچ گیا لو پیاسوں کی قسمت ہوئی یاور
اس مشک کو لے جانے نہ پائے یہ دلاور
رستے کو ترائی میں پلنگ آتا ہے روکو
دریائے شجاعت کا نہنگ آتا ہے روکو

دریا میں صفیں برچھیوں والوں کی آ گئیں
نیزوں کی بھی نوکیں کئی بالائے سر آئیں
تیغوں کی جو موجیں سر ساحل نظر آئیں
پیاسوں کے لئے آنکھیں حبابوں کی بھر آئیں
غل مچھلیوں میں تھا کہ یہ آجائے جو ہم میں
یونس کی طرح اس کو چھپا رکھیں شکم میں

غازی نے کیا پاؤں سے تازی کو اشارا
دریا سے بحر اشکل غزال اس نے ابھارا
پانی میں جو اترے تھے انھیں نیزہ سے مارا
جو گھاٹ پہ تھے تیغ کی گھاٹ ان کو اتارا
بجلی سی گری لشکر سفاک کے اوپر
لاشے تو گرے نہر میں سر خاک کے اوپر

پھر نہر سے گھوڑے کو اُڑاتے ہوئے نکلے
مشکیزے کو تیروں سے بچاتے ہوئے نکلے
نرغے میں جب دریا سے پس و پیش نظر تھی
گھیرے ہوئے تھے تیس ہزار آہ کہ اعدا
تیروں کو جو کاٹا تو چلے برچھیوں کے وار
سینے کی نہ گردن کی نہ شانے کی خبر تھی

اُٹھ سکتے ہیں حربے ہوں اگر ایک کے دو کے
کس کس سے لڑے کس کو ہٹانے کے لیے
غش آتا تھا جب ضعف سے تھراتے تھے عباسؑ
افسوس نہ بر آئی تمنائے علمدار
اس ہاتھ سے اُس ہاتھ میں لی تیغ شرربار
پنجہ مرا تلوار پکڑنے کو بہت ہے

اک ہاتھ گر اکٹ گئے تو پروا مجھے کیا ہے
آقا مرا فرزند رسولؐ دوسرا ہے
روح اسد اللہ کو میں شاد کروں گا
فرماکے یہ جھپٹا اسد اللہ کا پیارا
جتنوں کو اسی ہاتھ سے اُس شیر نے مارا
سقائے سکینہؑ پہ ستم ہو گیا ہے ہے

چلائے کہ تشریف ادھر لائیے آقا
الطاف و کرم بندے پہ فرمائیے آقا
باتیں کئی کہنی ہیں یہ فدوی انھیں کہہ جائے
بھائی کی صدا سن کے تڑپنے لگے شبیرؑ
دوڑی گئی ڈیوڑھی کی طرف زینبِؑ دلگیر
سب تھا فقط راندوں کا گھٹے سر نکل آیا

کس شان سے نیزے کو ہلاتے ہوئے نکلے
تلوار سے اعدا کو ہٹاتے ہوئے نکلے
سر پر اجل آ پہونچی ہے اس کی نہ خبر تھی
سینہ پہ تھا جس طرح یہ تھی تیروں کی بوچھاڑ
جاتے تھے جدھر پڑتی تھی تلوار پہ تلوار
ہوش اپنا نہ تھا مشک بچانے کی خبر تھی

اک تشنہ دہن لاکھوں کو کس طرح سے روکے
ہاتھوں میں نہ طاقت تھی علم کھاتا تھا جھونکے
یا شیرِ خدا کہہ کے سنبھل جاتے تھے عباسؑ
مشکیزے پہ اک تیر لگا شانے پہ تلوار
اعدا کو پکارے کہ نہ سمجھو مجھے بے کار
ہمت ہو تو یہ ہاتھ بھی لڑنے کو بہت ہے

وہ شیر ہوں میں جس کا پدر دستِ خدا ہے
یہ ہاتھ ہے کیا جان تک اُن پہ فدا ہے
آقا کی اسی ہاتھ سے امداد کروں گا
روباہوں کا لشکر تہ و بالا ہوا سارا
زخمی پہ مگر ٹوٹ پڑے سب ستم آرا
وہ ہاتھ بھی شانے سے قلم ہو گیا ہے ہے

مشتاق کو دیدار دکھا جائیے آقا
اب گھوڑے سے گرتا ہے غلام آئیے آقا
مرتے ہوئے حسرت نہ ملاقات کی رہ جائے
چلائے کہا ہائے کلیجے پہ لگا تیر
غل پڑ گیا ہے ہے اسد اللہ کی تصویر
عباسؑ کا فرزند بھی ہاتھ سے نکل آیا

زینبؑ نے کہا ساتھ لیے جاؤ مجھے بھی
تصویر علمدار کی دکھلاؤ مجھے بھی
چلائی سکینہؑ وہیں پہونچاؤ مجھے بھی
دریا کی کدھر راہ ہے بتلاؤ مجھے بھی
بیتاب ہوں چھاتی سے لپٹ جاؤں گی جا کر
میں اپنے چچا جان کو لے آؤں گی جا کر

عباسؑ کی زوجہ نے کہا کوٹ کے سینا
مجھ کو بھی لیے چل ترے قربان سکینا
شوہر کے الم میں مجھے دشوار ہے جینا
میں رانڈ ہوئی موت نے وارث مرا چھینا
واں نہ رہا جی سے گزر جاؤں گی میں بھی
عباسؑ جہاں ہیں وہیں مر جاؤں گی میں بھی

تھا حضرتِ عباسؑ کے بیٹے کا عجب حال
غم سے کبھی منھ زرد تھا غصے سے کبھی لال
بل کھائے ہوئے دوش پہ بکھرے تھے گیسوؤں کے بال
ماں تھامے تھی اور کہتا تھا وہ صاحبِ اقبال
اس شیر کے کوثر کے کنارے گئے ! !
رو کو نہ چچا روتے ہیں مارے گئے ! !

گر مار بھی ڈالے ہیں کوئی تو نہیں غم
کیا جان کا ڈر ہے یتیم اب ہوئے ہم
فرزند ہیں کیونکر نہ کریں باپ کا ماتم
چھٹ جائیں مصیبت سے نکل جائے اگر دم
سینے میں عجب حال ہے تھمے سے جگر کا
کیا آخری دیدار بھی دیکھیں نہ پدر کا

واں لاش پہ شہ خاک اڑاتے ہوئے پہونچے
کفار کے لشکر کو ہٹاتے ہوئے پہونچے
آنسو رخِ انور پہ بہاتے ہوئے پہونچے
پہونچے تو گرے ٹھوکریں کھاتے ہوئے پہونچے
چلائے کہ جاتی ہے مری جان برادر
چھاتی سے لپٹ جا ترے قربان برادر

بھائی کی صدا سن کے اسے ہوش جو آیا
اٹھ کر قدمِ شاہ پہ سر اپنا جھکایا
نعلین پہ منہ رکھ کے یہ آقا کو سنایا
گویا تھا مرے کشتے حضرت کو تو پایا
سر ہوئے گا آغوش میں شہ کو نہ نکالیں
اس طرح کا مرنا کسے ملتا ہے جہاں میں

یہ کہتے ہی عباسؑ علمدار سدھارے
چلائے شہِ دیں مرے غمخوار سدھارے
بیکس کے مسافر کے مددگار سدھارے
دنیا سے مرے جعفرِ طیار سدھارے
چھوڑا ہمیں کیا جلد سفر کر گئے بھائی
تم چھوٹ گئے رنج سے ہم مر گئے بھائی

خاموش انیسؔ اب کہ بہت رنج کا ہے جوش
ہوگی نہ محبوں کو تری یاد فراموش
اللہ نے بخشی ہے جنہیں چشم خطاپوش
کب دیکھتے ہیں نقص کو وہ عاقل ذی ہوش
تعریف کریں خاص تو ہے کام کی تعریف
کب مانتے ہیں اہلِ سخن عام کی تعریف

۱۰

مرثیہ

بند ۱۴۷

جاتا ہے شیر بیشۂ حیدر فرات پر
صدمہ عجب ہے بادشہِ کائنات پر
بجھتا ہے وہ جو قبرِ علی کا چراغ ہے
صابر کا ہے یہ حال کہ مشکل ہو ضبطِ آہ
کیا مرحلہ ہے سخت یہ کیونکر کٹے گی راہ
آخر بشر ہوں میں جو نہ روؤں تو کیا کروں

دوری کا غم ہے کیوں نہ بہیں اشک متصل
اعضا کو توڑے دیتا ہے یہ دردِ جاں گسل
رخصت کا حرف لب پہ کبھی لایا نہ جائے گا
یہ نوجواں بشجاعتِ حیدرؑ ہے یا کریم
پیارا پسر سے بھی یہ برادر ہے یا کریم
بازو یہی ہے ہاتھ مرے اس کے ہاتھ ہیں

زینبؑ کے لال مر گئے لشکر بچھڑ گیا
وہ کیا شہید ہو گئے سب گھر بچھڑ گیا
اس سوگ میں جو ذبح ہوں بیٹے تو عید ہو
حضرت ادھر تڑپتے ہیں تھامے ہوئے کمر
لائی ہے سوکھی مشک سکینہ بچشمِ تر
پہلے تھا ذکر آپ تسلی کے واسطے

طاری ہے خوفِ مرگ ہر اک کی حیات پر
آنکھوں سے اشک بہتے ہیں بات بات پر
جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا داغ ہے
فرماتے ہیں کہ تھام لے بندے کو یا اللہ
بھائی مرا یہی ہے یہی لشکر یہی سپاہ
تیغِ علی کو ہاتھ سے کھوؤں تو کیا کروں

پالا ہے بر میں آہ مجھے کس طرح سے دل
لے موت آ کہ روحِ علیؑ سے نہ ہوں خجل
مجھ سے تو یہ پہاڑ اٹھایا نہ جائے گا
حمزہ یہی مرا یہی جعفر ہے یا کریم
یوں سب ہیں پر اسی سے مرا گھر ہے یا کریم
میں جانتا ہوں شیرِ خدا میرے ساتھ ہیں

سر او کیا کہ قاسمؑ ہے پر بچھڑ گیا
عمر ہی نہیں اگر یہ برادر بچھڑ گیا
سبطِ نبیؐ کے بعد یہ بھائی شہید ہو
عباسؑ بی بیوں سے ہیں رخصت طلب ادھر
فرماتے ہیں بھتیجی کا منھ چوم چوم کر
اب جا کے پانی لاتے ہیں بی بی کے واسطے

کہتی ہے خشک ہونٹ دکھا کر وہ لالہ فام
اصغر کو لے کے ہاتھوں پہ بانو نے لیکے نام
دکھلاؤ اس کا حال شہِ نامدار کو
کرتے ہیں عرض حضرت عباسؑ نامدار
پر کیا کروں رضا جو نہ دیں شاہِ ذی وقار
رخصت میں سعی کیجے کہ ہو نام آپ کا
کچھ سوچ کر یہ کہنے لگی وہ شکستہ دل
جیتا ہے تم کو دیکھ کے خیر النسا کا لال
بانو نے مرتضےٰ کی کمائی کو کھو دیا
زینبؑ یہ بولیں آپ کا وسواس ہے بجا
پانی بھی مل رہے گا صغیروں کا ہو حظ
موقع نہ سعی کا ہے نہ مشکل کشائی کا
کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش صفات
مشکیزہ لے کے گر یہ نہ جائیں لبِ فرات
ہر وقت کبریا سے طلبگار خیر ہوں
جس جا حسینؑ بیٹھے تھے عریاں سر گئے
کی عرض تا کجا کوئی خونِ جگر پئے
ہچکی لگی ہے اصغرِ ناشاد کام کو
فرمایا میری مرگ گوارا کرو تو جاؤ
اچھا سکینہ جس میں خوشی ہو وہیں لاؤ
ثابت ہوا کہ ہاتھ سے عمو کو کھوؤ گی تم
انجام کی خبر نہیں کچھ تم کو ہائے ہائے
سیراب دعا کرو کہ یہ اعدا پہ فتح پائے
جب مشک بھر کے دوش پہ یہ نیک خو گئے

اب عمو جان مجھ میں نہیں طاقتِ کلام
فرماتی ہیں کہ مرتا ہے بے بے یہ تشنہ کام
ہچکی لگی ہوئی ہے مرے شیرخوار کو
بچوں پہ جان دینے کو حاضر ہے جاں نثار
چلیے پسر کو لے کے وہاں بہرِ کردگار
وہ کام ہے غلام کا یہ کام آپ کا
کیا کہتے ہو نہ بھائی یہ میری نہیں مجال
بگڑی بنی جو کچھ تو کہیں شاہِ خوش خصال
بچوں کے واسطے مرے بھائی کو کھو دیا
کیونکر ولا دے بھائی سے ان کو کوئی جدا
تنہا نہ ہوں جہاں میں شہنشاہِ کربلا
یہ چل بسے تو کون ہے پھر میرے بھائی کا
بی بی بھلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات
پھر ننھے ننھے بچوں کی کس طرح ہو حیات
آگے جو کچھ سبھوں کی رضا ہو تو خیر ہو
واں خود گئے بھتیجی کو آغوش میں لئے
پانی کہیں سے آئے تو یہ جاں بلب جئے
مولا بس اب نہ روکیے اپنے غلام کو
مشکیزہ بھر کے جاؤ نہ چھاتی پہ تیر کھاؤ
یہ کیا سکھا کے لائی ہو بی بی ادھر تو آؤ
پانی کو اب تو روتی ہو پھر ان کو روؤ گی
یہ اودے اودے ہونٹ انھیں تم نے کیوں دکھائے
دولت ولیِ حق کی مرے ہاتھ سے جائے
دریا کا عزم کر کے خدا آبرو رکھے

گردن جھکا کے شرم سے بولی وہ مہ جبیں
اصغر کو لائیں گود میں جب بانوئے حزیں
مجرم ہوں لب پہ حرف شکایت بھی آئے ہوں
یہ سن کے گود میں دیا اس تشنہ کام کو
باقی رہی نہ ضبط کی طاقت امام کو
حالت جو غیر ہو گئی زہرا کے جائے کی
بوسہ قدم پہ دے کے وہ شیر ژیاں چلا
چلائے اہل بیت کہ راحت رساں چلا
سادات کس بلا میں گرفتار ہو گئے
اللہ رے رعب آمد عباس عرش قدر
غل ہے قریب تر ہے سپہر وفا کا بدر
آتا ہے ابن ضیغم یزداں لڑائی کو
فکریں ہیں ایک ایک کو ہے زندگی ہے یا
وہ دور دور سب ہیں صفیں تھیں جو پاس تھیں
غل چار سو ہے یہ کہ قدم سر کے جاتے ہیں
وہ عازم وغا ہے جو شیروں کا شیر ہے
زور آوری سے اس کی تہمتن بھی زیر ہے
لرزہ ہے ان کے تن میں جو مرد نبرد ہیں
رن سے قدم اٹھائے ہوئے ہیں سران فوج
دہشت سے منہ چھپائے ہیں تیغیں میان فوج
رایت تمام خوف سے تھرائے جاتے ہیں
نکلا حرم سرا سے جو وہ آسماں حشم
شوکت وہ اس جناب کی وہ رفعت علم
ذروں سے شرمگیں تھے گہر لعل سنگ سے

پوچھیں حضور ہم نے کچھ ان سے کہا نہیں
ہاں خشک دل قصور یہ ہے یا امام دیں
کھینچے قسم زباں کے جو کانٹے دکھائے ہوں
عباس خم ہوئے شہ دیں کے سلام کو
لپٹا لیا برادر عالی مقام کو
قبر علی سے آ گئی صدا ہائے ہائے کی
غل پڑ گیا کہ یاور شاہ ہدیٰ چلا
لو فاطمہ کے گھر سے علی کا نشاں چلا
بے بس حسین بیکس و بے یار ہو گئے
سینوں میں دل چھپے ہوئے تھے جوشنوں تلے
زہرے ہیں آب گھاٹ سے بھاگے ہیں جلد
شیروں نے ڈر کے چھوڑ دیا ہے ترائی کو
ڈر سے کسی کے ہوش ٹھکانے ہیں نہ حواس
آمد میں شیر کی بھی یہ ہوتا نہیں ہراس
گھوڑے بھگا کے حضرت عباس آتے ہیں
روتا ہے دل کہ بھائی سے بھائی جدا ہے
جرار ہے شجاع جواں ہے دلیر ہے
شیروں کے ہاتھ پاؤں ترائی میں سرد ہیں
مانند بید کانپ رہے ہیں جوان فوج
دامن لپیٹتے ہیں کمر سے نشان فوج
لشکر کے بھاگنے کے نشاں پائے جاتے ہیں
نصرت نے گرد پھر کے لئے بوسۂ قدم
پنجے کی زد سے برق چمکتی تھی دم بدم
صحرا زمردی تھا پھریرے کے رنگ سے

وہ ضو علم کی وہ رُخ عباسؑ نامور
پنجہ ادھر علم کا رُخ پر ضیا اُدھر
چمکا وہ زرق برق میں پنجہ آفتاب میں
پنجے سے نور چھنتی آشکار ہے
دامن بھی ابر رحمت پروردگار ہے
کشتی کا بادباں ہو تو کوثر پہ جا لگے
ناگاہ غل ہوا فرس تیز گام لاؤ
ہاں رخش تیز رو کو بصد اہتمام لاؤ
بے اختیار آ برش آہو شکار کا
آیا فرس سجا ہوا کس ترک و تاز سے
رکھتا تھا پاؤں خاک پہ اس احتیاط سے
فوق اس کو تھا ہمائے سعادت نشان پر
وہ شوخی کہ غنچۂ سوسن سے تنگ تر
کیلیں نجوم نقش ہلال اور سم قمر
کھاتی تھی ہر پری بھی قسم اس کی جان کی
دلدل نژاد برق تجلی براق سیر
اسوار دم ولا سے اگر پھیرے تو خیر
سرعت غضب ہے گو کہ وہ بے آب و دانہ ہے
سایہ کا اس کے دھوپ میں سرعت سے تھا یہ حال
گہ زمیں گاہ بحر میں گاہ سوئے جبال
سایہ نہ تھا ہمائے سعادت پناہ تھا
وہ شوخیاں فرس کی وہ سرعت وہ آن بان
جب چاہا سیر عالم امکاں کی دیکھ جاؤ
رفعت میں پست حوصلۂ کبک دری کا تھا

رکھتے تھے ہاتھ چہرے پہ خورشید خیور
وہ نور سر ہی تہ و بالا تھے جلوہ گر
تھا فرق ایک نیزے پہ دو آفتاب میں
پرچم پہ طرۂ سر حورا نشان ہے
پہونچا جو اس کے سامنے وہ مشکبار ہے
طوبیٰ نہال ہو اگر اس کی ہوا لگے
آیا علیؑ کا سرو رواں خوش خرام لاؤ
اسپ گراں رکاب و مرصع لجام لاؤ
بیٹا سوار ہونے کا دلدل سوار کا
سرعت کا قافلہ نکل آیا حجاز سے
جیسے پری چمن میں خراماں ہو ناز سے
سُم تھے زمیں پہ تو دماغ آسمان پر
وہ انکھڑیاں خجل ہوں ہرن جن کو دیکھ کر
باریک جلد سینہ کشادہ بلند سر
غصہ یہ تھا کہ تنگ ہے وسعت جہان کی
دریا میں موج دشت میں آہو ہوا میں طیر
گر سانس لی تو دم بھی نہ لے پھر فلک بغیر
اس کو تو نبض کی حرکت تازیانہ ہے
وحشت میں جس طرح سے بھرے چوکڑی غزال
گم کردہ آشیاں تھا عقاب کشادہ بال
گویا ہوا کے زور میں شاہیں تباہ تھا
سوسن تھا فقط جیسے جنگل کا اک بناؤ
تازی ہو ورنہ پاؤں قدم میں وہ لطف پاؤ
چھل بل ہرن کی تھی تو جھمکڑا پری کا تھا

راکب سوار ہوتے ہیں عباسؑ نامور
وہب کے ہاتھ آپ نے رکھا ایال پر
بڑھا لیا سمند کو زانوں میں داب کے
بڑھنے میں صرف ہاں جو دہن سے نکل گیا
نشتر گلوں کی بو کا چمن سے نکل گیا
ایسا گیا کہ برق بھی شرما کے رہ گئی

گھوڑا اڑا کہ ہو گئی سرعت ہوا کی گرد
جا پہونچی تا بہ فرق ثریا زمیں کی گرد
خورشید کی ضیا تھی سموں کے نشان پر
شوکت وہ اس فرس کی وہ عباسؑ کی نمود
غل تھا کہ ہر ثنا ہے پئے واجب الوجود
سب کے گلوں میں ان کی غلامی کا طوق ہے

پیدا تھا شکل حیدر کرار رعب حق
رخسار تھے کہ سورۂ والشمس کے ورق
موتی کے آگے دانتوں کی کچھ آبرو نہ تھی
وہ ہاتھ کار خیر رہا جن سے روز و شب
بازو وہ جن میں قوت دست خدا تھی سب
پہلو میں قلب وہ جو ہمیشہ بھرا رہا

شان و شکوہ و صولت و عدل و نیت و داد
اشفاق و رحم و دوستی و خلق و وداد
اندوہ و درد و دور رخ مطیعان نو ہیں تھے
شوکت کا قول تھا کہ مطیع جناب ہوں
نصرت کا ادعا تھا کہ میں کامیاب ہوں
فاقے سے تھے پہ صبر بھی منھ موڑتا نہ تھا

وہ دامن قبا نے لیا بوسۂ کمر
وہ آفتاب خانۂ زیں پر ہے جلوہ گر
وہ دو ہلال بن گئے حلقے رکاب کے
وحشی غزال دشت ختن سے نکل گیا
جھونکا نسیم کا تھا کہ رن سے نکل گیا
پیچھے سموں کی گرد نظر آ کے رہ گئی

بوئے چمن تھی یا قدم بادپا کی گرد
اڑ کر سر فلک پہ گئی کربلا کی گرد
نخوت سے تھا زمیں کا دماغ آسمان پر
پڑھتا تھا کوئی شخص تبارک کوئی درود
کیا ان کے سامنے کسی انساں کی ہست و بود
یہ وہ بشر ہیں جن کو ملائک پہ فوق ہے

چمکا جو نور عرش بنا خاک کا طبق
ازبر تھا خط کو آیۂ واللیل کا سبق
سورہ تھا نور کا وہ بیاض گلو نہ تھی
یا عہد تھے صاف ساعد پر نور شیر رب
شانے وہ جن میں شان نشان فخر عرب
سینہ وہ صدر تھا جو وفا سے بھرا رہا

اسلام و دین و ملت و ایمان و اعتقاد
خوف و رجا و آز و مطلب و مراد
سب خانہ بدوش فرس کے جلو میں تھے
کشتی تھی فتح خاک در بوتراب ہوں
دعویٰ تھا قہر کو کہ علی کا عتاب ہوں
ہر گام پہ ثبات قدم چھوڑتا نہ تھا

تلوار وہ ہلال کہ جس کو دیکھ کر
تھی کہکشاں کمند عدو بند شیر نر
مہتاب آسمان ظفر آہنی سپر
خود آفتاب تھا تو جبینِ مبیں قمر
رخ کے عرق سے نور کے قطرے ٹپکتے تھے
حلقے نہ تھے زرہ میں ستارے چمکتے تھے

تیرے کی نوک سے جگر آفتاب خون
سینہ ہے آسماں کا اسی دن سے نیلگوں
ابرو نے حور فتح و ظفر تھا کماں کا نون
تھا ماہِ نو بھی جس کے چم و خم سے سرنگوں
دہشت سے گوشہ گیر رمیانِ شام تھے
ترکش کے سارے تیر اجل کے پیام تھے

نیزہ زمیں میں گاڑ کے گونجا جو شیرِ نر
چہروں سے رنگ اڑ گئے تھرا گئے جگر
نکلے رجز میں خشک زباں سے وہ شور تر
جس کے جواب میں فصحا نے جھکائے سر
غل تھا زبانِ ناطقہ لکنت سے لال ہے
لاریب فیہ مصحفِ ناطق کا لال ہے

نورِ دیدہ تھا کہ گوہرِ برجِ شرف ہوں میں
فرزند صاحب شرف من عرف ہوں میں
فخرِ سلف جو شاہ ہو اس کا خلف ہوں میں
اللہ غنی ہیں جدھر اُس طرف ہوں میں
رایت سے پیش رو ہوں خدا کی سپاہ کا
پیرو ہوں بادشاہ ہدایت پناہ کا

حیدر کی ذوالفقار سے لاکھوں کے سر کٹے
جوشن میں سینے سینوں کے اندر جگر کٹے
خیبر میں جبرئیل کے بھی تین پر کٹے
پر یوں کٹے کہ تیغ نے جیسے سپر کٹے
حضرت کا حال عمرو دلاور سے پوچھئے
حیدر کا زور مرحب و عنتر سے پوچھئے

بچوں کا ایلچی بھی ہوں اور تشنہ کام ہوں
سقائے اہلبیتِ رسولِ انام ہوں
شمشیر کی سپر ہوں علی کی حسام ہوں
شاہوں کا شاہ ہوں شہِ دیں کا غلام ہوں
سینے پہ تیر کھاؤں گا تلواریں کھاؤں گا
پر مشک آب نہر سے بھر کے جاؤں گا

یوں تو ہیں تین روز سے بے آب و تشنہ لب
لیکن قریبِ مرگ ہیں دو طفلِ تشنہ لب
کیوں آل کو ستاتے ہو بے جرم و بے سبب
کچھ مصطفےٰ کا پاس نہیں تم کو ہے غضب
دو دن تو بیکسوں پہ عطش میں گزر گئے
کس پر یہ خون ہوگا جو معصوم مر گئے

ہم اپنا سر کٹانے کو حاضر ہیں ظالمو
بچوں میں بھوک پیاس میں صابر ہیں ظالمو
بچے بھی یہاں کے مسافر ہیں ظالمو
آثارِ مرگ چہروں پہ ظاہر ہیں ظالمو
گر ہم تمہارے زعم میں تقصیروار ہیں
پر اُن کا کیا قصور ہے جو شیرخوار ہیں

یہ دھوم یہ خیام کا جلنا یہ گرم بن
مانند غنچہ پیاس سے کھولے ہیں سب دہن
گرمی سے ہاتھ پاؤں غریبوں کے سرد ہیں
چلایا شمر تب کہ عبث ہے سوال آب
بچوں کی پیاس سے ہے جو حضرت کو اضطراب
خیمے سے گھٹنیوں اگر اصغرؑ بھی آئے گا

ایسا سخن کبھی نہ سنا تھا جو کان سے
جھومے فرس پہ جب شہ مرداں کی شان سے
نعرہ کیا کہ او سگ ناپاک دور ہو
حجت تمام کرنے کی خاطر تھے یہ کلام
سوکھی ہوئی زباں جو دکھائے وہ تشنہ کام
قدرت ہے سب طرح کی امام جلیل کو

کیا جانے مرتبہ پسر فاطمہؑ کا تو
سردار مرد و یار نکوکار نیک خو
جاری ہے فیض فاطمہؑ کے نور عین کا
یہ کہہ کے لی نیام سے تیغ شرر فشاں
شعلے نے الحذر کہا بجلی نے الاماں
ثابت ہوا کہ چہرۂ خورشید کٹ گیا

بجلی چمک کے ہو گئی جب آسماں کے پار
زیر زمیں تو گاؤ زمیں کو نہ تھا قرار
غل تھا علیؑ کی تیغ کا سب رنگ ڈھنگ ہے
اقبال و تندرستی و آسایش و قرار
علم و سکون و راحت و آرام و اختیار
آثار قہر حق انھیں معلوم ہو گئے

مرجھا گیا ہے احمد مختار کا چمن
پانی بغیر آب نہ جئیں گے وہ گل بدن
نیلے ہیں ہونٹ پھول سے رخسار زرد ہیں
دیں گے زبان تیغ سے ہم آپ کو جواب
پھر کس لیے ہو بیعت حاکم سے اجتناب
جز آب تیر پانی کا قطرہ نہ پائے گا

برچھی لگی جگر نہ کہا کچھ زبان سے
بس خود بخود نکلنے لگی تیغ میان سے
یہ کیا سخن ہیں منہ میں ترے خاک دور ہو
ظالم شراب خوار کی بیعت کرے امام
حاضر ابھی ہوں چشمۂ تسنیم کے لاکھ جام
چاہیں تو وہ سبیل کریں سلسبیل کو

عزت بہشت کی ہیں تو کوثر کی آبرو
ان کا عدو خدا و پیمبرؐ کا ہے عدو
غاصب ہو تو یہ نہر بھی ہے حق حسینؑ کا
آواز دی زمیں نے کہ یا حافظ زماں
دہشت سے تھرتھرا گیا مریخ آسماں
غل تھا کہ فوج شام کا لشکر الٹ گیا

پڑھتا تھا عرش آیۂ کرسی کو بار بار
تھرا رہا تھا توسن فلک وقت گیر و دار
جبریل کانپتے تھے کہ خیبر کی جنگ ہے
امن و امان و صبر و توانائی و وقار
رعب و ثبات و سرکشی و قدر و اقتدار
سب تیغ کے چمکتے ہی معدوم ہو گئے

غل تھا چمکتی آتی ہے تیغِ اجل چلو
دب کر صدا فرس نے دی سر کے بل چلو
دریا بہے گا خوں کا کنارے فرات کے
ڈھالوں سے شامیوں کے ادھر چھا گئی گھٹا
ایسا بڑھا یہ ابر کہ شرما گئی گھٹا
کشتوں کو اپنے فوجِ عدو روندنے لگی
چمکی جو تیغ آمدِ قہرِ خدا ہوئی
سینے سے روح جسم سے گردن جدا ہوئی
بازو اس غضب کی وار وہ اس زور شور کا
ہر دم تھی معرکے میں اجل اس کے دم کے ساتھ
رہتی تھی اس طرح ظفر و فتح خم کے ساتھ
ہر دل پہ اس کی شان و جلالت کا نقش تھا
بسم اللہ صحیفۂ نصرت تھی اس کی تاب
جوہر میں آبرو میں اصالت میں لاجواب
اترے جگر سے جس کے اسی کو خبر نہ ہو
پایا تھا باغیوں نے ثمر یہ دمِ جدل
شاخیں کماں کی توڑتا تھا پنجۂ اجل
گوشوں کو ڈھونڈتے تھے کماں کش ہٹے ہوئے
گویا کہ تیغ و خنجر و گرز و سنان و تیر
دم میں یہ صف تمام ادھر کا یا ادھر
اڑ کر بھی مرغِ روح کا بچنا محال تھا
یوں سوروں کو چاٹ گئی تیغ شعلہ رنگ
گردوں سے کھینچ دستے تھے خنجر میانِ جنگ
تلواریں منہ چھپائے تھیں ضربِ درشت سے

ڈر کر کہا اماں نے کہ قبل از جدل چلو
بولی سلامتی کہ سلامت نکل چلو
دم بھر میں بند ہو گئے کوچے نجات کے
دریا پہ جھوم جھوم کے سب آ گئی گھٹا
باران تیر دشت میں برسا گئی گھٹا
جنگل میں برق قہرِ خدا کوندنے لگی
سر پر جو آ گئی تو قیامت بپا ہوئی
خوں میں ڈوب چکی تو دھر آشنا ہوئی
دشمن کو اس کا گھاٹ کنارا تھا گور کا
گرتا تھا خود کٹ کے برابر جھلم کے ساتھ
جیسے ہمیشہ رہتا ہے سکہ درم کے ساتھ
تعویذ تھے آیۂ نصرت کا نقش تھا
مانندِ ذوالفقار گراں قدر و انتخاب
وہ قد وہ خم وہ منہ کی صفائی وہ آب و تاب
کاٹے گلے ہزار کے اور خوں میں تر نہ ہو
ڈھالوں سے پھول اڑ گئے تھے جیسے پھل
گرتے تھے سہم کر قدر انداز منہ کے بل
دیتی پہ شغل تیر پڑے تھے سسکتے ہوئے
دو دو تھے چشمِ آئینۂ تیغِ بے نظیر
آفت کا معرکہ تھا قیامت کی دار و گیر
جوہر حسام میں تھے کہ لوہے کا جال تھا
لوہے کو خاک شور میں کھا جائے جیسے زنگ
جوشن جو کٹ گئے تھے تو چار آئینے تھے دنگ
ڈھالیں لپٹ گئی تھیں سواروں کی پشت سے

گرتی تھی کوند کر جو وہ تیغ شرارہ ریز
چلنے میں تیغ تیز فرس تیز تر تھا تیز
کٹتے تھے ایک ضرب میں دو ہوں کہ چار ہوں
کاٹی سپر تو کاسۂ سر تک پہونچ گئی
گرے مثال برق جگر تک پہونچ گئی

بڑھ کر گرے زمیں پہ آئی سرنگ سے
اُن کے قدم بھی اُٹھ گئے جو سرگراں تھے
بھڑکی تھی آگ نعل در آتش سوار تھے
جاتا تھا یوں غضب میں صف اہل کینہ پر
تیغ دودم سروں سے گزرتی تھی دم بدم
زخمی تھی دم بہ دم تو ٹھہرتی تھی دم بدم
ڈرے جگر بھی آب تھے زہرے بھی آب تھے
نکلا ادھر سے جو وہ اجل کا شکار تھا
کوسوں لہو سے دشت ستم لالہ زار تھا
کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی لگے
رہوار نے وغا میں کہاں رستمی نہ کی
مالک نے بیکسی میں کہاں سروری نہ کی
دم سے تھا بحر خوں کا کنارا رنگا ہوا
جس سمت گر کے تیغ کا سایہ گزر گیا
خالی ہوئی یہ صف وہ پرانوں میں بھر گیا
گرتا تھا خود جری پہ جری ماجرا یہ تھا
تیغ و ظفر تھی ناشتہ گیر و دکا آبدار
جوہر تھے یک سلسلۂ زلف آبدار
اک شور تھا کہ موت کا عرصہ قلیل ہے

دوزخ کھلا تھا بند تھے سب کوچہ گریز
رو رو کے گرم ہوتا تھا ہنگام رستخیز
ششدر تھے سب کہ موت سے کیونکر دوچار ہوں
سر پر پڑی تو پیر کے رخ تک پہونچ گئی
پی کر لہو جگر کا کمر تک پہونچ گئی
ٹکڑے گرے نہ تھے کہ یہ نیچے تھی تنگ کے
ممکن نہ تھا قرار کہ دل بے قرار تھے
ٹاپیں فرس کی تھیں کہ سروں کے اتار تھے
شیر ژیاں جھپٹتا ہے جس طرح صید پر
دوزخ میں فوج شام کی بھرتی تھی دم بدم
ندی لہو کی چڑھ کے اُترتی تھی دم بدم
موجیں تھیں دست و پا کی سروں کے حباب تھے
پیدل ہو یا سوار وہ دو تھا یہ چار تھا
بجلی چمک رہی تھی فرس بے قرار تھا
سر یوں برس رہے تھے کہ جیسے جھڑی لگے
شمشیر جانستاں نے کہاں بیخودی نہ کی
تو سن تیغ چلی پہ برش نے کمی نہ کی
جانوں کا ٹھاٹھ پہ تھا اُتارا لگا ہوا
پہونچوں سے دونوں ہاتھ اڑے تیغ گر گئی
گھوڑے سے جب گرے کہ یہ تڑپا وہ مر گیا
بسمل بھی لوٹتے تھے یہ اک مزا یہ تھا
دکھلا رہی تھی راہ عدم تیغ آبدار
تلوار بھی ملی تھی بہشتی کو آبدار
پیاسو پیو کہ تیغ کا پانی سبیل ہے

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھو بیٹھے جاں سے ہاتھ
ڈرا کبھی جگر کبھی چھپا سناں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہیں منہ چھپانے کو
بھر بھر قدم پہ تھے تن کفار سے جدا
چلتے تھے سر بسر لب سوفار سے جدا
زہ گیر کیا کرے جو نہ ترکش میں تیر ہو
یوں تھرتھرا رہے تھے ہر اک پہلواں کے پاؤں
اٹھ اٹھ گئے سپاہ ضلالت نشاں کے پاؤں
ہٹتا بھی ہے جہاد میں حق کا ولی کہیں
جب شیر نے ترائی کی جانب جھپٹ گئے
اب کیا بڑھیں کہ ڈر سے لہو تن کے گھٹ گئے
حملوں کے بعد تنتے تھے یوں نعرے مار کے
ہر شے تھی خوف ضربت شمشیر سے جدا
پیر جزیں جوان سے جواں پیر سے جدا
سارے عقاب تیر غم بے پری میں تھے
نیزے کو تولتا ہوا گو کوئی یل بڑھا
کچھ ہاتھ کچھ حسام دو دستی کا پھل بڑھا
دو ٹکڑے تھے طول میں جو دم امتحاں ہوئے
رکتی تھی خود پہ نہ جھلم پہ نہ ڈھال پر
بالا تھا راستی میں قد اس کا ہلال پر
چشمک یہ دم بدم تھی کہ سرکش ذلیل ہیں
گھوڑوں کے دوڑنے سے اڑی دشت میں تھی گرد
جتنے جواں تھے دفتر مردانگی میں فرد
تیغ کیا ہوش میں اک خود غلط نہ تھا

سر اڑ گئے تنوں سے جدا تھے سناں کے ہاتھ
جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کماں کے ہاتھ
ہاں پاؤں رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو
قبضہ کماں کا دست کماں دار سے جدا
ڈر سے جدا اہلاک تھے تلوار سے جدا
چلاتے تھے کہ چل کے کہیں گوشہ گیر ہو
چلنے میں جیسے کانپتے ہیں ناتواں کے پاؤں
رن میں جمے ہیں تو اسی نوجواں کے پاؤں
عباس بھی ہٹے جو ہٹے ہوں علی کہیں
صف آئی صف پہ گھوڑے پہ گھوڑے الٹ گئے
جن کے قدم جمے تھے سر ان کے کٹ گئے
انگڑائی شیر لیتا ہے جیسے ڈکار کے
ناوک کماں سے دور کماں تیر سے جدا
چلے سمت کے ہوتے تھے زہ گیر سے جدا
پیکاں میں پلے سری تھی نہ پیکاں سری میں تھے
دریائے قہر حق طرف پر دغل بڑھا
تلوار سر پہ آئی کہ دست اجل بڑھا
غل تھا کہ معنی یہ طولی عیاں ہوئے
حیرت تھی فوج شام کو اچھل ڈھال کو
جوہر فروتنی کے بھی تھے اس کمال پر
چلتے ہیں جھک کے وہ جو نجیب و اصیل ہیں
مشعل بھی زرد تھا فلک نیلگوں بھی زرد
ابھرے کٹے ہوئے تھے اجنبی کے دم نبرد
زخمی تھے منہ کہیں اثر خال و خط نہ تھا

برہم تھا مقدمہ جانوں کا رو بہ کار
اسوار ہر طرف تو نہ اردو رسالہ دار
کیا ابتری سپاہ ضلالت اثر میں ہے
تسلیم کو جھکے ہوئے تھے باادب نشاں
اٹھتا تھا شور ہاتھ سے گرتے تھے جب نشاں
آفت بپا ہے پاؤں تھمے کیا سپاہ کا

جب اٹھ کے تیغ صفدر قدسی شرف گری
آیا اُدھر خدا کا غضب جس طرف گری
سیفی چلی کہ سیف صف کارزار پر
آئے جو سوئے نہر صفیں موڑ موڑ کے
تلواریں پھینکیں خاک پہ دم توڑ توڑ کے
وہ برچھیاں نہ ہر دو وہ شور مصاف تھا

دو دو گئے گزر زخموں سے جو چور چور تھے
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے غیور تھے
غل تھا کہ اب بچیں گے نہ ہم اس لڑائی میں
لڑتا کنارِ نہر جو پہونچا وہ شہسوار
آئی صدائے حضرت الیاس باوقار
سرور ہو کون تیغ پکڑ کر جو تو لڑے

سقائے اہلبیت پکارا بچشم تر
پیاسا ہے تین روز کا مختار خشک و تر
طوفاں کا دھیان صاحب کشتی کو چاہیے
ڈالا میان نہر جو اسپ صبا شتاب
موجیں بڑھیں برائے قدمبوسی جناب
لہروں کی بجلیاں جو برابر چمکتی تھیں

آتی تھی موت جائزہ لینے کو بار بار
طبلق بجے تھے خشنی فوج ستم شعار
غل تھا چلو کہ فوج کی بھرتی سقر میں ہے
لشکر میں برہمی تھی سلامی تھے سب نشاں
نوبت یہ ہو تو فوج کا ٹھٹا ہے اب نشاں
سکتہ پڑا ہے ضرب علمدار شاہ کا

گویا کہ برق سطوت شاہ نجف گری
کٹ کر گرا پرے پہ پرا صف پہ صف گری
گھوڑے گرے پیادوں پہ پیدل سوار پر
بھاگے کمانیں تیر عدو جوڑ جوڑ کے
بھاگے دغا میں گھاٹ کو سب چھوڑ چھوڑ کے
جس مورچے پہ تیغ اٹھائی وہ صاف تھا

جو تھے قریب نہر وہ سب دور دور تھے
دریا پہ کوئی اور نہ تھا بس حضور تھے
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں
خوں پونچھ کر رکھی تہِ داماں تیغ آبدار
لے نور عین ساقی کوثر ترے نثار
دھو ہاتھ منہ کہ نہر کی بھی آبرو بڑھے

میں ہاتھ دھو کے جان سے آیا ہوں نہر پہ
بچے تڑپ رہے ہیں لہو ہے مرا جگر
بچوں کی پہلے فکر بہشتی کو چاہیے
آنکھیں قدم سے ملنے لگے دوڑ کر حباب
اچھلیں علم کے چومنے کو ماہیان آب
کھلتی تھیں اور حبابوں کی آنکھیں جھپکتی تھیں

پانی سے منہ اُٹھائے جو تھا اسپِ سربلند
بولا ہلا کے سر کو سمندِ وفا پسند
حیواں تو ہوں حضور پہ خوش اعتقاد ہوں
فرمایا آپ نے مرے غم خوار مرحبا!
تو بھی خانہ زادی کا حق کر چکا ادا
پانی سے اے فرس تجھے جب اجتناب ہو
دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ تشنہ کام
تنہا پہ بے وطن پہ ہوا پھر ہجوم عام
اک شور تھا کہ بڑھنے نہ دو اس دلیر کو
گھوڑا کہیں گھرا کہیں اُڑ کر نکل گیا
نرغوں سے مڑ گیا کوئی، کوئی دہل گیا
مشکیزے کے لاکھوں سے کب تک بچا رہا
برسے جو دس ہزار کمانوں سے تیر کہیں
وار اپنا کر گیا جو برابر سے اک لعیں
مڑ کر نگاہ کی کہ الٰہی یہ کیا ہوا
شانہ جدا جو ہو گیا علمِ شاہِ دیں پناہ
دانتوں سے پکڑی مشک کہ محنت ہو نہ تباہ
گھوڑے سے ڈگمگا کے بعد اس گر پڑے
اُٹھ بیٹھے گر کے حضرت عباسِ نیک چشم
جھک کر زمیں پہ غش میں جو سنبھلا وہ باکرم
سکتے ہوا جگر اسدِ ذوالجلال کا
مڑ کر جو فرطِ غیظ سے قاتل پہ کی نظر
جھپکی نہ آنکھ واہ رے دل واہ رے جگر
جوشِ غضب میں خاک پہ بیٹھے تھے شیر سے

ڈھیلا کیا دلیر نے خود جھک کے زیرِ بند
پیاسا ہے ذوالجناحِ شہنشاہِ ارجمند
میں بھی تو ابنِ فاطمہؑ کا خانہ زاد ہوں
ڈگا نہیں کبھی قدمِ صاحبِ وفا
بخشیں خدا بزرگ ہے صابر کا مرتبا
سیراب کس طرح پسرِ بوتراب ہو
پھر گھاٹ پہ گھٹا کی طرح آ گئی فوجِ شام
پھر ہر طرف سے چلنے لگے نیزۂ و حسام
کشتہ کرو ترائی میں حیدر کے شیر کو
جو دو کے گر پڑا وہ سموں سے کچل گیا
صف پھٹ گئی اُدھر کی جدھر وہ اُچھل گیا
کیوں اے بہادرو دیکھو عباسؑ کیا کریں
غربال ہو گیا تنِ عباسؑ مہ جبیں
بالائے خاک کٹ کے گرا بازوئے یمیں
اک ہاتھ رہ گیا تھا سو وہ بھی جدا ہوا
عباسؑ نامور نے بھری دل سے ایک آہ
مشکیزے پہ بھی تیر لگا وا مصیبتا
پانی کے ساتھ حضرتِ عباسؑ گر پڑے
گھٹنے کے نیچے مشک تھی زانو پہ تھا علم
گرزِ گراں عقب سے پڑا سر پہ ہے ستم
سر پاش پاش ہو گیا حیدر کے لال کا
مارا کسی نے تیر دلاور کی چشم پر
تیور جو آئے ہجوم کے سنبھلا وہ شیر نر
گویا لہو ٹپکتا تھا چشمِ دلیر سے

شانوں سے جدا ہوئے جسم کا جب بہ گیا لہو
ریتی پہ تھرتھرا کے جھکے آپ قبلہ رو
آواز دی کہ آئیے یا شاہ نیک خو
سر تن سے کاٹ لینے کے درپے ہیں کینہ جو
ہوں میں تڑپ تڑپ کے یہ غم خوار رہ نہ جائے
صدمہ یہ ہے کہ حسرت دیدار رہ نہ جائے

نکلا حرم سرا سے علمدار کا پسر
گوٹے گلے میں ہنسلیاں تھیں کان میں گہر
چہرے کا رنگ اڑا ہوا کرتا عرق میں تر
کی عرض شہ سے تھے ہے ہاتھوں کو جوڑ کر
شاید خبر نہیں ہے امام غیور کو
آقا پدر پکارتے ہیں حضور کو

ڈیوڑھی سے بلبلا کے سکینہؑ نے یہ کہا
ہاں ہاں سنی تھی میں نے بھی عباسؑ کی صدا
جلدی کسی کو بھیجیے یا شاہ کربلا
اب گھر سے میں نکلتی ہوں ہے ہے مرے چچا
مر جاؤں گی اگر انہیں جیتا نہ پاؤں گی
کیونکر پھوپھی کو ہائے یہ صورت دکھاؤں گی

حضرت نے آہ کی کہ لرزنے لگی زمیں
ناگاہ واں سے بڑھ کے پکارے کئی لعیں
اب جلد سر کٹانے کو آئیں امام دیں
کہہ دے کوئی کہ مر گئے عباسؑ مہ جبیں
بڑھنے دیا نہ گھاٹ سے آگے دلیر کو
کیا گھیر کر کچھار میں مارا ہے شیر کو

تیروں سے جسم چھن گیا بازو ہوئے قلم
اُفتادہ ہے وہ خاک پہ ٹوٹا ہوا علم
آئے ہیں یاں پھریرے کے پرزے اڑا کے ہم
پانی نہ مشک میں ہے نہ عباسؑ میں ہے دم
دنیا سے آج اٹھ گیا حامل نشان کا
کٹنا ہے سر ترائی میں کڑیل جوان کا

سنتے ہی اس صدا کے شکستہ ہوئی کمر
تڑپے اُٹھے گرے نہ سنبھالا گیا جگر
کانپے جو پاؤں تھام لیا بازوئے پسر
چلاتے تھے کہو علی اکبر چلیں کدھر
خورشید کیوں چھپا ہے یہ کیا واردات ہے
کچھ سوجھتا نہیں ہمیں دن ہے کہ رات ہے

عباسؑ کے پسر سے تو کہہ دو کہ گھر میں جائے
دیکھو حرم سرا سے سکینہؑ نکل نہ آئے
نفسہ ابھی خبر نہ کسی رانڈ کو سنائے
اکبرؑ اجڑ گیا مرا گھر ہائے ہائے ہائے
پرسا تو دوں نجف کی طرف مجھ کو موڑ دو
سر پیٹتا چلوں گا مرے ہاتھ چھوڑ دو

یہ روز قتل حمزہؑ و جعفرؑ ہے اے پسر
یوم وفات حضرت شبرؑ ہے اے پسر
یہ ماتم شہادت حیدرؑ ہے اے پسر
صبر اب کہاں یہ داغ برادر ہے اے پسر
میرا الم بتولؑ کی جائی سے پوچھئے
صدمہ جوان بھائی کا بھائی سے پوچھئے

غربت میں لٹ گیا مرا گھر ہائے ہائے
تازہ ہے آج داغ پدر ہائے ہائے
عباسؑ کیا جہان سے گئے ہم گزر گئے
کرتا تھا عرض باپ کو غش آئے ہوئے پسر
زندہ ابھی ہیں حضرت عباسؑ نامور
خادم اٹھائے گا جسد پاش پاش کو
جس دم قریب لاش کے لائے حسینؑ کو
تڑپا وہ شیر سن کے صدائے حسینؑ کو
دو کوہ غم کے دل پہ جو اک بار گر پڑے
بھائی کی لاش بھائی نے دیکھی جو خوں میں تر
بولے یہ آنکھیں کھول کے عباسؑ نامور
صدقے تمہارے جان امام غیور کے
منھ رکھ کے منھ پہ کہنے لگے شاہ خوش خصال
اے میرے بھائی جان کہو اپنے دل کا حال
آرام آ گیا تپش روح و دل گئی
مولا نزول رحمت پروردگار ہے
شہپر گڑے ہیں راہ میں چشم اشکبار ہے
قدسی قطار باندھے ہیں ناقوں پہ نور کے
کیا بندہ پروری ہے ترے عز و افتخار
تھم تھم کے جسم سے جو نکلتی ہے جان زار
کیوں کر نہ ایسی مرگ پہ نازاں غلام ہو
ڈسنے لگے یہ کہہ کے جو عباسؑ باوقار
کی عرض اب بدن سے نکلتی ہے جان زار
تلوار کھینچ کھینچ کے لشکر جو آئے گا

سیدھی نہ ہوگی اب یہ کمر ہائے ہائے
کاٹا گیا چھری سے جگر ہائے ہائے
غش ہوا شہید حسینؑ آج مر گئے
دل کو ذرا سنبھالیے یا شاہ بحر و بر
گھبرائیے نہ اب ہے ترائی قریب تر
چلیے حرم میں لے کے بہشتی کی لاش کو
عباسؑ جاں بلب نظر آئے حسینؑ کو
اکبرؑ نے ہاتھ اٹھا کے دکھائے حسینؑ کو
پہلو میں لاش کے شہ ابرار گر پڑے
اندام یہ دل کہ منھ کے قریب آ گیا جگر
اکبرؑ سنبھالو قبلۂ عالم کو بیٹھ کر
مجھ کو اٹھا کے گرد پھرا دو حضور کے
عباسؑ تم کو نزع میں بھی ہے مرا خیال
صفدر نے مسکرا کے کہا شکر ذو الجلال
آپ آئے کیا کہ دولت کونین مل گئی
اب آمد آمد شہ دلدل سوار ہے
شاہ جناب فاطمہؑ کا انتظار ہے
آتے ہیں باغ خلد سے زہراؑ حضور کے
لاکھوں برس کی زیست اس موت پہ نثار
دشوار ہے مفارقت شاہ نامدار
ہنگام نزع جس کے سرہانے امام ہو
فرمایا شہ نے روتے ہو کیوں تم پہ میں نثار
غم ہے کہ آپ اکیلے ہیں یا شاہ نامدار
اب کون ہے جو قبلۂ دیں کو بچائے گا

کیا بے بسی ہے موت ہے اے قبلۂ امام
بگڑا ہے دم کی آمد و شد کا بھی انتظام
پاؤں گا اب کہاں میں امامِ غیور کو

گھبرا کے نزع میں علیؑ اکبر نے یہ کہا
میرا تو کوچ ہے طرفِ گلشنِ بقا
گو منع بھی کریں تو اکیلا نہ چھوڑیو

پہلو سے پاس شاہ کی جانب بڑھایا سر
ٹپکے مژہ سے خون کے قطرے ادھر ادھر
نکلا جری کا دم ڈھل گیا بھائی کی گود میں

چلّائے سر کو پیٹ کے سلطانِ بحر و بر
بےکس ہوا حسینؑ لٹی دولتِ پدر
فرزند تھا مرا یہ تھا ۔ اخلام تھا

یہ سب شرف ہے تیری غلامی کا اے پسر
جعفرؑ بھی ہیں عقیلؑ و حسنؑ بھی ہیں نوحہ گر
زہرا تمھیں شہید کا دینے کو آئے ہیں

اٹھ کر پکارے حضرت شبیرؑ نامدار
ہے ہے مرا شفیق مرا یارِ غمگسار
بھائی کا کیا سفر ہوا میں آپ مر گیا

بازو شکستہ ہو گیا ٹوٹی مری کمر
اب بے خبر ہیں کون رکھے گا مری خبر
کیوں مجھ سے منہ پھرا لیا تقصیر کیا ہوئی

یہ کہہ کے گر پڑے شہِ والا بروئے خاک
بھیا تڑپ گیا کہ پدر ہو گئے ہلاک
تیغ جو آئے گر کے شہِ بے قرین کو

باتیں تو تھیں بہت پہ نہیں طاقتِ کلام
پھر ایسی آ بنی ہے کہ مجبور ہے غلام
جی چاہتا ہے یہ کہ نہ چھوڑوں حضور کو

اے شاہزادہ دو جہاں میں ترے فدا
فرزندِ فاطمہؑ سے خبردار اک ذرا
غم خوار باپ کو تنہا نہ چھوڑیو

کانپے لہو بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر
کس یاس سے حسینؑ پہ کی آخری نظر
بھائی کا دم نکل گیا بھائی کی گود میں

فریاد ہے کہ مر گئے عباسِؑ نامور
آئی صدا علیؑ کی کہ شبیرؑ صبر کرو!
جو حال ہو بجا ہے کہ پیارا غلام تھا

زہرا سر ہلانے لاش کے روتی ہے ننگے سر
نانا تمھارے روتے ہیں تھامے ہوئے جگر
یہ سب تمھارے بھائی کے لینے کو آئے ہیں

میں لٹ گیا دہائی ہے یا شیرِ کردگار
خدمت گزار تھا عاشقِ صادق وفا شعار
بچے مرے یتیم ہوئے باپ مر گیا

آنکھیں ادھر تھیں اس کی جدھر تھی مری نظر
واحسرتا زرہ مری ہے نے مری سپر
سب جن سے کانپتے تھے وہ شمشیر کیا ہوئی

تر ہو گئی شہید کے خوں سے قبائے پاک
کر ڈالا دستِ غم سے گریبان چاک چاک
چلّائی فاطمہؑ کہ سنبھالو حسینؑ کو

جلدی عبا اُٹھا کے دلاور کی لاش پر
خیمے سے نکلی آتی ہیں رانڈیں برہنہ سر
آیا وہ گر تو ساتھ سکینہ بھی آئے گی
فرمایا شہ نے آپ کا مطلب میں پا گیا
مجھ سے ابھی تو چھوٹے ہیں عباسِ باوفا
ہے ہے ابھی سے رشتۂ اُلفت کو توڑ دوں

آواز پھر علی کی یہ آئی کہ لے پسر
زینب بھی پہ غش ہے زوجۂ عباسِ نامور
صدمے جہاں میں بے پدری کے عظیم ہیں
ناچار لاش چھوڑ کے اُٹھے امامِ دیں
کوتل تھا ساتھ اسپِ علمدارِ مہ جبیں
لٹکی ہوئی تھی تیغ و سپر بھی دلیر کی

ماتھا لہو سے ڈوبا ہوا تھوتھنی فگار
گردن جھکا کے تکتا تھا دریا کو بار بار
خادم برہنہ سر لئے آتا ہے اس طرح
صدمے سے تھی علم کی بھی ٹوٹی ہوئی کمر
پرچم پہ یوں جھکا ہوا پنجہ تھا خوں بھرا
پیدا تھی ہر قدم پہ علامت نشان سے

پہونچے حسینؑ خیمۂ اقدس کے جب قریں
دوڑا تڑپ کے دلبرِ عباسؑ مہ جبیں
کوتل ہے کیوں فرس مرے بابا کدھر گئے
یہ سن کے ننگے پاؤں پھرا وہ جگر فگار
اور پکارا خیر تو ہے تم پہ میں نثار
پانی کو جو سدھارے تھے وہ خوں میں نہا گئے

اکبر نے عرض شاہ سے کی ہاتھ جوڑ کر
تنہا کھڑا ہے راہ میں عباسؑ کا پسر
دیکھیں چچا کی لاش تو جیتی نہ جائے گی
روئے یہ پیاسے بھائی کو مظلومِ کربلا
راحت ہو شمر آکے جو کاٹے مرا گلا
کس پر میں ان کی لاش کو جنگل میں چھوڑ دوں

تو جا کے میں تو ہوں ترے بھائی کی لاش پر
دونوں غلام زادے تمہارے ہیں نوحہ گر
اک سوگوار رانڈ ہے اور دو یتیم ہیں
مشک و علم کو لے کے چلے اکبرِ حزیں
باگیں کسی تھیں تینوں سے ڈھلکا ہوا تھا زیں
پُرخوں زرہ سمند پہ رکھی تھی شیر کی

سینہ بھی سب چھدا ہوا گردن بھی زخم دار
نیچے پڑا ہے دشت میں تنہا مرا سوار
دلدل کو لوگ لاتے ہیں مجلس میں جس طرح
چھینٹیں تھیں خوں کی سبز پھریرے پہ سر بسر
جس طرح پیٹتا ہے کوئی سوگوار سر
پیٹو کہ اُٹھ گیا مرا حامی جہان سے

آگے بڑھے جھکا کے علم اکبرِ حزیں
چلایا کیا غضب یہ ہوا یا امامِ دیں
سر پیٹ کر حسینؑ پکارے کہ مر گئے
آیا حرم میں مضطر و نالان و بے قرار
چلایا چاک کر کے گریباں وہ سوگوار
اماں اُڑاؤ خاک کہ ہم بے پدر ہوئے

پردہ اُلٹ کے خیمے کا فضّہ نے دی صدا
لاتے ہیں گھر میں مشک و علم شاہِ کربلا
موت آئی ان کو پیاسوں کی تقدیر سو گئی

خیمے میں حشر ہو گیا سُنتے ہی یہ خبر
ماتم کی صف پہ بیٹھ گئیں کوئی نوحہ گر
ہے ہے کا غل ہوا کہ سکینہؑ اچھل پڑی

اکبرؑ نے آ کے گاڑ دیا صحن میں علم
حضرت پکارے پیٹ کے زانو بدردِ غم
بیٹے رہے تھے اس الم و یاس کے لئے

برپا ہوا یہ حشر کہ ہے ہے علیؑ کے لال
بہنیں پچھاڑیں کھا کے جو بانو نے خوں سنبھال
غش ہو گیا سکینہؑ کا منہ سانس اُلٹ گئی

منہ دامنِ علم سے چھپائے بصد بکا
اس خوں بھرے علم کے میں قربان میں فدا
بابا اکیلے ہو گئے آفت گزر گئی

اللہ رے دلخراش علیؑ کی بہو کے بین
چادر پڑی تھی منہ پہ کھڑے سامنے حسینؑ
گھٹتے تھے تیغِ غم سے دلِ سوگوار کے

کچھ سوچ کر جو ہٹ گئے واں سے امامِ دیں
منہ کر کے سوئے نہر پکاری وہ دکھ بھری
جنگل بسا دیا شہِ والا کو چھوڑ کے

صاحب سکینہؑ جان بلکتی ہیں آئیے
صدقے گئی بھتیجی کو پانی پلائیے
الفت کے دل دہی کے منافی نہ چاہئے

اے پردے والو ڈیوڑھی سے ہٹ جاؤ اک ذرا
مارے گئے جہان میں عباسؑ باوفا
ہے ہے علیؑ کی چھوٹی بہو رانڈ ہو گئی

رانڈوں کے دل اُلٹ گئے تھرّا گئے جگر
غش کھا کے گر پڑی کوئی کھولا کسی نے سر
مچلے ہے بال کھولے دُلہن بھی نکل پڑی

کھولے سروں کو زیرِ علم آئے سب حرم
زینبؑ اپنے بھائی کو روتے تھے ان میں ہم
رنڈسالہ لاؤ زوجۂ عباسؑ کے لئے

بکھرا دیئے حسینؑ کی بہنوں نے سر کے بال
مٹی پہ لوٹنے لگے اطفالِ خُردسال
پھیلا کے ننھے ہاتھ علم سے لپٹ گئی

چلاتی تھی کدھر گئے ہے ہے مرے چچا
مشکیزہ کیوں دیا تھا یہ تھی مری خطا
ہے ہے یہ پانی مانگنے والی نہ مر گئی

سکّانِ آسمان و زمیں کو بھی تھا نہ چین
تھامے تھی ہاتھ خواہرِ سلطانِ مشرقین
حکمِ حیا یہ تھا کہ نہ رونا پکار کے

اُس وقت ہاتھ اُٹھا کے علم کی بلائیں لیں
صاحب حسینؑ روتے ہیں تم کو خبر نہیں
صاحب کدھر چلے گئے آقا کو چھوڑ کے

کانٹے زباں کے دیکھ کے آنسو بہائیے
قربان جاؤں مشک بھری ہو تو لائیے
صادق ہیں آپ وعدہ خلافی نہ چاہئے

کل تھی سہاگن آج تو میں سوگوار ہوں
بیوہ ہوں جاں بلب ہوں غریب الدیار ہوں
جان علیؑ ہیں آپ تو میں جاں نثار ہوں
ہاں ناز ہے تو یہ ہے کہ خدمت گزار ہوں
جنگل میں چھوڑیئے نہ مجھے ہاتھ تھام کے
بیٹھے ہیں آپ امام کے بھائی امام کے

والی کہاں یہ رانڈ یتیموں کو لے کے جائے
اس کربلا نے لوٹ لیا مجھ کو ہائے ہائے
اب گھر سے کام کیا جو رہا سوگوار ہائے
سر پیٹتی ہوئی لب دریا کنیز آئے
کیا اس کی زندگی جسے وارث سے یاس ہو
میری بھی قبر آپ کی تربت کے پاس ہو

ہے ہے علم کے ملنے کی شادی کہوں میں کیا
خضر ان کو مل گئے علم سبز کیا ملا
باہر سے پہلے آ کے مرے پاس یہ کہا
تھی جس کی آرزو وہی عہدہ ہمیں ملا
صدقے ہے شہ کے جعفر طیار ہم ہوئے
صاحب تمہیں خبر ہے علمدار ہم ہوئے

میں نے بلائیں لے کے پس از تہنیت کہا
آقا کو اور تم کو سلامت رکھے خدا
سردار فیض بخش علمدار باوفا
بولے یہ سب حسینؑ کی ہے شفقت و عطا
کیا کیا نوازشیں ہیں امام غیور کی
لے آؤ تم بھی جا کے بلائیں حضور کی

کہتے تھے شب کو بحر کے دم سرد دم بدم
تم ہم کو چاہتی ہو تمہیں چاہتے ہیں ہم
سو سر خدا جو دے تو نثار شہ امم
گر ہے تو بس تمہاری جدائی کا ہے الم
کل ہم ہیں اور خنجر و شمشیر و تیر ہیں
اس کا بھی غم بڑا ہے کہ بچے صغیر ہیں

کیسی یہ غفلت آج ہے اے شیر حق کے لال
بچوں کی اب نہ فکر نہ لونڈی کا ہے خیال
بھاتی تھی جس کے بالوں کی بو آپ کو کمال
اس نے تمہارے سوگ میں کھولے ہیں سر کے بال
اب وصل کے نہ دن نہ شبیں اشتیاق کی
کیونکر کٹیں گی دشت میں راتیں فراق کی

صاحب تمہیں تو سونے کو ہاتھ آئی خوب جا
دنیا کا قرب سرد ترائی خنک ہوا
میں اور آپ آج کی شب تک تھے جدا
بستر کو خالی دیکھ کے گزرے گی مجھ پہ کیا
تڑپوں نہ کس طرح کڑی سخت واردات ہے
صدقے گئی فراق کی یہ پہلی رات ہے

ہے ہے مرا نصیب کہ تم سے بچھڑ گئی
غم ہے کہ کیوں نہ میں دم رخصت بگڑ گئی
کن راحتوں میں تھی کہ مصیبت میں پڑ گئی
والی مجھے بلا کو دنیا اجڑ گئی
کیا اوج ہم ہے یہیں دنیائے زشت میں
لونڈی ہی تو قید خانے میں صاحب بہشت میں

کیونکر کہوں کہ آپ میں مہر و وفا تھی — میری ہی خاک قابل خاک شفا تھی
اتنا گلہ ہے بس کہ یہ غفلت روا تھی — کیا پائنتی بھی اک مری تربت کی جا نہ تھی
بے وجہ خیر خواہ سے منہ موڑتے نہیں — ساتھی برا بھی ہو تو اسے چھوڑتے نہیں
یوں مجھ کو موڑنا تو طریق وفا نہیں — صدقے گئی مرا تو کوئی آسرا نہیں
کیونکر کہے جہاز موافق ہوا نہیں — منجدھار میں ڈبونا ہے اور نا خدا نہیں
دیتی ہوں واسطہ میں شہ مشرقین کا — والی مجھے بنا گئے صدقہ حسین کا
صاحب تمہیں سکینۂ ناشاد کی قسم — صاحب تمہیں مصیبت سجاد کی قسم
تم کو حسین کشتۂ بیداد کی قسم — تم کو ہمارے نالہ و فریاد کی قسم
جب تم نہ ہو تو خاک ہے دنیائے زشت میں — مجھ کو بھی اپنے پاس بلا لو بہشت میں
یہ کہہ کے بیٹھ جو گئی سر وہ سوگوار — ڈیوڑھی پہ آگئے روتے ہوئے شاہ نامدار
سجاد کے ہاتھ تھام کے بولے بحال زار — بس بس خدا کو یاد کرو اب اے جگر فگار
انجام کار سب کے لئے مرگ و گور ہے — بی بی خدا سے کیا کسی بندے کا زور ہے
بس اے انیس بولنے کی آگے نہیں ہے تاب — طاری ہے ضعف غشی ہے طاقت بھی اب جواب
بلوا لو خاکسار کو یا ابن بو تراب — ڈر ہے کہ ہند میں مری مٹی نہ ہو خراب
جلوہ ہے مزار پہ مولا کے نور کا — خاک شفا میں قبر ہو صدقہ حضور کا

رباعی

مضمون انیس کا نہ ہر اک اترا — اترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اترا
نقاش نے سو طرح کی محنت کھینچی — تصویر نہ کھنچ سکی تو چہرا اترا

۱۱

مرثیہ نمبر ۱۴۹

جب بادبانِ کشتیٔ شاہِ اُمم گرا
یعنی زمیں پہ فوجِ خدا کا علم گرا
گھوڑے سے واں برادرِ عالی ہمم گرا
یاں فاطمہؑ کے لال پہ کوہِ الم گرا
صدمہ ہوا یہ دل پہ امامِ اُنام کے
خم ہو گئے کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

بجتا تھا واں سپاہ میں نقارۂ ظفر
ماتم تھا نوجوانیٔ عباسؑ کا اِدھر
بیٹھے تھے فرشِ خاک پہ سلطانِ بحر و بر
اکبرؑ کھڑے تھے سامنے نیچے جھکائے سر
پاسِ ادب سے شاہ کے کچھ کر نہ سکتے تھے
چہرہ تھا سُرخ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے

اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہِ دیں پناہ
باقی ہے کوئی اور کہ بس ہو چکی سپاہ
عباسؑ سا تو اب نہ کوئی ہوگا خیر خواہ
بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہیں راہ
چُنئے وہ گُل پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچایئے گا کلیجے کو داغ سے

دنیا سے کوچ کر گئے عباسؑ نامدار
اب بے چراغ ہے لحدِ شیرِ کردگار
حضرت کا شکر و صبر ہے عالم پہ آشکار
مثلِ خلیلؑ کیجیے فرزند کو نثار
آہیں نہ بھریے پیٹ کے سر کو نہ روئیے
جب جانیں ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے

بھائی کا داغ اور ہے داغِ پسر ہے اور
بازو کا درد اور ہے دردِ جگر ہے اور
قوت بدن کی اور ہے نورِ نظر ہے اور
سینے کا زخم اور ہے دردِ کمر ہے اور
گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجئے
نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجئے

دشوار ہے اگر غمِ فرزندِ نوجواں
مرنے کو آپ آئیے اے قبلۂ زماں
مشتاق تیر ہیں تبر و خنجر و سناں
جاں اپنی دیجئے جو ہے پیاری پسر کی جاں
اصغرؑ سے کچھ غرض ہے نہ اکبرؑ سے کام ہے
ہم کو تو آپ کے سرِ انور سے کام ہے

حضرت نے مسکرا کے نظر کی سوئے پسر
فرمایا کیا ارادہ ہے اے غیرتِ قمر
عباس کے فراق نے مارا غلام کو
شہ نے کہا خوشی ہے بجاں خاکسار
پر میں نہ دوں گا رخصتِ میدانِ کارزار
راضی ہوں وہ تو داغ انھیں دے کے جائیے

روکوں گا میں تمھیں یہ نہ کیجو کبھی خیال
صدقے ہے نورِ عین تصدق ہے جانِ آل
ماں کون باپ کون عطا کبریا کی ہے
سو طرح کا ملال ہوا میں نے کچھ کہا؟
بھائی کا انتقال ہوا میں نے کچھ کہا؟
آنکھوں کا نور جائے کہ گھر بے چراغ ہو

خیمے میں آئے ڈرتے ہوئے اکبرِ حزیں
اک آہ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبیں
روتے ہیں غیر سیدِ والا کے حال پر
اعدا کا ظلم بھائی کا غم تین دن کی پیاس
اب میں ہوں اور کوئی نہیں شاہِ دیں کے پاس
گھیرے ہیں سب امامِ غریب الدیار کو

تنہا کہاں امام کہاں وہ ہجومِ عام
فریاد ہے کوئی نہیں آتا ہمارے کام
مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو
تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب
ہم بھی نہیں اگر نہیں فرزندِ بوتراب
دنیا کا نور نیّرِ اعظم کے ساتھ ہے

نعلینِ عرش سا پہ جھکایا پسر نے سر
کی عرض اذن دیجئے یا شاہِ بحر و بر
بس اب نہیں ہے صبر کا یارا غلام کو
تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
اس امر میں تمھاری پھوپھی کو ہے اختیار
پالا ہے جس نے اُن سے رضا لے کے جائیے

صابر خدا کی راہ میں ہے فاطمہ کا لال
طفل و جوان و پیر کا حافظ ہے ذوالجلال
اولاد ہے تو کیا ہے عنایت خدا کی ہے
بے جاں حسن کا لال ہوا میں نے کچھ کہا؟
سب باغ پائمال ہوا میں نے کچھ کہا؟
حاضر دل و جگر ہے تمھارا ابھی داغ ہو

چھاتی لگایا ماں نے پھوپھی نے بلائیں لیں
نرغے میں ظالموں کے اکیلے ہیں شاہِ دیں
اماں مقام رحم ہے بابا کے حال پر
بازو شکستہ ضعفِ بصارت ہجوم پیاس
اس پر بھی اضطراب نہیں کچھ نہ ہے حواس
تنہا کھڑے ہیں تولے ہوئے ذوالفقار کو

میں یاں ہوں اب تو اور بھی ہوگی فوج تنگ
مٹتا ہے صفحۂ دو جہاں سے پدر کا نام
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوندِ خاک ہو
اچھا مریں گے بعدِ شہِ آسماں جناب
ذرہ کہاں غروب ہوا جب کہ آفتاب
اپنی تو زندگی شہِ عالم کے ساتھ ہے

جب گھر لٹا تو شوکتِ شاہانہ پھر کہاں
اندھیر جب ہو روشنیِ خانہ پھر کہاں
ہم ہوں جہاں میں دلبرِ ختمِ رسل نہ ہو
دنیا سے ہم کو جلد اٹھا لے ہمارا رب
صدقے ہوں خیر سبطِ نبی کے قدم پہ سب
مانع ہیں آپ اور پھوپھی سدِ راہ ہیں
مجھ کو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کروں
سر سے حقوقِ والدِ ماجد ادا کروں
وان اقتلوا الحسین کا اعدا میں شور ہے
تم دونوں صاحبوں سے مرے سب جی کا
رکھیے گا آبروئے پسر بہرِ ذوالجلال
للہ ہاتھ اٹھائیے اب نورِ عین سے
ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں ملی
پھر آپ سے کیا علاقہ ہے بیٹی نے کیا حصول
جنگل کی راہ لیں گے گریباں کو پھاڑ کے
پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مری خبر
صدقے امامِ دیں پہ ہوئے سارے نامور
بستی بسا کے رن میں شہ کربلا سے
رونے لگا یہ کہہ کے جو وہ چودھویں کا ماہ
بھانجے کے منہ پہ آ گئی زینبؑ کی نگاہ
بنتِ علیؑ تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
اُن کو اٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر
مجھ کو بھی لے کے ساتھ جو نکلو سوئے سفر
اچھا رضا حسینؑ سے لو تو جانیو!

صاحب نہ ہو تو رونقِ کاشانہ پھر کہاں
گل ہو گئی جو شمع تو پروانہ پھر کہاں
بلبل کی زندگی کا مزہ کیا جو گل نہ ہو
آغوشِ قبر میں ہو الٰہی ہمیں یہ شب
بیٹا مدد نہ کر سکے بابا کی ہے غضب
میرا قصور کچھ نہیں زہراؑ گواہ ہیں
راہِ خدا میں فوج سے تنہا وغا کروں
مالک مرے اگر نہ رضا دیں تو کیا کروں
ہے کچھ ہمارا پالنے والوں سے زور ہے
اول تو یہ کہ دیجئے مجھے رخصتِ جدال
آگے مرے شہید نہ ہو فاطمہؑ کا لال
ناداں ہیں عزیز نہ کیجئے حسینؑ سے
جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول
غربت میں گر کے نجف نہ سوئے روضۂ رسولؐ
کافی ہیں منہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے
کہہ دیجیو دو آ نہ سکے اب وہ کبھی ادھر
کچھ ان سے ہو سکی نہ مددگاریِ پدر
کہنے سے منہ چھپا کے وہ جنگل میں جا بسے
بنتِ علیؑ کی آنکھوں میں دنیا ہوئی سیاہ
گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ
زانوئے پسر کے پاؤں پہ غش کھا کے گر پڑی
بیٹے لگے گرو پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
زینبؑ پکاریں چھوڑ کے ہم کو چلے کدھر
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جانیو

کیوں پالنے کا حق یہی ہوتا ہے میں نثار
قدرت خدا کی اب نہیں کچھ ہم کو اختیار
سہرا دکھا کے مادرِ پُرغم کو چھوڑ یو
مرتے ہیں اشتیاق میں وہ دن خدا دکھائے
غل ہو کہ رن حسینؑ بہو گھر میں بیاہ لائے
بجتے ہیں گر تو حسرتِ دل یوں نکالیں گے
اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ لے کے ہم
یاد آتی ہیں وہ ہنسلیاں وہ کان کے گہر
نازتی ہو حیف شکن ہو سعادت نشان ہو
دادا کا مرتبہ تمہیں دے ربِّ ذوالجلال
قابل ہے رحم کرنے کے واری بچارا حال
کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یاس ہو
دنیا میں کوئی شخص لگاتا ہے گر شجر
بالفرض یہ جہاں میں پھولے پھلے مگر
کچھ تو ملے ہیں ہمیں ثمر اس نہال کا
قوت تمہیں ہو دل کی تمہیں پارۂ جگر
لاشیں بھی گھر میں آئیں تو پیشانہ میں بل
اکبر تو ہے اگر مرے پیارے نہیں نہیں
باتیں یہ کر کے منہ پہ لیا گوشۂ ردا
بس گر پڑا پھوپی کے قدم پر وہ ور تھا
ہیں بے وفا نہیں ہوں یہ روشن ہے آپ پر
منہ سے ہٹائیے تو ردا بہر کردگار
چادر ہٹا کے منہ سے یہ بولی وہ دل فگار
اصغر ہو یا کہ تم ہو مجھے سب سے پاس ہے

انشاء اللہ واری بھول گئے سب ہمارا پیار
بن بیاہے تم ابھی تو ہوئے میرے گلعذار
آئے وہ دلہن تو صدقے گئی ہم کو چھوڑ یو
یہ دائی اپنے ہاتھوں سے دولھا نہیں بنائے
اچھا نہ ہم سے آنکھ ملانا دولھن تو آئے
اب ہم تمہاری طرح سے پوتے کو پالیں گے
گرتے وہ بیٹھے دوڑتے پھرنا ادھر ادھر
یا آج تیغ ہاتھوں میں ہے دوش پہ سپر
کیا کام ہم سے نام خدا اب جوان ہو
قائم تمہارے سر پہ ہے فاطمہ کا لال
بچپن کی دائیوں کا بھی رکھتے ذرا خیال
اب تو تمہیں ہمارے بڑھاپے کی آس ہو
ہوتی ہے یہ امید کرے گا کبھی ثمر
خوش ہوں گے اس درخت کے سایے میں بیٹھ کر
صدقے گئی ریاض ہے اٹھارہ سال کا
یہ بھی خبر نہیں تجھے کب مر گئے پدر
میں کہتی تھی بچے یہ مرا غیرتِ قمر
روشن ہے گھر میں چاند ستارے نہیں نہیں
سر چوب سے ٹیک کے کہا وا [illegible]
کی عرض رو کے اے پھوپی اماں کروں کیا
فرض ہے فوج کا مرے مظلوم باپ پر
اچھا نہ جائیں گے سوئے میدان کارزار
میں کون صدقے جاؤں تمہیں کو ہے اختیار
رخصت کا اس نے کی تو واں تو یاس ہے

اکبر نے ماں کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
تم سے پھوپھی خفا ہیں جھکا دو قدم پہ سر
سر کی نہ کچھ خبر ہے نہ چادر کا ہوش ہے
جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
بس اب زباں سے کچھ نہیں کہنے کا یہ غلام
بندے پہ کی ہے ماں نے یہ شفقت نہ باپ نے
انصاف کیجئے کسے پیاری نہیں ہے جاں
کرتا ہے کوئی باغ جوانی کا رائگاں
لیکن جہاں سے آج گزرنا ہی خوب ہے
اکبر نے یہ کلام کئے جب بصد ادب
لے کر بلائیں چہرے کی بولی وہ تشنہ لب
سچ ہے جہاں میں تم سا کوئی باوفا نہیں
کیوں کانپتے ہو اشک ہیں آنکھوں سے کیوں رواں
تو میں نے دی رضا تمہیں اے میرے نوجواں
یوں تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
جس شب کو رونے لگتے تھے سوتے سے چونک کر
دشمن تمہارے ہوتے تھے ناخوش کبھی اگر
جب تم کراہتے تھے یہ غش کھا کے گرتی تھی
آنکھیں بچھائیں ماں نے جو تم گھٹنیوں چلے
نازوں سے منتوں سے مرادوں سے تم پلے
اس نے اپنی عمر مصیبت میں کھوئی ہے
بانو نے ہاتھ جوڑ کے زینب سے یہ کہا
اس قافلے میں آپ ہیں اب ماں کی جا
صدقے ہے یہ بھی صورت پروانہ آپ پہ

ماں نے کیا اشارہ کہ اے غیرت قمر
قرباں جاؤں عرض کرو ہاتھ باندھ کر
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے
تقصیر عفو کیجئے اے خواہر امام
میری تو ماں ہیں آپ مجھے کیا کسی سے کام
راتوں کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے
اور وہ علی الخصوص کہ جو ہوئے نوجواں
ہوتے ہیں پیر بھی جو چھٹے گلشن جہاں
عزت پہ بات آئے تو مرنا ہی خوب ہے
الفت کا جوش آ گیا بنت علی کو تب
گڑھتے ہو کس لئے میں نہیں روکتی ہوں اب
واری تمہارے سر کی قسم میں خفا نہیں
تم راست گو ہو سچ ہے تمہارا یہ سب بیاں
تم جاؤ تو آگے صدقے گئی یہ تمہاری ماں
کچھ ماں کا حق بھی کم نہیں ہوتا ہے باپ سے
گودی میں لے کے تم کو یہ پھرتی تھی تا سحر
بس جاگنا تھا اور دعائیں تھیں رات بھر
جھولے کے گرد صورت پروانہ پھرتی تھی
تلووں سے اس نے دیدۂ حق بیں ملے
صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے
برسوں یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوئی ہے
صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
میں نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا
پہ کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پہ

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہ بحر و بر
بانو بھی رو دی شہ کے قدم پر جھکا کے سر
سمجھی تھی میں کہ رن سے علمدار آتے ہیں
بانو کے منہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہِ ہدا
راہیں سب ان کی روکنے کی بند ہو گئیں
ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبرؑ نے عرض کی
زہرا کی وہ بہو ہیں تو یہ دخترِ علیؑ
رویا جو میں تو ماں نے گلے سے لگا لیا
عاشق ہیں یہ حضور کی یا شاہِ نامدار
دیکھیں ہیں کس نے بیبیاں ایسی فلک وقار
سب فاطمہ کا صبر ہے خو ہو تو ایسی ہو
ماں نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھئے
زینبؑ یہ بولیں ذہن کی جودت تو دیکھئے
کیا بات بھائی ان کو بھلا بول چال کی
رومال رکھ کے آنکھوں پہ بولے امامِ دیں
سچ ہے اجل سے بس کسی انسان کا نہیں
بے جا ہے روکنا جو یہ طالب رضا کے ہیں
آیا بنائے ہستیِ انساں میں جب خلل
جاتا ہے کوئی آج جہاں سے تو کوئی کل
نہ فاطمہؑ رہیں نہ امیرِ عرب رہے
رو کر کہا پسر سے کہ اچھا سدھاریئے
زینبؑ سے بولے ہاتھ نہ سینے پہ ماریئے
لے آؤ مصطفیٰ کی قبا ان کے واسطے

لے لیں بلائیں بھائی کی زینبؑ نے دوڑ کر
بولی لپٹ کے بالی سکینہ کہ اے پدر
جو اب تو گھر سے نہر پہ بھیا بھی جاتے ہیں
کیوں سچ ہے تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
کہیے پھوپی بھتیجوں میں کیا فیصلہ ہوا
سنتا ہوں میں کہ تم بھی رضامند ہو گئیں
اماں نے بھی رضا ہے دی اور پھوپی بھی
آقا سوال رد نہیں کرتے کبھی سخی
مرنے کا اذن دے کے پھوپی نے چلا لیا
مجھ سے جو پوچھو تو کریں آپ پہ نثار
وہ ہاجرہ کا فخر یہ مریم کا افتخار
بیٹی ہو اس طرح کی بہو ہو تو ایسی ہو
نامِ خدا زباں کی طلاقت تو دیکھئے
ہر بات میں ثبوتِ اجازت تو دیکھئے
گویا زباں ہے مصحفِ ناطق کے لال کی
تم دو گی رخصت ان کو مجھے یہ نہ تھا یقیں
آیا تھا اتنی عمر میں مرنے کو یہ مہ جبیں
اے بنتِ فاطمہ یہ کرشمے قضا کے ہیں
رونا ہے بے حصول کہ بے سعی بے محل
رو رو کہ خاک اڑاؤ نہیں چھوڑتی اجل
ہم شکل جن کے یہ ہیں وہ دنیا میں کب رہے
پوشاک تو پہنے یہ کپڑے اتاریئے
شانہ منگا کے گیسوئے اکبر سنواریئے
خلعت رکھا تھا ہم نے اسی دن کے واسطے

آنسو بہا کے بانوئے ناشاد نے کہا
لاؤ عمامۂ شبِ معراجِ مصطفےٰ
جاتے ہیں برچھیوں میں انھیں دیکھ بھال لو
کشتی میں لائی بنتِ علیؑ بیاہ کا لباس
کپڑے تو یہ نہ بیٹوں کا میں اے فلک ساس
ہیں سوگوار ہاتھ میں رومال دیجئے
محتاجِ قبر ہے ابھی لختِ دلِ حسنؑ
ہم کس طرح سے پہنیں یہ شادی کا پیرہن
بھائی کے غم میں چاک گریباں ہے شاہ کا
تڑپی یہ سُن کے زوجۂ عباسِ نامور
گرانے آہ بھری اک جھکا کے سر
فریادِ شاہِ دیں کی صدا تا فلک گئی
جب بہرِ جنگ اکبرِ شیریں سخن چلے
وادی اجاڑ کر کے ہمارا چمن چلے
پردہ اٹھا جو خیمۂ گردوں پناہ کا
خدام تازئ علی اکبرؑ کو در پہ لائے
ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبرؑ قریب آئے
اللہ کتنا شوقِ شہادت ہے آپ کو
دنیا سے کوچ کرتا ہے تم سا جواں پسر
جھک کر قدم کے سمت یہ بولا وہ نامور
رونے کو ضبط کیجے جگر کو سنبھالئے
شہ نے کہا کہ تم نہ ہوئے جب تو گھر کہاں
بے وقت تم کو رونے میں ایسا جگر کہاں
گھر تھامے کون تم تو کمر توڑے جاتے ہو

پروان آج چڑھتا ہے صاحب پسر ترا
ارمان تھا بہت تمہیں اکبرؑ کے بیاہ کا
دولھا بنا کے بیاہ کی حسرت نکال لو
اکبرؑ یہ ہاتھ جوڑ کے بولے بہ درد و یاس
تازہ ابھی ہے ماتمِ عباسؑ حق شناس
گودی میں لا کے شالِ عزا ڈال دیجئے
عریاں پڑے ہیں عونؑ و محمدؑ سے گل بدن
عباسِ نامور نے پایا نہیں کفن
مر کر کفن ملے یہی جوڑا ہے بیاہ کا
قاسم کی ماں پکاری کہ ہے ہے مرے پسر
بیٹوں کے غم سے پھل گیا زینبؑ کا بھی جگر
عمو کا حال سُن کے سکینہؑ بلک گئی
بانو پکاری اے مرے گل پیرہن چلے
پیچھے جواں پسر کے امامِ زمن چلے
اک برج سے طلوع ہوا مہر و ماہ کا
آنکھوں سے اشک قبلۂ کونین نے بہائے
چلائے شہ کہ چھوڑ چلے ہم کو ہائے ہائے
دو چار گام ساتھ تو چلنے دو باپ کو
اے لال قبر تک تمہیں پہنچا تو دے پدر
تکلیف ہوگی آپ کو یا شاہِ بحر و بر
ناموس نکلے آتے ہیں گھر کو سنبھالئے
بیٹا نہ ہو تو لطفِ حیاتِ پدر کہاں
خود بے خبر ہیں ہم کو کسی کی خبر کہاں
ہم کو سنبھالتے ہو کسے چھوڑے جاتے ہو

فرزند نے جو روحِ محمدؐ کی دی قسم
منھ دیکھ کر پسر کا یہ بولے بچشمِ نم
پھر اس طرف کی راہ اُدھر جا کے لیجیو
روتا ہوا اٹھا سوئے گلگوں وہ گل بدن
گھوڑا سجا ہوا تھا بہادر کا یادِ وطن
آہو خجل تھے کبک دری کو حجاب تھا
پہونچا عجب شکوہ سے رن میں وہ مہ جبیں
آئے رسولِ حق یہ ہر اک کو ہوا یقیں
تصویر سر سے تا بہ قدم مصطفیٰؐ کی ہے
شکلِ کماں کشیدہ ہیں ابروئے بے نظیر
سر پر نہ ہونے دیں گے عدو کو مژہ کے تیر
قربان چشمِ سرمہ کشیدہ کی شان پر
ہے جلوۂ جبینِ مبیں چاند سے دوچند
زیبا ہے اختروں کو جو گردوں کرے پسند
ہے بینی راستی پہ گل دل نواز ہیں
آنکھوں کو بیں کعبہ سمجھتے ہیں حق پرست
صانع نے کر دیا صفِ مژگاں کا بند و بست
مردم میں روشنی ہے اسی نورِ عین سے
ہم شکل ہیں جنابِ رسالت مآب کے
گیسو ہیں یا ہیں ماہ پہ ٹکڑے سحاب کے
دونوں سے نور میں مہ و خورشید ماند ہیں
گلزارِ حسن سے کوئی دیکھے دہن کا رنگ
شرمندہ ہے لبوں سے عقیقِ یمن کا رنگ
بلبل بھی مدح خوانِ چمن مرتضیٰؑ کی ہے

بس تھرتھرا کے بیٹھ گئے قبلۂ اُمم
اچھا سدھارو خیر تو جائیں گے ساتھ ہم
مر جائیں ہم تو جلد خبر آ کے لیجیو
گویا چڑھے براق پہ محبوبِ ذوالمنن
ہر گام پہ دکھاتا تھا طاؤس کا چلن
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا
کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
غل تھا یہ نوجواں تو ہے یوسف سے بھی حسیں
اس حسن کے بشر بھی ہیں قدرت خدا کی ہے
ارژنگ بھی جس سے سہم کے ہو جائے گوشہ گیر
ہیں اس کمان تیر پہ قربان جوان و پیر
چلّہ چڑھا ہوا ہے کیانی کمان پہ
گیسو نے مشک بیز ہیں یا عنبریں کمند
پایا ہے ابروؤں نے عجب رتبۂ بلند
آنکھوں پہ کیوں جگہ نہ ملے سرفراز ہیں
کیفیتِ رحیقِ محبت سے ہیں یہ مست
عین الکمال سے انھیں پہونچے نہ تا شکست
دیکھے کوئی ان آنکھوں کو چشمِ حسین سے
کہتا ہے حسن خود کہ نثار اس شباب کے
رخسار ہیں کہ پھول کھلے ہیں گلاب کے
زلفیں گواہ ہیں کہ اندھیرے کا چاند ہیں
اُڑتا ہے غنچۂ دہن و یاسمن کا رنگ
رنگیں بیاں ہیں سب سے جدا ہے سخن کا رنگ
غنچے سے پھول جھڑتے ہیں قدرت خدا کی ہے

اللہ رے نور گوہر دندان آبدار
الماس صدقے حاصل بحر عدن نثار
دولت ملی ہے اکبر شیریں مقال کو
روشن ہے وصف گردن نازک کے نور سے
موتی دکھاتے ہیں یہ بھینا کو دور سے
گردن بھی بے عدیل گلابی نشاں ہے
ظاہر ہیں ان کے ہاتھوں کی زور آزمائیاں
سرکی ہیں دم میں بدر و احد کی لڑائیاں
بالا دیا ہے سب سے جہاں میں علی کا ہاتھ
سینہ خزینۂ کرم و عدل و داد ہے
جو طب دیا بس اس میں ہو سب ان کو یاد ہے
دولت جو نوح کی ہے سفینے میں ان کے ہے
وہ سینہ جس کا مصحف اکبر مشبہ ہے
بیداد برچھیوں کی جو تیر و کلی پر ہے سینہ
وشید ارآنکھیں ملتے ہیں دست رفیع پر
کس طرح کوئی وصف سراپا کرے رقم
قطرہ کہاں کہاں صفت قلزم کرم
یاں سب تعلیاں شعرا کی فضول ہیں
اس شان سے کھڑے ہیں علی اکبر جواں
کہتا ہے ابن سعد ستمگار سخت جاں
صد مدعا فقت کا امام زماں پہ ہو
کشتی ہے نوح سب کہ خدا سے ڈرے امیر
حاکم کے گر عتاب کا ڈر ہو تو اے شریر
دنیا میں دوسرا کوئی تجھ سا شقی نہیں

بجلی چمک رہی ہے بدخشاں میں بار بار
ہیں گوہر خزینۂ محبوب کردگار
ان موتیوں سے عشق ہے زہرا کے لال کو
فی الواقعی فزوں ہے ضیا شمع طور سے
شیشہ بھرا ہوا ہے شراب طہور سے
نحر سہیل ہے تو گریباں ہلال ہے
شل علی کریں گے صفوں کی صفائیاں
زور یداللہ سے بھری ہیں کلائیاں
پہونچے وہاں جہاں نہیں پہونچا کسی کا ہاتھ
ان لاکلام مصحف رب عباد ہے
ایمان جانتا ہے جو خوش اعتقاد ہے
جو طور پر ضیا تھی وہ سینے میں ان کے ہے
نیزے لگائیں اس پہ لعیں یہ غضب ہو یہ
سوراخ ہوں بدن کی قبا صورت زرہ
کیا ہاتھ تھے اٹھے جو نبی کی شبیہ پر
جلوہ خدا کے نور کا ہے سر سے تا قدم
مور ضعیف مدح سلیمان ذی حشم
بس خاتمہ ہوا کہ شبیہ رسول ہیں
اور اس طرف کھڑے ہوئے ہیں فوج کے نشاں
شبیر کے چراغ کو جلدی بجھاؤ یاں
دیکھیں حسین اور سر اکبر سناں پہ ہو
چپ رہ ارے شقی یہ ہے تصویر بے نظیر
اس کے قدم پہ جا کے گریں سب جواں و پیر
بتلا یہ کون ہے جو ہمارا نبی نہیں

تیرے ہمارے بیچ میں ہے شکلِ مصطفیٰؐ
قامت ہے صاف قامتِ دلجوئے مصطفیٰؐ
سب روشنی جمالِ رسولِ زمن کی ہے
کیوں ایسے امرِ زشت کا ہو مرتکب بشر
آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہیں سید البشر
جنگ گرم کیا ہے، رسالت پناہ نے
کہنے لگا یہ سن کے وہ فتنہ گر
ہوتا نہ تھا کسی کا تنِ پاک تک گزر
ہوتا تھا دھوپ میں جو گزر اس جناب کا
جس راہ سے گزرتے تھے پیغمبرؐ زماں
محبوبِ کبریا ہیں ارم میں یہاں کہاں
محبوبِ کبریا نہیں کوئی شک نہیں
بالفرض وہ بھی تھے تو پھر تم کو خوف کیا
اکثر بہادروں نے رسولوں سے کی دغا
درپے رہے جناب رسالتؐ پناہ کے
اسلام کس کو کہتے ہیں ایماں ہے کس کا نام
دشمن کی مدح واہ یہ ہے کون سا کلام
گریوں کرو گے رحم جو اک نورِ عین پر
اکبر کو غیظ آگیا سنتے ہی یہ کلام
یہ کیا کلام کرتا ہے تو او نمک حرام
ان کے قدم پہ جن و بشر جان دیتے ہیں
سن کر صدائے شیر ہٹا فوج سے شریر
صفدر نے لی نیام سے تیغِ قضا نظیر
بجلی عیاں ہوئی غضبِ کردگار کی

کھاتا تو قسم نہیں ملتا ہے یہ گیسوئے مصطفیٰؐ
ایسے نہ تھے ملے ہوئے ابروئے مصطفیٰؐ
جنگل بسا ہوا ہے یہ بو کس بدن کی ہے
ایماں کا جس میں خوف ہو اور آبرو کا ڈر
اُترا ہے آسماں سے ملک وہ نہیں ہیں گر
تجھ کو تو کور کر دیا ہے حُبِ جاہ نے
بھولے نشانِ خیبر و دامن و سر بسر
سایہ کبھی نہ جسم کا پڑتا تھا خاک پر
رہتا تھا فرقِ پاک پہ سایہ سحاب کا
بچوں کی تین روز مہک رہتی تھی یہاں
اکبر ہے یہ حسینؑ کا فرزندِ نوجواں
ہم صورتِ رسولؐ ہے کچھ اس میں شک نہیں
فرمان جو امیر کا حاکم کی جو رضا
پتھر سے توڑے گو ہیں دندانِ مصطفیٰؐ
تلوار ماری فرق پہ شیرِ خدا کے
بندے ہیں زر کے ہم کو نہیں کچھ کسی سے کام
ہوتی ہے دیر جاؤ یہ قصہ کرو تمام
کیونکر چھری پھراؤ گے حلقِ حسینؑ پر
دیکھا جو ابنِ سعد کو یہ صدا تول کر حسام
لیجو زباں سے پھر نہ امامِ اُمم کا نام
نامِ حسینؑ صلِ علیٰ کہہ کے لیتے ہیں
یاں سے بڑھے تھے یہ کہ چلے اس طرف سے تیر
سمٹی زمیں لرزنے لگا آسمانِ پیر
یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

پڑھ کر رجز دلیر در آیا سپاہ میں
ہل چل ہوئی جری جو در آیا سپاہ میں
بجلی خدا کے قہر کی تھی یا حسام تھی
دوزخ میں ناریوں کے پرے پیش و پس گئے
آگے گئے سوار تو پیچھے فرس گئے
چھایا تھا ابر غم پہ ہر صفات پر
جوہر شناس تیغ زباں منھ اُدھر کریں
دشمن ہزار سینے کو اپنے سپر کریں
جتنوں میں ذوالفقار کی سب آب و تاب ہے
درپے تھی سرکشوں کی جو وہ تیغ جانستاں
ترکش سے تیر بھاگتے تھے تیر سے کماں
یارا عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا
قبضہ ہر ایک تیغ سے ہر تن سے سر لیا
ڈھالوں سے پھول لے گئے پھولوں سے رنگ لیا
پُر خوں جو ہو کے وہ تیغ تُل گئی
ترکش وہ جن کو جانتے تھے سب اجل کا گھر
ہر اک عقاب تیر کے ٹوٹے ہوئے تھے پر
اس جنگ میں دہن کو نہ سوفار کھولتے تھے
سر لوٹتے تھے برچھیوں والوں کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالوں کے ہر طرف
خاطر نشاں نہ تھی کسی آفت نشان کی
جوشن تنا گئے وہ جو ہر تن سے آ گئی
جلتے ہوئے کباب کی بو تن سے آ گئی
پھر وہاں فقط نہ فوج ہی آفت رسیدہ تھی

گویا جھپٹ کے شیر نر آیا سپاہ میں
خیبر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں
پہلے ہی وار میں صف اول تمام تھی
پانچ اس طرف جو تیغ نہ چمکے تھے کود گئے
جب برق تیغ کو نہ گئی سر برس گئے
غل تھا کہ ادھ موئے پڑے ہیں کشت حیات پر
تیزی کو حرف حرف کی تہ نظر کریں
مصرعے وہ جا گزیں کہ شگوفے جگر کریں
بین السطور تیغ حسین کی آب ہے
گوشوں سے تھی بلند صدائے الاماں
گردن سے سر رگوں سے لہو اور بدن سے جاں
رن میں کہیں نشان قدر انداز کا نہ تھا
برچھی سے پھل تو زین فرس سے تبر لیا
اپنا خراج تیغ نے اُن سب سے بھر لیا
اک اک گرہ بندھی ہوئی نیزے کی کھل گئی
کاٹے ہوئے پڑے تھے وہ رستے پہ سر بسر
طاقت نہ تھی کہ شاخ کماں تک کریں گزر
طائر ڈرے ہوئے تھے کہ شفا رکھوتے تھے
ٹکڑے پڑے تھے دشت میں بھالوں کے ہر طرف
پرکالے اڑتے پھرتے تھے ڈھالوں کے ہر طرف
انبار تھیں کٹی ہوئی شاخیں کمان کی
گویا سموم کوہ کی دامن سے آ گئی
چمکی تو الاماں کی صدا رن سے آ گئی
خوں میں زمیں بھی صورت بسمل طپیدہ تھی

ثابت نہ تھے بدن سے کسی تیغ زن کے ہاتھ
سب تھک گئے مگر نہ تھکے صف شکن کے ہاتھ
پہنچا تھا ہاتھ ہاتھ جو دستِ خدا کا زور
رن میں جمے تھے دلبرِ خیر النسا کے پاؤں
دہشت سے اُٹھ گئے تھے سپاہِ لعیں کے پاؤں

جس دم وہ حرب و ضرب اُسے یاد آتی ہے
دب کر سوارِ شام کے لشکر کے رہ گئے
روحیں کہاں کی ڈھیر تن و سر کے ہو گئے
تھا نہ ریت پہ کسی ناکس کی لاش تھی

سر سے عدو کے خود جدا تن سے سر جدا
سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا
ٹکڑے تھے عضو قطع تھا جامہ حیات کا
جس پر چلی وہ تیغ فنا ہو کے رہ گیا
بڑھ کر تھمے تو حشر بپا ہو کے رہ گیا

تھا ایک ہاتھ میں سر اسوار زین پر
سرسبز سب پہ تھا شجرِ گلشنِ رسول
گرتے تھے بار بار یہی تھا ثمر حصول
زہرا کا باغ اُجاڑ کے راحت سے سو گئے تھے

کھنچتا ہوا دھم قلم اب سرعتِ عقاب
پستی میں سیل ہے تو بلندی میں ہو سحاب
اُڑنے میں اس فرس کو پرندوں پہ اوج ہے
افزوں ہے زلفِ حور سے خوشبو ایال کی
پریاں خرامِ ناز میں شاگرد چال کی
وہ حسن تن پہ ساز کا جو بن براق کا

اُڑتا تھا سر جسے یہ لگاتے تھے تن کے ہاتھ
وہ معرکہ رہا اسی گل پیرہن کے ہاتھ
ہر ضرب میں دکھا دیا خیبر کشا کا زور
تیغ ہو کہیں کھوتے ہیں رکنِ کمیں کے پاؤں
تھکتے نہ معرکے میں جو ہوتے زمیں کے پاؤں

یہ زلزلہ نہیں ہے زمیں کانپ جاتی ہے
خالی صفوں میں سر نفس بھر کے رہ گئے
ہر چند سنگ دل تھے پہ مر مر کے رہ گئے
اک اک شقی کی لاش پہ دس دس کی لاش تھی

شانوں سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
گھٹنوں سے ہر دو پائے ضلالت اثر جدا
عالم مرکبات میں تھا مفردات کا
سر تن سے جسم سر سے جدا ہو کے رہ گیا
گردن سے تا کمر کوئی لا ہو کے رہ گیا

رہوار کی کشی ہوئی گردن زمین پہ
تھے زرد مثلِ برگِ خزاں دیدہ سنبل
برچھی سے پھل کماں سے شاخیں پہ پھول
آخر لگے وہ سب وہی کاٹنے جو بوئے تھے

نعل اس کے راہوار میں تو مثلِ آفتاب
سرعت میں برق گرم روانی میں جوئے آب
اک شور تھا قدم نہیں دریا کی موج ہے
دیکھیں تو لیں بلائیں صدا بال بال کی
غصے میں ہیبت شیر کی شوخی غزال کی
دُلدل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ براق کا

نازک مزاج و نسترن اندام و تیز دَو
اس کا نہ اک قدم زقند میں ہرن کی دَو
رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا
ہر سر سے تند بو سے سبک رو ہوا سے تیز
طاؤس و کبک و نسترو عقاب و ہما سے تیز
ذی جاہ تھا سعید تھا فیروز بخت تھا

سمٹا جما اڑا ادھر آیا ادھر گیا
تیروں سے اڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا
گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اس کے فگار تھا
جب خوب لڑ چکا شہ دیں کا سرور جاں
بدکار و بد سرشت و بد آئین و بد زباں
غرہ تھا اپنے زور پہ خانہ خراب کو

افزوں تھا دیو سے بھی تن و توش نابکار
اسفندیار و عنتر و نمرود نام دار
شورش مزاج میں تو ستم آب و گل میں تھا
بدکار و حاکم فاسق تھا خود و سپیر
ذی جوشن شقی کا جو تھا ناخلف پسر
ظاہر کماں سے سرکشی بد نہاد تھی

میداں میں یوں بڑھا جو حریف اس نے شیر کو
گھر مارا تھا رخش کو وہ بانیٔ اسد
بڑھتے ہی تھا کہ عقب باد پا چلے
وہ کفر تھا یہ دیں تھے وہ ظلمت یہ نور رب
وہ ننگ دہر تھا تو یہ عزت عرب
کاذب تھا وہ شقی یہ سعادت نشان تھے

گردوں سپہر بادیہ پیما، برق دَو
دو دو زمانے کا ہلی تھی اُسے نہ جو
سرعت میں کچھ کمی تھی نہ جھل بل میں فرق تھا
چالاک فہم و فکر سے ذہن رسا سے تیز
جانے میں اڑ کے ہدہد شہر سبا سے تیز
رہوار کیا ہوا پہ سلیماںؑ کا تخت تھا

چمکا پھرا جہاں دکھایا ٹھہر گیا
برہم کیا صفوں کو پروں سے گزر گیا
ضربت تھی نعل کی کہ سروں ہی کا وار تھا
نکلا ادھر سے جنگ کو اک شام کا جواں
سرہنگ و جنگجو و سلح شور و پہلوان
رستم کو مانتا تھا نہ افراسیاب کو

قوت میں عمرو و عنتر و مرحب کا یادگار
شیر آئے سامنے تو کرے شیر کا شکار
نے آنکھ میں حیا تھی نہ رحم اس کے دل میں تھا
تھی وہ سیاہ ابن سعد کی سپر
پہنے تھا اس کی تن کی زرہ بر میں بد گہر
قبضے میں تیغ بدعت ابن زیاد تھی

تھرائے قلب ہل گئی سہراب کی لحد
یاں سے بڑھا سرور دل غنیم صمد
مرحب کے قتل کرنے کو شیر خدا چلے
یہ رشک آفتاب درخشاں وہ تیرہ شب
یہ خیر حب رسولؐ وہ شر حب ابولہب
وہ جسم کفر تھا تو یہ ایماں کی جان تھے

غازی کو تیز کر کے یہ غازی نے دی صدا

انساں کو اپنی آپ ستائش نہیں روا

ذی قدر ہیں شبیہ ہیں عالی جناب ہیں

زیبا نہیں ہے وہ جو کرے دعویٰ جمال

پایا ہے آفتاب نے کیا اوج کیا جلال

شیطاں کو وصل نار کا آدم کو نور کا

ظالم کسی کے فخر کو ہم مانتے ہیں کب

کس سے کٹا ہے جد شہ تیغ امام سید عرب

جو دوست ہے خدا کا پسر اس ولی کے ہیں

شامی بڑھا ادھر کو جو نیزہ سنبھال کے

مہمیز کی فرس کو جو کاوے پہ ڈال کے

سیماب ہو جو گرم تو پھر کیا قرار دے

چمکے جناب حجاب کے جو خونخوار کا سمند

دونوں طرف نبرد میں نیزے ہوئے بلند

لہراتے تھے ہوا سے پھریرے کھلے ہوئے

گرد اٹھ رہی تھی اور نشاں پر بھی نشاں

ہر طعن تھی غضب کی تو آفت کی ہر کنی

یعنی عرق میں وہ بھی پسینے میں غرق تھا

گر آڑ کی تندی ہوئی چوٹیں تھیں سب ادھر

ہشیار کر کے صید کو جھپٹا وہ شیر نر

سرور جھکا ہوئے ہیں کبھی سے ڈنڈی کہیں

گرز گراں اٹھا کے بڑھا وہ سیہ دروں

چلتا ہے کوئی سامنے اعجاز کے فسوں

تھا ان کا ہاتھ فضل خدا سے علی کا ہاتھ

او خود نگر فتنہ کچھ تجھے دعویٰ ہے گر تو آ

قائل ہیں جس کے سب وہ بہادر ہے مرحبا

ذرے بھی جانتے ہیں کہ ہم آفتاب ہیں

کب ہم نے کہا کہ ہیں ہوں صاحب کمال

کی سرکشی ادھر کہ ادھر آ گیا زوال

یہ عجز کا ثمر ہے وہ پھل ہے غرور کا

روشن ہے آفتاب سے اجداد سب نسب

ہم سے بزرگ کوئی نہیں غیر ذات رب

کافی ہے جس پہ فخر کریں وہ علی کے ہیں

منعم نے دی صدا کہ ذرا دیکھ بھال کے

دہوا اور شیر جل گیا آنکھیں نکال کے

نزدیک تھا شقی کو فرس سے اتار دے

آگے بڑھا حسین کا فرزند ارجمند

حلقہ سے گرز کے کھل گئے بند بھنے لگے جو بند

دو اژدہے تھے جنگ کے اور نہتے ہوئے

انیوں سے اژدہے تھے خبر لے کے الاماں

طاقت کا جائزہ تھا شجاعت کا امتحاں

ہر وار و ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا

دشمن کبھی گلا تھا کبھی ہاتھ گا دستہ

نیزے سے کار تیغ لیا وار دے ہنر

ہو رہی کہیں تھی ڈانڈ کہیں تھی انی کہیں

آنکھیں غضب سے سرخ ہیں مشکل سے حاکموں

ہر ضرب میں خفیف ہوا خود وہ ذوفنوں

بے زخم کھائے ہو گیا مجبور اشقی کا ہاتھ

ظالم نے گرز پھینک کے قبضے میں لی کماں
چھوڑا شقی نے تیرِ سہ پہلو کہ الاماں
ضربت تھی یا کہ قہرِ خدائے جلیل تھا
رخ پھیر کر چلا تھا کہ غازی نے دی صدا
کیوں سنبھلیں ہے کھینچ کے تلوار منہ پہ آ
تیغیں پکڑ کے جنگ و جدل پر تلے شقی
لی دونوں نے میان سے شمشیرِ برق دم
نکلے سیاہ ابر سے اُٹھے تبسم
دونوں طرف ہوئی تگ و دو کارزار میں
چوٹیں غضب کی چلنے لگیں اور غضب کے وار
اس شان سے شقی پہ چلے تشنہ لب کے وار
رخ زرد تھا ہراس سے ہر زور گرد کا
شوکت وہی شکوہ وہی اور وہی جلال
تیغ و سپر جیا شیرِ الٰہی کی چال ڈھال
نقشہ دکھا دیا شہِ دلدل سوار کا
ڈھالوں کے پرزے ہو گئے پیہم کے جو وار
دانتوں کو پیس پیس کے آتا تھا بار بار
بڑھ بڑھ کے یوں وہ ہوتا تھا پیادہ پرے
لایا کلام سخت زباں پہ وہ بد زباں
دستِ اجل بڑھا کہ اٹھی تیغِ جانستاں
گھبرا کے خود اجل کے شکنجے میں آ گیا
نہ وہ تمکنت تھی نہ وہ زور جنگجو کا
ظالم شکار بن گیا شیرِ خدیو کا
نکلی بغل سے تیغ عجب کر و فر کے ساتھ

آیا شتاب جل کے تو ہی ہیکل و جواں
تھا سر پہ تیغ تول کے شہزادۂ جہاں
گوشہ نہ تھا کماں تھی نہ چلّا نہ تیر تھا
اور کج نہاد و سرکش و پُرپیچ و بے حیا
میداں سے بھاگتا ہے یہ ہے تیری خطا
ہم پر تو کچھ ابھی ترے جوہر کھلے نہیں
دو بجلیاں چمک کے ہوئیں یک بیک علم
چالاکیاں دکھانے لگے اسپِ خوش قدم
یہ گرد اُڑی کہ چھپ گیا گردوں غبار میں
کس کس ہنر سے روکتے اس بے ادب کے وار
یاد آ گئے ہر اک کو امیرِ عرب کے وار
یاں تھا شجر تھا علی ولی کی نبرد کا
تیور وہی حواس وہی اور وہی کمال
دعوٰی نہ اس پہ کچھ نہ تجبر نہ قیل و قال
جب حرب کی تو نام لیا کردگار کا
بھرتا تھا اژدہے کی طرح دم سیاہ کار
لیکن وہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار
جس طرح زخمی صید دبکتا ہے شیر سے
بس آ گیا جلال میں شہزادۂ جہاں
اُڑ کر گیا فرس پہ سمندِ سبک عناں
عصفور شاہباز کے پنجے میں آ گیا
منہ پھر گیا طمانچہ جو ضیغم سے دیو کا
کافر تھا وہ تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا
اک ہاتھ تن کے ساتھ تھا اک سر کے ساتھ

دیکھا جو باپ نے کہ پسر کو ہوئی ظفر
سجدے سے سر اُٹھا کے پکارے بچشمِ تر
قابو میں دل نہیں ہے بہت بے قرار ہوں
بہتر نہیں ہے اس سے مرے پاس کوئی شے
گزری بہار زیست کی آیا زمان دے
حُرمت سے اس پسر کی شہادت حصول کر!
مقبول جس طرح ہوئی قربانیِ خلیلؑ
دُنبہ وہاں بہشت سے لائے تھے جبرئیلؑ
اُمت بھی بخشی جائے پسر بھی سعید ہو
مصروف تھا دُعا میں اُدھر فاطمہؑ کا لال
بڑھ کر وغا کرے یہ کسی کی نہ تھی مجال
سوکھے تھے ہونٹ رنگ بھی فاقوں سے زرد تھا
بے دیر سے لڑے ہوئے وہ فوج تازہ دم
ہاتھوں کا زور کم ہوا جاتا تھا دمبدم
آنکھیں تو سرخ غیظ سے تیوری چڑھی ہوئی
نکلا پرے سے ایک جفاکار و کینہ خواہ
چلایا دیکھ کر طرفِ بارگاہِ شاہ
اس نوجواں کے ہجر میں آخر نکل پڑی
تھا عشق سے بھوپھی کے تو واقف وہ لالہ فام
گردن پھرا کے جلد نظر کی سوئے خیام
برچھی کسی کی سینۂ انور پہ چل گئی
گھوڑے سے بے درنگ گرے تھام کر جگر
سب ہو گئے وہ دستِ بلوریں لہو میں تر
جو بیکسیں نہ تھا کوئی اس ماہ رو کے ساتھ

بس جھک گئے وہیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
یارب لڑا ہے تیرے فاقے میں یہ پسر
اس تیرے رحم و لطف کا اُمیدوار ہوں
اب ہے تو یہ ہے جو بضاعت ہے تو یہ ہے
اب کوئی دم میں عمر کا بھی مرحلہ ہے طے
یارب فقیر کا ہے یہ ہدیہ قبول کر!
اس طرح سرفراز ہو یہ بندۂ ذلیل
میں اس کا ملتجی نہیں اے خالقِ جلیل!
مقبول ہو اگر یہ ذبیحہ تو عید ہو
ڈوبا ہوا تھا فوجِ عدو میں وہ خوش خصال
لاکھوں سے ہو کے تھا ہزاروں سے بھی جدال
بازو تھکا ہوا تھا کلائی میں درد تھا
فاقوں کا ضعف پیاس کا صدمہ پدر کا غم
ہر کھیت میں جمے ہوئے تھے شیر کے قدم
طاقت گھٹی ہوئی تھی پہ ہمت بڑھی ہوئی
تھا کید میں خلیفۂ شیطان روسیاہ
آفت ہے پالنے کی محبت بھی آہ آہ
لو گھر سے بنتِ فاطمہ زہرا نکل پڑی
گھبرا گیا حسینؑ کا فرزندِ نیک نام
منہ پھیرنا تھا آہ کہ تھا موت کا پیام
دل اور جگر کو توڑ کے باہر نکل گئی
فرمایا آہ ہم کو وغا کی نہ تھی خبر
رہوار سے لپٹ گئے گرنے پہ رکھ کے سر
بکھرے گیسو کے زخم سے نکلے لہو کے ساتھ

لیتا تھا غش میں ہچکیاں وہ چودھویں کا ماہ
بیٹھا گئے پہ تیر کی حالت ہوئی تباہ
بنت رسول رونے کو منہ تھا پنے لگی
سر کاٹ لو یہ غل جو لگے کرنے اشقیا
اے نور عین فاطمہ اے سبط مصطفے
جلد آئیے غلام پہ احسان کیجئے
جس دم سنی حسین نے یہ جان گزا صدا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا
مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
ہے ہے مرے شفیق پسر مہربان پسر
مادر کا چین باپ کا آرام جان پسر
مقتل کدھر ہے کوئی بتاتا نہیں مجھے
بولو غریب دشت بلا کہہ کے پھر پکارو
اے شیر سید الشہدا کہہ کے پھر پکارو
میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائیگی
کچھ ہوش دست و پا کا نہیں ہے حواس ہی
غمگیں ہوں مردہ دل ہوں حزیں ہوں اداس ہی
کیونکر قرار آئے دل ناصبور کو
ناگاہ آئی حضرت زہرا کی یہ صدا
دم توڑتا ہے گود میں میری یہ مہ لقا
دیکھے یہ تم کو تم اسے اک بار دیکھ لو
چلائے سر کو پیٹ کے شبیر نامدار
جو کچھ ہوں ان کا میں انھیں میرا ہے انتظار
عاشق کا حال دیکھ لیں کچھ بات کر کے جائیں

جو گرز فرق پاک پہ مارا کسی نے آہ
وہ ہوا سے گرا پسر شاہ دیں پناہ
تڑپا وہ نوجواں کہ زمیں کانپنے لگی
گردن سے تیر کھینچ کے بابا کو دی صدا
اے بحر فیض اے قمر برج بوالعلی
مشکل کو دم نکلنے کی آسان کیجئے
صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ الٹ گیا
نعرہ کیا کہ اے علی اکبر کدھر ہیں کیا
آ اے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو
خوش رو پسر سعید پسر قدر دان پسر
گم گشتہ پسر شہید پسر نوجواں پسر
اے نور عین کچھ نظر آتا نہیں مجھے
اک بار یا شہ دوسرا کہہ کے پھر پکارو
صدقے ہو باپ یا ابتا کہہ کے پھر پکارو
مر جاؤں گا یہیں جو نہ آواز آئے گی
زخمی ہے قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہوں
تم تو وہ تم تو ہے غضب اور میں نہ پاس ہوں
لاؤں کہاں سے ڈھونڈ کے آنکھوں کے نور کو
ہے ہے حسین تیرے تڑپنے کے میں فدا
جاں اس کی تیر میں آگئی ہے اے میرے دلربا
آخر پسر کا آخری دیدار دیکھ لو
آماں خدا کے واسطے اکبر سے ہوشیار
کہہ دیجئے کہ آتا ہے بابا جگر فگار
دنیا سے کوچ ہے تو ملاقات کر کے جائیں

وہ ڈر سے یہ بات کہہ کے جو سلطانِ بحر و بر
اُٹھا یہ دل میں درد کہ خم ہو گئی کمر
تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
ہوش آیا تیغ ساعتِ کامل کے بعد جب
آنسو بہا کے رکھ دیے بیٹے کے لب پہ لب
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو
بابا سے کوئی بات تو اے مہ لقا کرو
اچھی ہے گر زبان تو آنکھوں کو وا کرو
دادی کے پاس چشمۂ کوثر پہ جاتے ہو
اکبرؑ نے آنکھیں کھول دیں دیکھا رخِ پدر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھ کر سرِ پسر
یاں سے اٹھا کے آلِ پیمبرؐ میں لے چلوں
کی عرض مہلت اتنی کہاں ہے شہِ امم
دو وقت مل کے دیکھ لیے آپ کے قدم
ساتھ آئے تھے جو جانے والے وہ دور ہیں
شہ نے کہا مرے بیٹے بیٹا نہ رو بس
دنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھ ہوس
اکبرؑ ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
بتلاؤ کس امید پہ یہ نیم جاں جیے
دنیا میں جس کا تم سا نہ کڑیل جواں جیے
بیٹے نہ ہم کو مر گئے شرمندگی یہ ہے
یہ بات سن کے لینے لگا ہچکیاں پسر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر
دنیا سے انتقال ہوا نورِ عین کا

بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی ہوئی جو تر
دیکھا جو زخم منھ کے قریب آ گیا جگر
غل پڑ گیا صفوں میں کہ شبیرؑ مر گئے
دیکھا کہ سٹ رہی ہے شبیہِ رسولِ رب
چلاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہم کو ہے غضب
بابا اُٹھا کے باپ کی گردن میں ڈال دو
غفلت کا وقت یہ نہیں ذکرِ خدا کرو
صدقے تمہارے اشارے میں مطلب ادا کرو
حوروں سے باتیں ہوتی ہیں جو مسکراتے ہو
گالوں پہ اشک آنکھوں سے ٹپکے ادھر ادھر
روتے ہو کس کے واسطے اے غیرتِ قمر
غم ہاں کا ہے تو آؤ تمہیں گھر میں لے چلوں
اب کیجیے قبلہ رو کہ نکلتا ہے تن سے دم
غیر از غمِ فراق مجھے کچھ نہیں ہے غم
روتا ہوں اس لیے کہ اکیلے حضور ہیں
ہوگا جہاں سے جانے میں تھوڑا سا چین بس
میرے لیے ہے اب دمِ خنجر ہر اک نفس
جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے
افسوس شیر قتل ہو اور ناتواں جیے
وہ باپ کس طرح جیے کیونکر وہ ماں جیے
ہم دونوں تیرے ساتھ مریں زندگی یہ ہے
سوکھی زباں دکھائی کہ پیاسا ہوں اے پدر
دو بار کی کراہ کے کروٹ ادھر ادھر
ہنگامِ ظہر تھا کہ لٹا گھر حسینؑ کا

نکلی اُدھر تو جسم سے اکبرؑ کی جانِ زار
فضّہ پکاری ڈیوڑھی سے بڑھ کر یہ اکبار
چھریاں غم و الم کی کلیجے پہ چلتی ہیں
گھبرا کے شاہِ دیں نے اُٹھائی پسر کی لاش
لائے قریبِ خیمہ جو اُس سیمبر کی لاش
زہراؑ کی بیٹیاں جو کھلے سر نکل پڑیں
ننگے سر شہ کے گرد تھیں سیدانیاں تمام
بانوؑ پکارتی تھی کہ یا شاہِ تشنہ کام
منکا ڈھلا ہے ہونٹوں پہ سوکھی زبان ہے
زینبؑ تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار
طاقت نہیں ہے آپ میں یا شاہِ نامدار
شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
لاشہ پسر کا خیمے میں لائے امامِ پاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہِ دردناک
پہلے گماں تھا غش میں وغا کر کے آئے ہیں
لاشے کے پاس لا کے پسر کہہ کے ماں گری
دل پہ ہڑک کے برقِ غمِ نوجواں گری
چھوٹی بہن جو لاشے سے آ کر لپٹ گئی
بس اے انیسؔ اب نہیں آگے بیاں کی تاب
گر قدرداں ہیں کم تو نہ کر اتنا اضطراب
تو ذاکرِ حسینؑ علیہ السّلام ہے

یاں بیبیاں ہوئیں درِ خیمہ پہ بےقرار
اکبرؑ پہ کیا گزر گئی یا شاہِ نامدار
جلد آئیے کہ حضرتِ زینبؑ بلکتی ہیں!
لپٹائے تھے کلیجے سے لختِ جگر کی لاش
غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشکِ قمر کی لاش
سب بیبیاں خیام سے باہر نکل پڑیں
تھے بیچ میں شہید کا لاشہ لئے امام
جیتا ہے یا جہاں سے گیا میرا لالہ فام
اے جانِ فاطمہؑ مرے بچے میں جان ہے
یہ لاش میری گود میں دیجے بہن نثار
صدقے گئی لرزتا ہے ناتوں سے جسمِ زار
تجھ سے بہن نہ اُٹھے گا لاشہ جوان کا
مسند رسولِ حق کی بچھائی بر روئے خاک
دل بیبیوں کے ہو گئے سینے میں چاک چاک
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہیں
ہاتھوں سے دل پکڑ کے پھوپھی نیم جاں گری
غش ہو کے ماں گری کوئی واں کوئی ڈاں گری
اک حشر ہو گیا صفِ ماتم اُلٹ گئی!
لکھوں حرم کے بین تو ہوتی ہے اک کتاب
جلدی مدد کریں گے شہِ آسماں جناب
تیری انھیں کو فکر ہے جن کا غلام ہے

۱۲

مرثیہ
بند ۱۱۵

حضرت سے جب برادرِ خوش خو جدا ہوا
جو گھر کی روشنی تھا وہ مہرو جدا ہوا
تیغِ خزاں چلی شہِ مرداں کے باغ میں
دشمن کو بھی نہ بھائی کا ماتم خدا دکھائے
فرماتے تھے پسر سے یہ رو رو کے ہائے ہائے
عباسؑ کیا جدا ہوئے گھر میرا لٹ گیا

اعدا میں شور تھا کہ اکیلے ہوئے امام
تھا لشکروں کو خوف علمدارِ نیک نام
کیا ہو سکے گا اب شہِ گردوں اساس سے
غصے سے کانپتے تھے علی اکبرِ دلیر
کہتے تھے ہائے موت نے کیوں کی ہے اتنی دیر
اکبرؑ بھی جلد تا نغے والوں سے جا ملے

دیکھا امامِ دیں نے کہ ہے غیظ میں پسر
فرمایا دیکھتے ہو لعینوں کا شور و شر
اعدا کی ہے خوشی ہمیں جتنا ملال ہو
قدموں پہ سر کو رکھ کے یہ بولا وہ مہ جبیں
مجھ کو سنا کے یہ کہتے ہیں اہلِ کیں
پیاسے جو ہوں وہ جان کو کھوتے نہیں ہیں کیا

تنہا ہوئے کہ زینتِ پہلو جدا ہوا
جس سے قوی تھے ہاتھ وہ بازو جدا ہوا
ٹوٹی کمر حسینؑ کی بھائی کے داغ میں
پوچھو اُسی کے دل سے کہ جس کی ٹوٹ جائے
اکبر بتاؤ بھائی کو بھائی کہاں سے لائے
بچپن کا ساتھ ہائے غضب آج چھٹ گیا

وہ مر گیا کہ جس سے لرزتا تھا روم و شام
بیکس ہوئے حسینؑ لڑائی ہوئی تمام
اک نوجواں پسر ہے وہ مرتا ہے پیاس سے
تکتے تھے رن میں فوج کو ہر دم مثالِ شیر
میں تو خدا کی راہ میں ہوں زندگی سے سیر
مشکل ہے دیکھیے ہمیں کیونکر رضا ملے

تیغِ علیؑ کو ٹیک کے اُٹھے بچشمِ تر
ہے شادیِ شہادتِ عباسؑ نامور
تم غیظ میں نہ آؤ کہ صابر کے لال ہو
کب تک غلام صبر کرے یا امامِ دیں
اب فاطمہؑ کے لال کا یاور کوئی نہیں
ہم شیرِ کردگار کے پوتے نہیں ہیں کیا

اچھا کہیں جو کہتے ہیں بڑھ بڑھ کے بد خصال
باندھیں گے جب کمر تو کھلے گا ہمارا حال
میداں سے دم ورے کے دلاور کہاں گئے
ہم حق پہ ہیں تو پھر ہمیں مرنے سے کیا ہراس
خاطر ہیں بندگان شہنشاہ حق شناس
پیارے جہاں سے آپ کے آگے سفر کریں
پانی سے کیا انھیں جنھیں ہو آبرو کا دھیان
گر لاکھ بار پیاس سے آئے لبوں پہ جان
ابر و عطا و فیض ہیں وہ با نوال ہیں
دیکھا حسینؑ نے کہ رکے گا نہ دو ٹ با
کی عرض دم بدم ہیں خالق سے یہ دعا
میں خوب جانتا ہوں کہ جینے سے سیر ہو
خیمے میں آئے اکبرؑ مہرو جھکائے سر
رو کر کہا کہ مرے بھائی کی کچھ خبر
مرنے کی جا ہے قبلہ و کعبہ کے حال پر
یہ تین دن کی پیاس یہ دھوپ اور یہ جدال
تیغوں پہ تیغیں سامنے ہیں حال ہے یہ حال
اتنا کوئی نہیں ہے کہ سینہ سپر کرے
یہ سن کے چیخنے لگی زینبؑ جگر فگار
بولی پسر سے بڑھ کے یہ بانوئے نامدار
ماں کے لیے نہ زندہ لیے کا چچا سے لاتے ہو
میں مر گئی تھی کیا جو چلے آئے ہو جواں
ہے ہے یہ دکھ یہ رنج یہ صدمہ یہ جوش غم
کس کی مدد امام دو عالم نے کی نہیں

پاس ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال
لشکر کے سرکشوں کو کیا کس نے پائمال
لاشے کہاں تڑپتے رہے سر کہاں گئے
فاقہ نہ ہم پہ شاق نہ سولہ پہر کی پیاس
لب تشنہ جائیں گے یہ ہیں کوثر پہ جن کی پاس
دریا خود آئے گر تو زباں کو نہ تر کریں
ہم اور سوال آب کریں گے خدا کی شان
ہونٹوں پہ بھی پھرائیں نہ سوکھی ہوئی زباں
کوثر کو جو لٹائے گا ہم اُس کے لال ہیں
رو کر کہا کہ باپ سے پہلے مرو گے کیا!
فرمایا لاؤ اپنی پھوپھی جان سے رضا
جلدی ہی کرو کہ میرے نہ مرنے میں دیر ہو
لپٹا لیا کلیجے سے زینبؑ نے دوڑ کر
اکبرؑ نے عرض کی کہ تمنا ہے اب یہ
سب فوج کی جو حالت ہے زہرا کے لال
نیلے ہیں ہونٹ زرد ہو رخ ضعف سے کمال
بچے چڑھا رہے ہیں کمانوں پہ بد خصال
تیروں کی اب ہے مینہ نہ امن کو سر کرے
رانڈوں میں وا حسینا کی ہر سو ہوئی پکار
تم ان سے ایسے وقت میں کیوں آئے ہو نثار
کس نے طلب کیا تھا جو گھبرا کے آئے ہو
چھوڑ آئے کس کو خیموں میں سبط نبیؐ کے پاس
کیا کہتے ہوں گے دل میں شہنشاہ حق شناس
تم ہے مصیبتوں میں کسی کا کوئی نہیں

کیا لہو سفید ہے دنیا کا ہائے ہائے
یوں ناز اٹھا اٹھا کے جو پالے وہ تیر کھائے
کیا وقت ہے نثارِ شہِ مشرقین کے
جلاؤ پاس سب ہیں رفیقان پُر جگر
قاسم کئے ہیں سینے میں تلواروں کو سپر
تم گھر میں آئے گر تو مجھے کچھ گلا نہیں
بچے نہیں جوان ہو بہادر ہو میں نثار
یہ معرکہ ہے جنگ ہے دنیا میں یادگار
جینا ہے تب جو فاطمہ کا مہ لقا جئے
کہتی ہوں صاف میں کہ نہ جائے مجھے بچوہ
عاقل وہ ہے آل کی جانب کرے جو غور
مر جاتے ہیں وغا میں صفیں توڑ توڑ کے
گھر کیا ماں کہاں کی قسمیں کیا کسی کا کام
اچھا خدا نہ کردہ جو زخمی ہوئے امام
ماں ہو کے میں کہوں تمہیں کیونکر یہ عیاں ہو
یہ کہہ کے منہ کو ڈھانپ کے رونے وہ نوحہ گر
کہنے لگیں یہ حضرت زینب جھکا کے سر
گھر لٹ رہا ہے گشتۂ اندوہ و یاس ہوں
بن آئے تم سے جو وہ کرو لے پھوپی کی جاں
آنسو بہا کے آنکھوں سے بولا وہ نوجواں
ہوں خود لہو گرائے پسینے پہ باپ کے
تم سے پہلے تھی مجھے مرنے کی آرزو
سو سو طرح سے کی دُرِ مطلب کی جستجو
کیا اور سر شہ کے قدم پہ فدا کروں

بیٹا جوان باپ کو آفت میں چھوڑ آئے
شبیر تری مدد کو یہ لونڈی کسے بلائے
کاٹے مرا گلا کوئی بدلے حسینؑ کے
بھائی سے دور تو نہیں عباسِ نامور
زینب کے دونوں چاند ہیں پہلو میں جلوہ گر
تنہا تو نورِ چشمِ رسولِؐ خدا نہیں
بیوہ پھوپھی کو دل سے اٹھا دو بلا سے پیار
یہ موت زندگی ہے عبادت یہ کارزار
اچھا پدر کو کھو کے جئے گر تو کیا جئے
میں منہ نہ دیکھتی کبھی ہوتا جو کوئی اور
مضطر نہ ہو ہزار ستم ہوں ہزار جور
گھر میں کبھی مرد آتے ہیں میدان کو چھوڑ کے
نیزوں میں باپ گھر میں جگر بند تشنہ کام
پھر آ پڑے گی مری اور تمہارا نام
جاؤ سدھارو نام خدا اب جوان ہو
اکبر نے کی پھوپی کی طرف یاس سے نظر
تھی ہے یہ سب جو کہتی ہیں بانوئے نامور
واری مجھے تو ہوش نہیں بے حواس ہوں
حافظ علی خدا و پیمبر نگاہباں
تیرا ہے سب قصور یہ ہے والدہ کو دھیان
وہ تیر لگتے دیکھے گا سینے پہ باپ کے
چارہ ہے کیا رضا جو یہی شاہِ نیک خو
کھوتا ہے کوئی دیدہ و دانستہ آبرو
نکلی جو بخت میں جو ندامت تو کیا کروں

جب میں گرا قدم پہ کہا ماں سے اذن لاؤ
رن کی طرف بڑھا تو یہ فرمایا گھر میں جاؤ
میں کس طرح کہوں کہ سدھارو سوار ہو
اب کی خدا کے فضل سے قسمت نے یاوری
رگ رگ میں ہے لہو کے عوض زور حیدری
اس کو ہراس کیا ہے جو شیروں کا شیر ہو

تسلیم کو جھکا جو یہ کہہ کر وہ سیم بر
ماں کو یقیں ہوا کہ چلا نوجواں پسر
اتنا تو منہ سے کہہ دو کہ رن سے کب آؤ گے
قدموں پہ ماں کے جھک گیا یہ کہہ کے وہ نونہال
کیا کچھ خفا ہو تم مری باتوں سے میرے لال
صدقے یہ آپ کا ہے کہ عالی مقام ہوں

یوں ہے پسر کے واسطے ماں باپ کا عتاب
احساں کیا غلام پہ اے آسماں جناب
ہوں آپ صابرہ غم و اندوہ و یاس میں
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ سوگوار
کیا دودھ ایسی چیز ہے بخشا ہزار بار
اب دل سے دور رنج و غم و درد ہو گیا

باندھے کمر جو خیمے سے نکلا وہ گل بدن
عمامہ دست پاک پہ ہے لب پہ یہ سخن
بیٹے کے ساتھ نکلے نہ ماں اضطراب میں
اٹھارہ سال کی یہ ریاضت ہے گلعذار
ماں آ تماکی تیغ سے ہوویں گی بے قرار
نصرت ہے اس کی تیغ جو فرزند اہل ہو

جوڑے جو ہاتھ بولے کہ زینب سے پوچھ آؤ
باقی ہیں اور لوگ ابھی برچھیاں نہ کھاؤ
دونوں خوشی سے دیں جو رضا تب نثار ہو
دیکھیں حضور گود کے پالے کی صفدری
ہم سا بھی کوئی دوسرا دنیا میں ہے جری
بخشیں نہ آپ دودھ جو مرنے میں دیر ہو

بنت علی زمیں پہ گری تھام کر جگر
پھیلا کے دونوں ہاتھ پکاری وہ نوحہ گر
واری میں مرے گلے سے نہ اکیلے ہی جاؤ گے
تیغ کی بلائیں لے کے یہ بولی وہ خوش خصال
اکبر یہ ہاتھ جوڑ کے بولے کہ کیا مجال
خادم ہوں جاں نثار ہوں ادنیٰ غلام ہوں

جیسے قمر کو تاب جہاں تاب آفتاب
کیجئے دعا کہ اب ہوں شہادت سے کامیاب
اب دودھ بخشئے کہ اقامت ہو پیاس میں
میں تم پہ صدقے اور مرے ماں باپ بھی نثار
ماں کو دعائیں دے کے یہ بولا وہ ذی وقار
شق ہو گئی زبان جگر سرد ہو گیا

دیکھا کہ قبلہ رو ہے شہنشاہ بے وطن
اکبر کو صبر یاب کرے رب ذوالمنن
یا رب خلل نہ ہو کہیں کار ثواب میں
پالا ہے جو دکھوں سے پھوپی اس پہ ہے نثار
تو صبر کر عطا انہیں اے میرے کردگار
ایسا تو مرد کرے تو یہ مشکل بھی سہل ہو

سب مشکلوں میں تو نے سدا کی مری مدد
اکثر جہاں میں ترے بندے ہیں لاولد
دادا نبیؐ ہے باپ علیؑ ماں بتولؑ ہے
ہو جائے بہر شکر جو ہر موئے تن زباں
اے خالقِ زمین و زماں ربِّ انس و جاں
دیتا ہوں واسطہ میں جنابِ امیرؑ کا

بعد اس دعا کے چپ جو ہوئے شاہِ نامدار
لایا غلام رخصتِ میدانِ کارزار
مشکل ہے سہل جس کو بھروسا خدا کا ہے
طے ہو گیا وہ امر کہ جس کا یقیں نہ تھا
کی عرض حق سے بیکسئ شاہِ کربلا
چلتے ہیں تیر قبلۂ عالم پناہ پر

بنتِ علیؑ یہ کہتی تھی مجھ سے بصد قلق
تھا فرطِ غم سے والدہ صاحبہ کا رنگ فق
بے خود وہ تھیں غمِ شہِ عالی جناب میں
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ نیک ذات
دنیا میں یوں لٹائے کوئی ایسی کائنات
کیوں کر نہ ہو کہ دونوں میں خو ہے بتولؑ کی

یہ کہہ کے دونوں ہاتھ بڑھائے ہوئے پسر
بازو پکڑ کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
اے نورِ عین ہجر ترا مجھ پہ شاق ہے
بیٹا پدر سے اُٹھ کے وہ آغوش کا پلا
سونگھے لبوں پہ رکھ دیے لب منہ پہ منہ ملا
نکہت جو سر بسر تھی رسولِ کریمؐ کی

آساں اس امرِ صعب کو بھی کر دے یا احد
مجھ پر تو وہ کرم ہے کہ جس کی نہیں ہے حد
بیٹا بھی وہ دیا جو شبیہِ رسولؐ ہے
تحفہ نہ ہو سکے ترے اوصاف کا بیاں
لاتا ہے نذر بندۂ مسکین و ناتواں
مقبول بارگاہ ہو ہدیہ فقیر کا

حضرت کے پاس جا کے یہ بولا وہ گلعذار
فرمایا صاف ہوتا ہے چہرے سے آشکار
اے میر تھا اثر یہ ہماری دعا کا ہے
بخل تو کچھ کسو نہیں کیونکر ملی رضا
اماں نے اور پھوپھی نے تڑپ کر یہی کہا
دوڑو وہ سپر ہو فاطمہ زہرا کے ماہ پر

کام آؤ شہ کے ہے یہ مرے پالنے کا حق
ایسا گلہ کیا کہ ہوا میں عرق عرق
خود مجھ کو دودھ بخش دیا اضطراب میں
حقا کہ ہیں وہ بیبیاں ایسی ہی خوش صفات
اُن کی محبتیں ہیں نہ بھولوں گا تا حیات
بیٹی ہے ایک ایک بتولؑ کی

اکبر نے جھک کے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر
بیٹا لو گلے سے کہ بیتاب ہے جگر
تیرا سفر رسولِ خدا کا فراق ہے
بیٹے کو پیار کرنے لگے شاہِ کربلا
چوما کبھی دہن کبھی ماتھا کبھی گلا
بو سونگھتے تھے گیسوئے عنبر شمیم کی

فرماتے تھے فدا ترے اے گلبدن جواں
صفدر جواں، شکیل جواں تیغ زن جواں
عالم میں اس طرح کے بھی خوش رو نہیں بنے
اے ثانیٔ رسولؐ فلک جاہ الفراق
اے شہسوار عرصۂ جنگاہ الفراق
سیر بہشت و خلد مبارک ہو آپ کو

گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا شہزادۂ زماں
قبضے میں تیغ بر میں زرہ دوش پر کماں
بڑھتے ہیں راہ گلشن فردوس کھل گئی
وہ شان وہ شکوہ وہ اقبال وہ جمال
گرمی سے تھا جو چاند سے چہرے کا رنگ لال
غصے کی وہ نظر کہ خدا کا عتاب تھا

قامت کے آگے پست ہے سرو روان باغ
خوشبو سے بس گیا تھا بیابان باغ
کیا خوش نما ہے خط رخ جان حسینؑ پر
غنچے ہزار ہوں تو نثار اس دہان تنگ
یاقوت کیا ہے سامنے ان کے ہو وہ بھی دنگ
وہ کون سا نگیں ہے جو شیریں مقال ہے

دشمن ہوئی جو امت نااہل و بے وفا
دندان صاف گوہر دندان مصطفےٰ
گیسو بڑھے ہوا سے تو جنگل مہک گئے
وہ شہسوار اور وہ سمند فلک نورد
باد و برق گرم روانی سے اس کی سرد
اس کی تگ و دو سے نجات سحاب کو

سہرے کہیں جواں مرے گل پیرہن جواں
پیاسے مرے جواں مرے شیریں سخن جواں
فاقوں کی تلخیوں میں ترش رو نہیں ہوئے
اے شیر بیشۂ اسد اللہ الفراق
وہ پیش ہے ہمیں بھی یہی راہ الفراق
کوثر پہ یاد کیجیو مظلوم باپ کو

آنکھوں میں پھر گیا شب معراج کا سماں
اللہ رے رعب حق کہ اٹھا شور الاماں
رن کی زمیں سمند کی ٹاپوں سے ہل گئی
گویا بڑے جہاد چلے شیر ذوالجلال
خورشید کو نہ آنکھ ملانے کی تھی مجال
انساں تو کیا شیر کا زہرہ بھی آب تھا

رخسار ہیں شگفتہ گل ارغوان باغ
سبزے میں پھول ہوتے ہیں اکثر میان باغ
دیکھو نئی بہار کہ سبزہ ہے پھول پر
نازک لبوں میں ہے لب مصطفےٰ کا ڈھنگ
دل خوں ہوا اگر نہ ملا لعل کو یہ رنگ
ہاں اس کا جوہری ہے تو زہرا کا لال ہے

زخمی ہوئے وہ لب یہ جفا پر ہوئی جفا
نے برق میں یہ شرق نہ موتی میں یہ صفا
جب ہنس کے بات کی تو ستارے چمک گئے
پائی کبھی صبا نے نہ جس کے قدم کی گرد
یوں چال میں پری تو چھلاوا دم نبرد
دریا پہ جائے اور نہ چھوئے حباب کو

تیروں کو گاڑ کر جو رجز خواں ہوئے جناب
فق تھا کسی کا رنگ تو زہرہ کسی کا آب
گھبرا کے دور فوج کے نامی جواں گئے

تنہا پہ دو طرف سے چلے تیر ایک بار
چمکی وہ تیغ کیا کہ ہوئی آسماں کے پار
پہنچے تھے شمر ابھی نہ برابر زمین پر

پھر تو بھی صفوں کی صفائی تھی ہر طرف
تلوار سے سروں کی جدائی تھی ہر طرف
سر کس جگہ نہ گرتے تھے کاوا کہاں نہ تھا
موت آئی اُس پہ جو جہاں تاکہاں گئے
توڑا یہ مورچہ وہ صف اُلٹی جہاں گئے
راکب کی شکل سامنے ہے راہوار کے

اللہ ری ضرب تیغ صفا باقی جری
خالی کئے پرے پہ نہ خوں میں کبھی بھری
گر خوں سے لالہ رنگ یہ دشت مصاف ہے

فوجوں کو دے جواب وہ تیزی زبان میں
پانی وہ تھا کہ آگ لگا دی جہان میں
بے فتح پھیرتی تھی نہ منہ کارزار سے

جوہر وہی برش کا وہی طور خم وہی
چلنا اُسی طرح کا چمک وہی دم وہی
بے مثل آبرو میں اصالت میں نیک تھی

پڑتا تھا پیلہ جو چمک کر ادھر اُدھر
کٹ کر تنوں سے لوٹتے تھے سر ادھر ادھر
رکتا نہ تھا سمند کہیں اور بیچ بیچ میں

یاد آگئی ہر اک کو صدائے ابو تراب
ہٹنے لگیں صفیں یہ ہوا دل کو اضطراب
جو مورچے بیاں تھے سرک کر وہاں

لی میان سے دلیر نے شمشیر آبدار
اُڑا گئی صفوں کے ادھر اُڑ کے راہوار
گھوڑوں پہ تن سواروں کے تھے سر زمین پر

وہ شیر ہر جگہ تھا لڑائی تھی ہر طرف
مثل صبا فرس کی رسائی تھی ہر طرف
بجلی کہاں نہ تھی وہ چھلاوا کہاں نہ تھا
زخمی کیا فنا کیا مارا جہاں گئے
حیرت تھی فوج کو کدھر آئے کہاں گئے
غل تھا یہ راہوار ہے دُلدُل سوار کے

سر اُڑ گئے تنوں سے چلی جب وہ سر بُری
دعویٰ یہ تھا کہ ہے مرے حصے میں صفدری
جو چاہے دیکھ لے مرا منہ پاک صاف ہے

ترکش میں چھوڑے تیر نہ چلّے کمان میں
نازل ہوا تھا آیۂ برق اس کی شان میں
دعوائے ہمسری تھا اسے ذوالفقار سے

تیزی وہی غضب کی وہی کاٹ دم وہی
رنگت وہ سرد کی وہی پانی میں سم وہی
مل جاتیں دو زرہ میں بھی اس کو تو ایک تھی

چل جاتے تھے کلیجوں پہ خنجر ادھر اُدھر
زخمی تڑپ رہے تھے برابر ادھر اُدھر
ندی لہو کی بہتی تھی لشکر کے بیچ میں

آفت کا معرکہ تھا قیامت کی جنگ تھی
اللہ رے برق وشرق کہ بجلی بھی دنگ تھی

جو کھینچتے ہیں سر وہی پامال رہتے ہیں
کاسے سروں کے ٹھوکریں کھاتے تھے جابجا
گوشوں میں گورخوں کو چھپاتے تھے جابجا
بھاگیں نہ کس طرح قدر انداز سہم کے
بے زِہ کمانیں تیروں سے چھلّے کماں کے
برچھی سے پھل گرے ہوئے تیرے سناں کے

رایت جھکے ہوئے تھے صفیں پائمال تھیں
بھاگے تھے خود اپنی بلا سر پہ ٹال کے
تلواریں منہ چھپاتی تھیں دامن میں ڈھال کے
چار آئینے پڑے تھے زمیں پر کٹے ہوئے
کس کے لیے وغا میں وہ تلوار سم نہ تھی
کس کی سپر سمیت کلائی قلم نہ تھی

فوجوں کا جائزہ تھا کہ دشت مصاف تھا
جس صف پہ آئی کاٹ گئی خود شیر کے ہاتھ
فرماتے تھے اڑا کے برابر پروں کے ہاتھ
پیراک مانتے نہیں دریا کے شور کو
میں جاں بلب ہوں جو مرتا تھا پیاس سے
کیوں دور بھاگے جاتے ہو شیر خدا کے پاس سے

کیوں منہ خشک ہو گئے کیا تشنہ کام ہو
بڑھیں اسد ہوں بحر وغا میں نہنگ ہوں
مشتاق زخم نیزہ و تیغ و خدنگ ہوں
میں دق ہوں اور تمھیں نہ ہزیمت بُری لگے

کوسوں لہو سے رن کی زمیں لالہ رنگ تھی
چمکی کسی سوار پہ جب زیر تنگ تھی

نام آوروں کی تیغوں کے منہ لال ہو چکے
توڑے کمانوں کے نظر آتے تھے جابجا
ٹکیں سروں پہ تیغ کو ملتے تھے جابجا
واں تیر کیا کہ جلتے تھے پر مرغ وہم کے
مرغان تیر سہمے ہوئے آشیاں سے دور
بچھڑیں سے عقل دور، تہوّر جواں سے دور

کاندھوں پہ رو سیاہوں کے ڈھالیں تھیں ہلال کی
بھاگے چھپے تھے امن کی جا دیکھ بھال کے
زرہیں تھیں یا کھلے ہوئے حلقے تھے جال کے
نکلے تھے جوشنوں سے گریباں پھٹے ہوئے
آتے ہی کاٹ جانے میں افعی سے کم نہ تھی
منہ پر کسی جواں کے صلابت قلم نہ تھی

چہروں کے کاٹ دینے میں کیا ہاتھ صاف تھا
تھرّا رہے تھے خوف سے نام آوروں کے ہاتھ
چلنے میں کارزار میں یوں صفدروں کے ہاتھ
دکھلا رہے تھے کٹے ہوئے ہاتھوں کے زور کو
دیکھو لڑا ہوں لاکھوں میں کس کس جواں سے
مارو گے کیا کہ مرتے ہو تم خود ہراس سے

تلواروں سے مرو کہ جوانوں میں نام ہو
حیدر تھے شیر حق تو میں ضرغام جنگ ہوں
بھاگے ہو چار آئنہ باندھے میں دنگ ہوں
دل کھول کر لڑو کہ لڑائی میں جی لگے

کچھ تیغ سے بھی تیز تھے سیف زباں کے وار
گھوڑے ہٹا ہٹا کے بڑھاتے تھے بار بار
زہرے تھے آب غیظ جو تھا اس جناب کو
دق تھے مبارزان ترک و روم و مصر و شام
بجلی سی کوندتی تھی ادھر اور ادھر حسام
وہ بھی قریب مرگ تھے جو دور دور تھے

جب صف پہ نیزہ بازوں کی اڑ کر گیا سمند
سر پاٹے کے ہو گئے رستے ادھر کے بند
نیزے ستم کے چار طرف تل کے رہ گئے
ٹکڑے تھیں برچھیاں تو نشاں تھے سرنگوں
تہ بیا لہو کی آئی یہ برسا زمیں پہ خوں
تھراتے تھے پیادوں کے دل اسکی کاٹ سے

خالی کئے دلیر نے جنگل بھرے بھرے
سروں گرے ادھر تھے جو جھولی بھرے ہوئے
اس زور شور سے کوئی روتا نہیں کوئی
چھائی ہوئی تھی ڈھالوں کی جو گھٹا سیاہ
چھپنے کی نے جگہ نہ کہیں بھاگنے کی راہ
جو گھاٹ پر تھا خون میں وہ شور بور تھا

چلا رہا تھا یوں پسر سعد کینہ جو
جاتا ہے تین روز کا پیاسا کنار جو
گھیرو کرن میں نیزوں کی اس آفتاب کو
نام آوروں کو چاہیے عزت کا اب خیال
حاضر ہے خلعت و زر و جاگیر و اسپ و مال
باقی مجاہدوں میں یہی نور عین ہے

کٹ کٹ کے سر جھکاتے تھے لشکر کے نامور
کیا تاب تھی کرے جو کوئی مڑ کے آنکھ چار
گھوڑا ہے شب رنگ نے کبھی آفتاب کو
غل تھا کہ آج مٹ گئے نام آوروں کے نام
پر گر کے مر گیا تو وہیں کر ہوا تمام
کاٹے سروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے چور تھے

جی سن سے ہو گیا کہ یہ گھوڑا ہے یا پرند
ہر دم تھی تیغ عقدہ کشا کی یورش دو چند
اندھے تھے جتنے بند وہ سب کھل کے رہ گئے
غائب الف تھے تیروں کے تھے نے کماں کے نون
چلاتے تھے زمیں پہ تڑپ کر یہ درد وں
ندی چڑھی ہوئی ہے سرک جاؤ گھاٹ سے

لہراتے تھے خون سے جل تھل بھرے ہوئے
جیسے کبھی برستے ہیں بادل بھرے ہوئے
یوں دو بگڑ دار ادھر میں پڑتا نہیں کبھی
بجلی چمک رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
ندی چڑھی تھی فوج کا بیڑا تھا تباہ
سارا یہ تیغ تیز کے پانی کا شور تھا

کس سے کہوں بہائے جو اس شیر کا لہو
جانوں کے ساتھ آج گئی سب کی آبرو
کیوں خاک میں ملاتے ہو موتی کی آب کو
کردو ریاض فاطمہ زہرا کو پائمال
خوں اس کا جو بہائے وہ بھرے طلا طل
خنجر ہے پھر تو اور گلوئے حسین ہے

نکلا ادھر سے غیظ میں اک پہلوان روم
سر ہنگ و پرغرور و سیہ قلب و نحس و شوم
مرحب تھا کفر و شرک میں طاقت میں گیو تھا
چہرہ مہیب غیظ سے آنکھیں لہو کے جام
موذی سیاہ بخت سیاہ دل سیاہ فام
گندہ سقر کے قعر کا پتلا گناہ کا

کیا ذکر خود کا سر و گردن کا کیا حساب
سینے کے تھے کواڑ کہ خیبر کا بند باب
راتب شقی کا رزق سپاہ یزید کا
بھڑے اگر پہاڑ کو وہ گرز گاؤ سر
زنجیر آہنی سے کسے جنگ پر کمر
دستانے دونوں دست تعدی پسند پر

اکبر بھی مسکرائے ستمگر کو دیکھ کر
ہنس کر پکارے اے اسد حق کے شیر نر
جوشن سمیت کھینچئے وہ ایک گام میں
پڑھتا ہوا رجز جو بڑھا وہ ستم شعار
بھولا کلام زور تعلی وہ نابکار
گویا ہوں میں تو کس کو مجال سخن رہے

فرمایا ہم سے مکر کی باتیں خدا کی شان
روباہ اور شیروں کے بچوں کا امتحان
بے تیغ اگر نہ ہوں تو ابھی تو ہلاک ہو
ہم سے ہیں سب جہاں کے زبردست زیردست
عمرو ابن عبدود سے دلاور کو دی شکست
بالا کو پست، پست کو بالا نہ جانیو

گیتی کے چار دانگ میں تھی جس شقی کی دھوم
لشکر سے جب نکل گئے مقتل کے مرز و بوم
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑ اس پہ دیو تھا
تھرائے شام خوف سے کاندھے پہ وہ حسام
کھاتا تھا لاکھ بل جو کوئی لے علی کا نام
دشمن تھا خاندان رسالت پناہ کا

گویا تھا اک قرابۂ معکوس پُر شراب
تنور گرم تھا شکم خانماں خراب
تھا بار بار نعرۂ ہل من مبارز کا
پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ بر میں بد گہر
منہ پھیرے جب سے تیغ وہ فولاد کی سپر
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پر

فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور
یہ نابکار آئے تو جاتا ہے اب کدھر
لائی ہے موت دیو کو لوہے کے دام میں
چلنے لگے ادھر سے بھی تیغ زباں کے وار
اب کیا ہے کہ چل گئی حیدر کی ذوالفقار
منہ پھر گیا جواب وہ دندان شکن ملے

نیزے سے چھید لیتے ہیں گر ذرا آپ کی زباں
کیا تاب کیا مجال ہو اور کیا کسی کی جان
چلتوں کو گر چھوئے تو ہو نذر خاک ہے
جو سربلند تھے انھیں ہم نے کیا ہے پست
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش او شکم پرست
تلواریں کھانا منہ کا نوالا نہ جانیو

لاوا ہے تو نے جسم پہ کیوں بوجھ اس قدر
ظالم تجھے خرابیِ خیبر کی ہے خبر
کیا جانے جس کو شیر سے پالا پڑا نہ ہو
ان چوٹوں سے ہو گیا ظالم کا ذہن گُند
بڑھ کر جو دل بڑھانے لگے افسرانِ جند
برچھا ادھر شقی نے لیا دیکھ بھال کے
نیزے سے بڑھ وہ چل گئی چوٹیں کہ الاماں
چنگاریاں اُڑیں جو سناں سے لڑی سناں
پھیلے شرر پہ مردوں کی جانیں ہوا ہوئیں
ان کی طرف خدا تھا اُدھر لشکرِ غنیم
وہ کفر میں قوی یہ رہِ حق میں مستقیم
ہالے تھے دو ملے ہوئے گھوڑوں کی گرد سے
گھوڑا تھا یا چمکتی تھی بجلی ادھر اُدھر
غل تھا شکار بند ہے یہ یا نہالے پہ
سب اُن سے زیر دست ہیں جو ذی کمال ہیں
ان کا نہ ایک وار نہ اس کے ہزار بند
کیا نیزہ بازی میں تھا بار بار بند
خالی گئی نہ فرق کی نے دست و پا کی چوٹ
ڈوبی گرہ میں نیزۂ ظالم کی جب سناں
اللہ رے زور اُڑ گیا گھوڑے سے پہلواں
نیزے کے ساتھ شور اُٹھا اس گروہ سے
نیزہ اڑا چکا تھا پکارا یہ شہسوار
حربوں کی دور سے ہے دلیروں کی تنگ جا
کمزور کو خدا نے زبردست کر دیا

آہن ہے اپنی تیغ کے آگے غبار تر
مرحب کو کس نے بھیج دیا جانبِ سقر
لوہا ہے نرم موم سے جب دل کڑا نہ ہو
بھاری سبق تھا بھول گیا اب نشست و خاست
آیا اڑا کے رخش کو وہ مثلِ بادِ تند
اکبر ادھر سنبھل گئے بھالا سنبھال کے
پر طعن قہر کی تھی قیامت کی ہر نکان
دو اژدہے گتھے تھے نکالے ہوئے زباں
شمعوں کی تھیں لویں کہ ملیں اور جدا ہوئیں
سردارِ شام سب تھے میانِ امید و بیم
دونوں طرف سے تھی کشش و کوشش عظیم
خاک آسماں پہ جاتی تھی اُڑ اُڑ کے دشت سے
گہ منہ کفل پہ تھا کبھی پہنچے قریبِ سر
بے استخواں ہے اسپِ جہاں گیر کی کمر
یہ شہسوار دوشِ محمد کے لال ہیں
بڑھ بڑھ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
چوٹوں سے سنگلوں تھے جفا جو کے چار بند
کھلتی بھی ہے بندھی ہوئی مشکل کشا کی چوٹ
گھوڑا اُڑا کے ہاتھ کو اکبر نے دی کماں
دستِ شقی سے چھوٹ گئی ڈنڈا ناگہاں
لو اژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے
دیکھا ہماری ضرب کو کیوں او ستم شعار
جوہر کھلیں جو تیغ سے دم بھر ہو کارزار
یہ تیری سرکشی نے تجھے پست کر دیا

ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کمر سے تیغ
بدلا تھا اُس نے تھام کر بجلی ادھر سے تیغ
دو چار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ
چلنے میں گھٹتی بڑھتی تھی کس کس ہنر سے تیغ
مضطر تھا اپنی زیست سے دشمن کو یاس تھی
جب ہاتھ اٹھ گیا یہ کلائی کے پاس تھی

چمکی سپر کے پاس کبھی برق کی مثال
شانے پہ آئی سینے پہ لی جب شقی نے ڈھال
سر کو بچا کے کاٹ گئی وہ زرہ کے جال
چوٹیں کڑی پڑیں کہ مضطر تھا بدخصال
روکے گئے جواب گئے وے کدھر پھرے
بجلی کے ساتھ ساتھ کہاں تک سپر پھرے

شمشیر تیز سن سے جو آئی جھجک گیا
ضربت بھی کی تو ہاتھ شقی کا بہک گیا
جل کر کبھی کہا کبھی پیچھے سرک گیا
شعلہ تھا آگ کا کہ بجھا اور بھڑک گیا
واری ہے نور حق سے کہاں بچ کے جائے گا
اک دم میں تیغ تیز کا پانی بجھائے گا

دونوں طرف وغا میں بڑی جد و کد ہوئی
پر ڈھال بہر تیغ سکندر کی سد ہوئی
تائید کی خدا نے علی کی مدد ہوئی
جو اُس نے ضرب کی وہ سر دست رد ہوئی
گرمی میں ابر بن گئے تھے وہ جو برق تھے
اسوار بھی فرس بھی پسینے میں غرق تھے

کرتا تھا ہاتھ اپنی صفائی کو آشکار
تیغ اپنے جوہروں کو دکھاتی تھی بار بار
جنگ آزما وہ آتش سوزندہ آبدار
آفت کا منھ غضب کی روانی ستم کی دھار
جس دن سے اتری سان سے رن پر چڑھی رہی
اکبر سے بھی وغا میں کچھ آگے بڑھی رہی

آخر دکھا چکا وہ شقی اپنا سب کمال
پر شہ کے زلفوں والے کو بہکا کے بدخصال
تلوار کو اٹھا کے پکارا علی کا لال
ہاں اب ہماری ضرب کو دیکھو او زبوں خصال
لے پیادہ ہو لیں یہی وقت نبرد ہے
رو کر ہمارا وار تو جانیں کہ مرد ہے

چمکی جو تیغ ڈھال وہ لایا قریب سر
اک برق سی گری کہ دو پارہ ہوئی سپر
مغفر سے سر میں تھی سر گردن سے صدر پر
سینے سے جب بڑھی تو ہوا تب وہ باخبر
سب نشۂ غرور جوانی اتر گیا
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اتر گیا

قربان تیغ بخت دل بادشاہ دیں
گزری کمر سے کاٹ کے زنجیر آہنیں
پاکھر درست تھی نہ سلامت تھا صدر زیں
دو ایک ضرب میں تھا مع اسلحہ لعیں
کاٹا سمند پاؤں کو رہتی میں گاڑ کے
پھٹ کر گرے زمین پہ ٹکڑے پہاڑ کے

تکبیر کی صدا سے ہلے دشت و کوہسار
چلّائے شاہِ دیں کہ میں اس فخر کے نثار
بجلی گری ہے تیغِ شقی پر چلی نہیں

تسلیم کر کے شہ کو پکارا وہ نوجوان
تالو ہے خشک اینٹھ گئی ہے مری زبان
دریا پہ قتل ہوتا ہوں میں قحطِ آب سے
ٹھنڈی ہوا کو جان ترستی ہے ہائے ہائے
کیجے دعا کہ جلد شہادت غلام پائے
گرمی سے ہو فراغ عطش سے نجات ہو

یہ کہہ کے ابرِ شام میں ڈوبا وہ رشکِ ماہ
پایا جو بیچ میں تو سمٹ آئی سب سپاہ
یکتا وہ ران باگ تھی کیا شہ سوار تھا
شہ را اس طرف کو تھا عمرِ کینہ جو ادھر
چل کر ادھر سے جب گئی وہ تشنہ خو ادھر
سبزے کو اس روش سے ہوا روندتی نہیں

چھائی تھی ابرِ شام میں گھنگھور ادھر گھٹا
دریا کے اس طرف سے اٹھا شور ادھر گھٹا
جانیں تھیں اس کے قبضے میں سر تھا تو نذر تھا
لڑتے تھے پر نہ ہوتا تھا انبوہِ فوج کم
بھر دغا کمیں میں گئے بانیِ ستم
مارا جو پیدلوں کو سوار آ کے جم گئے

مانندِ شیر جنگ میں تھی چار سو نگاہ
لیکن اجل سے بس نہیں چلتا کسی کا آہ
چھاتی پہ تک کے پشت سے نیزہ گزر گیا

یاد آیا جبرئیل کو دستِ خدا کا وار
غالب تھے میں تیغ زنوں کے یہ حملے پہ کارزار
افسوس ہے کہ آج جہاں میں علیؑ نہیں

اب پیاس مارے ڈالتی ہے یا شہِ زماں
جلتا ہے دل کلیجے سے اٹھتا ہے جب دھواں
تپتا ہے گرم ریگ تپشِ آفتاب سے
پانی زرہ پہ کوئی چھڑک دے تو جان آئے
اکبر پہ آبرو سے کوثر جہاں سے جائے
اے موت بے خبر تو ہماری حیات ہو

یوں کہہ کے پھر وہ تیغ کہ اللہ کی پناہ
حربوں سے بند ہو گئی چاروں طرف کی راہ
دوڑایا یاں سمند کو فوجوں کے پار تھا
بڑھتا کبھی ادھر کبھی وہ ماہ رو ادھر
اودے ادھر گرا ... بہایا لہو ادھر
بجلی سیاہ ابر میں یوں کوندتی نہیں

یہ شیر جب ادھر سے بڑھا زور ادھر گھٹا
ڈھالوں کی تھی لہو میں شرابور ادھر گھٹا
یہ آبِ شورِ تیغ کا تھا وہ جو زور تھا
نیزوں کی صف ادھر تو ادھر برچھیاں بہم
جنگل تھا فوج کا کہ آتی تھی دم بدم
سو قتل ہو گئے تو ہزار آ کے جم گئے

چھپ چھپ کے بدلیوں سے نکلتے تھے مشعلِ ماہ
دیکھا جو پھر کے یوں نظر آئی علم کی راہ
اُجلا ہوا کہ عمر کا پیمانہ بھر گیا

نیزہ لگا کے زور سے کھینچا لعیں نے جب
ٹکڑے کئی کبد سے نکل آئے ہے غضب
بھرنے پہ سر جھکا کے جو سنبھلا وہ تشنہ لب
تر ہو گئی لہو سے قبا مصطفےٰ کی سب
غش آیا نبضیں چھوٹ گئیں تیور بدل گئے
حلقے رکاب کے بھی قدم سے نکل گئے

فریاد ہے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ گراں
حربے تمام فوج کے اور ایک ناتواں
گرتے ہوئے فرس سے پکارا وہ نیم جاں
لیجئے خبر غلام کی اے قبلۂ زماں
جلدی اٹھائیے مجھے دشتِ نبرد سے
اب جان نکلی جاتی ہے سینے کے درد سے

سنتا تھا یہ کہ شہ پہ گرا آسمانِ غم
اتنا کہا کہ آہ ہوئے اب تمام ہم
دوڑے گرے اٹھے کئی جا قبلۂ امم
رکھا کسی جگہ تو کہیں جا پڑا قدم
خالق پسر کا داغ دکھائے نہ باپ کو
آنکھوں سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا آپ کو

چلاتے تھے کدھر کو ہے تو اے جواں پسر
عاشق پسر شفیق پسر مہرباں پسر
میرے حسین لال مرے قدرداں پسر
ہونٹوں پہ دم ہے باپ کا اے نیم جاں پسر
بیٹا تباہ باپ کا اب تیرے ہاتھ ہے
جلدی نہ کیجیو کہ یہ بے کس بھی ساتھ ہے

کس جا ستم کی سینے پہ کھا کر سناں گرے
آواز دو کدھر اے علی اکبر کہاں گرے
کس طرح لڑکھڑا کے نہ یہ ناتواں گرے
پیری میں جس پہ کوہِ غم ناگہاں گرے
اعدا سے اس ستم کا خدا انتقام لے
اتنا نہیں کوئی کہ مرا ہاتھ تھام لے

جنگل میں پہنچے لاش پہ اس وقت شاہِ دیں
جب ایڑیاں رگڑ رہے تھے اکبرِ حسیں
چلائے پاس گر کے شہ بیکس و حزیں
حاضر ہے باپ اے مرے فرزندِ مہ جبیں
بابا کو مطمئن تو کرو منہ سے بول کے
باہیں گلے میں ڈال دو آنکھوں کو کھول کے

تم نے بھی منہ کو باپ سے موڑا ہزار حیف
بیکس کو اس ضعیفی میں چھوڑا ہزار حیف
پہنا نہ بر میں بیاہ کا جوڑا ہزار حیف
قسمت نے تازہ پھول کو توڑا ہزار حیف
بھیگی ہوئی مسوں پہ بڑی آب و تاب تھی
ہے ہے ابھی تو آمدِ فصلِ شباب تھی

کیوں تھرتھرا کے کروٹیں لیتے ہو بار بار
کیا ہے کہ خاک پر کسی پہلو نہیں قرار
حضرت سے دم نکلنے میں بولا وہ گلعذار
برچھی کا زخم ہے مری چھاتی کے وار پار
کیا حالِ دل کہوں نہیں طاقت بیاں کی
لو الوداع! جسم سے رخصت ہے جان کی

ناگاہ رنگ زرد ہوا تھرتھرا گئے
اٹکا جو دم سوال میں پانی کے لب ہلائے
پھیلا کے ہاتھ پاؤں وہ مقتول رہ گیا
اللہ باپ کو نہ دکھائے غم پسر
اکبر سے انتقال کی نوبت یہی ادھر
تھراتی تھی زمین کوئی تھا نہ چین سے
زخمی تھا سر ٹپکنے سے ماتھا کھلے تھے بال
تن کانپتا تھا ضعف سے خورشید کی مثال
اے ظالمو ڈرو غضب کردگار سے
چلاتی تھیں کہ گیسوؤں والے کدھر ہے تو
کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو
پھرا ہاں جگر پہ صدمۂ فرقت نے چھری ہے
بس اے انیس بس نہ لٹے تھے کبھی یہ بین
ہیں ایک کیا نہیں کسی مومن کے دل کو چین
عشرت ہو دور عیش کا ساماں کم نہ ہو

کروٹ کبھی کراہ کے لی گاہ مسکرائے
ہنستے ہوئے گزر گئے دنیا سے ہائے ہائے
خوشبو سوئے بہشت گئی پھول رہ گیا
صدمہ ہوا کہ غش ہوئے سلطان بحر و بر
نکلی ادھر سے دختر زہرا برہنہ سر
سب وحش و طیر روتے تھے زینب کے بین سے
مخدومۂ جہاں سے شباہت تھی چال
کہتے تھے سب لعینوں سے رو کر بصد ملال
منھ ڈھانپ لو کہ نکلی ہے زہرا مزار سے
ہے ہے یہ کس کے غموں کے میں کھائے کدھر ہے تو
اماں کی اجڑی گود کے پالے کدھر ہے تو
سنتی ہوں میں کہ راہ میں گلیاں اندھیری ہیں
برپا ہے بزم ماتم اکبر میں شور و شین
کیجے مدد اب اپنے غلاموں کی یا حسین
جز ماتم حضور کوئی اور غم نہ ہو

رباعی

اعلیٰ مرتبے میں ہر بشر سے پایا
افضل انھیں خضر راہبر سے پایا
یہ در جو نہ ملتا تو بھٹکتے پھرتے
جنت کا پتہ علی کے گھر سے پایا

۱۳

مرثیہ
۵۲ بند

جب قصد کیا نہر کا سقائے حرم نے
رو کر یہ برادر سے کہا شاہِ اُمم نے
مرنے کو نہ جاؤ کہ نشانی ہو علیؑ کی
تم قوتِ بازو ہو مرے جسم کی جاں ہو
بہتر ہے جو خنجر مری گردن پہ رواں ہو
اس غم میں کریں صبر یہ وہ غم نہیں بھائی

عباسؑ ہمیں چھوڑ کے مرنے کو نہ جاؤ
مشکیزہ رکھو کاندھے سے آنسو نہ بہاؤ
اندوہ پہ اندوہ ہیں غم ہوتے ہیں غم پر
کیونکر تمھیں بھائی کا رلانا ہے گوارا
اب پاس ہو تم یا علی اکبر مرا پیارا
تم دونوں کی فرقت بھی جو شبیرؑ سہے گا

یہ سن کے علمدار پہ رقت ہوئی طاری
کی عرض یہ آقا سے بصد گریہ و زاری
کس کام کے اگر آئے نہ کام آپ کے آگے
تقدیر مجھے پہلے ہی دنیا سے اٹھائے
اللہ سکینہؑ کی یتیمی نہ دکھائے
فرزند تصدق مرا گھر بار تصدق

مشکیزہ دھرا دوش پہ اُس بحرِ کرم نے
بھائی تمھیں بیٹوں کی طرح پالا ہے ہم نے
توڑو نہ ضعیفی میں کمر سبطِ نبیؐ کی
لشکر کے علمدار ہو۔ حیدرؑ کے نشاں ہو
مرنے کے تمھارے یہ نہیں دن کہ جواں ہو
اوجھل ہوئے آنکھوں سے تو پھر ہم نہیں بھائی

میں درد رسیدہ ہوں مرا دل نہ دکھاؤ
تو آؤ مری چھاتی سے چھاتی تو لگاؤ
دیکھو تو عجب عالمِ تنہائی ہے ہم پر
اس وقت میں لازم ہے کہ دو ساتھ ہمارا
وہ آنکھیں تو تم ہو مری پیری کا سہارا
پھر لاش اُٹھانے کو مری کون رہے گا

سر شاہ کے قدموں پہ جھکایا کئی باری
ان قدموں پہ حضرت کے فدا جانِ ہماری
عزت ہو جو مر جائے غلام آپ کے آگے
آگے مرے آفت نہ کوئی آپ پہ آئے
قدسی ہوں خوش سرورِ دیں خواب میں نکلے
ان قدموں پہ تو مجھ سے علمدار تصدق

کام آتے ہیں غیروں کے جو ہوتے ہیں فداؤ
اور ہیں تو غلام آپ کا ہوں یا شہِ ابرار
قاسم کے بچھڑنے کا بڑا دل پہ تعب ہے
باقی ہے غلام آپ کا یا اکبرِ ذی جاہ
وہ گیسوؤں والا جو ہوا عازمِ جنگ گاہ
مر کر بھی ہم اس رنج سے آزاد نہ ہونگے
ماں نے کہا تھا وقتِ سفر آکے مرے پاس
شبیرؑ پہ جب ہوئے ہجومِ الم و یاس
سر بیچے گا تا کہ شرف پائے گا اس میں
زہراؑ کی کمائی پہ زوال آنے نہ پائے
میدان میں ہم شکلِ نبی جانے نہ پائے
زہراؑ کے کلیجے کے وہ دلبند ہیں بیٹا
بچوں کی یتیمی کا بھی کچھ دھیان نہ لایا
ہو جائے اگر ایک طرف سارا زمانا
شبیرؑ سے ہیں دور ہوں تو ساتھ ہے بیٹا
عباسؑ نے یہ دردِ دل اپنا جو سنایا
فرمایا کہ تم سے ہمیں قسمت نے چھڑایا
اب تم کو نہ روکیں گے نہ گھبراؤ برادر
جھکنے لگا سردار کے قدموں پہ علمدار
فرماتے تھے صدقے میں ترے اے مرے غمخوار
صدمہ نہ ہوا تھا یہ جدائی میں کسی کی
اے جانِ برادر تری شوکت کے میں صدقے
اے رستمِ لشکر تری ہمت کے میں صدقے
آفت تری فرقت کی نہیں ٹلتی ہے بھائی

حضرت ہیں مصیبت میں کئی دن سے گرفتار
لٹنے سے ہوئی سب فوج نہ یاور ہیں نہ انصار
اب بھی جو نہ صدقے ہو یہ خادم تو غضب ہے
خادم کا وہ شہزادہ ہے اور آپ شہنشاہ
کونین میں پھر میرا ٹھکانا نہیں واللہ
اماں وہ وہ جرم نہ بخشیں گی پدر شاد نہ ہونگے
بھاتی ہوں جو اس کو بھلا دیجیو عباسؑ
جاں اپنی گنوا دیجیو با ہمت و وسواس
ہیں وہ وہ جو بخشیں گی جو فرق آئیگا اس میں
شبیرؑ کا پسر تیغ و سناں کھانے نہ پائے
شبیرؑ گلا تیغ سے کٹوانے نہ پائے
وہ احمدِ مختار کے فرزند ہیں بیٹا
عورت ہے یہ سمجھانے پہ زوجہ کے نہ جانا
تو ہاتھ نہ شبیرؑ کے دامن سے ہٹانا
عزت تری مادر کی ترے ہاتھ ہے بیٹا
شبیرؑ کو رونے کے سوا کچھ نہ بن آیا
افسوس کہ تم نے مرا لاشا نہ اٹھایا
چھاتی سے پھر اک بار لپٹ جاؤ برادر
لپٹا کے گلے رونے لگے سیدِ ابرار
اب فاطمہؑ کا لال ہوا بیکس و بے یار
اس وقت کمر ٹوٹ گئی سبطِ نبی کی
ہے ہے مرے یاور تری الفت کے میں صدقے
اے ثانیِ جعفر تری صورت کے میں صدقے
اس وقت کلیجے پہ چھری چلتی ہے بھائی

تو مرنے چلا ہائے اخی ہائے اخی ہائے
اُمّت نے محمدؐ کی مری قدر نہ کی ہائے
ہاتھوں سے کلیجہ کوئی ملتا ہے برادر
تڑپا کئے بسمل کی طرح سیّدِ ابرار
غل پڑ گیا ہاں لشکرِ یو ہنرے ہشیار
دیکھے کوئی اس صاحبِ شمشیر کی آمد
کہتا ہے کوئی رعبِ علمدار تو دیکھو
بجلی ہے تجلّی شوخیٔ رہوار تو دیکھو
پنجے سے تجلّی یدِ بیضا کی عیاں ہے
اِتم گئے ہیں ورثے میں بزرگوں کے ہتھیار
اکثر یہ سپر باندھتے تھے جعفرِ طیار
خود سر پہ نورِ امامِ دو جہاں ہے
پٹکے ہے یداللہ کے دستار ہے پر نور
آنکھ اس سے ملائے یہ نہیں شیر کا مقدور
شیرِ اسداللہ ہے شمشیرِ خدا ہے
سر دینے کو آیا ہے عجب صاحبِ توقیر
بھائی کو بچھڑ لے نہ کسی بھائی سے تقدیر
کانوں میں جو آتی ہے صدا ہائے اخی کی
رونے کی ہے جا اور مقامِ غم و حسرت
مظلوم غریب الوطنی پیاس کی آفت
سنتے ہیں کہ بے آب ہے اب ہونٹ جاں ہے
میدان میں مصروفِ ثنا تھے ستم آرا
ہشیار کہ میں ہوں اسداللہ کا پیارا
نجّت جو ہوئی ختم تو اک دم نہیں ٹھہرے

اب بکیں وبے یار ہوا سبطِ نبیؐ ہائے
مر جاؤں گا غم میں ترے عباسِؑ علی ہائے
اب دم مرا گھبرا کے نکلتا ہے برادر
آداب بجا لا کے چلا رن کو علمدار
آ پہونچا وغا کو خلفِ حیدرِ کرار
ہوتی ہے ترائی میں یونہی شیر کی آمد
روشن ہے زمیں جلوۂ رخسار تو دیکھو
شانِ علمِ سیّدِ ابرار تو دیکھو
دامانِ علم آیۂ رحمت کا نشاں ہے
قبضے میں ہے تیغِ کرِ حیدرِ کرار
اور جسم میں ہے جوششِ بوطالبِ برادر
نیزہ جو حسن کا ہے تو حمزہ کی سناں ہے
تن زور سے معمور ہے دل صبر سے معمور
آفاق میں ہے ثانیٔ جعفر بھی مشہور
سقائے حرم ہے یہ شرف سب سے سوا ہے
بیکس ہوئے اب ٹوٹ گیا بازوئے شبیرؑ
اس غازی پہ بھی شاق ہے ہجرِ شہِ دلگیر
گر پڑتے ہیں اشک آنکھوں سے عباسِ علی کی
بچوں کی بھتیجی کا الم بھائی کی فرقت
لے آئی ہے دریا پہ سکینہ کی محبت
اس سوکھی ہوئی مشک سے پیاس اس کی عیاں ہے
گھوڑے کو بڑھا کر یہ علمدار پکارا
دشمن پہ بھی سبقت نہیں دستور ہمارا
جب کھینچتے ہیں تیغ تو پھر ہم نہیں رکتے

منظور نہیں صلح تو پھر جنگ میں کیا دیر
تیروں سے چلیں وار چمکنے لگے شمشیر
تب لطف ہے جب لاشے پہ لاشا نظر آئے

اے قوم جفا یہ کیا قہر ہے کیا بے ادبی ہے
بے جرم و خطا سبطِ رسولِ عربی ہے
جو بود وصیت کو رسولؐ دوسرا کی
بن پانی تڑپتے ہیں یہ کس شخص کے اطفال
کیوں اپنے پیمبرؐ کا چمن کرتے ہو پامال
دو گھونٹ سا پانی میرا دل غم سے تپاں ہے

بولا پسرِ سعد کہ یا حضرتِ عباسؑ!
تم پیاسے ہو تو پانی پیو کچھ نہیں وسواس
پیاسے شہِ مظلوم کے اطفال مریں گے
تھرانے لگا صورتِ خورشید علمدار
تو پانی نہ دے کیا تری طاقت ہے ستمگار
وہ چاہیں تو فردوس کا ساغر ابھی آجائے

فرما کے یہ غازی نے کیا گھوڑے کو کوڑا
ماری جسے تلوار نہ جیتا اُسے چھوڑا
تھے کتنے لعیں خوف سے بے ہوش زمیں پر
رن میں علمِ فوجِ مخالف ہے نگوں سار
ٹوٹے جو کمانیں تھیں تو ٹکڑے تھے کماندار
اک دم میں جو پامال کیا فوجِ شقی کو

دل سے کہا اب جنگ سے کیا کام ہو عباسؑ
بچے شہِ مظلوم کے جینے سے ہیں بے آس
گو حلق ترا پانی سے ناکام رہے گا

یاں مر گئے یا فوج کو لڑ بھڑ کے کیا زیر
مشتاق ہیں یا مرنے کے جو زیست سے دل سیر
پیاسوں کی لڑائی کا تماشا نظر آئے

سادات پہ دو روز سے یاں تشنہ لبی ہے
مہماں ہے مسافر ہے دل و جانِ نبیؐ ہے
تم ہو کلمہ گو یہ امانت ہے خدا کی
سوچو یہ کوئی اور ہے یا فاطمہؑ کا لال
معصوم تو بے جرم ہیں اے قوم بد افعال
یہ شک ہے جس کی وہ بہت تشنہ دہاں ہے

ہیں طالبِ پانی بھی یاں کا نہیں پاس
پر سبطِ پیمبرؐ کی بجھانے کے نہیں پیاس
اصغرؑ بھی جو آئے تو نہ ہم رحم کریں گے
فرمایا زباں بند کر اے ظالمِ غدار
خود فاطمہؑ کا لال ہے اس پانی سے بیزار
آقا کا اشارہ ہو تو کوثر ابھی آجائے

جوں تیرِ نظر ٹوٹ پڑا فوج پہ گھوڑا
پامال تھی جس صف کی طرف باگ کو موڑا
بجلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش زمیں پر
روکے ہوئے ڈھالوں کو گریزاں ہیں سپردار
ہر غول میں تھا شور یہ بجلی ہے کہ تلوار
دریا نظر آنے لگا عباسِ علیؑ کو

تھے یہ کماندار ہیں دریا ہے بہت پاس
وہ فکر کرو اب کہ سکینہؑ کی بجھے پیاس
ہر خلق میں سقائے حرم نام رہے گا

شبدیز کو غازی نے بڑھایا سوئے ساحل
تھی یاد زبس تشنگیِ سرورِ عادل
تھا اُنس جو رہوارِ امامِ دو جہاں سے
منہ باندھ کے جب مشک کو کاندھے پہ سنبھالا
گھوڑے کو جو دریا سے بہادر نے نکالا
غل تھا کہ شکست آج دیے جاتے ہیں سقاؑ
یہ سنتے ہی اک بار کیا فوج نے ریلا
وا حسرتا وہ درد وہ ہزاروں پہ اکیلا
گر پڑتے تھے سب پھر کے جدھر مڑتے تھے عباسؑ
بے سر تھا وہ جس شامی نے تلوار لگائی
خالی دیا وار اُس کا جو برچھی کوئی آئی
کیا کرتے کہ وہ روزے سے خود تشنہ دہاں تھے
اک صف سے نکلتے تھے قلم کرکے جو جھلے
پسپا کیا ان کو جو بڑھے برچھیوں والے
پڑتی تھی مہم جو اُسے سر کرتے تھے عباسؑ
نزدیک جو تیغ آئی تو سر تن سے ہوئے دور
گھوڑوں سے زمیں پر جو گرے ٹوٹتے تھے مغفر
تھیں تیغ سے ڈھالیں بھی جو پڑتے کہ دو سر کی
سر پر جو پڑی تیغ گئی تا سرِ قربوس
ملتے تھے الف ہو کے جو گھوڑے کفِ افسوس
غل تھا کہ بجھے جاتے ہیں دل اس کی چمک سے
حملوں سے پریشان جو ہوا لشکرِ غدار
لکھا ہے کہ تھا ابنِ طفیل ایک ستمگار
یہ خوش تھے کہ جاتے ہیں خیامِ شہِ دیں میں

یا شیرِ خدا کہہ کے ہوئے نہر میں داخل
پانی پہ نہ صابر کی طبیعت ہوئی مائل
گھوڑے نے بھی پانی نہ پیا آبِ رواں سے
فرمایا توکلتُ علی اللہ تعالیٰ
اس ماہ کے گرد آ گیا پھر فوج کا ہالا
ہاں غازیو ہاں مشک لیے جاتے ہیں عباسؑ
سر دینے کو ہر اہلِ ستم جان پہ کھیلا
کیا کیا نہ بہادر نے اس انبوہ کو جھیلا
جوں شیر ہر اک صف سے نکل جاتے تھے عباسؑ
نیزے کو جو تولا تو کہیں صاف کلائی
تیر آئے تو چھاتی کے تلے مشک چھپائی
تنہائی تھی اور لاکھ عدو دشمنِ جاں تھے
تو دوسری صف آتی تھی تلواریں نکالے
پیدل جو ہٹے آئے سواروں کے رسالے
ہر وار پہ سینے کو سپر کرتے تھے عباسؑ
زیں گھوڑوں سے خالی تھے زمیں گیر تھے جو جو
چار آئینے ہو جاتے تھے شیشوں کی طرح چور
کڑیاں بھی بکھر جاتی تھیں کٹ کٹ کے زرہ کی
دو دو کب ہوا راکب کو نہ ہوتا تھا یہ محسوس
زندہ بھی تھے مردوں کی طرح زیست سے مایوس
تلوار نہیں بجلیاں گرتی ہیں فلک سے
اک نخل کے سائے میں ذرا ہٹ کے [illegible]
مخفی تھا اسی نخل کے نیچے وہ جفاکار
اس کی نہ خبر تھی کہ اجل یاں ہے کمیں میں

ظالم نے بلندی سے بہادر پہ کیا وار
تب دوسرے کاندھے پہ رکھا مشک کو اک بار
فرمایا کہ ثابت قدم راہِ وفا ہیں
دونوں جو کٹے ہاتھ تو حالت ہوئی تغییر
دل میں یہی کہتے تھے کہ اب کیا کروں تدبیر
بہنے لگا مشکیزے سے پانی جو زمیں پر
کچھ ہاتھوں کے کٹ جانے کا غازی کو نہ تھا غم
چلا کے کہا ہائے سکینہؑ ترے قرباں
رو کر کہا میری نہیں تقصیر سکینہؑ
یہ کہہ کے گرے گھوڑے سے عباسؑ خوش اطوار
گھبرا گئے سُن کر یہ صدا سیدِ ابرار
سوراخ کلیجہ تھا بھتیجے کے الم سے
ڈیوڑھی پہ حرم کرنے لگے گریہ و زاری
چلاتی تھی ڈیوڑھی سے سکینہؑ یہ پکاری
میں اپنے چچا کو نہ اگر پاؤں گی بابا
دریا پہ یہ غل ہے مجھے آتا ہے یہ وسواس
خیمے میں چچی پہ ہے ہجومِ الم و یاس
یاور کوئی بابا کا معیت میں نہیں ہے
بابا مجھے بتلاؤ میں ہوں آپ کے واری
کیوں کہتے ہو اس وقت کمر ٹوٹی ہماری
پانی کے لئے کیا سوئے کوثر گئے عباسؑ
بہلا کے اُسے رن میں چلے سیدِ ذی جاہ
جب نہر سے دریا کی ترائی میں گئے شاہ
دیکھا تو یہ دیکھا کہ نہیں ہاتھ بدن میں

جس شانے پہ تھی مشک اُسی پر پڑی تلوار
ہیہات ہوا ضرب سے وہ ہاتھ بھی بیکار
سو ہاتھ ہوں ایسے تو سکینہؑ پہ فدا ہیں
دانتوں سے پکڑ مشک کے تسمے کو وہ دلگیر
افسوس کہ اتنے میں لگا مشک پہ اک تیر
اک کوہِ الم ٹوٹ پڑا جانِ حزیں پر
پانی جو بہا مشک سے قالب سے چلی جاں
پانی کے لیے خون میں تھا ہوا غلطاں
ضائع ہوا پانی تری تقدیر پہ سکینہؑ
اک شور ہوا قتل ہوا شہ کا علمدار
اکبرؑ سے کہا ہو گئے ہم بیکس و ناچار
فرماتے تھے بھائی بھی جدا ہو گئے ہم سے
عباسؑ کی زوجہ نے ردا سر سے اُتاری
کیوں آئی نہ اب تک مرے عمو کی سواری
سر پیٹتی دریا پہ چلی آؤں گی بابا
دم رکتا ہے بچوں کے اب تو چچا پیاس
کہہ دے کوئی اب آپ کی پیاری کو نہیں پیاس
پھر آؤ کہ پانی مری قسمت میں نہیں ہے
بیتاب ہوں یہ اشک ہیں کیوں آنکھوں سے جاری
کیا رن سے نہ اب آئے گی عمو کی سواری
ہے ہے مجھے کہنے میں خجل کر گئے عباسؑ
تھی دستِ مبارک میں علم تیغ یداللہ
عباسؑ کا لاشہ نظر آیا انھیں ناگاہ
چھاتی پہ تو مشکیزہ ہے تسمہ ہے دہن میں

چلّائے یہ لاشے سے لپٹ کر شہِ عالم
جعفر کا یہ ماتم ہے علیؑ کا ہے یہ ماتم
تنہائی میں بھائی کی کمر توڑ چلے ہو
جس وقت سنی اس نے صدائے شہِ ابرار
کی عرض یہ منزل کے قدم چوم لوں اک بار
حسرت ہے یہی جب سفرِ خُلد کروں میں
صد شکر تمنا تھی جو دل میں وہ بر آئی
افسوس ہے اک پانی کی بوند اُس نہ پائی
یہ مشک و علم خیمے میں پہنچائیو آقا
کہہ کر یہ سخن جا پاکر اُٹھے وہ دلاور
کیا حال ہے کیوں کروٹیں لیتے ہو برادر
فردوس سے لینے کو مرے پاس آئے ہیں بابا
آئے ہیں محمدؐ مجھے یا شاہ اُٹھاؤ
فرماتے ہیں اس کو مری چھاتی سے لگاؤ
لپٹا کے کلیجے سے اُسے روئے گی زہراؑ
کہہ کر یہ سخن مر گئے عباسؑ خوش اطوار
جس دم سے عباسؑ کو روئے شہِ ابرار
دن رات دُعا ہے یہی درگاہِ خدا میں

ہیہات ترے ہاتھ کٹے اے مرے ضیغم
عباسؑ ترے داغ سے جینے کے نہیں ہم
انتیس ۲۹ برس بعد ہمیں چھوڑ چلے ہو
جاں آ گئی اور کھول دیے دیدۂ خونبار
صدقے ترے آقا مرے مالک مرے سردار
آنکھیں قدمِ پاک پہ مَل مَل کے مروں میں
ہے دل پہ سکینہؑ کا مگر داغ جدائی
تا حشر سکینہؑ سے خجالت رہی بھائی
پر لاشہ پہ اوروں کی نہ لے جائیو آقا
مظلوم کے بھائی کا لگے کہنے یہ سرور
عباسؑ نے کی عرض کہ یا سبطِ پیمبرؐ
ملنے کے لیے ہاتھوں کو پھیلائے ہیں بابا
زہراؑ بھی کھڑی ہیں مجھے قدموں پہ گراؤ
شبیرؑ کے عاشق کی مجھے شکل دکھاؤ
شبیرؑ کے قدموں پہ فدا ہوئے گی زہراؑ
چلّاتے رہے شاہ علمدار علمدار!
لکھنے کی نہیں تاب انیسِ جگر افگار
اک قبر کی جا پاؤں جوارِ شہدا میں

رُباعی

بیزار جہاں کو مال و زر سے پایا
طاعت ہی میں ہر شام و سحر سے پایا
اللہ نے دی تیغ و نبیؐ نے دُختر
رتبہ یہ اُدھر سے۔ یہ اِدھر سے پایا

۱۴

مرثیہ نمبر ۱۶۷

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے
جلوہ کیا سحر کا رُخِ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے
مُڑ کر صدا رفیقوں کو دی اُس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اُٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

ہاں غازیو یہ دن ہے جدال و قتال کا
یاں آج خوں بہے گا محمدؐ کی آل کا
چہرہ خوشی سے سُرخ ہے زہراؑ کے لال کا
گزری شبِ فراق دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے مَلک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

یہ صبح ہے وہ صبح مُبارک ہے جس کی شام
یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام
لکھے خدا نماز گزاروں میں اپنا نام
سب ہیں وحیدِ عصر یہ غل چار سو اُٹھے
دنیا سے جو شہید اُٹھے سُرخرو اُٹھے

یہ سُن کے بستروں سے اُٹھے وہ خدا شناس
اک اک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کیے سب نے بے ہراس
باندھے عمامے آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

سوکھے لبوں پہ حمدِ الٰہی رخوں پہ نور
خوف و ہراس و رنج و کدورت سے دور دور
فیاض حق شناس اولوالعزم ذی شعور
خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حسنِ صوت سے خط برملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

سادات بُردبار فلک مرتبت دلیر
عالی نشاں جاہ میں سلیماں وغا میں شیر
گردانِ دہر ان کی زبردستیوں سے زیر
فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر
دنیا کو ہیچ پوچ سراپا سمجھتے ہیں
دریا دلی سے بحر کو قطرا سمجھتے ہیں

تقریر میں وہ زور کہتا ہے کہ لاجواب
گویا دہن کتاب بلاغت کا ایک باب
لہجوں پہ شاعران عرب تھے مرے ہوئے
لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو
غلماں تھے دل میں جن کی غلامی کی آرزو
پتھر میں ایسے لعل صدف میں گہر نہیں

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک جناب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب
مہتاب سے رخوں کی صفا اور ہو گئی
خیمے سے نکلے شہ کے عزیزان خوش خصال
قاسم سا گل بدن علی اکبر سا خوش جمال
سب کے رخوں کا نور سپہر بریں پہ تھا

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور
گلشن خجل تھے وادی مینو اساس سے
ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک
ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے

قربان صنعت قلم آفریدگار
عاجز ہے فکرت شعرائے ہنر شعار
عالم تھا محو قدرت رب عباد پر
وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا
وہ جوش گل وہ نالۂ مرغان خوش نوا
پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے

نکتہ بھی منہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
سوکھی زباں میں شہد فصاحت سے کامیاب
پیتے لبوں کے وہ کہ نمک سے بھرے ہوئے
پیدا رخوں سے پیرہن یوسفی کی بو
پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خو
حوروں کا قول تھا کہ ملک ہیں بشر نہیں

پڑتی رخوں پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
ہوتے ہیں خاکسار غلام ابوتراب
مٹی سے آئینوں میں جلا اور ہو گئی
جن میں کئی تھے حضرت خیر النسا کے لال
اک جا عقیل و مسلم و جعفر کے نونہال
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور
وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خوان طیور
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے
شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

تھی ہر ورق پہ صنعت ترصیع آشکار
ان صنعتوں کو پائے کہاں عقل ہوشیار
بن گیا تھا وادی مینو سواد پر
دُرّاج و کبک و ہُدہُد و طاؤس کی صدا
سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے

وہ دشت، وہ نسیم کے جھونکے، وہ سبزہ زار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
جواں تھے زیرِ گلشنِ زہرا جو آب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم
سبحانَ ربنا کی صدا تھی علی العموم
ہر گل فقط نہ کرتے تھے ربِ عُلا کی حمد
چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار
یا حیّ یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار

طائر ہوا میں مست، ہرن سبزہ زار میں
کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبی کے پھول
دنیا کی زیب و زینت کا شانۂ بتول
ماہِ عزا کے عشرۂ اوّل میں لُٹ گیا
اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہا
دولھا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلو کا ہار
راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں

وہ دشت اور خیمۂ زنگار گوں کی شان
بے چوب سپہر بنے جس کا سائبان
اللہ کے حبیبؐ کے پیارے اسی میں تھے
گردوں پہ ناز کرتی تھی اس دشت کی زمیں
پڑتے تھے رشک پردہ چشمانِ حورِ عیں
دیکھا جو نور شمسۂ کیوان جناب پر
ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہوا عیاں
سجادے بچھ گئے عقبِ شاہِ انس و جاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی

پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آبدار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

کوکو کا شور، نالۂ حق سرہ کی دھوم
جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم
ہر خار کے بھی نوکِ زباں تھی خدا کی حمد
اے دانہ کش غریبوں کے رازق ترے نثار
تسبیح تھی کہیں، کہیں تہلیلِ کردگار

جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں
خوشبو سے جن کی خلد تھا جنگل کا عرض و طول
وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسولؐ
وہ باغبوں کے ہاتھ سے جنگل میں کٹ گیا
پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گلعذار
جاگے وہ ساری رات کے وہ نیند کا خمار
جب مسکرائے پھولوں کی کلیاں بکھر گئیں

گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسماں
بیت العتیق دیں کا مدینہ جہاں کی جاں
سب عرشِ کبریا کے ستارے اسی میں تھے
کہتا تھا آسمان و ہم چرخ ہفتمیں
تاروں سے تھا فلک اسی زمیں کا خوشہ چیں
سمجھا کیا ہنسی ہے صبح گل آفتاب پر
تشریف جانماز پہ لائے شہِ زماں
صوتِ حسنؑ سے اکبرِ مہرو نے دی اذاں
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آ گئی

چپ تھے طیور، جھومتے تھے وجد میں شجر
محو ثنا تھے کوہ و نباتات و دشت و در
اعجاز تھا کہ دلبرِ شبیرؑ کی صدا
ناموس شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار
زینب بلائیں لے کے یہ کہتی تھیں بار بار
کرتے ہیں یوں ثنا صفت ذوالجلال کی
یہ حسن صوت اور یہ قرأت یہ شد و مد
گویا ہے لحن حضرت داؤدؑ با خرد
نکلے صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں
میری طرف سے کوئی بلائیں تو لیتے جائے
وہ وہ غمی کہ جس کی حلاوت دلوں کو بھائے
غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حسینؑ پر
صف میں ہوا جو نعرۂ قد قامت الصلوٰۃ
وہ نور کی صفیں وہ مصلّے ملک صفات
مولا تھے جانماز پہ آیت مناط پر
قرآں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز
سطریں تھیں یا صفیں عقبِ شاہِ سرفراز
صدقے سحر بیاض پہ ہیں اسطور کی
اُمید مغفرت تھی علی حلیم سے
لیکن وہ گئیں نہ پاؤں رہِ مستقیم سے
حبل المتیں یہی ہیں نجات ان کے ہاتھ ہے
باہم بکتروں کی صدائیں وہ دل پسند
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دو چند
خم گردنیں تھیں سب کی خضوع و خشوع میں

تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
پانی سے منہ نکالے تھے دریا کے جانور
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا
چپکی کھڑی تھیں صحن میں بانوئے نامدار
صدقے نمازیوں کے مؤذن کے میں نثار
لوگو اذاں سنو مرے یوسفؑ جمال کی
آقا کہ افصح الفصحا ہے انھیں کا جد
یا رب رکھ اس صدا کو زمانے میں تا ابد
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں
عین الکمال سے تجھے بچے خدا بچائے
ڈو دو دن ایک بوند بھی پانی کی جو نہ پائے
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نور عین پر
قائم ہوئی نماز اٹھے شاہ کائنات
سردار کے قدم کے تلے تھی رہِ نجات
یا قبلہ رو کھڑے تھے سلیمانؑ بساط پر
بسم اللہ جیسے آگے ہو یوں تھے شہِ حجاز
کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز
سب آیتیں تھیں مصحفِ ناطق کے نور کی
غیر از کرم کچھ اور نہ ہوگا کریم سے
پہلے اشارہ ہے یہ الف لام میم سے
قرآن کا اور آل محمدؐ کا ساتھ ہے
کرّوبیانِ عرش تھے سب میں سے بہرہ مند
خوفِ خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند
سجدوں میں چاند تھے مہ نو تھے رکوع میں

اک صف میں سب محمد و حیدر کے رشتہ دار
پرسب جگر فگار بحق آگاہ و خاکسار
تسبیح ہر طرف تھی ، افلاک انھیں کی ہے
دنیا سے اٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود
وہ عجز، وہ طول رکوع اور وہ سجود
طاقت نہ چلنے پھرنے کی بھی ہاتھ پاؤں میں
ہاتھ ان کے جب قنوت میں اٹھے سمے خدا
تھرائے آسمان ہلا عرش کبریا
وہ خاکسار محو تضرع تھے فرش پر
فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام
چومے کسی نے دست شہنشاہ خاص و عام
گریاں تھے کیا سپاہ رشید و سعید تھی
سجدے میں شکر کے کوئی تھا مرد با خدا
نصرت نبی تھی کہیں محو کبریا
خاتون پہ تشنہ کامی و غربت پہ رحم کر
زاری تھی التجا بھی مناجات تھی ادھر
کہتا تھا ابن سعد یہ جا جا کے سر پہ
دو روز سے ہے تشنہ دہانی حسین کو
بیٹھے تھے جا نماز پہ شاہ فلک سریر
دیکھا ہر اک نے مڑ کے سوئے لشکر شریر
پروانہ تھے سراج امامت کے نور پر
اکبر سے مڑ کے کہنے لگے سرور زماں
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکر گراں
غفلت میں جا تیرے کوئی بچہ تلف نہ ہو

اٹھارہ نوجواں ہیں اگر کیجئے شمار
پیر دو ام اک کے دانائے روزگار
جس پر درود پڑھتے ہیں یہ خاک انھیں کی ہے
ان کے لئے تھی بندگی واجب الوجود
طاعت میں نیت باندھتے تھے اپنی ہست و بود
گر گر کے سجدے کر گئے تیغوں کی چھاؤں میں
خود ہو گئے فلک پہ اجابت کے باب وا
شبیر تھے دونوں ہاتھ پہ حاضر دعا
روح القدس کی طرح دعائیں تھیں عرش پر
آئے مصافحے کو جو ان تشنہ کام
آنکھیں ملیں قدم پہ کسی نے باحترام
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی
پڑھتا تھا کوئی جوش سے قرآں کوئی دعا
مولا اٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا
یارب مسافروں کی جماعت پہ رحم کر
واں صف کشی و ظلم و تعدی و شور و شر
کہتا تھا اس سے ہوشیار ترائی سے باخبر
ہاں مرتے دم بھی دیکھو نہ پانی حسین کو
ناگہ قریب آکے گرے تین چار تیر
عباس اٹھے تول کے شمشیر بے نظیر
روکی سپر حضور کرامت ظہور پر
تم جا کے کہہ دو خیمے میں یہ اے پدر کی جاں
بچوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
ڈر ہے مجھے کہ گرد نہ اصغر ہدف نہ ہو

کہتے تھے یہ پسرِ شہِ آسماں سریر
ہے ہے علیؑ کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر
گرمی میں ساری رات تو گھٹ گھٹ کے رہے ہیں
باقرؑ کہیں پڑا ہے سکینہؑ کہیں ہے غش
پڑ پڑ کے سو گئے ہیں صغیران باہوش
یہ کس خطا پہ تیر بلا پہ برستے ہیں

اٹھے یہ شور سن کے امامِ فلک وقار
فرمایا گھر کے چلتے ہیں اب بہر کارزار
دیکھیں فضا بہشت کی دل باغ باغ ہو
فرما کے یہ حرم میں گئے شاہِ بحر و بر
جوشن پہن کے حضرت عباسؑ نامور
پرتو سے رخ کے برق چمکتی تھی خاک پر

شوکت میں رشکِ تاجِ سلیمانؑ تھا خود پر
دستانے دونوں فتح کا مسکن ظفر کا گھر
جب آیا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
خیمے میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال
زینبؑ کی یہ دعا ہے کہ اے ربِ ذوالجلال
بانوئے نیک نام کی کھیتی ہری رہے

آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا
غربت میں ضعف گئی جو لڑائی تو ہو گا کیا
فاقوں سے جاں بلب ہیں عطش سے ہلاک ہیں
سر پر نہ اب علیؑ نہ رسولؐ فلک وقار
اماں کے بعد وہ حسنؑ کو ہیں سوگوار
تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے

فضہ پکاری در سے کہ اے خلق کے امیر
اٹھیے گا پالنے تک آ کے گرے ہیں تیر
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں
گرمی کی فصل یہ تب و تاب اور یہ عطش
بچوں کو ہوئے کہ پیاس سے کہاں جائیں فاقہ کش
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں

ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو رخ پہ رفیقِ دیار
گھر میں کہو جہاد پہ ہنگو ادر اچوار
امت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو
ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں ادھر
دروازے پہ ٹہلنے لگے شکلِ شیرِ نر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوشِ پاک پر

کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہما کے پر
وہ رعب الاماں وہ تہور کہ الحذر
پھر کس طرح نہ جان کی چھاتی پہاڑ ہو
چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سر کے بال
بچ جائے اس فساد سے خیر النساءؑ کا لال
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

بیکس پہ یہ چڑھائی ہے سیدہ پہ یہ جفا
ان ننھے ننھے بچوں پہ کر رحم اے خدا
یارب ترے رسولؐ کی ہم آلِ پاک ہیں
گھر لٹ گیا گزر گئیں فاقوں میں روزگار
دنیا میں اب حسینؑ ہے ان سب کا یادگار
کچھ ان پہ بن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

بولے قریب جا کے شہ آسماں جناب
سفر و میں خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب
موقع بہن نہیں ابھی فریاد و آہ کا

معراج میں رسولؐ نے پہنا تھا جو لباس
سر پہ رکھا عمامۂ سردارِ حق شناس
بر میں درست و چست تھا جامہ رسولؐ کا
شملے کے دوسرے جو پڑے تھے بصد وقار
بل کھا رہا تھا زلفِ حسن بو کا تار تار

مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
کپڑوں سے آ رہی تھی رسولِ زمن کی بو
حیدرؑ کی فاطمہؑ کی حسینؑ و حسنؑ کی بو
بسا تھا عطر وادیٔ عنبر سرشت میں
پوشاک سب پہن چکے جب دم شہ زمن
چلائی ہائے آج نہیں حیدرِ حسن
رخصت ہے اب رسول کے یوسف جمال کی

صندوق اسلحے کے جو کھلوائے شاہ نے
پہنی زرہ امام فلک بارگاہ نے
جوہر بدن کے حسن سے سارے چمک گئے
یاد آ گئے علیؑ نظر آئی جو ذوالفقار
تولی جو لے کے ہاتھ میں شمشیر آبدار
فتح و ظفر قریب ہوئی نصرت قریب ہو
باندھی کمر سے تیغ جو زہراؑ کے لال نے
دستانے پہنے سرورِ قدسی خصال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی

مضطر ہو دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
خود جا کے میں دکھاتا ہوں ان کو رہِ صواب
لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا
کشتی میں لائیں زینبؑ اسے شاہِ دیں کے پاس
پہنی قبائے پاک رسولِ فلک اساس
رومال فاطمہؑ کا عمامہ رسولؐ کا
ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
جن کے ہر ایک مو پہ خطا و ختن نثار
سنبل کی اصل کیا ہے یہ گیسو کے پیچ ہیں
دولہا نے سونگھی ہو گی ایسی دلہن کی بو
پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتنؑ کی بو
گل جو تھے باغ میں رضواں بہشت میں
لے کر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
ماں کہاں سے لائے تمہیں اب بے وطن
صدقے گئی بلائیں تو لو اپنے لال کی
منہ اپنا پیٹا زینبؑ عصمت پناہ نے
بازو پہ جوشن پڑھے عز و جاہ نے
حلقے تھے جتنے اتنے ستارے چمک گئے
قبضے کو چوم کر شہِ دیں روئے زار زار
شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
زیب اس کی تجھ کو ضرب عدو کو نصیب ہو
پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ہلال نے
معراج پائی دوش پہ حمزہ کی ڈھال نے
ساری سپر میں مہرِ نبوت کی شان تھی

ہتھیار ادھر لگا چکے آقائے خاص و عام
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام
تیغیں کمر پہ دوش پہ شملے پڑے ہوئے
گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گلعذار
جعفر کا رعب و دبدبہ شبیر کردگار
آنکھیں ملیں علم کے پھریرے کو چوم کے
گریاں کو دیکھتے تھے گہ جانب علم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم
کیا قصد ہے علیؑ ولی کے نشان کا
کچھ مشورے کریں جو شہنشاہ خوش خصال
پاس ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
بے عقل تھے رسول کے لشکر کے شپال
خیبر میں دیکھیا تھا لشکر گراں
طاقت میں کچھ کمی نہیں گو ہم کہ بچے ہیں
زینب نے تب کہا کہ تمہیں جو کہا ہے تم
دیکھو نہ کیجیو بے ادبانہ کوئی کلام
اور جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
سرکو نہ بڑھ کے ہو کھڑے ہو علم کے پاس
کھوتے ہو اور آئے ہوئے تم دسنوں ہیں
رونے لگو گے تم جو برا یا بھلا کہوں
عمریں قلیل اور یہ منصب جلیل
ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل
لازم ہے سوچ لے غور کرے پیش و پس کرے

تیار ادھر ہوا علم سید انام
رونق تھی تھامے چوب علم خواہر امام
زینب کے لال زیر علم آ کھڑے ہوئے
مرفق تک آستینوں کو الٹے بصد وقار
بوٹے سے ان کے قد پہ نمودار نامدار
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے
نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثار شہ امم
آخر یہ پوچھنے لگے اس سے وہ ذی حشم
اماں کسے ملے گا علم نانا جان کا
ہم بھی حق میں آپ کو اس کا ہے خیال
اس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
عزت طلب ہیں نام کے اُمیدوار ہیں
لیکن ہمارے جد کو نبیؐ نے دیا نشاں
پایا علم علیؑ نے مگر وقت امتحاں
پوتے انھیں کے ہم ہیں انھیں کے نواسے ہیں
کیا دخل ہم کو مالک و مختار ہیں امام
بگڑوں گی میں جو لوگے زباں سے علم کا نام
کیوں آئے ہو یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے
ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہ فلک اساس
بس قابل قبول نہیں ہے یہ التماس
اس قصد کو سمجھنے کے سوا اور کیا کہوں
اچھا لگا تو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ہاں اپنے ہم سنوں میں تمہارا نہیں عدیل
جو ہو سکے نہ کیوں بشر اس کی ہوس کرے

ان ننھے ننھے ہاتھوں سے اُٹھے گا یہ علم؟
نکلیں تنوں سے سبطِ نبیؐ کے قدم پہ دم
رخصت طلب اگر ہو تو یہ میرا کام ہے
پھر تم کو کیا بزرگ تھے گر فخرِ روزگار
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار
تم کیوں کہو کہ لالِ خدا کے ولی کے ہیں
کیا کچھ علم سے جعفرِ طیار کا تھا نام
بگڑی لڑائیوں میں بن آئے انہیں سے کام
بے جاں ہوئے تو نخلِ وغا نے ثمر دیے
لشکر نے تین روز ہزیمت اٹھائی جب
مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وہ شیرِ رب
اکھڑا وہ یوں گراں تھا جو در سنگِ سخت سے
نرغے میں تین دن سے ہے مشکل کشا کا لال
پوچھا کہ کیوں کھڑے ہو کیوں تم نے سر جھکائے
غم خوار تم مرے ہو نہ عاشق امام کے
ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام
واللہ کیا مجال جو اب لیں علم کا نام
گو ہیں بچے پہ تیغ شہیداں میں سوئیں گے
بس کہہ کے یہ ہٹے جو سعادت نشاں پسر
دیتے ہو اپنے مرنے کی پیارو مجھے خبر
کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بُری لگی
زینبؑ کے پاس آکے یہ بولے شہِ زمن
شیروں کے شیر عاقل و جرار و صف شکن
ہاں دیکھنے کو سب ہیں بزرگوں کے طور ہیں

چھوٹے قدوں میں سب سے سنوں میں چھوٹوں سے کم
عہدہ یہی ہے بس یہی منصب یہی حشم
ماں صدقے جائے آج تو مرنے میں نام ہے
زیبا نہیں ہے وصفِ اضافی پہ افتخار
دکھلا دو آج حیدر و جعفر کی کارزار
فوجیں پکار دیں خود کہ نواسے علیؑ کے ہیں
یہ بھی تو تھی اک عطائے رسولِ فلک مقام
جب کھینچتے تھے تیغ تو چلتا تھا روم و شام
ہاتھوں کے بدلے حق نے جو اُس کے پر دیے
بخشا علم رسولِ خدا نے علیؑ کو تب
در بند کر کے قلعے کا بھاگی سپاہ سب
جس طرح توڑے کوئی پتا درخت سے
ماں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
ہیں لُٹ رہی ہوں اور تمہیں منصب کا ہے خیال
معلوم ہو گیا مجھے طالب ہو نام کے
غصے کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام
کھل جائے گا کارزار میں جو یہ باوفا غلام
تب قدر ہو گی آپ کو جب ہم نہ ہوئیں گے
چھاتی بھر آئی ماں نے کہا تھام کر جگر
ٹھہرو ذرا لڑائی تو لے لے یہ نوحہ گر
سمجھے یہ کیا کہا کہ جگر پر چھری سی لگی
کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنی بہن
زینبؑ یادگارِ حیدر و جعفر ہیں یہ دونوں گلبدن
تیور ہی ان کے اور ادائیں بھی اور ہیں

نو دس برس کے سن میں یہ جرأت پہ ولولے
اقبال کیوں نہ ان کے قدم چوم کے ملے

بے شک یہ ورثہ دار جناب امیر ہیں
ہیں جس کو تم کہو اُسے دیں فوج کا علم
فرمایا جب یہ شہ نے تو بنت زہرا نے باکرم
مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو اگر خوش ہو
بولیں بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہ آسماں مقام
شوکت قدم میں شان میں ہمسر کوئی نہیں

عاشق غلام خادم دیرینہ جاں نثار
جرار یادگار پدر فخر روزگار
صفدر ہے شیر دل ہے بہادر ہے نیک ہے
آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن
اچھا بلائیں آپ کدھر ہے وہ صف شکن
کی عرض انتظار ہے شاہ غیور کو

عباسؑ آئے ہاتھوں کو جوڑے حضور شاہ
زینبؑ نے دیں علم لیے انہیں بہ عز و جاہ
ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتنؑ کی ہے
رکھ کر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار
زینبؑ بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار
ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو
کی عرض میرے جسم پہ جب تک کہ ہو سر
تیغیں کھنچیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر
ساونت ہیں پسر اسد ذوالجلال کے

بچے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے؟
کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ کو پلے
پھر کیا کہوں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں
کی عرض جو صلاح شہ آسماں حشم
اُس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
جس کو کہو اُسی کو یہ عہدہ سپرد ہو
ہے کس طرف توجہ سردار خاص و عام
قرآں کے بعد ہے تو علیؑ کا ہے کچھ کلام
عباسؑ نامدار سے بہتر کوئی نہیں
فرزند بھائی زینت پہلو وفا شعار
راحت رساں مطیع منور نامدار
بے شک سینکڑوں میں ہزاروں میں ایک ہے
ہاں تھی یہی علیؑ کی وصیت بھی اے بہن
اکبرؑ چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن
چلیے! پھوپی نے یاد کیا ہے حضور کو
جاؤ بہن کے پاس یہ بولے وہ دیں پناہ
بولے نشاں کو لے کے شہ عرش بارگاہ
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے
ہمشیر کے قدم پہ ملا منہ بہ افتخار
عباسؑ ابن فاطمہؑ کی کمائی ہے ہوشیار
ان آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو
ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوج بدگہر
دیکھیں اٹھا کے آنکھ یہ کیا تاب کیا جگر
گر شیر ہو تو پھینک دیں آنکھیں نکال کے

مجرا کرکے سوئے قبرِ علیؑ پھر کیا خطاب ذرّے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
یہ عرضِ خاکسار ہے بس یا ابو تراب آقا کے آگے میں ہوں شہادت سے کامیاب
سر تن سے ابنِ فاطمہؑ کے روبرو گرے شبیرؑ کے پسینے پہ میرا لہو گرے

یہ سن کے آئی زوجۂ عباسِؑ نامور شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر
لیں سبطِ مصطفےٰ کی بلائیں بچشمِ تر زینبؑ کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا عزت بڑھی کنیز کی رتبہ غلام کا

سر کو لگا کے چھاتی سے زینبؑ نے یہ کہا تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا
کی عرض مجھ سے لاکھ کنیزیں ہوں گر فدا بانوئے نامور کو سہاگن رکھے خدا
بچے جئیں ترقیِ اقبال و جاہ ہو سایے میں آپ کے علی اکبرؑ کا بیاہ ہو

قسمت وطن میں خیر سے پھر شہ کو لے کے جائے یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسینؑ آئے
اُم البنینؑ جاہ و حشم سے پسر کو پائے جلدی شبیہِ پیمبرؐ اکبرؑ خدا دکھائے
مہندی تمہارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں لاؤ دلہن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

ناگاہ آکے بالی سکینہؑ نے یہ کہا کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا
عہدہ علم کا اُن کو مبارک کرے خدا لوگو مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمو جان کی میں بھی تو دیکھوں شان علیؑ کے نشان کی

عباسؑ مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ عمو نثار پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ اب تو علم ملا تمہیں پانی مجھے پلاؤ
تحفہ کوئی نہ دیجئے نہ انعام دیجئے قربان جاؤں پانی کا اک جام دیجئے

زیرِ علم تھے خاک بسر شاہِ خاص و عام باتوں پہ اس کی روتی تھیں سیدانیاں تمام
کی عرض آکے ابنِ حسنؑ نے کہ یا امام انبوہ ہے بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام
خوش ہو کے یہ علم لئے باہر نکلتے ہیں ٹھہرو ذرا حسینؑ سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

ڈیوڑھی پہ تھا دہانِ محل کی ہوئی پکار آتے ہیں اب حضور خبردار ہوشیار
خلقت ہٹو کہ آتے ہیں علمدار نامدار نذریں جو شوق کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے آپ کا

ناگہ بڑھے علم لیے عباسؑ باوفا
حضرتؑ نے ہاتھ اُٹھا کے یہ اک ایک سے کہا
صبحِ شبِ فراق ہے پیاروں کو دیکھ لو
شہ کے قدم پہ زینبِ زار و حزیں گری
کلثوم تھرتھرا کے بروئے زمیں گری
اجڑا چمن ہر اک گلِ تازہ نکل گیا
دیکھی جو شانِ حضرتِ عباسؑ عرش جاہ
نکلا حرم سرا سے دو عالم کا بادشاہ
رہ رہ کے اشک بہتے تھے روئے جناب پے
مولا چڑھے فرس پہ محمدؐ کی شان سے
نکلا یہ جن و انس و ملک کی زبان سے
سارا چلن خرام میں کبکِ دری کا ہے
غنچے میں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھئے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھئے
گردن میں ڈالیں ہاتھ یہ پریوں کو شوق ہے
تھم کر ہوا چلی فرسِ خوش قدم بڑھا
گھوڑوں کی سمت سواروں نے آگے علم بڑھا
پھولوں کو لے کے بادِ بہاری پہونچ گئی
پنجہ اِدھر چمکتا تھا اور آفتاب اُدھر
زرّیں علم پہ ٹھہرتی تھی نظر
تھے دو طرف جو دو علم اس ارتفاع کے
اللہ ری سپاہِ خدا کی شکوہ و شان
کرتے تھے علم کے تلے اُٹھی جوان
اک ایک دودمانِ علیؑ کا چراغ تھا

دوڑے سب اہلبیتؑ کھلے سر برہنہ پا
لو الوداع اے حرمِ پاکِ مصطفےٰؐ
سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو
بانو پچھاڑیں کھا کے پسر کے قریں گری
باقر کہیں گرا تو سکینہؑ کہیں گری
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا
آگے بڑھی علم کے پس از تہنیتِ سپاہ
خستہ دل تھی بنتِ علیؑ کی فغان و آہ
شبنم ٹپک رہی تھی گلِ آفتاب سے
ترکش لگا یا بھرنے پہ کس آن بان سے
اُترا ہے پھر زمیں پہ براق آسمان سے
گھونگھٹ نئی دولہن کا ہے چہرہ پری کا ہے
جوبن میں جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھئے
تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھئے
بالا دوی میں اُس کو ہما پر بھی فوق ہے
جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور دم بڑھا
رایت بڑھا کہ سروِ ریاضِ ارم بڑھا
بستانِ کربلا میں سواری پہونچ گئی
اُس کی ضیا تھی خاک پہ ضو اس کی عرش پر
دولھا کا رُخ تھا سہرے کے سہرے میں جلوہ گر
اُلجھے ہوئے تھے تارِ خطوطِ شعاع کے
جھکنے لگے جنودِ ضلالت کے بھی نشان
دنیا کی زیب دین کی عزّت جہاں کی جان
جن کو بہشت پہ تھا تفوّق وہ باغ تھا

لڑنے کو وہ ساتھ آٹھ سہی قد سمن عذار
حیدر کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار
نیزوں کے سمت جاتے تھے سینے تنے ہوئے
غمزوں سے حوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام
دیکھو وہ دو ادھر کے سوئے لشکر امام
واجب ہے وہ لال خدا کے ولی کا ہے
دنیا سے اٹھ گئے تھے جو پیغمبر زماں
کیونکر سوئے زمیں نہ جھکے پیر آسماں
سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حسین پہ ہے
ناگاہ وہ تیر ادھر سے چلے جانب امام
نکلے ادھر سے شہ کے رفیقان تشنہ کام
بالا کبھی تھی تیغ کبھی زیر تنگ تھی
نکلے پئے جہاد عزیزان شاہ دیں
روباہ کی صفوں پہ چلے شیر خشمگیں
بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے
اللہ رے علی کے نواسوں کی کارزار
شانہ کٹا کسی نے جو روکا سپر پہ وار
اٹکے سوار قتل کے تعویذ ہی دیے میں
وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں
فولاد کاٹتے تھے کماں کش کلائیاں
شوکت جو ہو تھی جناب امیر کی
کس شان سے حسن کا جوان حسیں لڑا
تین دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا
حملے دکھا دیے اسد کردگار کے

گیسو کسی کے چہرے پہ دو دو کسی کے چار
کھیلیں جو نیمچوں سے کریں شیر کا شکار
آئے تھے عید گاہ میں دولہا بنے ہوئے
دنیا کا باغ بھی ہے عجب پر فضا مقام
ہم شکل مصطفیٰ ہے یہیں عرش احتشام
اب تک جہاں میں ساتھ نبی و علی کا ہے
ہم جانتے تھے حسن سے خالی ہے یہ جہاں
پیدا کیا ہے حق نے عجب حسن کا جوان
محبوب حق ہیں عرش پہ سایہ زمیں پہ ہے
گھوڑے بڑھا کے آ پہنچے حجت بھی کی تمام
بے سر ہوئے پروں میں سواران سیاہ فام
اک اک کی جنگ مالک اشتر کی جنگ تھی
غل تھے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
کھینچی جو تیغ بھول گئے صف شکنی لعیں
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں دو بچے
دونوں کے نیچے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا کچھ شمار
دونوں کے گھوڑے عجب تھے کہ ہاتھوں سے تیز تر
سرعت کی پھرتیاں تھیں غضب کی صفائیاں
فوجوں میں تھیں نبی و علی کی دہائیاں
طاقت دکھا دی شیروں نے تیغ حیدری کی
گھبرا کے جو حسرت سے اسد خشمگیں بڑھا
سر لاش کے پاس کوئی دوڑتا نہیں
مقتل میں سوئے رزق تنہا کو مار کے

چمکی جو تیغ حضرت عباسؑ عرش جاہ
ڈھالوں میں چھپ گیا پسر سعد روسیاہ
بھپرا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
بے سر ہوئے جو گل سر چشمۂ فرات
دریا میں گر کے ڈوب گئے کتنے بد صفات
عباسؑ بھر کے مشک کو یاں تشنہ لب لڑے

آفت تھی حرب و ضرب علی اکبرؑ دلیر
سب سرکشان پست زبردست تھے زیر
سر اُترے اُن کے تن سے جو تھے رن چڑھے ہوئے
تلواریں ہو گئیں تیغ سے نصف انتہا تلک
کانپا کئے پہاڑوں کو سمیٹے ہوئے فلک
ڈھالوں کا دور برچھیوں کا اوج ہو گیا

لاشے بھی سب کے سبط نبی خود اُٹھا کے لائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے
لاشے بچھا کے گر پڑے جس پر وہ غم نہ پوچھ
لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام
افسردہ و حزین و پریشان و تشنہ کام
اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے

پوچھو اُسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ
فرصت ذرا کہاں ہے نہ ماتم سے انفراغ
پڑتی تھی دھوپ سب کے تن پاش پاش پر
مقتل سے آئے خیمے کے در پہ شہ زمن
بولے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بصد محن
پھر ایک بار اس سر انور کو دیکھ لیں

دستِ الامیں پکارے کہ اللہ کی پناہ
کشتوں سے بند ہو گئی امن و اماں کی راہ
لے لی ترائی تیغوں کی موجوں میں تیر کے
ہلچل میں شکل موج صفوں کو نہ تھا ثبات
گویا حباب ہو گئے تھے نقطۂ ثبات
جس طرح نہروان میں امیر عرب لڑے

غصے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
جنگل میں جا بجا ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
عباسؑ سے بھی جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوئے
ہلتی رہی زمین لرزتے رہے فلک
غرے نہ پھر وہ تھے نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ہنگام غلبہ خاتمۂ فوج ہو گیا

قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے
گو سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو
ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبی کی قبا تمام
برچھی تھی دل کو فتح کے باجوں کی دھوم دھام
تھرا کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے

اک عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا وہ باغ
جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبرؑ کی لاش پر
بہ شدت عطش سے نہ تھی طاقت سخن
اصغرؑ کو گاہوارے سے لے آؤ اے بہن!
اکبرؑ کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

خیمے سے دوڑی آل پیمبر برہنہ سر
بچے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر
غم کی چھری تھی جگر چاک چاک پر
بچے سے ملتفت تھے شہ آسمان سریر
مارا جو تین بھال کا اس بے حیا نے تیر
تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی

جس دم تڑپ کے مر گیا وہ طفل شیر خوار
بچے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار
دامن میں رکھ اسے جو محبت علیؑ کی ہے
پہلے پہل چھٹا ہے یہ ماں کی کنار سے
اے قبر ہوشیار مرے گلعذار سے
سید ہے لال حضرت خیر النسا کا ہے

یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حسام
زیب بدن کئے تھے بصد عز و احتشام
حمزہ کی ڈھال تیغ شہ لافتا کی تھی
رستم تھا درع پوش کہ پاکھر میں راہوار
کیا خوشنما تھا زین طلا کار و نقرہ کار
خوش خو تھا خانہ زاد تھا دلدل نژاد تھا

گرمی کا روز جنگ کی کیونکر کروں بیاں
وہ دن کہ الحذر وہ حرارت کہ الاماں
آب خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
وہ دن وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا

اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوئے نوحہ گر
حضرت سے لے جو ہونٹ تو چونکا وہ بے شیر
جھلا لیا حسینؑ نے زانوئے پاک پر
تھا اس طرف کمیں میں بن کاہل شریر
بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردن صغیر
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحال زار
اے خاک پاک حرمت مہماں نگاہ دار
دولت ہے فاطمہؑ کی امانت علیؑ کی ہے
واقف نہیں ہے قبر کی شبہائے تار سے
گردن چھدی ہوئی ہے بچانا فشار سے
معصوم ہے شہید ہے بندہ خدا کا ہے

آنکھیں لہو تھیں رونے سے چہرہ تھا سرخ فام
پیراہن مطہر پیغمبر انامؐ
بر میں زرہ جناب رسولؐ خدا کی ہے
جرار بردبار سبک رو وفا شعار
اکسیر تھا قدم کا جسے مل گیا غبار
شبیر جیسے سخی تھے فرس بھی جواد تھا

ڈر تھا کہ مثل شمع نہ جلنے لگے زباں
رن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسماں
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خیمے تھے جو حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

جھیلوں سے چارپائے نہ اٹھتے تھے تابہ شام
مسکن میں مچھلیوں کے سمندر کا تھا مقام
آہو جو کاہلی تھے تو چیتے سیاہ فام
پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثل موم خام
سرخی اڑی تھی پھولوں سے سبزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اترا تھا سائے کی چاہ سے

آب رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر ادھر
مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر
خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھوں آبلے پائے نگاہ میں

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورت چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ مہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں
تہ میں تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب تب کی تاب
چھپنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب
کافور صبح ڈھونڈتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر میں
بادل چھپے تھے جا کے کرۂ زمہریر میں

اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہ زمن
نے دامن رسول تھا نے سایۂ علم
شعلے جگر سے آہ کے اٹھتے تھے دم بدم
اودے تھے لب زبان میں کانٹے کمر میں خم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار
آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آب نہر پرند آ کے بے شمار
سقے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا دام و دد کو پلانا ثواب تھا
اک ابن فاطمہ کے لیے قحط آب تھا

سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چتر تر
خادم کئی تھے مروحہ جنباں اِدھر اُدھر
کرتے تھے آب پاش معطر زمیں کو تر
فرزندِ فاطمہؑ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دھوپ دشت کی وہ جلال آفتاب کا
سوکھا گیا تھا رنگ مبارک جناب کا

کہتا تھا ابنِ سعد کہ لے آسماں جناب
بیعت جو کیجے اب بھی تو حاضر ہے جامِ آب
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانماں خراب
دریا کو خاک جانتے ہیں ابنِ بوتراب
فاسق ہے پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آبِ بقا ہو یہ تو مرے کام کا نہیں

کہہ دوں تو خوان لے کے خود آئیں ابھی خلیلؑ
چاہوں تو سلسبیل کو دم میں کروں سبیل
کیا جامِ آب کا تو مجھے دے گا او ذلیل
بے آبرو خبیث یہ ستمگر یہ دوں بخیل
جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بو نہ دے
کھلوائے فصد تو تو کبھی رگ لہو نہ دے

گر حکم ہو تو خضر ابھی جام لے کے آئے
کوثر ابھی رسولؐ کا احکام لے کے آئے
روح الامیں زمیں پہ مرا نام لے کے آئے
لشکر ملک کا فتح کا پیغام لے کے آئے
چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ نہ شام ہو

فرما کے یہ نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار
تھرا کے پچھلے پاؤں ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار
آوازِ کوسِ حرب ہوئی آسماں کے پار
نیزے اُٹھا کے جنگ پہ اسوار تل گئے
کالے نشان فوجِ سیہ رو کے کھل گئے

وہ دھوم طبلِ جنگ کی وہ بوق کا خروش
کر ہو گئے تھے شور سے کروبیوں کے گوش
تھرائی یوں زمیں کہ اُڑے آسماں کے ہوش
نیزے ہلا کے نکلے سوارانِ درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سوارانِ شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

مطلع

جب رن میں تیغ تول کے سلطانِ دیں بڑھے
گیتی کے تھام لینے کو روح الامیں بڑھے
مانندِ شیرِ نر کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے
گویا علیؑ اُلٹتے ہوئے آستیں بڑھے
جلوہ دیا جری نے عروسِ مصاف کو
مشکل کشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا
جیسے کنارِ شوق سے ہو دلبر جدا
مہتاب سے شعاع جدا گل سے بو جدا
سینے سے دم جدا رگِ جاں سے لہو جدا
گرجا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی
محفل میں دم جو گھٹ گیا لیلیٰ نکل پڑی

آئے حسینؑ یوں کہ عقاب آئے جس طرح
کافر پہ کبریا کا عتاب آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح
دوڑا فرس نشیب میں آب آئے جس طرح
یوں تیغ تیز کو دَمِ گُنیٔ اس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

گرتی ہیں تیغ برق جو چمکی شرر اُڑے
جھونکا چلا ہوا کا جو سن سے تو سر اُڑے
پرکالا سپر جو ادھر اور ادھر اُڑے
روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پر اُڑے
ظاہر نشانِ اسمِ ہزیمت اثر ہوئے
جن پر علی لکھا تھا وہی پر سپر ہوئے

جس پر چلی وہ تیغ دوپارا کیا اُسے
کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اُسے
واں قسمِ جودھرا اجل نے اشارا کیا اُسے
سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اُسے
نے زین تھا فرس پہ نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی
دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
ایک ایک قدر تن کو زمیں پر گرا گئی
سیل آئی زور شور سے جب گھر گرا گئی
آبِ بقا اُسکے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے چڑھ گیا

یہ آبرو یہ شعلہ فشانی خدا کی شان
پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان
استادہ آبِ تیغ روانی خدا کی شان
لہرائی جب اُتر گیا پانی بڑھا ہوا
نیزوں پہ تھا ذوالفقار کا پانی چڑھا ہوا

قلب و جناح میمنہ و میسرہ تباہ
گردن کشانِ اُمتِ خیر الوریٰ تباہ
جنبان زمیں صفیں تہ و بالا پرا تباہ
بے جان جسم روح مسافر ہوا تباہ
بازار بند ہو گئے جھنڈے اُکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ محلّے اُجڑ گئے

اللہ ری تیزی و بُرّش اس شعلہ رنگ کی
چمکی سوار پر تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی طلب گار جنگ کی
حاجت نہ سان کی تھی اُسے اور نہ سنگ کی
خوں سے فلک کو لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سوبار دم میں چرخ پہ چڑھتی اُترتی تھی

تیغ خزاں تھی گلشنِ ہستی سے کیا اُسے
گھر جس کا نمود اجڑ گیا ہستی سے کیا اُسے
وہ حق نما تھی گبر پرستی سے کیا اُسے
جو آپ سربلند ہو پستی سے کیا اُسے
کہتے ہیں راستی جسے وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ ہے بُرّش دم کے ساتھ ہے

سینے پہ چل گئی تو کلیجہ لہو ہوا
چمکی تو الاماں کا غل چار سو ہوا
رن تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
بچ بچ گئیں صفوں پہ صفیں وہ جہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری کہاں چلی
تھا کس طرف یہ تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
دشمن گھاٹ پر تھے وہ دھوتے تھے جاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہ تھے منہ چھپانے کو
اللہ رے خوف تیغ شہ کائنات کا
دریا میں حال تھا یہ ہر اک بدصفات کا
غل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درع پوش پر
ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بسر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر
دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
آیا خدا کا قہر جدھر توسن سے آ گئی
دو کر کے خود زین سے جوشن پہ آ گئی
بجلی گری کہ جو خاک پہ تیغ جناب کی
چلّے ہیں کی کشاکش سے کماں دار مر گئے
گوشے کمانوں کے تیروں کے پر گئے
دہشت سے ہوش اڑ گئے تھے مکر و دم کے
تیر افگنی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھا پائے مور
ہوش اڑ گئے تھے فوج ضلالت نشان کے

گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا
جو اس کے منہ پہ آ گیا بے آبرو ہوا
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اس کی آنچ سے
چمکی تو اس طرف ادھر آئی ادھر چلی
اس نے کہاں میاں وہ پکارا وہاں چلی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی
گردن سے سر الگ تھا جدا تھے نشاں سے ہاتھ
جب کٹ کے گر پڑے تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
ہاں پاؤں رہ گئے تھے فقط بھاگ جانے کو
زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا
چارہ فرار کا تھا نہ یارا ثبات کا
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر
منہ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن ادھر ادھر
تھے جو نشیں نہنگ مگر آب تھے جگر
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے
کانوں میں الاماں کی صدا رن سے آ گئی
کھنچتی ہوئی زمین پہ توسن سے آ گئی
آئی صدا زمیں سے یا بو تراب کی
چلّے تو سب چڑھے رہے بازو اتر گئے
مقتل میں ہو سکا نہ گزارا گزر گئے
گوشے کھول دیتے تھے منہ سہم سہم کے
گوشہ کہیں نہ ملتا تھا ان کو سونے کو
لشکر میں خوف جاں نے انھیں گرد کیا تھا گو
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے سونا جان کے

صف پر صفیں پروں پہ پرے پیش و پس گرے
اُٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے
ٹوٹے پرے شکست وہ فوج ستم ہوئی
غصے تھا شیر شرزۂ صحرائے کربلا
تیغِ علی تھی معرکہ آرائے کربلا
بستی بسی تھی مُردوں کے قریے اُجاڑ تھے
غازی نے رکھ دیا تھا جو شمشیر کے تلے
بچے سمٹ کے جاتے تھے زہ گیر کے تلے
اس تیغ بے دریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا
چاروں طرف کمانِ کیانی کی وہ ترنگ
وہ شور وہ صہیلِ فرس ابلق دو رنگ
چمکتا تھا دشت کہیں کوئی دل تھا چھپے سے
سقے پکارتے تھے یہ مشکیں لیے اُدھر
پیاسا ہو جو وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر
کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو
گرمی میں پیاس تھی کہ پھنکا جاتا تھا جگر
آنکھوں میں تھیں اُٹھی جو پڑی دھوپ پر نظر
کثرت عرق کے قطروں کی تھی ہر پلک پہ
سیراب چھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے
مچھلی جو غرق پر تو نکل آئی تنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
سمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر
مردم کی کشمکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر
ترکش سے کھینچے تیر کوئی یہ جگر نہ تھا

اسوار پر سوار فرس پا پہ فرس گرے
مغفر پہ پیک پیک پہ مرکز عرس گرے
دنیا میں اس طرح کی کبھی آفت اور کو ہوئی
چھوٹے تھا آگ منزل وما وائے کربلا
خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا
لاشوں کی تھی زمین سروں کے پہاڑ تھے
تھی طرفہ کشمکش فلک پیر کے تلے
چھپتی تھی مہر جھکا کے کماں تیر کے تلے
سمجھے تھے سب پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا
رہ رہ کے ابر شام سے تھی بارشِ خدنگ
وہ لُوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ
اس دن کی تاب و تب کوئی پوچھے جبیں سے
بازار جنگ گرم ہے وہ جلتی ہے دوپہر
مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہلِ شر
پیتے تھے سب حسین تڑپتے تھے آب کو
اُف اُف کبھی کہا کبھی چہرے پہ لی سپر
بیٹھے کبھی ادھر کبھی حملہ کیا اُدھر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر
چلتی تھی ایک تیغِ علی لاکھ رنگ سے
رُکتی تھی نہ سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خود اس کے سامنے تھا بھبھولا حباب کا
پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر
گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں زمیں پر جھکا کے سر
جس نے کہ سر پہ ہاتھ رکھا تن پہ سر نہ تھا

گھوڑوں کی وہ تڑپ وہ چمک تیغ تیز کی
دکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی
کڑیاں جو ہو گئیں تھیں وہ سب ذوالفقار سے
اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی
سوکھے تھے لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی
ہوتا تھا غل جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں

پھر تو یہ غل ہوا کہ دہائی حسینؑ کی
دریا حسینؑ کا ہے ترائی حسینؑ کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفان سے نوحؑ کا
اکبرؑ کا نام سن کے جگر پر لگی سناں
ٹھوکر پکارے لاش پسر کو شہ زماں
قسمیں تمہاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں

چلایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابن سعد
زیبا دلاوروں کو نہیں ہے خلاف وعد
نعرہ کیا کہ کرتا ہوں حملہ امام پہ
بالا قد و کلفت و تنومند و خیرہ سر
ناوک پیام مرگ کے ترکش اجل کا گھر
دل میں بدی طبیعت بد میں بگاڑ تھا

ساتھ اس کے اور اسی قد و قامت کے ایک یل
بدکار و بد شعار و ستمگار و پُر دغل
بھالے لیے ہوئے کمرِ ستیز پر
کھنچ جائے شکل حرب وہ تدبیر چاہیے
ہر کارزار میں صورت تسخیر چاہیے
نقشہ کھنچے گا صاف صف کارزار کا

سو سو صفیں کچل گئیں جب جست و خیز کی
تھی چار سمت دھوم گریز و گریز کی
تیغوں نے منہ پھرا لیے تھے کارزار سے
سنولائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
تصویر ذوالجناح پہ تھی بوترابؑ کی
سمجھا گو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

اللہ کا غضب تھا لڑائی حسینؑ کی
دنیا حسینؑ کی ہے خدائی حسینؑ کی
اب رحم واسطہ علی اکبرؑ کی روح کا
آنسو بھر آئے روک لی رہوار کی عناں
تم نے نہ دیکھی جنگ مری اے پدر کی جاں
لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

اے وا فضیحتا یہ ہزیمت ظفر کے بعد
اک پہلواں یہ سنتے ہی گرجا مثال رعد
اے ابن سعد لکھ لے ظفر میرے نام پر
روئیں تن سیاہ دروں آہنی کمر
تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

آنکھیں کبود رنگ سیہ ابروؤں پہ بل
جنگ آزما جھکائے ہوئے لشکروں کو پل
نازاں وہ ضرب گرز پہ یہ تیغ تیز پر
دشمن بھی سب مقر ہوں وہ تقریر چاہیے
فولاد کا قلم دم تحریر چاہیے
پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

لشکر میں اضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی
ڈر تھا کہ لو حسین بڑھے تیغ اب چلی

کون آج سربلند ہوا اور کون پست ہو
آواز دی یہ ہاتف غیبی نے تب کہ ہاں
دشمن علی کی تیغ دو دم چاٹ کر زباں
واں سے وہ شور بخت بڑھا نعرہ مار کے
لشکر کے سب جواں تھے لڑائی میں جی لڑائے
ڈھالیں اڑیں سپاہ کی اوپر گرا لئے

مارے جو تاب ڈر کے ہٹے ہر لعیں کے پاؤں
نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند
تیر و کماں سے بھی نہ ہوا جب وہ بہرہ مند
وہ تیر کٹ گئے جو در آئے تھے رنگ میں
ظالم اٹھا کے گرز کو آیا جناب پر
مارا جو ہاتھ پاؤں جما کر رکاب پر
ہوا ہاتھ میں شکست ظفر نیک ہاتھ میں
کچھ دست پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار
واں اس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغ آبدار
قربان تیغ تیز شہ نامدار کے
پھر دوسرے پہ گرز اٹھا کر بڑھا سوئے شاہ
سرشار تھا شراب تکبر سے روسیاہ
غل تھا اسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
آیا تھا وہ کہ اسپ شہ دیں لپٹ پڑا
نیزہ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پھٹ پڑا
بیدم ہوا صدمہ دیا جسد و غرق ہو گیا

تھا وقت بے حواس ہراساں وہ شقی بلی
غل تھا ادھر ہیں مرحب و عنتر ادھر علی
کس کی ظفر ہو دیکھئے کس کی شکست ہو

بسم اللہ اے امیر عرب کے پسر جواں
بیٹھے درست ہو کے فرس پہ شہ زماں
پانی بھر آیا منہ میں ادھر ذوالفقار کے
وہ بد نظر تھا آنکھوں میں تیغیں ادھر لگا
غصے میں آ کے گھوڑے نے بھی دانت کٹکٹائے
ماہی پہ ڈگمگا گئے گاو زمیں کے پاؤں
ششدر گئے دلاں نے کھوئے تمام بند
چلّہ ادھر کھینچا کر چلی تیغ سربلند
گوشے نہ تھے کماں میں نہ پیکاں خدنگ میں

طاری ہوا غضب خلف بوتراب پر
بجلی گری شقی کے سپر پر عتاب پر
ہاتھ اڑ کے جا پڑا کٹی ہاتھ ایک ہاتھ میں
بچے سے پر اجل نے کہاں جا سکے شکار
یاں سر سے آئی پشت کے مہروں پہ ذوالفقار
دو ٹکڑے تھے سوار کے دو راہوار کے
کیوں ضرب ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ
جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئے تھی راہ
لو دوسرا شکار چلا منہ میں شیر کے
ثابت ہوا کہ شیر گرسنہ جھپٹ پڑا
ضربت پڑی کہ گنبد دوّار پھٹ پڑا
گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہو گیا

پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر
شاہین و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے سر
سمجھا ہما، کہ مجھ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
آئی ندائے غیب کہ شبیرؑ مرحبا!
یہ آبروئے جنگ ہے تو تیرے مرحبا!

غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر
بس اب نہ کر وغا کی ہوس اے حسینؑ بس
گرمی سے ہانپتا ہے فرس اے حسینؑ بس

پیاسا گروہ نہیں کوئی پیاسا اژدہام میں
بیک کہہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں
پھر سرکشوں نے تیر رکھے کمان میں
بیکس حسینؑ سخت شراروں میں گھر گئے
سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر
پہلو کے پار برچھیاں سینے کے پار تیر

یوں تھے خدنگ نخل امامؑ کے جسم پر
جتنے تھے چار سمت سے آئے حسینؑ پر
یوں کھنچ گئے کہ گود کے پالے حسینؑ پر
پر ستم سے بچانے والا کوئی نہ تھا
آنکھوں میں ایک ایک کے دو تیر لگ گئے
بھالے وہ اور چلے بچھنے لگے ہائے
تنے میں تھے جو تیر ترکش کے سرکشی جو لگے
دو گز تھے جو جا گئے پھر تھے
صدمے سے ہو گیا ... کو
تنہا کو جا ... کے جھکے

تیروں سے دشت گرگ سے بن اژدروں سے گھر
اژدر گرے جو تیروں میں جنگل کے جانور
سیمرغ نے گرا دیے پر کانپ کانپ کے
اس ہاتھ کے فدا تھی یہ شمشیر مرحبا!
دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا!

بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر
دم لے ہوا ہے چند نفس اے حسینؑ بس
وقت نماز عصر ہے، بس اے حسینؑ بس

اب اہتمام چاہیے امت کے کام میں
بس یہ کہا، آ گئی قیامت جہان میں
پھر کھنچ گئے شست کے پھر تیر کمان میں
مولا تمھارے ظلم شعاروں میں گھر گئے
چھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر
پڑتے تھے وہ جو کھینچے تھے تن سے چار تیر

جس طرح تارے ہوتے ہیں ساون کے ابر پر
ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؑ پر
ڈالیں تھے خنجروں کو سے حسینؑ پر
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا
فرزند فاطمہؑ کی یہ توقیر ہائے ہائے
دو دو پہر میں تیغ کے ہوئے تیر ہائے ہائے
زانو تھے ... پر ... جو کہ ... جھکے
کی ... نے ... سے ... چھپ گیا
ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے ... لگ
نکلا وہ تیر حلق مبارک کو توڑ کے

نکلا جو تیرِ جاں کا تھا ناوکِ ستم
کھینچی سری گلے کی طرف سے بچشمِ نم
اُبلا جو خون نکلتا ہوا دم ٹھہر گیا
دشمن تماشہ کا اعور حسلی عدو نے دیں
ماری جگر پہ ابنِ انس نے سناں کہیں
گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی
گرتے ہیں اب حسینؑ فرس پر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب
قرآن رحلِ زیں سے سرِ فرش گر پڑا
گر کر کبھی اُٹھے کبھی رکھا زمیں پہ سر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر
اُٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
جنگل سے آئی فاطمہ زہرا کی یہ صدا
اس وقت کون حقِ رفاقت کرے ادا
زینبؑ سو رہیں زخمِ تنِ چاک چاک پر
پردہ اُلٹ کے بنتِ علیؑ نکلی ننگے سر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر
اماں قدم اب اُٹھتے نہیں تشنہ کام کے
اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں پھر گیا
شبیرؑ کدھر تڑپتا ہے اماں کدھر ہیں آؤ
شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے
کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف آؤ
اب ڈوبتی ہے آلِ رسولِ خدا کی ناؤ
اب چھوڑ دو نہ دشتِ بلا میں حسینؑ کو

منہ کھل گیا اُلٹ گئی گردن رکا جو دم
بھالے نکالیں پشت کی جانب جو کھا کے خم
ٹھوکر رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا
سر پر لگائی تیغ، کہ شق ہو گئی جبیں
بھالا لگا گرو کے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں
تھرا گئی ضریحِ رسالتؐ پناہ کی
نکلی رکاب پائے مطہر سے ہے غضب
غش میں جو جھکے عمامہ گرا سر سے ہے غضب
دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا
اُبلا لہو کبھی، تو سنبھالا کبھی جگر
کروٹ کبھی تڑپ کے ادھر کی کبھی اُدھر
تیر اور تن میں گڑ گئے جب منہ کے بل گرے
اُمت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمدا
بے ہے یہ ظلم اور وہ عالم کا مقتدا
زینبؑ! نکل حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر
زانو قدم خمیدہ کمر غرقِ خونِ جگر
لے کر بلا بتا ترا مہمان ہے کدھر
ہو تنہا وہ لاش پر مرے بازو کو تھام کے
دکھلا خدا کے واسطے مجھ کو بتا دے راہ
کس سمت ہے نبیؐ کے نواسے کی قتل گاہ
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے
بس اب سفر قریب ہے للہ گھر میں جاؤ
یا مرتضیٰ! غریبوں کے پردے کو تم بچاؤ
یا فاطمہ! چھپا لو ردا میں حسینؑ کو

بنتِ علیؑ تو بیٹھتی پھرتی تھی ننگے سر
کٹتا تھا نورِ چشمِ علیؑ کا گلا اُدھر
زینبؑ کو منع کرتے تھے ہر چند اہلِ شر
لیکن وہ دوڑی جاتی تھی بھائی کی لاش پر
پہونچی جو قتل گاہ میں اس روک ٹوک پر
دیکھا سرِ حسینؑ کو نیزے کی نوک پر
نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار
شبیرؑ تری لہو بھری صورت کے میں نثار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیا چھری کی دھار
چھوٹی بہن کو لے اسے حق کے یادگار!
صدقے تمھیں لٹا گئے گھر وعدہ گاہ میں
جنبش لبوں کو ہے ابھی یادِ الٰہ میں

بھیا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو
چلا رہی ہے دخترِ حیدرؑ جواب دو
سوکھی زباں سے بہرِ پیمبرؐ جواب دو
کیونکر جیے گی زینبؑ مضطر جواب دو
جز مرگ دردِ ہجر کا چارہ نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی
بھیا میں اب کہاں سے تمہیں لاؤں کیا کروں
کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں
کس کی دہائی دوں کسے چلاؤں کیا کروں
بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں کیا کروں
دنیا تمام اُجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا

ہے ہے تمھارے آگے نہ خواہر گزر گئی
بھیا بتاؤ کیا تمہیں پہ گزر گئی
آئی صدا نہ پوچھو جو ہم پر گزر گئی
صد شکر جو گزر گئی بہتر گزر گئی
سر کٹ گیا ہمیں تو الم سے فراغ ہے
گر ہے تو بس تمھاری جدائی کا داغ ہے
گھر لوٹنے کو آئے گی اب فوجِ نابکار
کہیو نہ کچھ زباں سے بجز شکرِ کردگار
خیمے میں جب کہ آگ لگا دیں ستم شعار
رکھیو مری یتیم سکینہؑ سے ہوشیار
بیزار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اُس کا گلا ریسمان سے

بس اے انیسؔ ضعف سے لرزاں ہے بند بند
عالم کو یادگار رہیں گے یہ چند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند
عالم پسند بند ہیں سلطان پسند بند
یہ فصل اور یہ نظمِ عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے ہیں خزاں کی بہار ہے

۱۵

مرثیہ
بند ۷۶

جب رن میں حسینؑ اصغرِ بے شیر کو لائے
جلّادوں میں اُس صاحبِ توقیر کو لائے
غُل پڑ گیا دیکھو شہِ والا کے پسر کو
معصوم کے رُخ پر ہے عجب حُسن عجب نُور
اسپند ہے اس رُخ کے لئے خالِ لبِ حور

کیا صاحبِ اعجاز امامِ دو جہاں ہے
[illegible] رُخِ اصغر سے خجل نیّرِ اکبر
گرمی سے جو قطرے ہیں پسینے کے جبیں پر
بالوں کے تلے لوحِ جبیں نور فشاں ہے

ابرو کو دیا ہے یہ قدرت نے عجب خم
ہے نرگسی آنکھوں کا نقاہت سے یہ عالم
ہے خواب بھی اُس چشمِ گہر بار کو بھاری
آئینۂ مہ میں یہ کہاں جلوہ نمائی
دو دن سے جو اک بوند نہیں پانی کی پائی
شرمندہ گئے ہیں دھوپ کو داماں بچا کے
روشن وہ گلا شمعِ تجلّی کی ہے تصویر
دو روز سے پانی وہ مقدور ہے نہ شیر
اب دودھ بھی اور طوق بھی منّت کا چڑھے گا

سخت جگرِ بانوئے دلگیر کو لائے
ہاتھوں پہ دھرے چاند سی تصویر کو لائے
خورشید نے ہاتھوں پہ اُٹھایا ہے قمر کو
آئینۂ افلاک، تجلّی سے ہے معمور
موسیٰ کے کفِ دست پہ ہے شمعِ سرِ طور
نور یہ بچھا ہے سرِ دست عیاں ہے

خورشید تو ذرّہ ہے ستارہ مہِ انور
ہے صانعِ قدرت نے جڑے چاند پہ اختر
ہے نصف قمر ابر میں اور نصف عیاں ہے
بس دو ہی تو صاف نظر آتے ہیں باہم
دشوار ہے پلکوں کا جھپکنا جنبش بہم
جس طرح سے شب ہوتی ہے بیمار کو بھاری
روشن ہلال، جس کو وہ صورت نظر آئی
زردی سی ہے ان پھولوں سے رُخسار پہ چھائی
ٹھنڈا ہوا جاتا ہے بدن گرم ہوا سے
سوکھوں پہ لگے تیر یہ قسمت کی ہے تحریر
اور کنٹھ جو بیٹھا ہے تو ہے موت گلوگیر
فریاد ہے نیزے پہ یہ سر کٹ کے چڑھے گا

کیا دوش، کیا بر، وہ ساعد و بازو کا کہوں طور
تھا سادہ وہ سینہ کہ ہے آئینہ بھی نور
ان ہاتھوں پہ جو پنجتنی ہیں وہ فدا ہیں
گو سن میں بہت کم ہیں پہ رتبے سے زیادہ
کیوں ہو نہ اولوالعزم وہ عالم کا شہزادا
ہے عمر تو چھوٹی پہ بڑا کام کیا ہے

نازک ہے وہ لب لعل جو برگ گل تر سے
کمھلائے ہیں وہ ٹوٹتے تھے چار پہر سے
بچے کو اماں ظلم کے پانی نہیں دیتے
وہ ننھے سے کرتے کے تلے چاند سا سینہ
خوشبو ہیں ہوا عطر گلاب اس کا پسینہ
اب خون میں وہ ڈوب کے یاقوت بنے گا

اعدا کو دکھاتے ہیں منہ اس کا شہ خوش خو
جاری ہیں ہر اک صاحب اولاد کے آنسو
پیاسا ہے پسر اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیر
کچھ گھٹنیوں چلنے سے ابھی تک نہیں آگاہ
ہے عمر تو کوتاہ پہ ہمت نہیں کوتاہ
میدان میں مرنے کے لیے آئے ہیں گھر سے

فرماتے ہیں اے غنچہ دہن اے مرے پیارے
گویا نہیں اس وقت زباں فرط حیا سے
بے پانی کے مانگے عرق شرم میں تر ہوں
مجھ پر جو ہے بچپن سے نوازش مرے رب کی
منت کش ادنیٰ ہوں یہ جاگہ ہے عجب کی
ادنیٰ سے سخی مانگے یہ دستور نہیں ہے

شب تار کے سانچے میں ڈھلے ہیں جو کرو غور
کس طرح اٹھا ایسے پہ دست ستم و جور
گو مٹھیاں باندھے ہیں مگر عقدہ کشا ہیں
ہے موسم طفلی میں جوانوں کا ارادا
زہرا سی تو دادی اسد اللہ سا دادا
بے جنگ کے خلق میں کیا نام کیا ہے

وہ پانی کو تھا جب رہے دودھ کو ترسے
لے آئے ہیں گھبرا کے شہ دیں اسے گھر سے
منہ کھولے ہے معصوم وہ پانی نہیں دیتے
جس میں نہ کدورت نہ حسد اور نہ کینہ
سینہ نہیں اک دُرِ نجف کا ہے نگینہ
جس جھولے میں وہ چھپتے ہیں تابوت بنے گا

میدان میں تجلی ہے مہ و مہر کی ہر سو
کھولے ہیں دہن مثل صدف اصغر مہ رو
بچے کی طرف تکتے ہیں اور روتے ہیں شبیر
ہیں راہ الٰہی میں مگر باپ کے ہمراہ
اس سن میں عجب عزم ہے اللہ اللہ
پہلے ہی فردوس میں پہونچیں گے پدر سے

تم لاؤ مجھے کیا کہوں میں اہل جفا سے
کچھ میں نے جو مانگا ہے تو مانگا ہے خدا سے
مختار جو کوثر کا ہے میں اس کا پسر ہوں
حاجت متعلق ہے مری ذات سے جس کی
میں نے تو کسی سے نہیں کچھ چیز طلب کی
اب صبر کرو نہر لبن دور نہیں ہے

مشکل ہیں جو چاہتی ہے مجھ سے خدائی
شاہوں کے لیے فخر ہے اس در کی گدائی
قرآن سے ظاہر ہے شرف آلِ نبیؐ کے
بخشے ابھی اللہ ہمیں جس شے کا ہو ارماں
قطرے سے جو چاہوں تو اٹھے نوح کا طوفاں

یہ سب مجھے قدرت ہے پہ راضی بہ رضا ہوں
چاہوں تو ابھی خاک ہوں جل جل کے یہ ناری
ہوں انگلیوں سے دودھ کی نہریں ابھی جاری

بابا بھی رہِ حق میں فدا تم بھی فدا ہو
لیکن تری اور پہ تری پیاس ہے دشوار
ہمسائے بھی کیا ہے طلب آب کا اقرار

پر وہ نہیں دینے کے مرے دل کو یقیں ہے
یہ کہہ کے پکارا اسد اللہ کا جانی
اب اٹھ نہیں سکتی تعبِ تشنہ دہانی

سب خلق پہ احسان حسینؑ ابن علیؑ ہے
آئے ہیں وطن چھوڑ کے مہماں ہیں تمہارے
ہم جیسے رو زہرا و پیمبر کے ہیں پیارے

دن آج تمہارا ہے تو کل ہو گا ہمارا
اب چوکے تو بخشش کا کوئی طور نہیں ہے
ہم پیاسے مرتے ہیں تمہیں غور نہیں ہے

مسلم ہو طریقِ اسد اللہ پہ آؤ
بس دل میں نہیں نورِ محبت کا ہماری
بے کار ہے گر عمر عبادت میں گزاری
عشقِ اسد اللہ کا داغ اس میں نہیں ہے

ہر بند سے بندوں کو میں دیتا ہوں رہائی
جنّات مرے نام کی دیتے ہیں دہائی
احساں ہیں ملائک پہ حسینؑ ابن علیؑ کے

پانی کا جو لوں نام تو ہو بارشِ باراں
پیدا ابھی اس خاک سے ہو چشمۂ حیواں

مظلوم ہوں پیاسا ہوں غریب الغربا ہوں
ظاہر کرے کوثر کو ہمیں خالق باری
پر آج گوارا ہے مجھے پیاس تمہاری

ہم مرتے ہیں اس پہ کہ رضا مند خدا ہو
دروازے پہ سر رکھے کھڑی ہے وہ دل افگار
کرتا ہوں سبھوں سے تری پیاس کا اظہار

اس نہر کا پانی تری قسمت میں نہیں ہے
کچھ کہتا ہوں یارو علی اصغر کی زبانی
کہتے ہیں کہ اک بوند پلا دو ہمیں پانی

تم لوگ مسلماں ہو تو ہم آلِ نبیؐ ہیں
دو روز سے دم توڑتے ہیں پیاس کے مارے
کام آئیں گے جب آؤ گے کوثر کے کنارے

فردوس کی نہروں پہ عمل ہو گا ہمارا
کوثر پہ پہنچنے کی سبیل اور نہیں ہے

سوچو یہ مقامِ ستم و جور نہیں ہے
بھٹکے ہوئے پھرتے ہو کدھر راہ پہ آؤ
قرآں سے یہ ثابت کہ وہ ناری ہے وہ ناری
کچھ نفع نہ بخشے گی اُسے طاعتِ باری
بے نور ہے وہ گھر کہ چراغ اس میں نہیں ہے

جو دوست ہمارے ہیں وہ ہوں لاکھ گنہگار
بچنے پہ علیؑ ہوویں گے اور احمدِ مختار
ہے دوستی آل انھیں روزِ ازل سے
جو لوگ ہیں ثابت قدمِ الفتِ حیدر
فرمائیں گی یہ فاطمہؑ ان لوگوں سے آ کر
دم بھرتے رہے جو سحر و شام علیؑ کا
تم لوگوں میں احمدؐ نے امانت ہمیں چھوڑا
قرآں سے کبھی تم پھر گئے منہ ہم سے بھی موڑا
اولادِ نبیؐ قابلِ بے داد نہیں ہے
ان پھول سے رخساروں کے کملانے کو دیکھو
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو دیکھو
ناحق ہے عداوت تمھیں نازوں کے پلے سے
سن کر یہ سخن وہ ستم ایجاد پکارے
اطفال جنھیں پاک مریں پیاس کے مارے
ہم بچے کے حیلے سے طلب کرتے ہو پانی
فرمانے لگے سبطِ نبیؐ اشک بہا کر
ہٹ جاتا ہوں میں خاک پہ اصغرؑ کو لٹا کر
پینے لئے سائل کبھی پانی کا نہ ہوں گا
وہ بولے کہ اکبرؑ سے زیادہ نہیں اصغرؑ
گو چھوٹے بڑے ہیں پہ ہیں اک جگر کے گوہر
اس کو جو کھیچو تو مرا دل اسے سمجھو
بڑھ کر رہِ کابل نے کہا اے شہِ والا
دکھلاؤ تو اصغرؑ کا مجھے چاند سا چہرا
حاصل ہوئی اکبرؑ سے پیمبرؐ کی زیارت

بخشائیں گے ہم اور انھیں بخشے گا غفار
ہو جائے گی میزانِ عمل آپ سبک بار
پیارا ہے یہی ایک عمل لاکھ عمل سے
بالائے صراط ان کے نبیؐ ہوویں گے رہبر
و تھام لو ہاتھوں سے مرا گوشۂ چادر
جب پاؤں کو لغزش ہو تو لو نام علیؑ کا
گو تم نے تو سر رشتۂ الفت ہی کو توڑا
یہ بھی ہے بہت پاس اگر دو ہمیں تھوڑا
کیا آیۂ لا اسئلکم یاد نہیں ہے
گھبرائے ہے میداں میں چلے آنے کو دیکھو
غش آنے کو اور سانس الٹ جانے کو دیکھو
پھر دو گے تو پانی بھی نہ اترے گا حلق سے
خیر آنے دو دینا ہمیں کوثر کے کنارے
تم لوگوں کا حصہ نہیں پانی میں ہمارے
بچے کے وسیلے سے طلب کرتے ہو پانی
ہم پیاس بجھائیں گے تو کوثر ہی پہ جا کر
دریا سے تمھیں پانی پلا دو اسے لا کر
بچہ مرا نکل جائے میں پیاسا ہی رہوں گا
شہ بولے کہ کہتے ہیں تو دونوں ہیں برابر
وہ برجِ شرافت کا قمر ہے تو یہ اختر
قرآں اسے سمجھو تو حمائل اسے سمجھو
اکبرؑ کو تو دیکھا ہے میاں نے نہیں دیکھا
سنتا ہوں کہ ہم صورتِ حیدرؑ ہے یہ بچا
باقی ہے مگر حیدرِ صفدرؑ کی زیارت

شبیرؑ نے اس چاند کو ہاتھوں پہ اٹھایا
خم ہو کے اُسے شکلِ کماں شہ نے بچایا
شبیرؑ چھپاتے رہے نازوں کے پلے کو
حلقہ تو وہ دو تانگ کا اور تیر سے پہلو
گردن سے لہو بہنے لگا آنکھوں سے آنسو
گل رنگ ہوا طوقِ گلو خون میں بھر کر
فوارہ چھٹا حلق سے بچے کے لہو کا
دم آکے رکا حلق میں اُس تشنہ گلو کا
ننھی سی وہ ٹوپی بھی گری جاتی تھی سر سے
مچھلی سا تڑپتا تھا جو ہاتھوں پہ وہ بے شیر
جب خوں نہ ہوا بند اگلے سے کسی تدبیر
اُس خوں کو ملک لے گئے افلاک کے اوپر
قطرہ اگر اُس خون کا گرتا بسرِ خاک
ہو جاتی گرفتارِ بلا اُمتِ سفاک
فرماتے تھے راضی ہوں میں جو مجھ پہ غضب ہو
جب تیر کو معصوم کی گردن سے نکالا
چلا کے عجب درد سے رونے شہِ والا
غل تھا کہ اب اُمت کا نگہبان علی ہے
شہ لاش کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یہ پکارے
صد شکر کہ تو نے مرے سب کام سنوارے
یہ بے پسر صاحبِ معراج کا جد ہے
گردوں سے صدا آئی کہ اے فخرِ خلائق
تھا تیرے سوا کوئی نہ اس کام کے لائق
باقی فقط اک مرحلۂ خنجرِ کیں ہے

چلّے سے کماں واں سے نے واں تیر چلایا
مانندِ اجل ناوکِ تیرِ ستم آیا
بازو پہ لگا توڑ کے ننھے سے گلے کو
دل سہم گیا چونک پڑے اصغرِ مسرور
منھ کھل گیا تھرانے لگے ننھے سے بازو
ریتی پہ کڑے گر پڑے ہاتھوں سے اُتر کر
سب خون میں تر ہو گیا ننھا سا شلوکا
خوں منھ سے اُگلنے لگا وہ دودھ کا بھوکا
جب آتی تھی ہچکی تو لپٹتا تھا پدر سے
بیتاب تھے بچے کو لیے حضرتِ شبیرؑ
چلّو سے لگے پھینکنے سوئے فلکِ پیر
لکھا ہے کہ قطرہ نہ گرا خاک کے اوپر
دانہ نہ کبھی اُگتا زمیں پر تہِ افلاک
اللہ رے صبرِ پسرِ سیدِ لولاک
نازل نہ کرامت پہ نہ خالق کا غضب ہو
دنیا سے سفر کر گیا وہ ہنسلیوں والا
نزدیک تھا ہو جائے کلیجہ تہ و بالا
فریاد کو زہرا طرفِ عرش چلی ہے
اے بار خدا خلق سے اصغر بھی سدھارے
کچھ اور سوا نذر نہ تھا پاس ہمارے
مقبول ہو اس بندۂ محتاج کا ہدیہ
تو تب ہے ترا صبر میں ایوب سے فائق
ہے شوق ہمارا تجھے ہم ہیں ترے شائق
اب وصل کا معشوق کے ہنگام قریب ہے

سن کر یہ صدا گردنِ تسلیم جھکائی
جب خاک میں وہ چاند سی تصویر چھپائی
چلّائے کہ ڈر ڈر کے نہ رونا علی اصغر

فرمایا کہ اے خاک! امانت سے خبردار
لختِ جگرِ شاہِ ولایت سے خبردار
یہ گوہرِ نایاب ہے پاکیزہ صدف ہے

فرمائیے یہ گھوڑے پہ چڑھے سبطِ پیمبر
کیا جا کے سناؤں خبرِ رحلتِ اصغر
سرخ آنکھیں تھیں اور ہاتھ کو قبضے پہ دھرے تھے

افروختہ تھا صورتِ گل چہرۂ روشن
مغفر تو سرِ پاک پہ اور جسم پہ جوشن
پہنا تنِ اطہر پہ رسولِ عربی کا

اس دن تھا عمامہ سرِ اقدس پہ گلابی
تفسیر تھا وہ حاشیۂ ریشِ خضابی
کہتے تھے ملک دین کے معراج کو دیکھو

اڑتے تھے ہوا سے جو وہ گیسوئے معنبر
عالم کی ضیا بخش تھی پیشانیٔ انور
سجدے کی جگہ پر جو ستارا سا عیاں ہے

ابرو ہے کلیدِ درِ گنجینۂ اسرار
اُس چشم پہ آنکھوں سے فدا ہیں اولی الابصار
ابرو سا جہاں میں نہ کسی قوس کو دیکھا

مژگاں پہ ہے سبزہ گردِ لب کوثر
اور شمعِ سرِ طور کی تو شمعِ انور
دندانِ مبارک کو نہ کہیے گہر ہیں

تلوار سے کھودی لحد اور لاش لٹائی
تعویذ پہ خنجر رکھ دیا رقت بہت آئی
ہم آتے ہیں آرام سے سونا علی اصغر

بانوئے دل افگار کی دولت سے خبردار
اس بندۂ بیکس کی بضاعت سے خبردار
سونپا ہے تجھے میں نے نگیں دُرِ نجف ہے

رو کر کہا اب تجھے میں جانا نہیں بہتر
پڑھتے رجز آئے صفِ اعدا کے برابر
کپڑے تنِ پُرنور کے سب خوں سے بھرے تھے

چار آئینے میں عکس سے پھولا ہوا گلشن
گردانے ہوئے جامۂ پُرنور کا دامن
زیبِ کمرِ پاک کمربندِ علی سا

تھا زیب میں قرآں سے ذکرِ بطنِ کتابی
پر تھی شب و روزے تھی بے خورد و خوابی
شانِ پسرِ صاحبِ معراج کو دیکھو

سارا وہ بیاباں تھا کسی کوس معطر
ہم رتبۂ لوح و ورقِ مصحفِ اکبر
وہ احمدِ مختار کے بوسے کا نشاں ہے

بالیدہ و سنجیدہ و پیوستہ و خمدار
گر خواب میں دیکھے تو زہے طالعِ بیدار
دیکھا جو اُسے نرگسِ فردوس کو دیکھا

آنکھوں سے صدا خوفِ الٰہی میں ہے تر
سوکھے ہوئے لب لعلِ بدخشاں سے بہتر
ہیرے کے نگینے ہیں تو یاقوت کے گھر ہیں

کیا سینہ و گردن کے کروں حسن کو تحریر
سو اس پہ تو شمشیر چلی اُن پہ چلے تیر
تکبیر کی رگ رگ سے صدا آتی تھی رن میں
شانوں کا وہ نور اور وہ بازو کی صفائی
جن ہاتھوں نے سب خلق کی کی عقدہ کشائی
اک ظالم بے رحم نے یہ ظلم کیا تھا!

ان قدموں کا ہمسر کوئی دنیا میں نہیں ہے؟
حاصل تھی نہ احباب تعلق سے کوئی شے
جتلا گئے وہ راہ رضا سب کو جہاں میں
لاکھوں سے لڑائی تھی پہ میلے نہ تھے تیور
بجلی سا تو رانِ فرسِ خاصِ پیمبر
نعل تھا شہ ابرار کے کاندھے پہ کماں سے

دن ڈھلتا تھا اور ہوتی تھی اعدا کی چڑھائی
ہمراہ کوئی دوست نہ فرزند نہ بھائی
سر کاٹ لیں تھے وہاں کے سوار اس کے لئے دو میں
تھی دوہی طرف فاطمہ بکھرائے ہوئے بال
قربان گئی زخم کا بازو کے یہ کیا حال
ہے ایک تو صدمہ تمہیں تشنہ دہنی کا

فرماتے تھے یہ شیر خدا بادلِ غمناک
گرتے تھے کبھی فرطِ بکا سے بسرِ خاک
روتے تھے فلک گریۂ محبوبِ خدا سے
تھے سارے نبی دامنِ مرسل کو جھٹکائے
چلاتے تھے جد ہے مری آغوش کے پالے
انگشت کے بدلے برچھیاں کھانے کو چلے ہو

وہ نسخ تجلی ہے تو یہ نور کی تصویر
تیغ ایک پہ اور ایک پہ تھا زانوئے شبیر
سر کھولے ہوئے فاطمہ چلاتی تھی رن میں
کمزور تھے جس وقت سے مارا گیا بھائی
فریاد ہے جمال نے کاٹی وہ کلائی
انگلی کو انگوٹھی کے لئے کاٹ لیا تھا

کیا مرحلۂ عشقِ الٰہی کو کیا طے
ہر آن رہے رونقِ اسلام سے در پے
پیرو ہیں جو ان کے وہیں پہونچیں گے جناں میں
جب شیر سے بڑھتے تھے تو ہٹتے تھے ستمگر
حمزہ کی سپر تیغِ علی نیزۂ جعفر
یا شمسِ فلک قوس کے پہلو میں عیاں ہے

تھی شام کے لشکر کی گھٹا چاند پہ چھائی
تنہائی ادھر اور اُدھر ساری خدائی
یاں گھوڑے پہ تھے آپ شہادت تھی جلو میں
کہتی تھی بہن صدقے تری غربت کے مرے لال
گھوڑے سے جھکو تم تو یہاں باندھ دے ہاں
اس زخم پہ پھر قصد ہے شمشیر زنی کا

روحی فداک اے پسر سید لولاک!
اٹھتے تھے کبھی تھام کے رہوار کی فتراک
ہلتی تھی زمیں ہائے حسینا کی صدا سے
اور نوح کی گردن میں وہ تھے ہاتھ گلے ڈالے
صدقے ترے اے میری زباں چوسنے والے
دوزخ سے محبوں کے بچانے کو چلے ہو

جنات میں تھا شیر کو نیزوں کا ماتم
ڈر تھا کہ نہ دنیا کہیں ہو درہم و برہم
خناق تھے سب جنگ شہ جن و بشر کے
ناگاہ اُدھر چوب لگی طبل وغا پر
طاری ہوا غصہ پسر شیر خدا پر
فرمایا کہ اب چلے کدھر کھیت پڑے گا
وہ دیوے کہ یوں آپ سے سر کو کوئی کب ہو
کچھ غم نہیں تم ایک مرے سامنے سب ہو
لونا نہ کبھی تم کو اگر ننگ سمجھتا
جوہر ہے جو ان مردوں کا تلوار سے مرنا
بے ننگ شجاعوں کے لیے موت سے ڈرنا
تلواریں لگیں نخل شہادت کے یہ پھل ہیں
بلوہ یہ زیادہ نہیں صفین و جمل سے
تنہا ہی لڑے شیر خدا فوج کے دل سے
سب مل کے لڑو مجھ سے رضامند ہوں میں بھی
فرما کے یہ چمکائی جو تیغ شہ مرداں
رہوار کو رانوں میں دبا کر جو کہا ہاں
پیوستہ جو تھے تیر وہ باہر نکل آئے
اُس کے لیے اک کام تھا سو کوس کا دھاوا
اُڑتا کبھی مڑتا کبھی جست اور کبھی کاوا
کس گھات سے روکیں فرس تیز قدم کو
غصے میں وہ تن تن کے دہانے کو چباتا
ہر صف میں کبھی جھوم کے آتا کبھی جاتا
ٹاپوں سے دہلتی تھی زمیں حشر بپا تھا

سب کہتے تھے موجود ہیں لڑنے کے لیے ہم
ہلتی تھی زمیں کانپتا تھا عرش معظم
کھولا تھا فرشتوں نے دریچوں کو فلک کے
اور چھپنے لگے تیر امام دوسرا پر
تلوار علم کر کے چلے اہل جفا پر
لڑنے کو سب آتے ہیں کہ ایک ایک لڑے گا
فرمایا کہ معلوم ہوا ننگ عرب ہو
کیا ڈر ہے خود جس کو شہادت کی طلب ہو
ہیں لاکھوں کو اور ایک کو ہوں ایک سمجھتا
جو گزرے سو گزرے کہ جہاں سے ہے گزرنا
خلعت ہے شہادت کا یہیں خون میں بھرنا
مرنے پہ وہ مرتے ہیں جو مشتاق اجل ہیں
ان سے یہ نئی بات کہ پیاسا ہوں میں کل سے
پھولا پھلا اسلام اسی تیغ کے پھل سے
اے قوم اُسی شیر کا فرزند ہوں میں بھی
کفار پکارے کہ گری برق درخشاں
ہاں خون سے نکلی تھی کہ یاں سے وہ گیا واں
معلوم ہوا چھلاوہ ان سے بچ کے نکل آئے
تیغوں کو بچاتا تھا یہ جوہر تھا علاوہ
کہتے تھے ستمگر یہ پری کا ہے چھلاوا
سایہ بھی تو اس کا نظر آتا نہیں ہم کو
اور جوش شجاعت میں وہ کب ٹھوکر کھاتا
تلوار کی زد سے کبھی آقا کو بچاتا
اس صف میں جو بجلی تھا تو اس صف میں ہوا تھا

لڑتے تھے حسینؑ ابن علیؑ فوج ستم سے
ہر غول میں پھرتا تھا وہ کس کس چم و خم سے
دھاوے سے رواں خون کا چھڑکاؤ کیا تھا
بجلی سی ہر اک صف میں چمکتی ہوئی آئی
آئی وہ جدھر غولوں میں چمکتی ہوئی آئی
اسواروں کو اس برق کے واروں نے جلایا

غل فوج میں تھا آج تو ہے آگ برستی
کٹنے کو لگی آگ جلی شام کی بستی
یہ برق غضب کم نہیں کچھ قہر خدا سے
بجلی کی طرح لشکر سفاک پہ چمکی
جب ہاتھ اٹھا چارم افلاک پہ چمکی
ساتوں طبق ارض دہل جاتے تھے اُس سے

وار اس کا کوئی روک نہ سکتا تھا سپر پہ
گہ فرق پہ گہ سینے پہ اور گاہ کمر پہ
جس پہ گئی تا بہ دو ٹکڑے پھرتے نہیں دیکھا
ہر ضرب میں جو رنگ تھے سو سو ستم ایجاد
چار آئینے میں بھی نہ رہے اس سے [illegible]
ضرب اُس کی کسی سے نہ رکی فوج کے دل میں

نیزوں سے قلم ہو کے جو گرتی تھیں سنانیں
ثابت نہ رہے تیر نہ ترکش نہ کمانیں
ناوک جو ستمگاروں نے ترکش میں دھرے تھے
شانے پہ جو چمکی تو بغل سے نکل آئی
سیدھی جو پڑی تا سر پہ تو اللہ رے صفائی
کھینچا اُسے دو کر کے جو شمشیر دو سر کو

سر گر رہے تھے ضربت شمشیر دو دم سے
پامال ہوں ہوتے تھے گھوڑے کے قدم سے
تلوار نے سب فوج کا ستھراؤ کیا تھا
شعلے کی طرح گاہ لپکتی ہوئی آئی
واں چمکی تو یاں آگ بھڑکتی ہوئی آئی
شعلوں سے جو بھاگے تو شراروں کو جلایا

فریاد ہے اب خاک ہوا خرمن ہستی
بس اب کوئی دم میں نہ بلندی ہے نہ پستی
چنگاریاں آتش کی نکلتی ہیں ہوا سے
بے جاں ہوا جس کے سرِ ناپاک پہ چمکی
چمکی کبھی گردوں پہ کبھی خاک پہ چمکی
سنگان سیہ دل بھی تھرّاتے تھے اس سے

چمکی جو چھری بن گئی دشمن کے جگر پہ
بس قطع یہ جامہ تھا اُسی تیغ دو سر پہ
بجلی کو بھی اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا
کٹتے تھے مع کاسۂ سر مغفر فولاد
تھی سیل فنا خانۂ تن کر دیے برباد
اُتری جو زرہ کٹ کے پھنسے دام اجل میں

رہ جاتے تھے سب داب کے دانتوں میں زبانیں
جانے لگیں سوئے دوزخ کو جفاکاروں کی جانیں
تیروں سے وہ خالی تھے مگر خون سے بھرے تھے
اک ہاتھ مع سر کے نہ دیتا تھا دکھائی
یوں ہو گئی دشمن کے تن و سر میں جدائی
گھوڑے کے ادھر نصف گرا نصف اُدھر کو

نعرہ تھا حسینؑ سا جن کا اُس کو بتا دو
مرقد کو جفا کار کو جاہل کو بتا دو
کچھ سوچ کے اُس وقت اُسے چھوڑ دیا تھا
شمر نے تھے سُن سُن کے یہ نعرے ستم آرا
پھر فوج میں وُہ یا اسد اللہ کا پیارا
حضرت کو تو یاں قاتل اصغرؑ کی طلب ہے
مُڑ کر شہ والا نے جو دیکھا تو یہ دیکھا
سر کھولے ہوئے پیٹتی ہے دخترِ زہراؑ
بانو ہے حزیں چاک گریبان کئے ہے
چلاتی ہے اصغرؑ مجھے آواز سُنا دو
قربان گئی تمہیں ہاتھوں کو اُٹھا دو
تم ماں نے تو سبطِ شہ لولاک کو سونپا
یہ حال جو دیکھا تو پکارے شہ دلگیر
یہ سنتے ہی سب ٹوٹ پڑا لشکر بے پیر
ٹکڑے ہوا ہر عضو بدن تیغوں سے کٹ کر
خاتون قیامت کی صدا دشت سے آئی
چلائی یہ زینبؑ کہ سفر کرتے ہیں بھائی
بھائی کی مدد کرنے کو آتا نہیں کوئی
واں نالۂ زہراؑ سے فلک تھا تہ و بالا
بجنے لگا جو عرش فرشتوں نے سنبھالا
حیدرؑ کے تو وُہ دن گئے افلاک کے اوپر
غلطاں جو ہوئے نظر آیا اُسے اسوار
وہیں گھوڑ دیکھ تو [illegible]
پہلو میں سرِ حضرتِ [illegible] نظر آیا

اِن اصغرؑ معصوم کے قاتل کو بتا دو
ظالم کا نشاں سرورِ عادل کو بتا دو
اُس نے تو کلیجے کو مرے توڑ دیا تھا
تھا ایک کو وحشت سے نکلنے کا نہ یارا
اس وقت یہ شمرِ ستم ایجاد پکارا
واں بی بیاں خیمے سے نکل آئیں غضب ہے
اک حشر مزارِ علی اصغرؑ پہ ہے برپا
کہتی ہے سکینہؑ مرے بھیا مرے بھیا
چھاتی کے تلے ننھی سی تربت کو لئے ہے
تربت میں اندھیرا ہے مری گود میں آ دو
مر جائے گی ماں خاک سے منہ کو نہ چھپا دو
شبیرؑ نے ماں لا کے تمہیں خاک میں سونپا
قاتل ہے کہاں پھیرتے اب حلق پہ خنجر
سینے پہ لگے تیغ و سنان و تبر و تیر
غش ہو گئے اسوار کی گردن سے لپٹ کر
گرتا ہے سرِ اصل محمدؐ کی دُہائی
اب کیا کروں ہے ہے مرے [illegible]
ہے ہے مرے شہ کو بچاتا نہیں کوئی
یاں ہلتے سرو پہ لگا ظلم کا بھالا
چلاتی تھیں وہ ہائے مری گود کا پالا
اور تاج بسر عرش گرا خاک کے اوپر
سر خاک پہ جھک جھک کے تڑپنے لگا اسوار
دیکھیں جو تہیں حلق پہ تھا خنجرِ خونخوار
جلاد کے پنجے میں گریبان نظر آیا

خشکیدہ زباں شہ نے دکھائی کسی باری
پانی نہ دیا دیج لگا کرنے وہ ناری
خاموش انیس اب کہ غم و درد ہے طاری
اس نظم کا بخشے گا صلہ ایزد باری
محشر میں علی ساغر کوثر تجھے دیں گے
گھر خلد میں رہنے کو پیمبر تجھے دیں گے

سلام

کوئی انیس کوئی آشنا نہیں رکھتے
کسی کی آس بغیر از خدا نہیں رکھتے

نہ روئے بیٹوں کے غم میں حسینؑ وا اکبرا
یہ داغ ہوش بشر کے بجا نہیں رکھتے

حسینؑ کہتے تھے سوئیں گے پاؤں پھیلا کر
سوائے قبر کوئی اور جا نہیں رکھتے

سوائے کوثر و تسنیم و خلد باغ بہشت
یہ اشک ہیں وہ گہر جو بہا نہیں رکھتے

قناعت و گھر و آبرو و دولت و دیں
ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر منت خلق
وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے

فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے
کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے

شبا فرو شبِ اول بہت ہے تیرہ و تار
چراغ قبر ابھی سے جلا نہیں رکھتے

وہ لوگ کون سے ہیں اے خدائے کون و مکاں
سخن کو کان سے جو آشنا نہیں رکھتے

خدا نے آیۂ تطہیر جن کو بھیجا تھا
وہ پردہ دار سروں پر ردا نہیں رکھتے

سکینہ کہتی تھی کیوں کر نہ دم گھٹے اماں
وہاں ہیں بند جو حجرے ہوا نہیں رکھتے

غش آیا راہ میں جب دم تو کہتے تھے سجاد
وہ درد ہیں جو امید شفا نہیں رکھتے

فلک پہ شور تھا کٹتا ہے حلق پاک حسینؑ
حسینؑ تیغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے

حسینؑ تیغوں کے آگے سے کس طرح ہٹتے
بڑھا کے پیچھے قدم پیشوا نہیں رکھتے

۱۶

مرثیہ نمبر ۱۰۵

مشرق سے صبح کی جو سپیدی عیاں ہوئی
اور پردۂ حجاب میں ظلمت نہاں ہوئی
روشن چراغِ مہر سے بزمِ جہاں ہوئی
اعدا میں فکرِ قتلِ امامِ زماں ہوئی
تیرے بجھانے تیغ و سپر باندھنے لگے
آلِ نبی کے خوں پہ کمر باندھنے لگے

رکھا کسی نے خود کو سر پر بعزمِ جنگ
خنجر چھپا کمر میں کسی نے چھپا کے سنگ
پہنی زرہ کسی نے پہن کر قبائے تنگ
بولا زرہ کماں میں کوئی جوڑ کر خدنگ
چلّے سے میرے تیر یہ جس دم روانہ ہو
چھاتی حسین کی ہو الٰہی نشانہ ہو

نیزہ ہلا کے کوئی یہ کرتا تھا گفتگو
اس پر علم کروں گا سرِ شاہِ نیک خو
کہتا تھا تیغ تول کے یوں کوئی کینہ جو
بے آب اس کی اور شہِ تشنہ کام کو
بھوکا ہوں کے آج آلِ پیمبر کو مار دیں
برچھی سے لاکھ میں علی اکبر کو مار دیں

گرزِ گراں سے کوئی کرتا تھا یہ سخن
ہے اس کی ضرب اور سرِ فوجِ بادہ حسن
تھا اس طرح گھمنڈ یہ کوئی لاف زن
پامال ہوں گا اس سے گرا جو میانِ رن
ہرگز نہ دوں گا فرصتِ جنگ اس دلیر کو
جھٹکا بچرہ کے دوں گا شیرِ دل ہے شیر کو

دستانوں کو پہن کے یہ کہتا تھا کوئی بات
بھرنے میں خون آلِ محمد میں آج ہاتھ
اور تیغ کے چلاتا تھا کوئی زباں صفات
کہتا تھا جب ادھر سے شہنشاہِ کائنات
مجروح ہوں گے بچے ہی وہ میرے وار سے
اس پر نہ خطا ہوگی کبھی زور [illegible] سے

چلّہ کے اسپ کو کوئی کرتا تھا یہ کلام
خندہ ہوں [illegible] بیت شکرِ امام
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کہتا تھا کوئی اس سے کہ اپنی زباں کو بند
اللہ کو غرور کی باتیں نہیں پسند
مقدور ہے یہی عجز ہی اگر ہیں یہ ہوش مند
لرزاں ہے مارے خوف کے اپنا تو بند بند
جنگ اس سے ہے جو سبطِ رسالتؐ پناہ ہے
سید ہے ابنِ فاطمہؑ ہے بے گناہ ہے

ہم تم ہیں جس طرف ہے ادھر فوجِ لاتعد
چاروں طرف سے اس پہ چلی آتی ہے مدد
حیدرؑ ہے جس کا باپ محمدؐ ہے جس کا جد
اس کو جو ان ملے ہیں بہتر جد و کد
ناحق ہے اس پہ ظلم جدھر حق ثبوت ہے
غیرت کی یہ جگہ ہے مقام سکوت ہے

کچھ مرضیِ خدا میں نہیں جانے دو مرد دوں
نانا ہے جس امام کا محبوبِ ذوالمنن
افسوس ہے کہاں وہ کہاں کربلا کا بن
خاصانِ حق ہی سہتے ہیں رنج و غم و محن
شاید خدا کو بے کسی اس کی پسند ہے
کھانے کا ذکر کیا ہے کہ پانی بھی بند ہے

بچوں کو مارے پیاس کے آتے ہیں غش پہ غش
دو دن سے اہلبیت میں ہے شورِ العطش
ہیں بیت پیرو سے حضرت کنارہ کش
مرنے پہ مستعد ہیں جوانانِ ماہ وش
ناکب جو ان کے تیرِ الم کے نشانہ ہیں
گھوڑے بھی تین روز سے بے آب و دانہ ہیں

اعجاز ہے فقط جو کرو منصفی سے غور
ہرگز قدم ٹھہرتے نہ ہوتا کوئی جو اور
ہے کس قدر تعدی و ظلم و جفا و جور
پر ہیں وہی جو اس بزرگوں کا تھا جو طور
پیاسے ہیں جو حکم کی آقا کے دیر ہے
شہ کی قلیل فوج میں ایک ایک شیر ہے

ان سب کی ضرب تیغ سے دشوار ہو اماں
مکی و ہاشمی و قریشی ہیں یہ جواں
غازی ہیں سرفروش ہیں کیا خرد کیا کلاں
وہ حملہ ور ہوئے تو یہ انبوہ پھر کہاں
دیکھو بھاگے جو خوف کے مارے نہ مر گئے
لاکھوں سوار کیا ہوئے پیدل کدھر گئے

یہ ذکر تھا ابھی کہ ہوئی یک بیک خبر
خیمے سے بہرِ جنگ برآمد ہوا عمر
سرگروہ ہوئے فوج نے صف اپنی باندھ کر
مجرا کیا شقی کو ادب سے جھکا کے سر
سید ان میں سرکشی جو ہر اک نے پسند کی
ایک ایک پر لعین نے نوازش دو چند کی

تیر دیا کسی کو تو برچھی کسی کو دی
بخشی کسی جوان کو شمشیر قیمتی
تیر و کماں منگا کے کسی کو حوالے کی
بخشا کسی کو دشنہ و خنجر بصد خوشی
جو نامور تھے فوج میں ان کو علم دیے
پیدل جو تھے انہیں فرسِ خوش قدم دیے

بھائی کے بیکس کو کیا دے گئے کس ادا
ہم کو چاہئے کہ رحمٰن تک ادا
دونوں کے مرنے سے مگر یہ اختلاف ہے
اب دونوں مر گئے جو ہم اس ستم کو سر
یا شہر بر جو دکھ بھی کیا ہے وہ گھر
بے کس مرے کچھ نہیں ہم کو دنیا سے
زہرا کی بیٹیاں ہیں غریب و شکستہ حال
ان کو بھی ہے ... جو تھا تو فکر کمال
[illegible]
[illegible] نے بند و بست
[illegible]
[illegible] لات کے
تیغیں کھینچیں ... ہوئے ظلم
[illegible]
شمر ... دستگر
[illegible] جب کہ یہ صدا
زینب نے پوچھا اے پسر شاہ و فا
کس چوٹ سی لگی ہے مرے دل میں درد ہے
کیا روح مصطفیٰ کو نہیں ظالموں کا ڈر
کیا فاطمہ کے تڑپنے کی ان کو نہیں خبر
پانی تو بند کر چکے رحمت کی آل پر
شمر نے کہا کہ تشنہ خون ہیں مرے
[illegible] گفتگو
شمر کو جب ذات ... قتل کر چکے

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
آگے بڑھا ...
اٹھنے لگے ...
بلبل وفا ...
گنبد فلک ...
نوبت ہوئے قتل کی ...
رخصت ہوا ...
یہ کیا کہا کہ ... نہیں بجا
کیا تم سے اہل شام کو قصد ... ہے
کیا تم پہ دست ظلم اٹھا دیں گے ... شمر
فریاد ...
[illegible]
راضی ہوں ...
[illegible]
[illegible]

یہ بات کہہ کے رونے لگے شاہِ تشنہ کام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ یا امام
اب رخصتِ حرم میں ذرا تاخیر کیجئے
پوشاک پہنی شہ نے یہ سُن کر بصد شتاب
اس دم عجب ہوا دلِ زینبؑ کو اضطراب
بھیا نہیں تو ہوگی خبر جتنی فوج ہے
عباس نے کہا کہ نہ پوچھو کچھ اے بہن
دو لاکھ نیزہ دار ہیں، دو لاکھ تیغ زن
سب آزمودہ کار قوی تر جوان ہیں
واللہ اس طرف کے بہتّر بھی تھے نہ کم
پانی کسی طرح جو پہونچتا انہیں بہم
یہ سُن کے بنتِ فاطمہؑ کی چھاتی پھٹ گئی
لگ کر گلے سے بھائی بہن روئے زار زار
فرما کے الوداع چلے شاہِ باوقار
کی یہ دعا کریم مجھے شاد کیجیو
ہر اک کی ہے معین و مددگار تیری ذات
اک آن میں خلیل کو آتش سے دی نجات
گھیرا ہے سرکشوں نے شہِ باکمال کو
حق سے دعا یہ کرتی تھی زینبؑ جگر کباب
ہونے لگا سوار جو وہ مالکِ الرقاب
آئی صدا بتول کی۔ کیوں بے قرار ہو
گھوڑے پہ دیکھ کر شہِ مظلوم کو سوار
رن کی طرف قدم جو اٹھاتا تھا راہوار
بھرے تھے پردوں میں شجاعت کے جوش تھے

باہر سے آئے اتنے میں عباسؑ نیک نام
میداں میں ہو چکی ہے صف آرا سپاہِ شام
میداں میں چل کے جنگ کی تدبیر کیجئے
تیغِ علیؑ کمر سے لگائی با آب و تاب
عباسؑ سے یہ آنسو بہا کر کیا خطاب
کتنے جواں اُدھر ہیں ادھر کتنی فوج ہے
کتنی بتاؤں فوج اُدھر ہیں چھ لاکھ تن
اور ہوں گے وہیں لاکھ کماں دار صف شکن
اور کلمہ گو ادھر تو بہتّر جوان ہیں
پر تین دن کی پیاس سے ان میں نہیں ہے دم
لاتا نہ ان کی تاب کبھی لشکرِ ستم
پھیلا کے ہاتھ شہ کے گلے سے لپٹ گئی
واعترتا کی اہلِ حرم میں ہوئی پکار
بنتِ علیؑ نے کھول کے تب سر کو ایک بار
اس لشکرِ قلیل کی امداد کیجیو
بے ریب بے گماں ہے تو حلّالِ مشکلات
مشہور معجزہ کے ہے بیٹے کی واردات
یارب بچائے فاطمہؑ زہرا کے لال کو
خیمے سے آئے ڈیوڑھی پہ حضرت بصد شتاب
تھاما بہ فخر حضرتِ عباسؑ نے رکاب
اس شاہِ کم سپاہ پہ مادر نثار ہو
بوسے قدم پہ دینے لگے آگے جاں نثار
ملتے تھے واں کی خاک کو آنکھوں سے بار بار
کیا حسنِ اعتقاد تھے کیا سرفروش تھے

ثابت قدم تھے راہِ خدا میں وہ خوش نہاد
ایک ایک تھا نوید شہادت سے شاد شاد
کیونکر بہکتے بادۂ عرفاں سے مست تھے

جب وادیٔ نبرد میں ان کا ہوا ورود
ان تھوڑے سے سواروں کی اللہ رے نمود
ہیبت سے خاک کرب و بلا زرد ہو گئی

باندھے ہوئے سروں پہ عمامے وہ ذی شعور
پیشانیوں سے ان کی عیاں تھا خدا کا نور
خوش رو تھے سب نمازی تھے شیریں کلام تھے

شہ کے عزیز حسن میں یوسفؑ سے تھے دو چند
ہوتی تھی چشم مہر بھی دیکھے سے جن کے بند
یوسف کا ان کے سامنے بازار سرد تھا

کم سن کئی جو لڑکے تھے ان سب کا تھا یہ حال
ابرو کشیدہ چھوٹے ہوئے گیسوؤں کے بال
مطلب یہ ان کا تھا کہ ابھی سب کنارے ہوں

عباسؑ نامور کی کہوں کیا شکوہ و شاں
بالا قد و سمند فلک سیر زیر راں
غازی تھا صف شکن تھا شجاعت شعار تھا

گھوڑے پہ اک طرف علی اکبرؑ سا ماہ رو
دادا کا زور خلق چچا کا پدر کی خو
کب یہ فروغ ہوتا ہے خورشید و ماہ میں

قاسمؑ پہ طرفہ باغ جوانی کی تھی بہار
آنکھیں وہ جن پہ کیجئے نرگس کو بھی نثار
سہرا وہ منہ پہ سرخ تھا اس جاں فروش کا

آقا پہ ہوں نثار یہی اُن کی تھی مراد
کچھ یاد تھا کسی کو نہ غیر از خدا کی یاد
واللہ حق یہ ہے کہ وہی حق پرست تھے

پڑھنے لگے ملائکہ آسماں درود
مانند بید خوف سے لرزاں ہوئے حسود
شان و شکوہ فوج ستم گر وہ ہو گئی

حاضر تھے سر کٹانے کو سب شاہ کے حضور
شہ کے دوام عشق سے آنکھوں میں تھا سرور
والا تھے مثل سبحہ مطیع امام تھے

انجم کو جن کے چہروں پہ گردوں کرے سپند
اک اک جواں کو پیر فلک نے کیا پسند
اک اک جوان جریدۂ عالم میں فرد تھا

چہرے خوشی سے جنگ کی جوں گل تھے لال لال
رخسارے ماہ چار دہم کہیئے بے زوال
میدان جنگ میں ابھی چلنے اڑا دے ہوں

ہاتھوں میں اس کے فوج حسینی کا تھا نشاں
یکتائے روزگار تھا وہ اشجع جواں
چہرے سے رعب مرتضوی آشکار تھا

تصویر تھا رسول خدا کی وہ ہو بہو
گل سا جمال عطر فشاں زلف مشک بو
روشن تھی شمع نور خدا رزم گاہ میں

سنبل سی زلفیں سرو سا قد پھول سے عذار
نازک لب اس قدر رنگ گل جن سے آگے تھا
لخت جگر تھا وہ حسنؑ سبز پوش کا

تھے کس شکوہ سے پسرِ زینبِ حزیں
شدت سے پیار کرتے تھے ان کو امامِ دیں
اک جانبِ یسار تھا اک جانبِ یمیں
حضرت کے منہ کو تکتے تھے وہ دونوں مہ جبیں
انصار کہتے تھے شہِ گردوں جناب سے
دو چاند پہلوؤں میں ہیں اک آفتاب کے

اُس آفتابِ دیں کی ہو توصیف کیا قلم
کانِ سخاوت بحرِ عطا مخزنِ کرم
مقبولِ حق امامِ زماں شافعِ امم
بیکس غریب حاملِ رنج و غم و الم
لب خشک تھے عرق سے مگر تر زبان تھی
زینبؑ کا تھا خیال سکینہؑ پہ جان تھی

اس وقت شہ سے حضرت عباسؑ نے کہا
ترتیب فوج کے لئے ہوتا ہے حکم کیا
ہر ایک چاہتا ہے کہ پہلے ہوں ہم فدا
یہ سُن کے آب دیدہ ہوئے شاہِ کربلا
فرمایا حق جل و علا بس کفیل ہے
کیا صف کشی کروں مرا لشکر قلیل ہے

تم ان کے سامنے جو صف آرا ہوئے تو کیا
یاں تو جوان نہیں ہیں اُدھر ہیں ہزار ہا
لیکن مجھے تو آج ہے مرنے سے مدعا
جس طرح چاہو باندھ لو میدان میں پرا
پیچھے رہیں گے یا قدم آگے بڑھائیں گے
سب آگے پیچھے ایک ہی منزل پہ جائیں گے

یہ سُن کے باندھی فوج حسینؑ نے اپنی صف
استادہ بیچ میں ہوا ابنِ شہِ نجف
اعدا نے جوڑے تیر کمانوں میں اس طرف
سینوں کو غازیوں نے ادھر کر دیا ہدف
یہ ماجرا جو دیکھا تو حُر کو قلق ہوا
سینے میں دل اُچھلنے لگا رنگ فق ہوا

مل مل کے ہاتھ کہتا تھا نادم ہوں میں کمال
تدبیر کیا کروں کہ بچے فاطمہؑ کا لال
کیوں روکا میں نے آہ کدھر تھا مرا خیال
شہ کو ستم گروں سے رہائی ہے اب محال
روکے سے میرے جا نہ سکا سبطِ مصطفیٰؐ
میرے سبب بلا میں پھنسا سبطِ مصطفیٰؐ

یہ دل میں اپنے کہتا گیا وہ عمر کے پاس
اُس نے کہا کہ کس لئے اتنا ہے بدحواس
عمر نے دیا جواب ذرا دل میں کر قیاس
ہے کچھ بھی مصطفیٰؐ و بتولؑ و علیؑ کا پاس
وہ کون ہے رسول کا جس سے لڑائی ہے
جی میں ذرا سمجھ کہ یہ کس سے لڑائی ہے

کہتے ہیں کیوں کہا نہیں یہ کس پہ چلیں گے تیر
زخمی محمدِ عربی ہوگا اے امیر
فرزندِ مرتضیٰ ہے وہ عالم کا دستگیر
بنتِ رسولِ پاک کا اُس نے پیا ہے شیر
اس پہ ستم نہ ہوگا گوارا رسولؐ کو
مارا اسے تو جان کہ مارا رسولؐ کو

تب اُس حسیں نے چیں بہ جبیں ہو کے یہ کہا
اے حر تمہارا دوست ہے تو یا حسینؑ کا
کیوں روکتا جو ہوتا نہ دشمن امام کا
روکا تھا میں نے اُس شہ عالی مقام کو جب
پانی کا کوسوں نام نہ تھا مضطرب تھے سب
دریائے فیض ساقیٔ کوثر دکھا دیا
ہرگز نہ قحط آب کا گزرا اُسے خیال
واللہ بحر جود و سخا ہے نبی کی آل
وہ پانی ساتھ ہوتا جو اُس حق شناس کے
احسان یہ نہ بھولوں گا جب تک ہے دم میں دم
واں حر کا یہ کلام تھا اور یاں بچشم نم
حر مانگتا ہے اذن عمر سے لڑائی کا
شہ مسکرا کے کہنے لگے اے پدر کی جاں
ان دشمنوں میں دوست مرا ہے یہی جواں
گمراہ آگے تھا وہ پر اب رو براہ ہے
پر ابن سعد اُس کی نہیں مانتا ہے بات
مت روکنا ہے خاطر مہماں ز واجبات
لشکر تھی بس اسی کی ہماری سپاہ میں
فرماتے تھے یہ شاہ کہ اُٹھی زمیں سے گرد
سمجھے رفیق شہ کوئی آیا پئے نبرد
دیکھا تو کہتا آتا ہے کوئی پناہ دو
اکبر نے دی صدا کوئی ہو نہ سد راہ
حر اُترا اپنے گھوڑے سے ابن رزم گاہ
دل اُس جری کا دولت دنیا سے ہٹ گیا

حاکم ہے جو بنی ہو تجھے کام اُس سے کیا
اُس نے کہا جو کلمۂ حق تھا سو کہہ دیا
احسان مند ہوں مگر اُس تشنہ کام کا
اس دن تھا میں بھی اور مرا لشکر بھی تشنہ لب
اونٹوں سے چھاگلوں کو اُتارا سخی نے تب
گھوڑوں سمیت پیاسوں کو پانی پلا دیا
سو بچیاں یہ کہ ساتھ ہیں اطفال خورد سال
ایسے سخی سے ہو مجھے کیونکر نہ انفعال
بچے تڑپتے پھرتے ہیں کیوں مارے پیاس کے
بے جرم و بے گناہ ہے وہ صاحب کرم
اکبر یہ شہ سے کہتے تھے اے شافع امم
بندے کو اس سے حکم ہو تیغ آزمائی کا
حر کی طرف سے کیجیو ہرگز نہ یہ گماں
کرتا ہے وہ عمر سے فضائل مرے بیاں
مجھ سے بدی نہ ہو گی مرا خیر خواہ ہے
آئے گا میرے پاس اُدھر سے وہ خوش صفات
دشمن سمجھ کے کوئی اٹھائے نہ اُس پہ ہات
پہلے شہید ہو گا یہیں حق کی راہ میں
وحشت سے ہو گیا رخ عمر سعد زرد
بہر ستیز ہو گیا آمادہ فرد فرد
سبط رسول تک مجھے جانے کی راہ دو
پاس ادب سے رہ گئے تشنہ رفیق شاہ
سر کو جھکائے ہاتھوں کو باندھے باشک و آہ
قدموں سے ذوالجناح کے آ کر لپٹ گیا

آنکھیں سُموں سے ملتا تھا رو رو کے بار بار
تقصیروار ہے یہ غلامِ سیاہ کار
جو دیجئے سزا وہ مرے حق میں بد نہیں
پر ہیں کریم ابنِ کریم آپ بے گماں
اے شاہ جرم پوش و خطا بخشِ عاصیاں
اس آستاں بغیر نہیں جاں پناہ کی
حر سے یہ سُن کے رونے لگے شاہِ کربلا
اور ترے نثار ہوا اے ابنِ مرتضےٰؑ
یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم اُس سے صاف ہو
ماں کی صدا یہ سُن کے ہوئے شاہ بے قرار
حر کو اُٹھایا خاک سے اللہ رے افتخار
فرمایا اب خوشی ہو عبث تو ملول ہے
اے حر خدائے عزّ و جل کی مجھے قسم
گنتی میں میری فوج کی تھا ایک تو ہی کم
یوں شاد ہو کر تجھ سے ہم اے باوفا ملے
یہ مرتبہ جو حر کا ہر اک پر عیاں ہوا
رتبہ یہ اپنا دیکھ کے حر شادماں ہوا
سب کہتے تھے یہ شخص عجب خوش نصیب ہے
قسمت نے اس کو راہِ ضلالت سے دی نجات
اب واں حسینؑ ہے اور اس جواں کا ہات
عزت دو چند کیوں نہ ہوا اس خیر خواہ کی
اللہ رے اس جوان کے نصیبے کی یاوری
دینداری اختیار کی چھوڑی ستمگری
عصیاں سے پاک خطِ عمل یک قلم ہوا

کہتا تھا اے شفیعِ دو عالم کے یادگار
تقصیر میں یہ ہے بندے کی آقا کو اختیار
ایسا گنہ کیا ہے کہ کچھ جس کی حد نہیں
ادنیٰ و بندہ پرور و آقائے دو جہاں
بخشا نہ آپ نے تو ٹھکانا مرا کہاں
توبہ قبول کیجئے اس روسیاہ کی
آئی جنابِ فاطمہ زہرا کی یہ صدا
حر ہے تمہارے گھوڑے کے قدموں پہ لوٹتا
صدقے تمہی قصور اب اُس کا معاف ہو
گھوڑے سے جلد کود پڑے روتے زار زار
چھاتی لگا لگا کے کیا خوب اُس کو پیار
واللہ چشمِ حق تری توبہ قبول ہے
تیرا ہی انتظار میں کرتا تھا دم بدم
پہلے سے تیرا نام شہیدوں میں تھا رقم
بچھڑا ہوا عزیز کوئی جیسے آملے
مہمانِ خلد سے ہم بغل اک اک جواں ہوا
تحسیں کا غُل زمیں سے تا آسماں ہوا
دوزخ اب اس سے دور ہے جنت قریب ہے
بے فضلِ حق کسی کو نہیں سوجھتی یہ بات
مارا بھی گر گیا تو ابد تک ملی حیات
اُس نے تو دل میں فاطمہؑ زہرا کے راہ کی
اصحابِ مصطفےٰؐ سے ہوئی اس کو ہمسری
آکر ہوا شریک جوانانِ حیدری
نام اس کا دفترِ شہدا میں رقم ہوا

یوں اُس طرف سے آیا اُدھر وہ نکو سرشت
جتنے کئے تھے آج تلک اُس نے فعلِ زشت
پرسش نہ ہوگی حشر کے دن بے حساب ہے
کیونکر نہ ایسے شخص کا عالی ہو مرتبا
قسمت سے مل گیا اسے آقا حسینؑ سا
واللہ اس کو خوبیِ اعمال کہتے ہیں
کل تک تو تھا یہ داخلِ افواجِ روسیاہ
یوں نکلا یہ خسوف سے جس طرح نکلے ماہ
وہاں پرسش تھا سمجھ کے خطا و صواب کو
طالع نے خوابِ زشت سے اس کو جگا دیا
اقبال نے بہشت کا رستہ بتا دیا
جو راہِ راست تھی قدم اُس راہ پر گئے
یہ ہے وہی ہوا تھا جو حضرت کا شیدا!
سرزد ہوا تھا اس سے عجب طرح کا گناہ
لطف و کرم ہے بات نہیں کچھ ملال کی
کچھ دل میں اس کے ردّ و بدل کا نہیں خیال
قلبِ امام صاف ہے آئینے کی مثال
دیں پروری تو دیکھو تم اس باوقار کی
یہ ذکر تھا فرشتوں میں بالائے آسماں
مطلب بر آئے سب مرے اے سرورِ زماں!
کوئی ابھی نہ مستعدِ کارزار ہو
شہ نے کہا کہ ٹھہرو ابھی رخصت کا لے نہ نام
پر ہم تو تین دن سے ہیں بے آب بے طعام
ہرگز تسلی جینے سے میری نہ ہوئے گی

دوزخ سے جس طرح کوئی جائے سوئے بہشت
وہ سب صواب ہوگئے اللہ سرنوشت
ذرّے سے کم تھا کل مگر آج آفتاب ہے
عاشق ہوا یہ اُس کا جو ہے عاشقِ خدا
ورنہ کجا یہ اور پسرِ فاطمہؑ کجا
بخت اس کو کہتے ہیں اُسے اقبال کہتے ہیں
توفیقِ نیک آج ہوئی اس کی خضرِ راہ
خورشیدِ دیں کے سایۂ دامن میں لی پناہ
تھاما سوارِ دوشِ نبیؐ کی رکاب کو
دل نے نفاق و کفر کا پردہ اٹھا دیا
آنکھوں نے جلوۂ نورِ خدا کا دکھا دیا
کام اُس کے جتنے بگڑے ہوئے تھے سنور گئے
منظورِ امام ہو گئی تھی نہ کچھ لگا
آیا ہے بہرِ معذرت اب یہ حضورِ شاہ
دیکھیں رحیمیِ فاطمہ زہراؑ کے لال کی
اندر گل شگفتہ ہے زہراؑ کا نونہال
محتاج تھا مدد کا نہ یہ شاہِ خوش خصال
ہے یہ خوشی کہ راہِ خدا اختیار کی
حُر ہاتھ جوڑے شاہ سے کرتا تھا یہ خطاب
اب دو رضا کہ حرب تو میداں کو ہوں رواں
ان قدموں پہ غلام ہو پہلے نثار ہو
مہماں ہے کہ غریبوں کے گھر کوئی دن مقام
کی عرض حُر نے پاؤں پہ گر کر کہ یا امام!
بے زخم کھائے اب مجھے سیری نہ ہوئے گی

رقت جو حر نے کی بہت آنسو بہا بہا
فضہ نے آکے اتنے میں حضرت سے یہ کہا
پوچھا ہے یہ کہ بھائی جدا کس سے ہوتے ہیں
دشمن کے حر کو خیمے کی ڈیوڑھی پہ لائے شاہ
بھیّا وہ حر ہوا تھا ہمارا جو سدِ راہ
غازی کا ہے حق پرست ہے اور با تمیز ہے
ڈیوڑھی پہ ہاتھ جوڑے کھڑا ہے وہ جنتی
بنت نبی نے اس کی سفارش ہو مجھ سے کی
دونوں جہاں میں مرتبہ اس کا زیادہ ہو
جو ہے تمہارا دوست وہ ہے پنجتن کا دوست
جو مرتضیٰ کا دوست ہے وہ مصطفیٰ کا دوست
راضی ہوئے علی شہ لولاک خوش ہوئے
حر نے سنا یہ حضرت زینب کا جب کلام
فضہ سے تب یہ کہنے لگی خواہر امام
بھائی شریک تو جو ہوا میرے بھائی کا
آنے سے تیرے شاد تو ہوں پر ہے ایک غم
بچوں کے اب ہے پیاس کے دم میں نہیں ہے دم
یہ بیکسوں پہ ظلم خدا کا بھی ڈر نہیں
دشمن کے حر کی آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
کہنے لگے کہ کیا کہوں اے میرے میہماں
اس کی بھی مارے پیاس کے حالت تباہ ہے
اصغر کا حال حر سے یہ کہتے تھے شاہ دیں
ہاں مرا بھی حال کہا حر سے یا نہیں
عاشق ہوں اس کا میں یہ بہت تشنہ کام ہے

رونے لگے گلے لگا کے اُسے شاہ کربلا
در پہ کھڑی ہیں حضرت زینب برہنہ پا
یہ کون ہے کہ جس سے گلے لگ کے روتے ہیں
زینب سے جا کے کہنے لگے یوں با شکوہ
آیا ہے اب مدد کے لئے ہو کے عذر خواہ
وہ مجھ کو بھائیوں سے زیادہ عزیز ہے
اُمیدوار عفو جرائم ہے تم سے بھی
تب شاد ہو کے کہنے لگی دختر علیؑ
میں اُس سے شاد ہوں مرا اللہ شاد ہو
جو پنجتن کا دوست ہے وہ مرتضیٰ کا دوست
جو مصطفیٰ کا دوست ہے وہ ہے خدا کا دوست
حر سے خدا و پنجتن پاک خوش ہوئے
یوں عرض کی کہ بندگی کرتا ہے یہ غلام
تو حر سے جا کے بعد دعا کہہ مرا پیام
دل تجھ سے شاد ہو گیا زہرا کی جائی کا
مہمانی کیا کریں کہ ہیں محجوب تجھ سے ہم
پانی بھی تین روز سے پہونچا نہیں بہم
مہماں ہیں جن کے ان کو ہماری خبر نہیں
اصغر کو لائے گود میں تب سرور زماں
ہم سب تو اک طرف یہ جو بچہ ہے نیم جاں
میں کشتنی ہوں یہ تو بھلا بے گناہ ہے
جو دی سکینہ نے یہ صدا با دل حزیں
پوچھا جو اس نے بولا یہ زہرا کا نازنیں
اے حر سکینہ اس مری بیٹی کا نام ہے

حُر نے کہا کہ اب نہیں میرے جگر میں تاب
رن کی بس اب غلام کو رخصت ملے شتاب
مقبول حق ہے کون تری عرض رد کرے
یہ مژدہ سن کے شاد ہوا حُر نامدار
روئے امام بھی بیاں بھی روئیں زار زار
لاکھوں تھے پر بجا نہ کسی کے حواس تھے
اللہ رے اُس دلیر کی قدر و شکوہ و شان
کہتا تھا کوئی حُر سے شاہ ہے یہ جواں
کیا اس قدر فروغ تھا اُس کے جمال کا
یہ شور سن کے فوج سے حُر نے کیا کلام
آقا مرا حسینؑ ہے حُر ہے مرا بھی نام
بے وجہ حُسن کا نہیں رُخ پر ظہور ہے
اور دوسرا سبب یہ ہے اے قوم بے وفا
اللہ ابنِ فاطمہؑ ہے نور کبریا
معمور نورِ حق سے مرا سینہ ہو گیا
یہ سُن کے ابن سعد پکارا بصد ہراس
حُر نے دیا جواب کہ اے مرد بے حواس
کرتا ہے دشمنی تو جنابِ بتولؑ سے
واللہ گوشوارۂ عرشِ خدا ہے وہ
ریحانۂ ریاضِ شہِ لافتا ہے وہ
مختار ہے جو روضۂ دار السلام کا
تجھ کو کر دیا طمعِ دنیوی نے کور
ہووے گا پاس غیر ندامت نہ زور و زر
اب کیا بروزِ پرسشِ اعمال دیکھیو

اس صبر کے نثار ہیں اے ابنِ بوتراب
ناچار ہو کے شاہ نے اُس کو دیا جواب
جا بھائی! تیری خالقِ عالم مدد کرے
حضرت کے گرد پھر کے ہوا گھوڑے پہ سوار
پہونچا وہ مثلِ شیر یہ میدان کارزار
آمد کو اس کی دیکھ کے سب با ہراس تھے
ہیبت سے جس کی فوج میں تھا شور الاماں
بولا کوئی یہ شخص کہاں اور حُر کہاں
یہ تو کوئی عزیز ہے زہراؑ کے لال کا
مت سمجھو تم عزیز میں ہوں شاہ کا غلام
صورت پہ میری کیوں تمہیں حیرت ہے خاص و عام
اے ساکنانِ شام یہ ایمان کا نور ہے
منہ اپنا میں نے شاہ کے قدموں پہ ہے ملا
بہتر ہو کیوں نہ اس کے غلاموں کا مرتبا
تاثیرِ خاکِ پا سے دل آئینہ ہو گیا
دشمن سے مل گیا نہ کیا کچھ نمک کا پاس
رکھتے ہیں پاس دیں کو مقدم خدا شناس
فاسق کے بیٹے لڑتا ہے سبطِ رسولؐ سے
لاریب پارۂ جگر مصطفیٰؐ ہے وہ
نورِ دو چشم حضرت خیر النساؑ ہے وہ
اس پر بھی میں نہ کرتا کہ پاس اس امام کا
کھل جائے گا غرور و تجبر میانِ گور
پاس نمک نہ کرنے کا میرے عبث ہے شور
میرا ابھی رتبہ اپنا بھی تو حال دیکھیو

یہ سنتے ہی عمر نے کیا فوج سے خطاب
اس چلے مار ڈالو اسے گھیر کر شتاب
چمکا کے حر نے گھوڑے کو اپنے دیا جواب
تو ہی نکل کے مجھ سے لڑے خانماں خراب
تا دیکھیں یہ بھی تیغیں جو مجھ پر پکڑتے ہیں
شبیر کے غلام بھی کس طرح لڑتے ہیں

یہ کہہ کے حملہ ور ہوا جوں شیر خشمناک
کتنوں کو مارا خوف سے کتنے ہوئے ہلاک
زخمی ہو لوٹنے لگے کتنے بروئے خاک
کتنے جو تیر مارتے تھے اس کو تاک تاک
وہ مضطرب تھے خوف سے یہ اپنی جانوں کے
دہشت سے کھینچ نہ سکتے تھے چلے کمانوں کے

تلوار کھینچے شیر سا جاتا تھا جس طرف
ہو جاتی تھی ادھر کی پراگندہ صف کی صف
نعرہ ہر ایک وار پہ تھا یا شہ نجف!
فرماتا تھا یہ حیدر کرار کا خلف
تحسیں کا آسمان و زمیں پر خروش ہے
جہاں کو میرے آج شجاعت کا جوش ہے

یاں تو بیاں یہ کرتے تھے حضرت بچشم نم
واں اس جری پہ ٹوٹ پڑا لشکر ستم
اس نے بھی سر تن سے کئے سیکڑوں قلم
پر آپ بھی وہ زخمی ہوا سر سے تا قدم
یاران تیر ظلم سے سب جسم چھن گیا
جانباز کا سمند بھی طاؤس بن گیا

رگ رگ سے حر کی چھٹنے لگی جب لہو کی دھار
غش میں جھکا وہ گھوڑے کی گردن پہ یک بار
نیزہ کسی نے آ کے جو مارا قضائے کار
تب یا حسین کہہ کے گرا حر نامدار
یہ سن کے ابر غم دل سرور پہ چھا گیا
اک آہ کی کہ عرش خدا تھرتھرا گیا

رہوار سے اتر کے چلے مضطر و حزیں
رکھا زمیں پہ پاؤں کہیں اور پڑا کہیں
اکبر نے دوڑ کر یہ کہا یا امام دیں!
جانا مناسب آپ کا اس فوج میں نہیں
تنہا حضور جائیں نہ حر کی تلاش کو
ہو حکم تو غلام اٹھا لائے لاش کو

شہ نے کہا کہ تم مجھے روکو نہ میری جاں
میرے لئے شہید ہوا میرا میہماں
ملتا ہے دوست خلق میں اس طرح کا کہاں
میرے بغیر اور نہیں کوئی اس کا یاں
رخصت کو اس غریب کی جانا ضرور ہے
مہماں کو گلے سے لگانا ضرور ہے

بیٹا میں کیا بیان کروں حر کا مرتبا
لاشے پہ اس کے آئے ہیں پیغمبر خدا
رو رو گلے لگاتے ہیں شفقت سے مرتضا
نسبت کی اس کے کرتے ہیں تعریف مجتبا
عزت یہ کس شہید کی دنیا میں ہوتی ہے
ماں میری حر کے واسطے مقتل میں روتی ہے

یہ کہہ کے لاش پر گئے حُر کی بچشمِ تر
اُس سے لپٹ کے رونے لگے شاہِ بحر و بر
تہہ جم گئی تھی چہرے پہ اُس کے۔ جو خاک کی
منہ اس کا دیکھ دیکھ کے اس طرح روتے تھے
اشکِ امام حُر کے جو رخسار پر گرے
آغوش میں لئے ہوئے حضرت جو روتے ہیں
اس بندہ پروری پہ ہوں سو جان سے میں فدا
تشریف لائے آپ خوشا میرا مرتبا
لغزش میں تھا قدم مرا لیکن سنبھل گیا
زخمی ہوں تیغ و تیر سے میں سر سے تا قدم
کہنے لگے یہ تب شہِ بے کس بچشمِ نم
کوئی نہ بچ رہے گا حسینی سپاہ میں
مجروح جس طرح سے ہوا ہے ترا بدن
جس طرح ہاتھ کٹ گئے ہیں تیرے تیغ زن
زخمِ سناں ہے تیرے دلِ دردناک پر
جس طرح تیرِ ظلم ہے تیرے گلے کے پار
بعد اس کے مجھ کو زخمی کریں گے تمام اشقیا
کوئی برچھی مارے گا کوئی تلوار مارے گا
زخمی جو تو ہوا تو میں آیا ترے قریب
زانو پہ تیرا سر رکھا اے حُر با یقیں
مجھ بے وطن و بے کس کے کوئی پاس ہوئے گا
ہوئے گا سوئے خلد رواں جب تو نیک نام
پر اپنی بے کسی کا کہوں کیا میں تشنہ کام
بعدِ فنا بھی ہو لیں گے رنج و محن مجھے

وہ زخمی لوٹتا تھا پڑا ریگِ گرم پر
زانو پہ اپنے رکھ لیا شفقت سے اس کا سر
حضرت نے آستینِ مبارک سے پاک کی
روتا ہے جس طرح کوئی فرزند کے لئے
تب اُس نے آنکھیں کھول کے کی عرض شاہ سے
واللہ ٹکڑے میرے کلیجے کے ہوتے ہیں
شفقت وہ مجھ پہ کی کہ نہیں جس کی انتہا
ممتاز اس غلام کو کونین میں کیا
بیڑا مرا تباہی سے باہر نکل گیا
کس طرح اٹھ کے گرد پھروں یا شہِ امم
واللہ تو تو زخمی ہے اور ہے مجھے الم
ہم سب شریکِ درد ہیں خالق کی راہ میں
تلواریں یوں ہی کھائے گا لختِ دلِ حسن
بے دست یوں ہی ہوئے گا عباسِ صف شکن
زخمی یوں ہی تڑپے گا اکبر بھی خاک پر
مجروح یوں ہی ہوگا مرا طفلِ شیرخوار
جس دم گروں گا گھوڑے سے با جسمِ زخم دار
چھاتی پہ چڑھ کے شمر مرا سر اتارے گا
آغوش میں لیا تجھے با خاطرِ حزیں
لیکن چلے گی جب مری گردن پہ تیغِ کیں
زانو پہ رکھ کے سر کو مرے کون روئے گا
لے جاؤں گا میں لاش تری تا درِ خیام
روندیں گے میری لاش کو گھوڑوں سے اہلِ شام
چالیس دن تلک نہ ملے گا کفن مجھے

شہ نے جو حر سے اپنی مصیبت بیاں کی
اس باوفا کی آنکھ سے آنسو ہوئے رواں

قدموں سے شہ کے ملنے لگا چشم خوں فشاں
ہچکی جو آئی موت کی طاری کو ناگہاں

آنکھیں پھرائیں زیست کا نقشہ بدل گیا
حسرت سے دیکھا شاہ کو اور دم نکل گیا

جس بیکسی سے روتے تھے حر کو شہ امم
کس دل میں تاب ہے جو بیاں کر سکے وہ غم

دریا اگر مداد اور اشجار ہوں قلم
یہ غم وہ ہے انیس کہ ہرگز نہ ہو رقم

کیا کچھ نہ لکھتے جائیں گے کیا کچھ کہا نہیں
سچ ہے غم حسین کی کچھ انتہا نہیں

سلام

غم شہ کا گر داغ دل پر رہے
سلامی لحد میں منور رہے ؟

اک افسانہ بے کسی رہ گیا
نہ قاتل رہا اور نہ سرور رہے

پسر گو تھے زینب کے چھوٹے بڑے
لڑائی میں دونوں برابر رہے

جنازہ اٹھانا ہے احباب کو
مناسب ہے گر جسم لاغر رہے

چڑھائیں عدو اس کو نیزے پہ آہ
محمد کے زانو پہ جو سر رہے

کبھی لاش اٹھائی کبھی رو لیے
اسی شغل میں شاہ دن بھر رہے

نہ پھیلائیو ہاتھ ہرگز انیس
فقیری میں بھی دل تونگر رہے

۱۷

مرثیہ نمبر ۱۴۳

جب رات عبادت میں بسر کی شہِ دیں نے
سجدوں میں ہمہ عشق کی سر کی شہِ دیں نے
دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہِ دیں نے
شہزادۂ رخِ اکبرؑ پہ نظر کی شہِ دیں نے
فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا
لو اٹھو کہ اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا

سجدوں سے نمازوں سے یہ رخصت کی سحر ہے
رونے کی تذلل کی عبادت کی سحر ہے
پیارے یہ سحر رنج و مصیبت کی سحر ہے
عاشورِ محرم ہے شہادت کی سحر ہے
لٹنے کا تباہی کا پریشانی کا دن ہے
اولادِ پیمبرؐ کی یہ قربانی کا دن ہے

دنیا میں ازل سے سحر ایسی نہیں آئی
یہ صبح دکھائے گی بھرے گھر کی صفائی
دولت نہ رہے گی نہ بضاعت نہ کمائی
بیٹے سے جدا ہوگا پدر بھائی سے بھائی
آلِ احمدؐ و حیدرؑ کے گریبان پھٹیں گے
اٹھارہ بنی فاطمہؑ کے حلق کٹیں گے

بندہ ہے وہ جو دکھ میں رہے صابر و شاکر
اک جان ہے سو موجود ہے اک سر ہے سو حاضر
بہتر ہے اُٹھے جلد سبک بارِ مسافر
یہ مرحلۂ عمر کی ہے منزلِ آخر
خلقت ہمیں سر پیٹ کے روئے گی جہاں میں
اب صبح کوئی ہم کو نہ ہوئے گی جہاں میں

جو اہلِ حرم پردۂ عصمت میں ہیں مستور
کھل جائیں گے انبوہ میں ان کے سرِ پُرنور
ممکن ہے نئی راہ شر نکلے یہ ہے دستور
ان رانڈوں کا خیمہ بھی جلا دیں گے یہ مقہور
غش ہوگی کبھی اور کبھی اشتر سے گرے گی
زہراؑ کی بہو شام میں سر ننگے پھرے گی

مرتا ہے پدر جب تو اُسے دیتے ہیں پُرسا
ہوئے گی یتیموں پہ مرے قید کی ایذا
آزار میں عابدؑ پہ ستم ہوئیں گے کیا کیا
لے جائیں گے تا شام اُسے کانٹوں پہ اعدا
اک حشر بپا تخت میں اور طوق میں ہوگا
بیڑی میں قدم ہوں گے گلا طوق میں ہوگا

یہ کہہ کے بڑھے بہر تیمم شہ صفدر
جنگل میں اذاں دینے لگا دلبر سرور
وہ صوت حسن اور وہ خوش الحانی اکبر
ہر شخص کو یاد آ گئی آواز پیمبر
ہر نخل کو اک وجد تھا اس ظلم کے بن میں
تھا بلبل حق گو کہ چہکتا تھا چمن میں

اکبر کی صدا سنتے ہی زینب یہ پکاری
تا حشر رہے خلق میں آواز تمہاری
قربان مؤذن کے نمازی کے میں واری
قائم یہ جماعت رہے یا حضرت باری
ہر شام یونہی طاعت معبود ادا ہو
ہر صبح کو اس دین کے ڈنکے کی صدا ہو

آگے تھے عبا اوڑھے ہوئے شاہ حجازی
پیچھے تھے صفیں باندھے ہوئے سارے نمازی
ابرار جہاں فخر زماں صفدر و غازی
تھی اُن پہ خدا کی نظر بندہ نوازی
دُنیا میں یہ رتبے نہ کبھی ہوں گے کسی کے
معراج میں تھے ساتھ حسین ابن علی کے

وہ چاند سے چہرے وہ سپید اُن کی عبائیں
وہ خشک زبانوں پہ اثر دار دُعائیں
پیچھے وہ عرب کے وہ خوش انداز عمامے
شائق تھیں حوریں کہ یہ جلدی ادھر آئیں
اک جوش محبت اُنھیں دکھلاتا تھا کوثر
کیا سب کی ملاقات پہ لہراتا تھا کوثر

تسبیح و وظائف سے ہوئی جب کہ فراغت
حضرت نے پڑھی اُٹھ کے محمد کی زیارت
بس ہو گئی اک مجلس ماتم وہ جماعت
فرما کے یہ اُن سب سے گئے خیمے میں حضرت
باہر علم فوج خدا لاتے ہیں جلدی
سب لوگ مسلح ہوں کہ ہم آتے ہیں جلدی

یاں لشکر اسلام مسلح ہوا سارا
واں کفر کی فوجیں بڑھیں میداں میں صف آرا
تھا اژدروں کے حلقے میں یداللہ کا پیارا
چلاتی تھیں سب اے مددگار ہمارا
پہلو سے پدر کے نہ سرکتی تھی سکینہ
لپٹی ہوئی دامن سے بلکتی تھی سکینہ

رخصت ہوئے رانڈوں سے جو شبیر بصد بین
کاندھے پہ علم رکھ کے بڑھے حضرت عباس
مولا کے جگر بند مسلح تھے چپ و راست
وہ رنگ وہ گلدستۂ شبیر کی بو باس
ڈوبا تھا بدن عطر میں ایک ایک حسین کا
پردا جو اُٹھا کھل گیا در خلد بریں کا

گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے پہونچے جو وہ صفدر
ٹھہرا گیا مقتل میں ستمگاروں کا لشکر
ہر چند وہ دو لاکھ جواں تھے یہ بہتر
تھا رعب حق ایسا کہ صفیں ہو گئیں ابتر
اس فوج کا اک پسر شاہ نجف تھا
کثرت تو ادھر تھی پہ خدا اُن کی طرف تھا

چلّوں سے لاتے تھے جو اوک قدر مالانذ
تھا عشق جگر گوشۂ زہرا پہ جنھیں ناز
پہلو سے جدا سرور ذی جاہ کے نہ ہوں گے
ناگاہ جفا کیشوں کی جانب سے چلے تیر
گھبرا کے بڑھے چند قدم حضرت شبیر
فکر کرو پاس رسول عربی کا
مہماں کو لگاتا ہے کوئی تیر بتا دو
کس امر پہ مجرم ہوا شبیر بتا دو
رو دے گی اگر بنت نبی عرش ہلے گا
بے کس جو ہو چین اہل جہاں دیتے ہیں اس کو
لب تشنہ جو ہو آب رواں دیتے ہیں اس کو
مہماں سے یوں ترک مروت نہیں کرتے
کھانے کا ہوں خواہاں نہ پانی کا طلبگار
یہ اس پہ تعدی جو بلا میں ہو گرفتار
ناحق ہے جفا آل رسول عربی میں
بچوں کے تڑپنے کو گوارا کیا میں نے
دکھ درد میں کیا پاس تمہارا کیا میں نے
صابر ہوں نظر جانب دریا نہیں کرتا
یہ شمر کے پکارا پسر سعد جفا کار
ہم حکم سے حاکم کے نہیں پھرنے کے زنہار
جلادوں سے خواہان اماں قبلۂ دیں ہیں
حضرت نے کہا خیر خوشی جس میں تمہاری
اللہ بے کس دیکھ تو ہوں اے فرقۂ ناری
اللہ نے چاہا تو کبھی شاد نہ ہو گے

ہنستے تھے ادھر چھاتیاں تانے ہوئے جانباز
غل تھا کہ زہے تیغ زہے شاہ سرافراز
باہر کبھی حلقے سے غلامی کے نہ ہوں گے
شہ کے رفقا ہو گئے سب دست بہ شمشیر
فرمایا کہ کیا ظلم ہے اے فرقۂ بے پیر
آخر میں نواسا ہوں تمہارے ہی نبی کا
سرزد ہوئی ہے کون سی تقصیر بتا دو
تھم رنج ہو ایسی کوئی تدبیر بتا دو
برباد ہی سادات سے کیا تم کو ملے گا
گھر چھوڑ کے جو آئے اماں دیتے ہیں اس کو
طالب جو اماں کا ہو اماں دیتے ہیں اس کو
تم لوگ تو خالی ہیں محبت نہیں کرتے
کیا دیکھ کے تم سب ہوگئے در پے آزار
حاجی بھی ہوں اور قبر نبی کا بھی ہوں زوار
پانی کو ترستا ہوں غریب الوطنی میں
اس گرمی میں دریا سے کنارا کیا میں نے
کچھ اپنے لئے آرام کا چارا کیا میں نے
دو روز کا پیاسا ہوں پہ شکوا نہیں کرتا
بے سود یہ تقریر ہے یا سید ابرار
بیعت نہیں منظور تو پھر کھینچئے تلوار
اس جنگ میں یا ہم نہیں یا آپ نہیں ہیں
کچھ جنگ سے فرزند پیمبر نہیں عاری
پوچھے گا مرے خوں کا عوض حضرت باری
بستی کو مری لوٹ کے آباد نہ ہو گے

اعدا سے یہ کہہ کر جو پھرے سید خوش خو
ہوں تو نہ رہا دل پہ کسی شخص کا قابو
شور بھائی کا سنتا تھا کہیں گاہ پسر کا
کانپا جو کوئی بار وہ حضرت کا فدائی
بڑھ کر کہا بھائی نے یہ کیا حال ہو بھائی
سید پہ جفا ہوتی ہے مرجانے کی جا ہے

شہزادۂ کونین ہے وہ صاحب توقیر
بے کس کے لئے تیز ہیں تیغ و تبر و تیر
دو دو روز سے خاصان خدا تشنہ گلو ہیں
لڑتا ہوں تو بربادی عقبیٰ ہے سراسر
دشمن ہو یزید ستم آرا نہ لڑوں گر
سب خوش ہیں مری جان پہ دو دن سے بنی ہے

کیا شور تھی قسمت کہ ہوئے کس کے نمک خوار
کچھ غم نہیں مر جائے گر تاراج ہو گھر بار
ہوں قول کا صادق جو کہا ہے وہ کروں گا
پھر دو مرا دفتر میں شہیدوں کے لکھا ہے
تم بھی جو نہ دو ساتھ تو پروا مجھے کیا ہے
سب جیتے ہیں جی تک ہیں سوا آل نبی کے

بیٹے نے کہا آپ کو منظور ہے پھر کیا
ساتھ اس کا میں دوں گا جو ہے بیکس و تنہا
یاں کفر ہے ایمان کی اودھر جلوہ گری ہے
بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہے سعادت
بھائی نے کہا کفر ہے ظالم کی اطاعت
مظلوم سے دو روز کے پیاسے سے لڑیں ہم

تھرا گئے مظلوم پہ حضرت پہ جفا جو
آنکھوں سے مگر حر کی ٹپکنے لگے آنسو
بسمل کا جو عالم ہو وہ نقشہ تھا جگر کا
ثابت ہوا بیٹے پہ کہ سردی سے تپ آئی
تب حر جری نے اسے یہ بات سنائی
یہ خوف جہنم سے بدن کانپ رہا ہے

بے جرم نبی زادے کے در پے ہیں یہ بے پیر
کس طرح بچاؤں کوئی بنتی نہیں تدبیر
مظلوم کی اک جان ہے اور لاکھ عدو ہیں
قتل پسر فاطمہ ہے قتل پیمبر
بچے ہوں مصیبت میں گرفتار لٹے گھر
مرجاؤں گلا کاٹ کے یہ دل میں ٹھنی ہے

اللہ کے محبوب کا دشمن ہے یہ غدار
حق جس کی طرف ہے میں اسی کا ہوں طلبگار
فرزند پیمبر کی رفاقت میں مروں گا
بہکا ہوں مگر ابن علی راہ نما ہے
ہر شخص کے اعمال جدا قبر جدا ہے
تربت میں کوئی کام نہ آئے گا کسی کے

بولا حر دیندار کہ خوشنودی زہرا
فرزند نبی نور خدا سید بطحا
تھوڑے دنوں کا جو دے ساتھ وفا میں وہ جری ہے
آنکھوں سے چلیں آگے کہ یہ بھی ہے عبادت
کچھ خود نہیں اس آج سے کی ترک رفاقت
کیا خوب محمد کے نواسے سے لڑیں ہم

سو سر ہوں تو زہرا کے جگر بند پہ واریں
سو بار جئیں مر کے تو جنت کو نہ ہاریں
ہمراہی خدا رو بد افعال پہ لعنت ہے
عبدِ حُر غازی نے کہا تول کے شمشیر
دنیا میں نہ ہوگا عمرِ سعد سا بے پیر
حافظ ہے خدا زور سے تلوار کے چلئے

حُر نے کہا حضرت مرے عبدِ وفادار
تعجیل مناسب نہیں اے صفدرِ جرار
پاک اپنے گناہوں سے جو ہولیں تو لڑیں گے
یہ کہہ کے گیا پاس عمر کے وہ دلاور
بولا وہ لعیں دست بغل پھیر کے منہ پر
کھولوں گا کمر لوٹ کے گھر سبطِ نبی کا

ہیں جمع پئے دعوتِ فرزندِ پیمبر
بچ کر مرے ہاتھوں سے کہاں جائیں گے شبر
دوڑاؤں گا گھوڑے خیمۂ شاہِ اُمم پر
تھرا کے کہا حُر نے کہ ڈر قہرِ خدا سے
باز آ ستم و ظلم و تعدی و جفا سے
شہزادوں سے اپنے کہیں دیندار لڑے ہیں

چھوڑا ہے پیمبر نے امانت انہیں ہم میں
افسوس ترے دم میں خوشی ہے کہ ستم میں
سادات کے بدخواہ نہ پھولے نہ پھلیں گے
بس زور ہوا سُن کے یہ باتیں وہ سیہ رو
میں خوب سمجھتا ہوں ہر اک بات کا پہلو
کیا ہے تجھے اس کا بھی کچھ خوف نہیں ہے

سو بیٹوں کو صدقے شہِ والا پہ اتاریں
دنیا کے لئے بندۂ مقبول کو ماریں
دیں کھو کے جو ہاتھ آئے تو اس مال پہ لعنت
گر لاکھ ہوں جانیں تو نثارِ سرِ شبیر
کیجئے تو کروں اس کے مٹانے کی تدبیر
اس فوج میں چلئے تو اسے مار کے چلئے

آزاد ہے وہ زخم سے غلامِ شہِ ابرار
ہے توبہ ابھی تو ترا آقا ہے گنہگار
پھر آگ بھی ہوئے گی تو ہم کود پڑیں گے
پوچھا ترا کیا قصد ہے اے مالکِ لشکر
منظور ہے تاراجیِ گلزارِ پیمبر
بچہ بھی نہ چھوڑوں گا حسین ابنِ علی کا

یہ تیر یہ نیزے یہ تبر اور یہ خنجر
پہنچے ہیں یہ شیروں کے یہ سادات کا لشکر
چادر نہیں رہنے کی سرِ اہلِ حرم پر
بس بس کہیں بجلی نہ گرے تجھ پہ سما سے
کیا وجہ عداوت کی غریب الغربا سے
سادات ہیں یہ اُن کے حق امت پہ بڑے ہیں

روتے گئے دنیا سے نبی آل کے غم میں
بچوں کے ستانے کا نہیں حکم حرم میں
جل جائے گا دل کس کا جو تیر اُن پہ چلیں گے
بولا کہ تجھے کتنا ہے مردود خدا تو
اللہ رے اوصاف پہ مدحتِ شہِ خوش خو
ہیں لوگ زمانے کے کہیں آپ کہیں سے

صاحب ہو کہ طامع ہو کسی سے ہمیں کیا کام
مٹ جائے گا دفتر سے شہنشاہوں کے ترا نام

فرقہ یہ پیادوں کا ہے آفت نہ بپا ہو
برسوں سے ہے تو شام کے حاکم کا تماشا ہو

مانا کہ حسین ابن علی ہیں شہِ ابرار
جنگِ اُحد و بدر میں کیا کھیت پڑے ہیں

حر نے کہا اب مجھ کو کسی کا نہیں کچھ دھیان
زہرا کے جگر بند پہ صدقے ہے مری جان

جنت ہے گھر اُس کا جو غلام شہ دیں ہے
شیطاں ہے تجھے سننے نہیں دیتا مری تقریر

دوزخ ہے یہ منصب تو جہنم ہے یہ جاگیر
گر سب طرح بہتر ہے ترا زور چلے گا

بے لعنت نہ لے گا کوئی دنیا میں ترا نام
بربادی عقبیٰ ہے اس آغاز کا انجام

ناشاد و دل آزردہ و مغموم رہے گا
بیٹے نے کہا حر سے کہ اب خلد میں چلئے

آنکھیں قدم قبلۂ کونین پہ ملئے
سامع سخنِ حق کا یہ مردود نہ ہوگا

بھائی نے کہا تول کے شمشیر شرربار
یہ پند بھی بے جا ہے نصیحت بھی ہے بیکار

بدخواہ جگر بند رسول مدنی ہے
پہنچا قریب آ کے غلام حر غازی

ہم دوست ہیں یہ دشمن سلطان حجازی
منحوس نے یہ نام کیا قوم عرب کو

طالب ہیں کہ ہاتھ آئے زر و خلعت و انعام
سمجھے ہیں ہے خوش گر تری باتیں پہ شام

دنگا ابھی لشکر میں جو ہو جائے تو کیا ہو
سرکار کا جو حکم مناسب نہیں تکرار

آ پڑتی ہے جب بات تو بنتے نہیں ہتھیار
وہ کون تھے آخر جو پیمبر سے لڑے ہیں

سید پہ مرا ہاتھ اٹھے یہ نہیں امکاں
گھر شام میں لٹ جائے پہ ضائع نہ ہو ایماں

لیتا ہوں وہ دولت کہ فنا جس میں نہیں ہے
بینا وہ ہے سوجھے جسے انجام کی تدبیر

کھوتا ہے وہ عالم سے تجھے حاکم بے پیر
تو تا یہ راہ نار جہنم میں جلے گا

کام آئے گا خلعت نہ کپ اور زر نہ انعام
بے کس کو ستا کر کبھی پائے گا نہ آرام

دنیا کی تمتع سے بھی محروم رہے گا
ہوتی ہے بس اب دیر جہنم سے نکلئے

چل کر حسین فاطمہ میں چھوٹ کے چلئے
جاہل کو نصیحت سے کبھی سود نہ ہوگا

اس اصل مرکب میں یہ دو ہے گرفتار
عقبیٰ سے غرض کیا سگ دنیا ہے یہ غدار

یہ دشمن دیں خلق میں گردن زدنی ہے
خو بو یہی کرتا ہے یہ سگ چھیڑ کے تازی

ان آنکھوں نے دیکھی ہے بہت شعبدہ بازی
اس بوم کے سایہ سے حذر چاہیے سب کو

تھے چار جواں ہاتھ میں تولے ہوئے شمشیر
نعرہ کیا شیروں نے کہ یا حضرتِ شبیر
چاروں کے فرس بھر کے طرارے نکل آئے
اسلام کی سرحد میں جو پہنچے وہ نکوکار
بس باندھ کے ہاتھوں کو کہا اے شہِ دیندار
کشتی ترے مجرم کی تباہی میں پڑی ہے
مشہورِ دو عالم ہے تری ہمتِ عالی
سر پہ ہے گناہوں کی بلا چرخ نے ڈالی
انصار نہیں قوم و قبیلہ نہیں رکھتا
مولا شہِ لشکرِ اظلم سے بچا لے
آئی غضبِ خالقِ عالم سے بچا لے
یہ اہلِ جفا دشمنِ شاہِ مدنی ہیں
اے خلق کے سرور ترا احسان ہے مجھ پر
اے سبطِ پیمبر ترا احسان ہے مجھ پر
اُس دن بھی کرم قبلۂ عالم نے کیا تھا
حضرت سے جو رخصت کو غلام آیا تھا اُس رات
باقی ہے اگر زیست تو پھر ہوگی ملاقات
کیا وجہ جو خادم پہ تلطف نہیں ہوتا
ارشاد ہوا تھا مرے رونے پہ کہ بھائی
حضرت کی دعاؤں سے یہاں تک مجھے لائی
ہر چند گنہ ریگِ بیاباں سے سوا ہیں
حضرت نے سنا غم کا جو یہ ماتم جانکاہ
آ اے مرے ہمدرد و نکوکار نکوخواہ
انصاف ہے کیوں دور تر دو تجھے کیا ہے

سرشار رہا چکا تھا تن سخت وہ بے پیر
سیدھے کیے گھوڑے کہ کڑکنے لگے تیر
بدلی سے چمکتے ہوئے تارے نکل آئے
رہواروں پہ چاروں نے رکھے گھٹنوں پہ ہتھیار
یا عقدہ کشا یا شہِ دیں یا شہِ ابرار
اے نوحِ غریباں یہ حمایت کی گھڑی ہے
سائل ترے در سے کوئی جاتا نہیں خالی
تو ہم کو لیے آیا ہے اے خلق کے والی
ہیں تیرے سوا اور وسیلہ نہیں رکھتا
اندوہ و جورِ امم و غم سے بچا لے
اے مالکِ فردوس جہنم سے بچا لے
ان سب میں بھی چار جو اس بیکسی ہیں
اے فاطمہ کے دلبر ترا احسان ہے مجھ پر
اے مالکِ کوثر ترا احسان ہے مجھ پر
میں وہ ہوں کہ پانی جسے حضرت نے دیا تھا
فرمایا تھا مولا نے بصد لطف و مدارات
اے حُر جہاں تک مجھے بھولی نہیں وہ بات
وعدے میں کہا کرمیوں سے تغافل نہیں ہوتا
پھر بعد ملاقات نہ ہوئے گی جدائی
سر دیجیے بندے ہاتھوں کی اب عقدہ کشائی
پر آپ حمایت پہ جو آجائیں تو کیا ہے
خود ہاتھوں کو پھیلا کے پکارے شہِ ذی جاہ
بھائی میں بڑی دیر کھڑا تھا تری راہ
پہلو میں جگہ ہے مرے دل میں تری جا ہے

جس حال میں ہو آ کے مرا گھر ترا گھر ہے
کاشانۂ لخت دلِ حیدر ترا گھر ہے
فیاض ہیں صادق ہیں سخی ابن سخی ہیں
زندہ ہے جو مرتا ہے محبت میں ہماری
عفو و کرم و رحم ہے طینت میں ہماری
دشمن سے دل صاف میں کینہ نہیں رکھتے
اکبرؑ سے اشارہ کیا مہمان کو لاؤ
حیدرؑ کے نواسے ہیں کہ حر اُن کو بلاؤ
اس گھر کا کرم خلق میں مشہور ہے پیارو
ارشاد پہ دشمن کے چلے نوشہ اکبرؑ
قاسمؑ بھی چلے اسپ صبا دم سے اتر کر
ہنستے ہوئے نزدیک جو وہ گل بدن آئے
پانچوں کے قدم چوم کے بولا وہ دلاور
چھاتی سے لگا کر کے بولے علی اکبرؑ
یہ عین عنایت ہے قسم ہم کو خدا کی
عباسؑ نے فرمایا کہ اے حرِ وفادار
اللہ کی سرکار کے ہیں مالک و مختار
ممکن ہے کہ وہ دوست کو غمناک کریں گے
اکبرؑ نے لیا ہاتھ تو ہیں دستِ حرِ ذی جاہ
قاسمؑ تھے برادر کے برابر صفت ماہ
اکرام سے توقیر سے تعظیم سے لائے
احسنت کی آئی جو صدا چار طرف سے
ممتاز ہوا قربِ شہِ دیں کے شرف سے
زردی جو گئی رنگ پسر وہ آگیا منھ پہ

ماتم کدۂ آلِ پیمبر ترا گھر ہے
جنت میں مرے گھر کے برابر ترا گھر ہے
مہماں ہمیں پیارا ہے کہ ہم آلِ نبیؐ ہیں
سب اجر ہے طاعت کا اطاعت میں ہماری
بگڑا ابھی سنور جاتا ہے صحبت میں ہماری
کچھ جس میں کدورت ہو وہ سینہ نہیں رکھتے
عباسؑ سے فرمایا کہ تم لینے کو جاؤ
قاسمؑ سے کہا خلقِ حسنؑ اس کو دکھاؤ
مہمان کے لے آنے کا دستور ہے پیارو
ہمراہ ہوئے ماہِ بنی ہاشمِ صفدر
لینے کو پیادہ گئے زینبؑ کے بھی دلبر
سمجھا وہ کہ لینے کو مرے پنجتن آئے
شہزادو! گنہگار ہے یہ بندۂ احقر
گھبراؤ عطا پوش و خطا پوش ہیں سرور
آنکھیں تری جانب ہیں امامِ دوسرا کی
تو ان کے کرم سے ابھی واقف نہیں نادار
بخشیں ابھی تجھ سے اگر تو ہو گنہگار
دم بھر میں گناہوں سے تجھے پاک کریں گے
عباسؑ نے خود فرق پہ کھولا علمِ شاہ
زینبؑ کے پسر دونوں چلے بیٹے کے ہمراہ
مہماں کو بڑی عزت و تکریم سے لائے
حضرت بھی بڑھے چند قدم فوج کی صف سے
لپٹا قدمِ سخت دلِ شاہ ضعیف سے
نعلین پہ سر رکھتے ہی نور آگیا منھ پہ

چھاتی سے لگا کر اُسے بولے شہِ والا
خالق نے تجھے کفر کی ظلمت سے نکالا
دن اس کے لیے ہے جو جھکا جاتا ہے بھائی
کھولے جو بندھے ہاتھ تو حُر بے سر و پا کے
صدقے ترے اے بندۂ مقبول خدا کے
عصیاں کی جو وحشت تھی وہ بالکل گئی مولا
تو ہے فراغت خبرِ غازی نے جو پائی
مقبول خدا ہے جو کرے تجھ سے بھلائی
حق یہ بڑا تھا کہ نہ جلادوں میں لکھا
شہ بولے کہ تھا رنج و تردد میں سحر سے
مہماں نے یہ کی عرض شہِ جن و بشر سے
دم بھر میں در رحمت غفار کھلیں گے
فرمایا کہ مہمان کی دعوت کا ہے دستور
فاقہ بھی کئی دن سے ہے پانی سے بھی ہیں دور
محبوب الٰہی تری امداد کریں گے
دنیا جسے کہتے ہیں وہ اک راہگزر ہے
دیکھا جسے اس میں وہ تیارِ سفر ہے
پہلے سے اُسے بھیج دے جو تجھ کو ملا ہے
مہمانِ محبوبِ خدا تجھ کو ملے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا
سب جیتے ہیں جی تک کو یہ تحفہ ہے برادر
کی دعوت اب پوتے کے مہماں نے یہ گفتار
جیتے ہیں یہاں جس کی زمیں نوبتِ محشر
بخشے گا وہ اوج ترا محبوب کریں ہیں

اب خوف ہے کیا دل سے ترا کیجو تہ و بالا
غفار ہے رحم ہے گنہ بخشنے والا
یہ عجز ہی اللہ کو خوش آتا ہے بھائی
بولا وہ جری کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کے
سب ہیں ترے ناخن میں ہنر عقدہ کشا کے
صدقے ہے ترے دل کی گرہ کھل گئی مولا
اس وقت صدا ہاتفِ غیبی کی یہ آئی
دی حق نے اُسے آتشِ دوزخ سے رہائی
حُر کو قلمِ عفو نے آزادوں میں لکھا
آرام کر اب کھول کے ہتھیار کمر سے
اب چین یہی ہے کہ لڑوں لشکرِ شر سے
ہو جائے گی جب آنکھ تو ہتھیار کھلیں گے
شکوہ نہ کرو کہ ہم آج ہیں مجبور
خیرات یہی ہو جائے گا جو ہے ہمیں منظور
ہم نعمتِ عقبیٰ سے تجھے شاد کریں گے
اک دم میں ادھر ہے بشر اک دم میں ادھر ہے
رہتا ہے جہاں تا بہ ابد گھر وہی گھر ہے
اس گھر کا چراغ آلِ محمد کی ولا ہے
حُر اب اسدِ قلعہ شکن تجھ کو ملے گا
کل آج کے فاقے کا مزا تجھ کو ملے گا
تحفے ہیں ہمارے تو یہ تحفہ ہے برادر
بھوکا ہی نعمت کا ہے یہ حسب گر گفتگو
چلتوں سے ملے تیرا تحفہ بھی ملا
تکبیر کے نعرے جو چلے فوج شہِ دیں میں

عباسؑ نے کھولا علم فوج پیمبر
کی عرض یہ در سے علی اکبرؑ نے یہ بڑھ کر
فرمایا کہ اب کیا ہے لڑو لشکر شر سے
جنگل یہ بھرا جو بڑے محسن کے یہ احکام
کی عرض بہ منت کہ وہ دکھا ہے یہ ہنگام
دلوا دو اجازت کہ غریب الغربا ہوں
فرمایا بہ شفقت علی اکبرؑ نے کہ اچھا
کی عرض کہ اے قبلۂ دیں سید بطحا
بھیجیں اسے گر حکم امام مدنی ہو
حضرت نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے
بے کس کے عزیز و رفقا چھٹتے ہیں سارے
دم بھر نہیں گوارا کہ ملاقات ہوئی ہے
پہلے بھی ملاقات میں برپا تھا تلاطم
یہاں بھی شور تھا جو ان سے کبھی تھے گم
دستے جو سپاہ ستم و جور کے آئے
اب تو ہیں طالب ہم اس کے یہ ہمارا
پیاسا کہیں دریا سے بھی کرتا ہے کنارا
مجبور ہیں راحت کا سرانجام نہیں ہے
اللہ ری عجلت ابھی آنا ابھی جانا
بے تابی تحصیل سعادت ہے بیانا
کیونکر ہو کہ تلواروں سے بے دم اسے دیکھیں
یہ دوست اسی طرح مرنے میں جو آتا
جس شے کی تمنا ہے وہ ہوتی وہیں پایا
بے منت طلب دیتے ہیں جو اپنا سمجھتا ہے

مجھ سے صفت شبیر جو انان ولا دو
کیا ظلم ہے تیر آتے ہیں اُس فوج سے بھر دو
بس دیر اسی کی تھی کہ سبقت ہو ادھر سے
شہزادے کے قدموں پہ گرا حر خوش انجام
خادم جو بھرا دل ہو تو ہو جائے برا نام
حسرت ہے کہ پہلے ہیں ہی آقا پہ فدا ہوں
ساتھ اُس کو لئے آئے حضور شہ والا
بیٹے حر غازی کو ہے رخصت کی تمنا
بہتر ہے کہ مہماں کی نہ خاطر شکنی ہو
تم ہم سے جدا کرتے ہو مہماں کو ہمارے
آیا ہے ابھی اور ابھی کہہ دو کہ سدھارے
باتیں نہ ابھی کچھ نہ مدارات ہوئی ہے
دونوں طرف آمادۂ پیکار تھے مردم
آپس میں نہ صحبت ہوئی دم بھر نہ تکلم
آئے بھی جو لب پہ سخن اس طور کے آئے
پیارے جو ہم اس کو ہیں تو یہ ہے ہمیں پیارا
تکلیف کوئی دوست کی کرتا ہے گوارا
پانی نہیں کھانا نہیں آرام نہیں ہے
مشتاق محبت کو ہنساتے ہیں رُلانا
سوچو تو کہ کچھ بھی ابھی گزرا ہے زمانا
یہ دیکھ لے جی بھر کے ہیں ہم اسے دیکھیں
خود اُٹھ کے حسینؑ ابن علیؑ ہاتھ ہلانا
سادات کے مسکن سے یہ محروم نہ جاتا
خیر آج تو ہم آپ کو گر خفا ہو بلا ہیں

کس پہ ستم گردش دوراں نہیں ہوتا
کس کو الم فرقت یاراں نہیں ہوتا
دو مر کے رہیں ایک جگہ یہ بھی نہیں ہے
حر سے علی اکبر نے یہ فرمایا کہ بھائی
گر کر قدم شہ پہ یہ بولا وہ فدائی
اولاد بھی فیاض ہے ماں باپ سخی ہیں
بے مانگے تو سب طرح کی دولت مجھے بخشی
حوریں مجھے دیں آپ نے جنت مجھے بخشی
یہ سب تو ملا اذن وغا بھی مجھے دیجئے
پھر سے کوئی پوچھے تو کہ کیا لے کے چلا ہوں
سید کی غلامی کا صلہ لے کے چلا ہوں
نام اس کا ہے بخشش یہ عنایت یہ فزوں ہے
مولا سے مجھے خلد کی جاگیر ملی ہے
اکسیر غبار در شبیر ملی ہے
ہاتھ آئی وہ دولت جو زمانے میں نہیں ہے
سرکار یہ وہ ہے کہ جو مانگا وہی پایا
اللہ رکھے خلق میں تا حشر یہ سایا
کسریٰ ہو کہ حاتم ہو یہ ہمت نہیں رکھتا
نامی ہے وہی آل پیمبر سے جو بخشیں
عالم کا ہو سرتاج یہ افسر جسے بخشیں
وہ کیا ہے جو محتاج کو حاصل نہیں ہوتا
گھر ہو کہ زر و مال ہو یہ کیا نہیں دیتے
دیتے ہیں یہ سب کچھ مگر ایذا نہیں دیتے
کہہ دے کوئی یہ خیر کبھی اوروں نے کی ہے

دنیا میں یہاں کے صدقہ ویراں نہیں ہوتا
ہے کون سا مسکیں جو پریشاں نہیں ہوتا
اک دوست کی ہے قبر کہیں ایک کہیں ہے
منظور ابھی شہ کو نہیں تیری جدائی
مر جاؤں گا پہلے جو رضا ان کی نہ پائی
محروم نہ خادم کو رکھیں آپ سخی ہیں
توقیر عنایت ہوئی عزت مجھے بخشی
حر ہو گیا دوزخ سے وہ حرمت مجھے بخشی
پھیلائے ہوں دامن کہ رضا بھی مجھے دیجئے
مقبول الٰہی کی دعا لے کے چلا ہوں
کافی ہے ابد تک وہ عطا لے کے چلا ہوں
جنت نہیں آزادی دوزخ کی سند ہے
غبطہ ہے ملائک کو یہ تقدیر ملی ہے
اس خاک پہ سونا ہے یہ توقیر ملی ہے
یہ زر کسی خاقان کے خزانے میں نہیں ہے
ہونٹوں پہ کبھی حرف نہیں کا نہیں آیا
فیاض وہ عالم ہے یہ اللہ کا جایا
اس گھر سے کوئی بڑھ کے سخاوت نہیں رکھتا
فردوس میں قصر اس کو ملے گھر جسے بخشیں
سونے کا بنائے وہ محل زر جسے بخشیں
اس در کا گدا پھر کبھی سائل نہیں ہوتا
کس کشت پہ مینہ فیض کا برسا نہیں دیتے
اس شان سے دیتے ہیں کہ گویا نہیں دیتے
اک روٹی کے سائل کو قطار اونٹوں کی دی ہے

شاہی انھیں اللہ نے دی بعد نبی کے
یہ بعد علی کے ہیں علی بعد نبی کے
ایسا نہیں دنیا میں سخی بعد نبی کے
ہونے ہیں ہوتا جو سخی بعد نبی کے
وہ کون سی خوبی ہے جو پیدا نہیں ان میں
اک مہر نبوت کے سوا کیا نہیں ان میں

کی عرض نے فصاحت سے جو ناجی سرور
یہ بولا لیا شرما کے سخی نے مرا نور
اکبر نے اشارے سے یہ فرمایا کہ دلبر
کہہ دو کہ خوشی تیری اسی میں ہے تو بہتر
محتاج کو مہماں کو برادر کو صلا دو
آؤ یہ عبا لے کے مرے حر کو اڑھا دو

اکبر نے عبا دے کے جو مہماں کو اڑھائی
شہ بولے کہ نانا کا تبرک ہے یہ بھائی
عباس پکارے کہ زہے عقدہ کشائی
لے خلعتِ رحمت تری اُمید بر آئی
کونین کا اقبال و حشم جانیو اس کو
فردوس کے حُلّے سے نہ کم جانیو اس کو

بولے یہ حبیب ابن مظاہر کہ خوشا حال
قسمت کے یہ معنی ہیں اسے کہتے ہیں اقبال
دم میں یہ ترقی و حشم اور یہ اقبال
کردیتا ہے قطرے کو گہر فاطمہ کا لال
سیّد سے بھلا کون سا رتبہ نہ ملے گا
یہ گھر ہے سخی کا ابھی کیا کیا نہ ملے گا

رخصت ہوا جب سبطِ نبی سے حُرِ جرّار
چومے قدمِ شاہ پھرا گرد کئی بار
تسلیم جو کی جھک کے تو روئے شہِ ابرار
فرمایا خدا حافظ و ناصر مرے غمخوار
دنیا کے سعیدوں میں ترا نام ہو بھائی
عقبیٰ میں تجھے راحت و آرام ہو بھائی

خالق الم و صدمہ و آفت سے بچائے
رب دو جہاں قبر کی وحشت سے بچائے
مشکل گنہ ہول قیامت سے بچائے
حافظ تجھے آہن کی جراحت سے بچائے
گھر خلد میں ہو تم آئے یہاں سے جو سفر ہو
یہ آج کی منزل تجھے راحت سے بسر ہو

رو کر جو دعائیں انہیں دیتے تھے شہِ دیں
حور و ملک و جن و بشر کہتے تھے آمیں
گھوڑے پہ چڑھا جب بصد عزت و تمکیں
شادی سے ہوا اور شگفتہ رخ رنگیں
اللہ ری ضیا اختر طالع کی چمک پر
آئینۂ خورشید چمکتا تھا زمیں پر

وہ اوج وہ رفعت وہ جلال و حشم اس کا
بڑھتا تھا سوئے گلشن جنت قدم اس کا
سب دیکھتے تھے جن و بشر دم بدم اس کا
غل تھا کہ بڑھاوے ہمیں چاہے کرم اس کا
تھا صبح فلک نازیوں میں نور ہے اب تو
حُر فوج ستمگار میں تھا حور ہے اب تو

اشعار رجز پڑھ کے وہ جرار پکارا
آقا ہے مرا عرش معلےٰ کا ستارا
بھیجا ہے نواسے نے رسولؐ دوسرا کے
یہ سنتے ہی برسانے لگے تیر ستمگار
دہنی طرف آیا پسر صفدر و جرار
کفار کے سر تن سے گرے خاک پہ کٹ کر
لاشوں کو اٹھانے لگے جب قبلۂ عالم
بھائی کا بھی اندوہ تھا بیٹے کا بھی تھا غم
چمکا کے فرس لڑنے لگا فوج گراں سے
اللہ سے مہمان شہ دیں کی لڑائی
اک برق گری تیغ چمک کر جدھر آئی
پانی میں وہ آتش تھی کہ گھبرانے تھے اعدا
چلے سے اگر تیر کوئی جوڑ کے نکلا
چورنگ گئے وہ ہاتھ جدھر چھوڑ کے نکلا
تلوار چمکتی تھی صف لشکر کہیں پھر
لشکر سے جو نکلا وہ قریب آکے نہ ٹھہرا
چہرے پہ سیہ کار کے سر آ کے نہ ٹھہرا
جم جائے جہاں کوہ وہاں کاہ سے کیا ہو
نقشہ نہ جمے شمر کہ وہ جاد اس سے ہوں کیونکر
جلتے ہیں جل کے ہیں قرار اس سے ہوں کیونکر
جمتا ہے تو جاں دشمنوں میں ٹھہرایا نہیں جاتا
کس صف پہ چلی تیغ کہ آفت نہ دکھائی
کس کس کو پری جن کے شرارت نہ دکھائی
پھل اس کا نظر بندی اعدا پہ تلا تھا

آیا ہے غلام اس کا علی کا ہے جو پیارا
اس فوج سے نکلے جسے ہو جنگ کا یارا
اے قوم ہراول ہوں میں لشکر کا خدا کے
بھائی تھا غازی کا بڑھا تول کے تلوار
اک شیر سا تیزی میں چلا عبد وفادار
مارے گئے لشکر کی صفیں ران میں الٹ کر
پھیرا اُدھر جرار نے شبدیز صبا دم
پر صبر تو دیکھو کہ آنکھیں ہوئیں پُرنم
مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ گیا کون جہاں سے
فرصت نہ سنبھلنے کی تھی تلوار کا پانی
برباد کیا پھونک دیا آگ لگائی
جلتے ہوئے دوزخ میں چلے جاتے تھے اعدا
اچھلا کے شبدیز کو یوں موڑ کے نکلا
جب شیر سا نکلا تو صفیں توڑ کے نکلا
گھوڑے کے کہیں پاؤں نہ لگتے تھے زمیں پر
تلوار کا اک وار کوئی کھا کے نہ ٹھہرا
نامرد لڑائی کی جگہ پا کے نہ ٹھہرا
جب شیر کو غیظ آئے تو روباہ سے کیا ہو
سر جوں دغا میں تو دار اس سے ہوں کیونکر
بے پیل تنا بیچ میں یار اس سے ہوں کیونکر
دھارا تو بجا گھاٹ پہ جایا نہیں جاتا
کس غول پہ چمکی کہ قیامت نہ دکھائی
جلوہ کیا تلوار پہ صورت نہ دکھائی
اس میں کوئی پردہ نہیں منہ صاف کھلا تھا

ہر بار تھا حملہ عمرِ سعدِ نجس پر
رعب اس کا نہ چھایا ہوا تھا فوج میں کس پر
سر پاؤں تلے پیٹتے تھے بیداد گروں کے
غل تھا کہ شجاعت کا دھنی کہتے ہیں اس کو
دل توڑ دیئے صف شکنی کہتے ہیں اس کو
حیدر کے بچوں میں نیا ڈھنگ ہے اس کا
بے سر نظر آیا وہ، جسے پا گئی شمشیر
چمکی تو اُدھر اور اِدھر آ گئی شمشیر
سکتہ تھا ہر اک دل پہ عجب ضرب پڑی تھی
جو دشمنِ دیں تھا اُسے پہچانتی تھی وہ
چار آئینہ و خود کو کب مانتی تھی وہ
اژدر تھا کہ تلوار تھی دم تھا کہ ستم تھا
بے جاں عدو ہول کے مارے نظر آئے
جب سن سے چلی صاف ستارے نظر آئے
اس تیغ کا پھل کھا کے سدا خوں میں تپاں تھے
گہ حلق کے نزدیک کبھی دل کے برابر
رن میں کوئی زخمی کوئی ساحل کے برابر
سر پر وہ تھی جب تک کہ عدو راہِ عدم لے
رہوار کی وہ چال وہ تلوار کا چلنا
غصے میں وہ شبدیز کی آنکھوں کا ابلنا
مارا تھا قدم اس نے شجاعت کے چلن پر
لڑنے میں سمجھتا تھا فرس دل کا اشارا
وہ جست وہ چھل بل وہ ڈپٹنا وہ طرارا
ایسا تو تک و دو میں فرس برق سفر ہو

اُڑ جاتا تھا سر تیغ چمک جاتی تھی جس پر
بھاگو میں پہ گرتا تھا جو اس پر تو وہ اس پر
ٹکرانے سے بال آ گئے کاسوں میں سپر کے
تلوار ہے تیغِ زنی کہتے ہیں اس کو
ششدر ہیں پرے چپکی کہتے ہیں اس کو
جو راکب و مرکب ہے وہ چورنگ ہے اس کا
دم بھر میں سو خاک پہ برسا گئی شمشیر
کیا شعلہ تھا کہ فولاد کو بھی کھا گئی شمشیر
پرزے کیا اس کو بھی زرہ لاکھ کڑی تھی
مغفر کو حبابِ لبِ جو جانتی تھی وہ
ہر وار میں جوشن کا جگر چھانتی تھی وہ
تابیں تھیں کہ گھر موت کا پانی تھا کہ سم تھا
جو گھاٹ پہ تھے گور کنارے نظر آئے
جوہر کبھی چمکے تو ستارے نظر آئے
جب سامنے ڈھال آ گئی سب پھول خزاں تھے
پانی میں اثر زہرِ ہلاہل کے برابر
بسمل بھی نظر آتا تھا بسمل کے برابر
کیا دخل جو بے دم لیے دم بھر کہیں دم لے
بھاگڑ وہ پیادوں کی صفوں کا وہ کچلنا
کف منہ سے گرا کر وہ کنوتی کا بدلنا
یوں گھوڑے پہ جاتا تھا اسد جیسے ہرن پر
رہوار نے کچلا اُسے حر نے جسے مارا
مڑنے میں نظر شوخ کی اُڑنے میں بخارا
بجلی پہ جو بجلی تو نہ آنکھوں کو خبر ہو

کھانے لگی گھونگھٹ جو سپاہ ستم آرا
جاتے ہو کہاں چھوڑ کے دریا کا کنارا
دو لاکھ جوان ایک کا سر لا نہیں سکتے
آواز یہ دی حُر نے کہ او ظالم غدار
بتلا انہیں انداز وغا کھینچ کے تلوار
او دشمن سخت جگر شیر خدا ہے
بندہ ہوں میں اُس کا کہ جو تیغوں سے لڑا ہے
تو ہے کہ وہ مانے ہیں سپاہ و جو بڑے ہیں
شمشیر ہے قلعہ شکن ہے اسی گھر میں
وہ قلب ہے جس قلب میں نقش ان کا ابھرا ہے
ہر طرح پہ کھڑے گا جسے فہم ذرا ہے
بازار کے دن کوئی نہ فریاد سنے گا
کہہ کر یہ سخن قلب میں لشکر کے در آیا
رہوار تڑپ کر ادھر آیا ادھر آیا
باندھے تھے کمر شمر و عمر کینہ سری پر
ہم ہو گئے تیر فرس بن گیا طاؤس
سینہ ہے کہ تودا ہے نہ چھپتا تھا یہ مانوس
رُخ زرد تھا گلنار تھی پوشاک لہو سے
اس حال میں بھی رکتی نہ تھی شیر کی تلوار
پے گویا گھوڑے کو جفا کار نے اک وار
جب وقت برابر ہوا پھر ٹل نہیں سکتا
جب تک کہ جری پاؤں رکابوں سے نکالے
خود سنبھلے کہ گرتے ہوئے گھوڑے کو سنبھالے
دیکھا جو فرس نے مرا مالک نہیں زیں پہ

بڑھ کر عمر سعد جوانوں کو پکارا
گھیر لو نیزوں میں یہ دشمن ہے ہمارا
اس تیر سے لگاؤ جو قریب جا نہیں سکتے
غیرت ہے تو آ سامنے تو چھیڑ کے رہوار
کیوں صورت روباہ و دیکھتا ہے جفا کار
اُس صف سے نکل کر جو ادھر آ تو مزا ہے
پتھر پہ نشاں ہیں کہ لشکر سے گڑے ہیں
تھے اسد اللہ کی ضربت کے پڑے ہیں
اس ضرب کے تیغے کا چلن ہے اسی گھر میں
امکان سے باہر ہے شقی دو سرا ہے
کھوٹا ہے سو کھوٹا ہے کھرا ہے سو کھرا ہے
وہ سامنے مالک کے جہنم میں جھونکے گا
سنتا ہوا لشکر تہ و بالا نظر آیا
مضطر ہوئے سب ایک دو صفدر سے بڑا آیا
بوچھار ہوئی دو سے تیروں کی جری پر
دم بھر میں لہو ہو گیا قزاق کا ملبوس
غش آنے لگے شیر ہوا جنگ سے مایوس
فوارۂ خوں چھوٹتے تھے ہر بن مو سے
جو گھاؤ زدو پر لگے بیجا طرف نار
بجرؤ سے اب کیا ہو غرض ہو گیا بیکار
گھوڑے کا اشارہ تھا کہ اب چل نہیں سکتا
مہمان کے سینے پہ کئی چل گئے بھالے
مرکب جو گرا تو بڑھے برچھیوں والے
اللہ ری وفا مر گیا گرتے ہی زمیں پر

روتا تھا دنا داری مرکب پہ وہ صفدر
حضرت کو پکارا وہ جری خاک اڑا کر
خادم نہیں بھائی نہیں پیارا نہیں میرا
آواز علی آئی کہ اے قوت دلاور
بالیں پہ ترے میں تو ہوں شبیر نہیں گر
میں پاس ہوں پھر کس لیے گھبراتا ہے بھائی

پیاسا ہے تو پانی تجھے کوثر کا پلائیں
مشتاق ہے گر ان کا تو حوروں کو بلائیں
یہ ہاتھ کہیں بند نہیں عقدہ کشا ہیں
اعدا نے ادھر فتح کے باجے جو بجائے
یہ دورے جگر کو سخن طنز بنائے
اس وقت کوئی آکے حمایت نہیں کرتا

افسوس صد افسوس عبث جان گنوائی
بتلا مجھے وہ کون سی دولت ہے جو پائی
اس مرتبہ اس وقت شہید دیں میں بڑھے گا
گردن کو اٹھا کر یہ پکارا جری و شیار
پاس آکے سخن کہہ تو سنوں تیغ کی گفتار
بڑھتا نہیں یہ خوف و خطر طاری ہے تجھ پر

گر تیرہ جو ملتا ہے مجھے تو کیا کسے جانے
گھیرے ہے مجھے رحمت رب دو سرا نے
سر عرش پہ اُن کا ہے جو قدموں میں پڑے ہیں
بھولا بھی زمانے میں کوئی ہوتا ہے دانا
نعمت کے عوض تو نے گیا برچھیاں کھانا
جینا ہے تو خلعت کو نہ انعام کو دیکھے

جو فرق پہ پیچھے سے پڑا گرز گراں سر
مولا کی خبر لیجئے یا سبط پیمبر
مولا کے سوا کوئی سہارا نہیں میرا
تیار ہے فردوس کھلے ہیں ترا گھر
سر رکھ کے کہ زانو مرا حاضر ہے برادر
روتا ہوا صاحب بھی ترا آتا ہے بھائی

بھوکا ہے تو فردوس کے میوے ابھی آئیں
جو باغ تجھے حق نے دیا ہے وہ دکھائیں
جس درد کا درماں نہیں ہم اس کی دوا ہیں
بگلا پسر سعد میں چتر لگا ہے
کیوں ترک رفاقت کے مزے خوب اٹھائے
جاہل بھی کوئی ایسی حماقت نہیں کرتا

اب رونے کو لاشے پہ نہ بیٹا ہے نہ بھائی
حاصل یہی تلوار پہ تلوار تو کھائی
جب نوک سناں پر ترا سر کٹ کے چڑھے گا
کیا ہرزہ سرائی ہے یہ او ظالم غدار
ذی ہوش ہوں گر ہاتھ سے ہم تو نہیں تلوار
مرتا ہوں پہ مردہ بھی مرا بھاری ہے تجھ پر

خود کور ہے آنکھیں تجھے کب حق نے دی ہیں
پہلو میں محمد ہیں ید اللہ سرہانے
حوریں لئے ہاتھوں میں ملک گرد کھڑے ہیں
اک جو کے برابر تری دنیا کو نہ جانا
صدقے ہوا اس پر کہ جس کے ہیں نانا
عاقل اُسے کہتے ہیں جو انجام کو دیکھے

فرعون کو کس طرح کیا غرق خدا نے
شداد کو دم بھر کی نہ مہلت دی قضا نے
نمرود کو برباد کیا حرص و ہوا نے
کیا ہو گئے قارون کے وہ چالیس خزانے
ٹوکر کسی خود سر کو سنبھلتے نہیں دیکھا
موذی کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا

ہنگامۂ محشر کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے
دوزخ ترا مسکن ہے تو جنت مرا گھر ہے
کیا غم ہے کہ لاشے پہ نہ بھائی نہ پسر ہے
زانوئے مبارک پہ علی کے مرا سر ہے
توقیر شہیدوں میں مجھے آج ملے گی
جب نیزے پہ سر ہوگا تو معراج ملے گی

غش ہو گیا یہ کہہ کے جو خنجر جگر افگار
سرکوب [illegible] کا یہ پکا ارادہ ستمگار
جلاد بڑھے تھے کہ ہوا شور یہ اک بار
بھاگو کہ حسین آتے ہیں کھینچے ہوئے تلوار
اٹھنے کی نہیں ضرب ولی آہنی دل کی
دیکھو کہیں بجلی نہ گرے تیغ علی کی

آمد جو سنی شیر کی بسپا ہوئے گمراہ
لاشے پہ گیا راحت جان اسد اللہ
دیتی پہ تڑپتا تھا وہ حضرت کا ہوا خواہ
حسان سے لپٹ کر یہ پکارے شہ ذی جاہ
ٹکڑے ہے بدن زخم عجب کھائے ہیں بھائی
بے ہوش ہیں آلاش پہ ہم آئے ہیں بھائی

کچھ ہم سے وصیت تو کرو اے جری دلاور
خوں ہے ترے غم سے جگر اے جری دلاور
رکھ لے مرے زانو پہ سر اے جری دلاور
تنہا کیے بے شاہ سفر اے جری دلاور
پھر بعد ملاقات نہ صحبت ہوئی بھائی
جی بھر کے نہ دیکھا تھا کہ فرقت ہوئی بھائی

کچھ بات کرو اے یار وفادار ہمارے
اے عالم غربت کے مددگار ہمارے
اے صف شکن اے صفدر و جرار ہمارے
تا حشر تجھے روئیں گے غمخوار ہمارے
رتبہ ہے ترا سب سے دو بالا شہدا میں
اک دن ترے ملنے کا ہے ایام عزا میں

غم ہو کے پکارے یہ حبیب ابن مظاہر
آ پہنچے ہیں اے خلد بریں جنت کے مسافر
بیتاب ہے بھائی ترا صاحب [illegible]
کر نور الٰہی کی زیارت دم آخر
دیکھو اپنے شرف آنکھ کو کیوں بند کئے ہے
فرزند نبی سر ترا گودی میں لئے ہے

سنکر یہ صدا [illegible] جو آنکھ کو کھولا
سر حضرت شبیر کی آغوش میں دیکھا
[illegible]
صدقے ترے الطاف کے اے [illegible]
[illegible]
[illegible]

غش سے جو نہ کھلتے تھے مرے دیدۂ پرنم
ارشاد یہ فرماتے تھے خود سید عالم
شبیر کا جو دوست وہ پیارا ہے نبیؐ کا
بھائی پہ حق جعفر و حمزہ کا ہے یہ پیار
ارشاد علیؑ ہے ملک الموت سے ہر بار
نرمی سے جدا کیجیو یوں روح بدن سے

غرفوں سے برابر ہیں یہ حوروں کے اشارے
ساماں ہیں تیار ترے آرام کے سارے
شبیر کا مہمان ہے سب یہ ترے حق ہیں
اک سیدہ ہیں سبز ردا چہرے پہ ڈالے
چلاتی ہیں مہماں کو لگے ظلم کے بھالے
شبیر پہ غربت میں ستم ہو گیا ہے ہے

ارشاد کیا شہ نے کہ سب کو ہے ترا غم
آتی ہے جو رونے کی صدا خیمے سے ہر دم
احوال یہ ہے زینبؑ آوارہ وطن کا
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے پکار اٹھا وہ دلدار
نازاں نہ ہو کیوں اپنے شرف پر یہ گنہگار
رتبہ مرا افلاک سے برتر ہوا آقا

یہ ذکر تھا ظاہر ہوئے موت کے آثار
دم بند ہوا کھول دیے دیدۂ خونبار
بس دیکھ کے دیدار امام ازلی کا
لاش اس کی اٹھا کر شہِ دیں خیمے میں پہنچے
تو گرد لیے سیدانیوں نے اشک بہائے
جنت ہی سنور جاتی ہے جب کام ہو ایسا

صحبت تھی مرے گرد عجب طرح کی اے عم
یہ آئے ہیں اے حُرؑ ترے لینے کے لیے ہم
تو آج سے مہمان ہے رسولؐ عربی کا
جس طرح دمِ نزع لگاتے ہوں پرستار
ہاں وقت وداع اک چارہ ہے یہ غمخوار
جس طرح اٹھاتا ہے کوئی پھول چمن سے

اے شاہ کے مہمان اب آ پاس ہمارے
وہ جام بھرے رکھے ہیں کوثر کے کنارے
یہ حلۂ جنت ہیں یہ میووں کے طبق ہیں
وہ حوریں ہیں لٹکی ہوئی چادر کو بچھائے
یہ ہے پسر فاطمہؑ کے چاہنے والے
اک دوست بڑھا تھا سو وہ کم ہو گیا ہے ہے

یہ میرے بزرگ آئے ہیں لینے تجھے باہم
ناموس محمدؐ میں بپا ہے ترا ماتم
جو بھائی کے مر جانے میں عالم ہو بہن کا
صدقے ہے یہ سب آپ کا یا سید ابرار
جس کے لیے روئیں حرم احمدؐ مختار
ہیں نانی سلطان والا قدر ہوا آقا

تن سرد ہوا زرد ہوئے پھول سے رخسار
مڑ کر سوئے شبیرؑ کہا وہ نکوکار
رخصت ہوا مہمان حسینؑ ابن علیؑ کا
پہنچے کے ادھر آپ حرم پیٹنے آئے
حضرت کی غلامی میں بڑے مرتبے پائے
یوں عشق میں مر جائے تو انجام ہو ایسا

خاموش انیس آگے نہیں طاقتِ گفتار
جاں کاہ ہے افسانۂ دردِ جگر افگار
آقا سے یہ کر عرض کہ اے کل کے مددگار
اب روضۂ اقدس پہ بلا لیں شہِ ابرار
بندہ درِ مولا سے کہیں دور نہ رہ جائے
محروم زیارت سے یہ مجبور نہ رہ جائے

رُباعی

شہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں
عرشِ اعظم کا گوشوارا ہوں میں
سارے عالم میں روشنی ہے جس کی
اے لشکرِ شام وہ ستارا ہوں میں

رُباعی

اے بادشہِ کون و مکاں ادرکنی
اے عقدہ کشائے دو جہاں ادرکنی
اب تنگ ہے دشمنوں کے ہاتھوں سے انیس
یا حضرتِ صاحب الزماں ادرکنی

رُباعی

کعبے کو ید اللہ نے آباد کیا
بت توڑ کے مصطفےٰ کا دل شاد کیا
اللہ رے جلالِ اسمِ اعلائے علی
اصنام کو اس نام نے برباد کیا

رُباعی

اب وقت سرور و فرحت اندوزی ہے
ہر دل مصروفِ جشنِ نوروزی ہے
چھائی ہے دورِ شاہیِ شاہِ نجف
ہر رنگ بہارِ فتح و فیروزی ہے

۱۸

مرثیہ

بند ۱۰۶

جب آخری رخصت کو حسینؑ آئے حرم سے
حضرت نے کہا قطع محبت کرو ہم سے
بابا سے نہ جب تک وہ گل اندام ملے گا

سب مر چکے اب کس کے لیے ٹھہر کے جائیں
کس طرح سے اس یوسف گم گشتہ کو پائیں
بے ان کے نہ کھانے کا نہ پینے کا مزا ہے

اک جان حزیں تا بہ کجا رنج اٹھائے
زخم جگر و دل کسے شبیر دکھائے
تاراج نہ اس طرح سے ہو باغ کسی کا

آگے مرے مارے گئے دو بھانجے پیارے
عباس کا غم پوچھے کوئی دل سے ہمارے
اب پاس نہ بھائی نہ بھتیجا نہ پسر ہے

اک عمر میں سو آرزوؤں سے جنھیں پالا
پچھتاتا ہوں کیوں ساتھ وطن سے انھیں لایا
کیا جانتا تھا خاک میں انصار ملیں گے

میں کہتا تھا کٹ جائے گا جب تن سے مرا سر
بابا کا اٹھائیں گے جنازہ علی اکبر
روتا علی اکبر سے ہمیں شرم بڑی ہے

سب بیبیاں لپٹیں شہ والا کے قدم سے
جینے کی نہیں ہم علی اکبر کے الم سے
تب تک نہ ہمیں ایک دم آرام ملے گا

ایسے نہیں بچھڑے کہ جو اکبر چلے آئیں
ہے فرق بجا رات میں کہ ڈھونڈھنے جائیں
فرزند سلامت ہو تو جینے کا مزا ہے

راحت اسی میں ہے کہ جلدی اجل آئے
اللہ تباہی یہ کسی گھر پہ نہ لائے
اب مجھ کو دکھائے نہ خدا داغ کسی کا

قاسم نے دنیا سے پُر ارمان سدھارے
اکبر کے تو مرنے سے ہوئے گور کنارے
سو داغ اور اک دل یہ بیچارا ہی جگر ہے

پالا تین برس میں انھیں ہاتھوں سے گنوایا
تقدیر نے کس کس کا مجھے داغ دکھایا
تا حشر اب ایسے نہ وفادار ملیں گے

سب رو دیں گے اور غسل و کفن دیویں گے آ کر
سو مر گئے وہ زندہ ہے فرزند نہ ہمسر
میدان میں بے گور و کفن لاش پڑی ہے

جس وقت سے رو بیٹھ چکے اُن کے الم میں
اب جاتے ہیں گھر جانے کو ہم فوجِ ستم میں
جب جاتے تھے سب گھیر کے لے آتے تھے ہم کو
اب کون ہے جو دوڑ کے روکے گا مری راہ
صدقے ہیں جو بچے کہ کوئی ان سے نہیں آگاہ
دو بھیجے کلیجے پہ چھُری جس کے چلی ہو
اللہ کو سونپا تمہیں اے زینب و کلثوم
اب جاتے ہیں خنجر سے کٹے گا مرا حلقوم
مجبور ہیں ناچار ہیں مرضی ہے خدا سے
جس وقت مجھے ذبح کرے فرقۂ ناری
بے صبروں کا شیوہ ہے بہت گریہ و زاری
ہوں لاکھ ستم رکھیو نظر اپنی خدا پہ
کہہ کر یہ سخن شاہ کے آنسو ہوئے جاری
اے شیعو مظلوم بہن ہو گئی واری
تب بھائیو جب حق سے گزر جائے گی زینب
دکھیا ہی ہوں بھیا نہ مری آس کو توڑو
برگشتہ زمانہ ہوا منہ تم تو نہ موڑو
منت بھی کروں گی میں قدم بھی پکڑوں گی
نانا ہے نہ بابا ہے نہ ماں ظلم کی ماری
فرماتے تھے سب بہنوں میں تم ہو مجھے پیاری
دنیا میں رہیں لاکھ برس آپ سلامت
اک باقی بزرگوں میں ہو تم اے شاہِ امم ہو
حضرت کی قسم مجھ کو جو بیٹوں کا بھی غم ہو
بچپن سے کبھی شہر میں چھوڑی نہ سفر میں

ہم کو بھی اسی طرح سے رونا کوئی دم ہے
پھر آنے کا یاں حوصلہ باقی نہیں ہم میں
وہ مر گئے جو پھیر کے لے آتے تھے ہم کو
جو پاؤں پہ گرتے تھے کوئی ان میں نہیں آہ
واللہ نہیں جینے کا اب یا اسداللہ
اکبرؑ جو ہو دنیا میں حسینؑ ابن علیؑ ہو
لگ جاؤ گلے تم سے بچھڑتا ہے یہ مظلوم
ہے صبر کا یاں کے طریقہ تمہیں معلوم
بھائی نہیں جی اُٹھنے کا فریاد و بکا سے
رونا نہ سُنے کوئی نہ آواز تمہاری
جو کرتے ہیں صبر اُن کی خدا کرتا ہے یاری
اس ظلم کا انصاف ہے اب روزِ جزا پہ
بھائی سے لپٹ بھائی کے زینب یہ پکاری
ہم جانے نہیں دینے کی حضرت کی سواری
حضرت نے کمر باندھی تو مر جائے گی زینب
صدقے گئی پردیس میں بہنا کو نہ چھوڑو
مجھ سے تو نہ فرماؤ کہ ہاتھوں کو نہ جوڑو
مر جاؤں گی پر قید میں در در نہ پھروں گی
کس پہ مجھے تم چھوڑ کے جاتے ہو میں واری
مجبور بہن پھر کہیں لونڈی ہوئی تمہاری
بس جانتی ہوں میں یہ مرے ماں باپ سلامت
پھر آپ کے کیا کوئی بچھڑنے کا الم ہو
دنیا میں کوئی چھوڑ کے جو آپ کا دم ہو
سو مرتے کو تم جاؤ میں پڑ رہتی ہوں گھر میں

اے بھائی جہاں جاؤ گے میں ساتھ چلوں گی
تلواروں میں بھی پاس سے ہرگز نہ ٹلوں گی
اعدا کی لڑائی سے نہ ڈر جائے گی زینب
ان باتوں سے زینب کی دل شاہ بھر آیا
اور پونچھ کے آنسو یہ محبت سے سنایا
ہم حلق پہ لیں گے تیغ ستم دشت بلا میں
میں اور تم ایک دودھ سے بچپن میں پلے ہوں
تقدیر جدا کرتی ہے کیونکر نہ جدا ہوں
ہاں اب کمی کیسی تجھے ہمت کرو تم بھی
ماں صابرہ ہے صبر تو ہے کام تمہارا
مارا گیا ہر ایک گل اندام تمہارا
جو کہتے ہیں ہم اس کو گوارا کرو زینب
اس راہ میں گھر لٹنے کا کچھ دھیان نہ لانا
پردا جو ہو بالوں سے چہرے کو چھپانا
مقبول سبھی صبر ہے درگاہ خدا میں
زینب نے کہا جب یہ سنی بھائی کی تقریر
پر آپ کی گردن پہ چلے جس گھڑی شمشیر
اور در بدروں کی قید میں بھی جاؤں گی بھائی
یہ کہتی تھی زینب کہ صدا رونے کی آئی
کچھ سوچ کے گردن شہ بیکس نے جھکائی
اک داغ اٹھایا ہے جوان بیٹے کے غم کا
پاس اس کے گئے روتے ہوئے شاہ ابرار
پیشانی بھی مجروح ہے آنکھیں بھی ہیں خونبار
پیغام جو دیتا ہے سو وہ وقت سفر ہے

جنگل میں رہوں گھر کا کبھی نام نہ لوں گی
پر آتش فرقت سے تمہاری نہ جلوں گی
کٹوائے گلا تیغ سے مر جائے گی زینب
رو رو کے گلے خواہر بیکس کو لگایا
تم نے بھی تو ہے صبر بہن ورثے میں پایا
تم رنج اسیری کا سہو راہ خدا میں
تم صابر و شاکر ہو میں راضی بہ رضا ہوں
مظلوم سبھی میں ہیں تری الفت پہ فدا ہوں
امت کی شفاعت میں شراکت کرو تم بھی
دکھیاری ہو بے چینی ہے آرام تمہارا
بھائی کو کرو صبر تو ہے نام تمہارا
شبیر کو امت سے نہ پیارا کرو زینب
چھن جائے ردا سر سے تو سر ننگے ہی جانا
بازو جو بندھیں بہر دعا ہاتھ اٹھانا
سر دھر دیا ہے حیدر نے گلا راہ خدا میں
مرضی جو یہی ہے تو رضامند ہے ہمشیر
جھگڑا نہیں کچھ بھی ہے یہ مری تقدیر
سب ہوگا مگر تم کو کہاں پاؤں گی بھائی
زینب نے کہا ہائے کس کی آواز ہے بھائی
فرمایا کہ جاں کاہ ہے اندوہ جدائی
اور دوسرا گرتا ہے پہاڑ اس پہ ستم کا
فرمایا کہ کیا ہاں ہے اے یار وفادار
ان باتوں پہ اکبر نہیں جی اٹھنے کے زنہار
ہم بھی وہیں جاتے ہیں جہاں تیرا پسر ہے

روتے ہو جو رو رو کے اے شبیرؑ والا
کیا وجہ جو اس وقت میں لونڈی کو نہ پوچھا
بیٹوں سے تو رخصت ہوئے آئے بھی نہ ہم تک
اولاد تھی جب تک تو محبت تھی ہماری
جس وقت سے فرزند کے برچھی لگی کاری
تنہا ہمیں بانو سے جدا ہو گئے اکبر
شاہ سے سکینہ نے کہا میں نے کئی بار
قربان گئی بانو سے کیوں ہو گئے بیزار
پچھتاتی ہوں کیوں آپ کے دلبر کو رضا دی
صدقے گئی سب بیبیاں موجود ہیں پوچھو
گر گر کے قدم پر مرے کہتا تھا وہ خوش خو
لب خشک تھے رخساروں پہ آنسو بھی ڈھلے تھے
بچے کو رضا مرنے کی دی میں نے یہ سمجھ کر
سو مرنے کو حضرت بھی چلے وائے مقدر
ان قدموں سے چھٹنے کا قرینہ نہیں اچھا
رو کر کہا حضرت نے کہ اے بانوئے دلگیر
جس وقت سے اکبر ہوئے جنت کے رہگیر
بچے کو جو رو رو کے تو چلاتی ہے بانو
جب آتا تھا میں ساتھ مرے آتے تھے اکبر
دھڑکا تھا یہ دل کو مرے اے بیکس [illegible]
کس منہ سے کہوں کہاں کو سفر کر گئے اکبر
اے بانو میں شرمندۂ احساں ہوں تمہارا
کی قدر کشی تم نے مرے ساتھ گوارا
دکھ رو کے سہے رنج اٹھایا مرے گھر میں

ثابت ہوا الفت مری کم ہو گئی آقا
قسمت کا گلہ ہے نہیں کچھ آپ کا شکوا
تھی قدر ہماری علی اکبر ہی کے دم تک
بے آس کسی کو نہ کرے حضرت باری
پوچھا بھی نہ حضرت نے کہ کیوں کرتی ہو زاری
حضرت کو بھی ہاتھوں سے مرے کھو گئے اکبر
کیا وجہ جو آئے نہیں گھر میں شہ ابرار
کچھ ہے مری تقصیر تو کیجے اسے اظہار
ہاں یہ تو ہے تقصیر کہ اکبر کو رضا دی
حضرت کے پسر کو نہ رضا دیتی میں تو
بابا ہیں اکیلے ہمیں کٹنے کی رضا دو
رخصت کے نہ ملنے پہ خفا ہو کے چلے تھے
جب آپ تو دنیا میں سلامت ہیں مرے سر
ہر طرح سے برباد ہوئی بانوئے بے پر
بے وارث و بے آس کا جینا نہیں اچھا
مانند کشی ہوتا ہے اب سینۂ شبیرؑ
کچھ مجھ کو بجز مرگ نہیں سوجھتی تدبیر
آگے ترے آتے مجھے شرم آتی ہے بانو
محبوب تھا تمہارا تمہی پاس آتا میں کیونکر
گر پوچھے گی بانو کہ کہاں ہے مرا دلبر
جیتا ہے حسینؑ ابن علیؑ مر گئے اکبر
جب تک علی اکبرؑ سے جواں بیٹے کو وارا
شبیرؑ کی الفت سے کیا ہم نے کنارا
تم نے کبھی آرام نہ پایا مرے گھر میں

بچے ہیں تو سب کچھ نہیں دولت تھی جتیا
گھر فاطمہ کے آکے بچا فاقے پہ فاقا
اک دولت اولاد جو خالق نے عطا کی

رو کر کہا بانو نے یہ فرماؤ حضرت
اس فاقہ کشی سے کوئی افضل نہیں دولت
گر شاہ کی جورو ہوں تو کچھ فخر نہیں ہے
شہرہ کئے آفاق میں حیدر سا ملا ہے
کس ماں کو بیٹا علی اکبر سا ملا ہے
ہاتھ آئی یہ دولت مجھے قدرت سے خدا کی

ملنا خز و دیبا کا تو مشکل نہیں زنہار
پر خلعت فردوس کا ہاتھ آنا ہے دشوار
کیونکر نہ شرف ہو مجھے اس کشتہ روا سے
دنیا میں کسی نے بھی ہے یہ مرتبہ پایا
سرگوندھ کے شہ مری آنکھوں میں بٹھایا
اب رانڈ بہو ہوتی ہے زہراؑ و علیؑ کی

میں جانتی ہوں ہو چکا برباد مرا گھر
بازو میں رسن ظلم کی باندھیں گے ستمگر
زنداں میں جو ہو ظلم گوارا مجھے سب ہے
یہ سن کے بہت روئے شہ صابر و شاکر
ہے عازم فردوس مدینے کا مسافر
جس دم نظر آئے مرا سر نوک سناں پر

کہہ کر یہ سخن شاہ چلے خیمے سے باہر
چلانے کوئی کہتی تھی ہے ہے مرے سرور
بابا کو قسم دے کے بلاتی تھی سکینہ

رہتا تھا سدا جس میں لباس خز و دیبا ہو
پیوند پہ پیوند ہیں چادر جس جا ہوا کسا
سو وہ بھی بُرے وقت میں سر پر ہے خدا کی

کونین کی دولت ملی حضرت کی بدولت
اقبال تھا میرا کہ ہوئی آپ سے وصلت
سرتاج مرا دوش محمدؐ کا مکیں ہے
گھر کس کو بھلا فاطمہ کے گھر سا ملا ہے
شوہر کسے فرزند پیمبر سا ملا ہے
میں اور بہو بنت رسول دوسرا کی

لٹتا ہے انہیں جن کو ہے دنیا سے سروکار
سو آپ کے صدقے میں ملے یا شہ ابرار
اللہ نے پیوند کیا آل عبا سے
خاتون قیامت نے دلہن مجھ کو بنایا
پر شاہ نے بیاہ کر مجھے مسند پہ بٹھایا
لٹتا ہے مرا راج دہائی ہے نبی کی

چھن جائے گی بعد آپ کے سر سے مری چادر
رہتی ہوئی میں قید میں جاؤں گی کھلے سر
دربار میں حاکم کے بلایا تو غضب ہے
فرمایا کہ بانو خدا حافظ و ناصر
سب ظلم اٹھا لیجو اگر ہے مری خاطر
لانا نہ کوئی حرف شکایت کا زباں پر

لشکر میں بپا ہو گیا ہنگامۂ محشر
کہتی تھی کوئی اب نہیں آئیں گے برادر
سر پیٹتی پیچھے چلی جاتی تھی سکینہ

چلاتی تھی قربان ہو بیٹی چلے آؤ
مر جاؤں گی بابا مجھے تم چھوڑ نہ جاؤ
صدقے گئی ننھا سا مرا دل نہ کڑھاؤ
بیتاب ہوں مڑ کر مجھے صورت تو دکھاؤ
رکتے تھے کہ ماں پاس رہو نکلو نہ گھر سے
اب حشر میں ہووے گی ملاقات پدر سے

پہنچے کے قریب فرس آئے شہ ابرار
گردن کو جھکائے ہوئے روتا تھا وہ رہوار
پچکار کے حضرت نے کیا اس کو بہت پیار
فرمایا کہ تو دیکھ تو لے اسپ وفادار
فرزند ہیں بھائی بھتیجا نہیں کوئی
تھامے جو رکاب آن کے اتنا نہیں کوئی

زہرا کی صدا آئی یہ با گریہ و زاری
کیا بھول گئے پالنے والی کو میں واری
جلو میں تو حاضر ہے یہ ماں درد کی ماری
اے لال میں تھاموں گی رکاب آج تمہاری
نقش سم رہوار سے آنکھوں کو ملوں گی
سر کھولے جلو میں ترے گھوڑے کے چلوں گی

گھوڑے پہ چڑھا راکب دوش شہ لولاک
جوں برق ہوا گرم عناں توسن چالاک
جبریل نے آ کر با ادب تھام لی فتراک
اقبال نے چوما یہ تھا فخر قدم پاک
تھا شور کہ مرنے کو حسین آج چلے ہیں
معراج کو یا صاحب معراج چلے ہیں

نازاں تھا یہ عجب شان سے شہ تیغ بکف تھے
گویا کہ جتاتے وفا شاہ نجف تھے
ناقوں پہ ملک نور کی باندھے ہوئے صف تھے
سر ننگے چپ و راس رسولان سلف تھے
ہر گام پہ آتی تھی صدا روح امیں کی
بس آخری ہے آج سواری شہ دیں کی

اے اہل جہاں آج کے دن کر لو زیارت
دنیا سے محمد کے نواسے کی ہے رحلت
پھر شکل نہ آئے گی نظر پھر کسی صورت
سمجھو پسر فاطمہ زہرا کو غنیمت
ڈھونڈو گے تو پیغمبر سا آقا نہ ملے گا
پھر تم کو محمد کا نواسا نہ ملے گا

تھا احمد و زہرا و علی کی یہ نشانی
افسوس ہے کچھ تم نے نہ کی قدر جانی
سیراب ہوئے تم نہ پلایا اسے پانی
کیا شکل نہیں ساقی کوثر کو دکھانی
دشمن کا لاشا نہیں گھر خاک میں کوئی
باقی نہ رکھا پنجتن پاک میں کوئی

اس شان سے وہ فاطمہ کا زینت آغوش
میداں میں جو پہنچا تو نقیبوں کے اڑے ہوش
مثل لب سوفار کماندار تھے خاموش
اعدا کو ہوا جنگ کا انداز فراموش
بڑھتے سے قدم رکنے لگے فوج لعیں کے
مجرے کو علم جھکنے لگے فوج لعیں کے

تنہا تھے پہ اللہ رے شکوہِ شہِ آفاق
دشمن بھی ہوئے حسن کے نظارے کے مشتاق
غل تھا کہ تماشائے تجلیٔ قدرتِ خلاق
ہوتی ہے بیاں طاقت ذہنِ بشری طاق
کس حسن سے اشکالِ شہِ دیں گیر کھنچی ہے
گویا ورقِ نور پہ تصویر کھنچی ہے
پیشانیٔ نورانی روشن ہے کہ مہتابِ فلک ہے
قطروں میں پسینے کے ستاروں کی چمک ہے
اور ابروئے خم قبلۂ طاعاتِ ملک ہے
خم جیسے کو حسن کے سر تا بہ تلک ہے
پیش صفِ مژگاں کوئی کیا سینہ سپر ہے
پھر جائیں تو اک دم میں جہاں زیر و زبر ہے

کیا دیدۂ حق بیں سے نقابِ حق ہویدا
ہو نرگسِ شہلا بھی جسے دیکھ کے شیدا
ہے نقطۂ مردم دلِ عارف کا سویدا
پردوں سے عجب قدرتِ یزداں ہوئی پیدا
گردش یہ کبھی چرخِ جفا جو نے نہ دیکھی
آنکھیں ایسی کبھی خواب میں آہو نے نہ دیکھی
تابندہ ہے خورشیدِ جمالِ شہِ خوش خو
بجلی سی چمک جاتی ہے میدان میں ہر سو
آئینے کو نظارے کا اس رخ پہ ہے کیا زو
چشمِ شہِ خاور میں بھر آتے ہیں آنسو
عارض کبھی دیکھے نہیں اس حسن و صفا کے
کیا ایک سے دو آئینے ہیں نورِ خدا کے

اس لب سے ردِ یمن لعل کو نسبت کبھی ہو
آتش یاقوت کو کر دیتے ہیں خاموش
ایسے کبھی دیکھے نہ گئے چشم و لب و گوش
حق کی کبھی جن کو نہ ہوئی یاد فراموش
اوصاف ہوں کیا اس لبِ اعجاز بیاں کے
جو چوسنے والے ہیں محمد کی زباں کے
پُر نور گلا شمعِ تجلی سے ہے روشن
شملہ بھی اٹھائے نہ جہاں شرم سے گردن
اور ہاتھ ہیں شاخِ شجرِ وادیٔ ایمن
سینہ ہے وہ آئینہ کہ حیرت میں ہیں دشمن
بوسے کے لئے لب نہیں احمد نے دھرے ہیں
اسرارِ الٰہی اسی سینے میں بھرے ہیں

زخمِ دلِ فرزند جو یاد آئے ہیں پیہم
یہ درد ہے سینے میں کہ رکتے نہیں دم
بارِ المِ فرقتِ عباس سے ہیں خم
پر بخششِ امت پہ کمر باندھے ہیں محکم
سر کٹنے کی پروا نہیں میدانِ وفا میں
کس صبر سے مارا ہے قدم راہِ خدا میں
کیا شانِ شجاعت کو رقم کر سکے خامہ
برسوں جو لکھے ختم نہ ہو مدح کا نامہ
بے خود کی جا سر پہ محمد کا عمامہ
اور جسم پہ ہے زرہ کے نقطے اک کہنہ سا جامہ
تلوار سپرد ہیں جنبش جان کا ڈر ہے
ہاں سامنے تلوار کے سینہ بھی سپر ہے

پہنا نہیں چار آئینہ یہ بریں سمجھ کر
آنکھوں کے تلے پھرتا ہے آئینۂ خنجر
ان آنکھوں کو دستاروں کی حاجت کہو کیا ہے
ہے قبضے میں حضرت کے وہ اک تیغ دو پیکر
کاٹے ہیں اسی تیغ نے جبریل کے شہپر
منظور نہیں اس سے حفاظت تن و سر کی

جس نام پہ کھنچی دم میں جہاں زیر و زبر ہے
خود سیف خدا فاتح خیبر کا پسر ہے
ہاتھ اٹھے جو بے تیغ شہ کون و مکاں کا
کیا سرعت اس کو قلم کر سکے ارقام
کاٹے ہے جو پھرتے اسے دیکھا سحر و شام
اس تیزی سے سر سر کو گزرتے نہیں دیکھا

ہیں یال کے بال ایسے کہ شرمندہ ہے سنبل
اسوار ہے اس کا پسر صاحب دلدل
ہے دوش محمد کا کہیں خانۂ زیں پر
دو روز سے لب تشنہ ہیں پر اک شب دو لو
دریا میں تجھے لے چلوں اے اسپ قلزم
اعدا کو نہیں ہے کسی پیاسے سے عداوت

کہتا ہے وہ رہوار بصد اشک فشانی
صدقے ترے اے حیدر کرار کے جانی
پیاسا تو ہوں لیکن ترے شاہ مرا غم ہوں
رو دیتے تجھے مرکب پیغمبر خوش خو
تلے ہونے نیزے چلے آتے تھے جا جو
لب خشک تھے آنکھیں شہ مظلوم کی نم تھیں

تا پیش ہے میں رہ جائیں شجاعت کے نہ جوہر
ہر رگ بدن ہو شاخ پیکاں ہے بدن پر
فرزند ید اللہ تو خود دست خدا ہے
سو مردوں کا تمغہ ہے شجاعت کا ہے جوہر
شمشیر ید اللہ ہے دم میں ہیں سر دو
تیغ اس نے بازو میں ہے نشانی ہے پدر کی

ہاتھ اس پہ رکھا جب تو عزیمت ظفر ہے
شمشیر کا قلاب ذرا چند پہر ہے
ہیں کام وہ انگشت سے تیغ دو زباں کا
صحرائے وسیع دو جہاں جس کا ہے اک گام
گردوں کو فراموش کرے ابلق ایام
جوں برق کبھی اس کو ٹھہرتے نہیں دیکھا

ہم سر ہو کہ گل سے کبھی حور کی کاکل
کیسے جو پلک اس کو نہیں جانے ہیں تا کل
اس ناز سے رکھتا ہی نہیں پاؤں زمیں پر
چمکار کے فرماتے ہیں یہ شبیر دلاور
تو پاس ہے کر مانع ذرا تجھ پہ جاں گنہگار
گر ہے تو محمد کے نواسے سے عداوت

آقا کے تو لب تر نہ ہوں اور میں پیوں پانی
صورت ہے مجھے حشر میں دلدل کو دکھانی
جیا اس کے گھوڑے سے بھی کیا صبر میں کم ہوں
گھوڑے نے کی بھی آنکھوں سے تیکھے پڑے تجھ کو
اس تیر چلیں شہ پہ ہی فوج تھا ہر سو
اک دم کے لئے سینکڑوں تلواریں علم تھیں

جلتی تھی زمیں رن کی ہوا شعلہ فشاں تھی
ماہی بھی حرارت سے تہِ آب نہاں تھی
کانٹے تھے تب و تاب سے ماہی کے گلو میں
اس گرمی میں بھرتے تھے جو حضرت نفسِ سرد
تھا ضعف سے چوں مہر رخِ سبطِ نبی زرد
پانی جو نہ ملتا تھا شہِ کون و مکاں کو
کہتے تھے کبھی دل سے کہ گھبرائیو اے دل
ہوتا کوئی دم یادِ الٰہی سے نہ غافل
سب مر گئے باقی ہیں مظلوم رہا ہے
یہ کہہ کے ہوئے سرورِ دیں عازمِ پیکار
گھبرا کے گئے ڈیوڑھی کو نکلنے شہِ ابرار
عریاں ہے سر چاک گریباں کئے ہے
چلاتی تھی ڈیوڑھی سے یہ بانوئے دل افگار
کہیو شہِ والا سے کہ یا سیدِ ابرار!
پانی کو ترستا ہے ستم ایجاد سے کہنا
فضہ کو یہ گھبرا کے پکارے شہِ والا
وہ بولی کہ بیٹے کا کسے ہوش تھا شاہا
بیمار کے جو اس کو دکھانے نکل آتی
سن کر یہ سخن رونے لگے شاہِ خوش اوقات
فرزند کو آغوش میں لے کر کہی یہ بات
بانو کے بھی جینے کی مجھے آس نہیں ہے
فرما کے یہ آئے صفِ اعدا کے برابر
مظلوم ہے معصوم ہے پیاسا ہے یہ دلبر
راضی ہوں میں تینوں سے لہو میرا بہا دو

مضطر تھے جو زہرا و پیمبر وہ جہاں تھی
ہوئے گی قیامت میں جو گرمی وہ عیاں تھی
بت خانے حباب و لب کے پڑے تھے لبِ جو میں
ہنستے تھے عداوت سے انہیں دیکھ کے بدخو
گیسوئے معنبر پہ پریشاں تھے پر گرد
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ پھراتے تھے زباں کو
اب قطعِ مسافت ہوئی نزدیک ہے منزل
لبیک جواب کی تو ہوئے خلد میں داخل
اک مرحلۂ خنجر و حلقوم رہا ہے
جو شور ہوا بیبیوں کے رونے کا اک بار
دیکھا کہ چلی آتی ہے فضہ جگر افگار
مردے کی طرح ہاتھوں پہ اصغر کو لئے ہے
فضہ مرے بچے سے خبردار خبردار
اصغر کو چھپاتی ہے جدا ہو نہ زنہار
حال اس کا کسی صاحبِ اولاد سے کہنا
تابحر میں خیمے سے نکلی ہے کیا کیا
دم توڑتا تھا پیاس سے جھولے میں یہ بچا
زہرا کی بہو پردے سے باہر نکل آتی
نزدیک گئے دوڑ کے پھیلائے ہوئے ہات
ماں سے مری جاں تم بھی جدا ہو گئے ہیہات
اب کوئی سکینہ کے سوا پاس نہیں ہے
اک اک سے کہا بچے کو ہاتھوں پہ اٹھا کر
نے دودھ میسر ہے نہ پانی ہے میسر
پر تھوڑا سا پانی اسے دریا سے پلا دو

بے آبی سے یہ پھول سا کمھلاتا ہے یارو
معصوم پہ کافر بھی ترس کھاتا ہے یارو
پانی کے نہ دینے کا سزاوار تو میں ہوں
راضی ہوں میں قیمت ہے جو منظور تو زر لو
اک چلو سے خالی ہو اگر نہر تو بھر لو
احساں کو نہ بھولے گا یہ حیدر کا ہے پوتا

بعضوں نے ترس کھا کے کہا دو اسے پانی
کہنے لگے اُن سے یہ کئی ظلم کے بانی
مارو اسے آغوشِ دل و جانِ نبی میں
ہے دھیان کدھر شیر کا بچہ ہے یہ بے شیر
قابو میں پھر آتے ہی نہیں ہیں کسی تدبیر
فرزند ہے یہ شیرِ الٰہی کے پسر کا

یہ کہہ کے ہوئے مستعدِ قتل کماندار
پڑنے لگی معصوم پہ تیروں کی جو بوچھار
چلّاتے تھے پیہم یہ کیا کرتے ہو یارو
ناگہ بن کاہل کی کماں سے جو چلا تیر
دم بند ہوا اور ہوئی حالت متغیر
زخمی تھا جو دل شکل پسر خوں میں بھری تھی

بچنے کے نہ تھے گو تو ابھرتے تھے شہِ والا
تیر اُس کے گلے سے جو شہِ دیں نے نکالا
شہ رونے لگے چہرے سے چہرے کو ملا کر
لاش اس کی دکھا کر شہِ مظلوم کہا سے
کہہ دیجیو آ کے کہ پیاسے گئے مارے
تا حشر نہ ہم بھولیں گے داغ اپنے وہیں گے اصغر

گہوارے میں ہر دم اسے غش آتا ہے یارو
بچہ مرا ہاتھوں سے مرے جاتا ہے یارو
تقصیر ہے کیا اس کی گنہگار تو میں ہوں
تم پانی کے قطرے کے عوض مجھ سے گہر لو
پانی دو اسے اور ابھی جلد میں گھر لو
فرزند مرا ساقیِ کوثر کا ہے پوتا

آنکھوں میں ہے بچے ایک تو شبیر کا جانی
ہم کو تو ہے سادات کی بنیاد مٹانی
بچہ بھی نہ باقی رہے اولادِ علی میں
شیراں کا ہوا قطع کرو ہاتھ میں شمشیر
ہے صاف خطا گر نہ کمانوں سے چلیں تیر
ہووے گا عوض ہو کے جو اس خون پدر کا

صف باندھ کے چلّوں سے ملانے لگے سوفار
خم ہو کے بچاتے تھے گلے شیرِ ابرار
بچے کو جو مارا تو خطا کرتے ہو یارو
بچے کا گلا چھد گیا اور بازوئے شبیر
منہ پھول کے ہاتھوں پہ تڑپنے لگا بے شیر
بازو میں تو پیکان تھا گردن میں سری تھی

تر خوں میں تھا بچہ وہ نشیلوں والا
منہ سے عوضِ شیر لہو بچے نے ڈالا
دم سرد ہوا نرگسی آنکھوں کو پھرا کر
فقط تو لبِ جاں اصغرِ بے شیر سدھارے
ہمراہ ہیں بابا کے یہیں تم ہو ہمارے
آرام سے پہلو میں مرے سوئیں گے اصغر

غش کر گئی سر پیٹتی با حالتِ تغییر
تلوار سے گھوڑی پہ جدا اصغرِ بے شیر
صابر تھے پہ اشکِ شہِ والا نکل آئے
فرماتے تھے کیونکر علی اصغر تجھے پاؤں
ماں تیری جو مانگے تو کہاں ڈھونڈ کے لاؤں
ہاتھوں سے مرے خاک گرائی نہیں جاتی
خاتونِ قیامت کی صدا آئی کہ شبیر!
اے لال مری گود میں ہے اصغرِ بے شیر
محسن کو اور اصغر کو تو ہاتھوں پہ دھروں گی
تھی گرد بیاباں خاک تلے اُس چاند کی لالی
روتے ہوئے تربت سے اُٹھے سرورِ عالی
پڑتی تھی نظر فوج پہ شمشیر کی صورت
تھے لاکھوں جواں فوجِ عمر میں صف آرا
تلوار جو کھینچی تو ندا آئی قضا را
ہے زورِ علی ہاتھوں میں اُس سرورِ دیں کے
طاقت تھی علی نے جو کہ ہاتھ سے پائی
سردارِ دو عالم نے زباں اپنی چسائی
ہے زورِ نبوت بھی ولایت بھی ہے اس میں
یاں لشکرِ اعدا میں در آئے شہِ عالی
تلوار پڑی جس پہ نظر شیر نے ڈالی
تیر ستم کے مارنے میں جو ستم سے نہ کم تھے
ہر ضرب میں دو نیم تھے سو سو ستم ایجاد
چار آئینوں میں بھی نہ رہے ان کے بچاؤ
ضرب اس کی تھی ہر مرد کی فوج کے دل میں

یاں دفن کی فرزند کے کی شاہ نے تدبیر
جس وقت رکھی قبر میں وہ چاند سی تصویر
نزدیک یہ تھا منہ سے کلیجہ نکل آئے
اے چاند تجھے خاک میں کس طرح ملاؤں
اس وقت کلیجے کا کسے حال سناؤں
صورت تری مٹی میں چھپائی نہیں جاتی
صدقے تری مظلومی کے میں بیکس و دلگیر
اب جلد کرو قبر کو جو خواہشِ تقدیر
یوں حشر میں اللہ سے فریاد کروں گی
فرمایا کہ مر جائے گی ماں پالنے والی!
خوں بہتا تھا بازو سے پہ تلوار سنبھالی
رو دیا ہونسا پہ غصے میں جھکے شیر کی صورت
اور تھا تن تنہا اسد اللہ کا پیارا
بچے کے لیے غیظ میں ہے شیر ہمارا
ہاں روح آ کے تھام لے طبقوں کو زمیں کے
صورت یدِ اللہ کی جو غصے میں آئی
قوت ہے محمد کی بھی رگ رگ میں سمائی
اور فاطمہ کے دودھ کی طاقت بھی ہے اس میں
لاشوں سے بھرا دشت صفیں ہو گئیں خالی
برچھی کا نشانہ تھا کسی نے نہ سنبھالی
اک ہاتھ میں بس ہاتھ بھی نیزے بھی قلم تھے
کٹتے تھے تیغ کا ہر سر منظر تو لاد
تھی سیل قضا خانۂ تن کر دیے برباد
اُتری جو زرہ کٹ کے پھنسا دامنِ دل میں

اس معرکے میں تیغ بہادر کو ملا اوج
ہر فرد کو اس صاحب جوہر نے کیا زوج
تھا قلزم خوں جوش پہ ڈوبی ہوئی تھی فوج
آتے تھے نظر دست بریدہ صفت موج
خوں میں تو بدن غرق تھے بیداد گروں کے
چپنے تھے حبابوں کی طرح خود سروں کے

وار اس کا کوئی روک نہ سکتا تھا سپر پر
چمکی تو چھری پھر گئی دشمن کے جگر پر
گر فرق پہ گر سینے پہ اور گاہ کمر پر
بس قطع یہ حاصل تھا اسی تیغ دو سر پر
جس پر گری بے دو کیے پھرتے نہیں دیکھا
بجلی کو بھی اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا

کس طرح قلم کر سکے اس تیغ کے اوصاف
مشہور ہے وہ ضرب غضنفر کی تا قاف
ملعونوں میں تھا اپنی شجاعت کا جنھیں لاف
پہلے انھیں سفّاکوں پہ ہاتھ اس نے کیا صاف
غل تھا نہیں ہوتا کوئی تشنہ دہن ایسا
تیغ ایسی نہ دیکھی کبھی تیغ زن ایسا

کیا رحم تھا مولا کا میں اس رحم کے قرباں
اس غیظ میں بھی روکتے تھے تیغ کو ہر آں
حضرت سے یہ کہتی تھی وہ تیغ شرر افشاں
کیوں روکتے جاتے ہو مجھے شاہ ذی شاں
میدان ستم لاشوں سے بھر دینے دو مجھ کو
خوں علی اصغر کا عوض لینے دو مجھ کو

مارا ہے ابھی ہاتھوں پہ بچے کو تمھارے
اصغر سے بھی کیا زیادہ وہ ہیں تم کو پیارے
دم لیجیے حضرت انھیں اب جان سے مارے
اک دم میں یہ مقہور فنا ہوتے ہیں سارے
دل کھول کے جوہر مرے دکھلانے دے مولا!
اب کام زمیں کا دو ذرا ہانیے مولا

مشہور ہے جنگ اُحد و خیبر و خندق
لاکھوں تھے ادھر اور تن تنہا اسد حق
کھینچا جو مجھے رنگ شجاعوں کا ہوا فق
جاں بر نہ ہوا کاٹ سے میری کوئی مطلق
روکے مجھے طاقت ہے یہ اس فوج لعیں کی
میں کاٹنے والی ہوں پر رستم آئیں کی

اک دم بھی جو مجھ کو جدا کرتے تھے حیدر
بستر پہ بھی رکھتے تھے مجھے اپنے برابر
ہوتی تھی ادھر میں تو ادھر بنت پیمبر
مجبور نہ عالم سے یہ فرماتے تھے اکثر
یہ تیغ عنایات خدائے دو جہاں ہے
تم راحت دل ہو مری یہ راحت جاں ہے

مولا سے جب ہونے لگے عازم جنت
تب مجھ کو دیا آپ کو حضرت نے عنایت
فرمایا تھا یہ ہو کے جب وقت مصیبت
کیجو مرے شبیر کی اس روز حفاظت
اعدا کے ذبح کرنے کو تیار ہوں مولا
پر دم سے حضرت کے میں ناچار ہوں مولا

تیر سے بنے قاسمؑ نے بھی کھائے مرے ہوتے
ہمشکل نبیؐ خنجروں میں نہائے مرے ہوتے
یہ رنگ نہ گر آج کیا اہل جفا کو

اب بھی نہ مجھے روکو تو غارت انھیں کردوں
اک دم میں یہ میدان ستم لاشوں سے بھر دوں
یہ رنگ نہ گر آج کیا اہل جفا کو

گر عذر یہ اس دم ہے کہ مجروح ہیں بازو
گر بھیجو دو قبضے کو مرے اے شہ خوش خو
تیغ اسد اللہ کی قدرت بھی دکھادو

رتبے میں جو آجاتا تھا ہنگام عبادت
یہ گرد علی پھرتی تھی پروانے کی صورت
رد کروں گی بھی اور کاٹوں گی ملعونوں کے سر بھی

حضرت نے کہا سن کے یہ اس تیغ کی تقریر
بے تیغ اگر چاہوں تو غارت ہوں یہ بے پیر
اصغر کا نہ بازو کی جراحت کا الم ہو

پھر سے یہ نہ ہووے گا کرامت کو سنا دوں
اب بھی یہ اگر کہیں تو دوزخ سے بچا دوں
امت کا سفینہ تو ڈبویا نہیں جاتا

ہر سو کے میں دیکھے ہیں جو ہیں ترے اکثر
تجھ سا ہے کوئی دنیا میں نہ ہوگا ترا ہمسر
دم سے کو لڑکپن سے دعا کرتا ہے شبیرؑ

کہہ کر یہ سخن شاہ نے کی میان میں تلوار
فرمایا بصد درد کہ اے ہمدم و غم خوار
جنت کو چلے تشنہ دہن ہم تو جہاں سے

عباس نے بھی ہاتھ کٹائے مرے ہوتے
تیر آپ کو اعدا نے لگائے مرے ہوتے
کس طرح میں دکھلاؤں گی منہ شیر خدا کو

جھپکے نہ پلک یکہ لڑوں سر کاٹ کے دھر دوں
سامان قیامت کے عیاں ہوں تہ گردوں
کس طرح میں دکھلاؤں گی منہ شیر خدا کو

اعجاز امامت پہ تو ہے آپ کا قابو
کر دیتی ہوں انبار تن و سر کے میں ہر سو
بے دینوں کو اعجاز امامت بھی دکھادو

بے خوف فریضے کو ادا کرتے تھے حضرت
آتا نہ تھا پاس کوئی اہل شقاوت
میں آج ہوں تلوار بھی حضرت کی پسر بھی

بازو تو شکستہ ہے پہ عاجز نہیں شبیرؑ
پر کس سے لڑوں اے اسد اللہ کی شمشیر
مارا ہے جنھیں میں نے انھیں کا مجھے غم ہو

اللہ سزا دے گا میں کیا ان کو سزا دوں
نانا کا مجھے پاس ہے ایذا انھیں کیا دوں
فرزندوں کو کھویا انھیں کھویا نہیں جاتا

رتبہ ترا اچھا تھا ہے نائب حیدر
پر تو بھی تو دیکھ آج مرے صبر کا جوہر
سجدہ ترا شمشیر ادا کرتا ہے شبیرؑ

اور رو رو کے بوسے لئے قبضے کے کئی بار
ہے تم سے یہ رخصت پسر حیدر کرار
اب صدمہ ہی اعدا تجھے کھینچیں گے میاں سے

فرما کے یہ گھوڑے سے اتر بیٹھے زمیں پر — سب ٹوٹ پڑے دوش محمدؐ کے مکیں پر
پڑنے لگیں تلواریں سر سرور دیں پر — چھاتی پہ لگیں برچھیاں اور تیر جبیں پر
سجدے کو سر پاک جھکا طاعت حق میں — خورشید زمیں ڈوب گیا خوں کی شفق میں

چھٹتا ہے جگر حال کہوں ذبح کا کیونکر — حلق پسر فاطمہؑ اور شمر کا خنجر
وہ سینہ جو تھا نبی میں قرآں کے برابر — ہے شمر کی جا پاؤں دھرے عاشق سرور
جس حلق کے بوسے لئے زہراؑ و علیؑ نے — فریاد ہے کاٹا اسے خنجر سے شقی نے

سب جانتے ہیں شرع میں ہے حکم پیمبرؐ — حیواں کو کرو ذبح نہ حیواں کو دکھا کر
یاں در پہ کھڑی تھی بہن زینبؑ مضطر — دکھلا کے اسے شمر نے کاٹا سر سرور
شہ ذبح ہوئے زینبؑ دلگیر کے آگے — بھائی کا گلا کٹ گیا ہمشیر کے آگے

خاموش انیسؔ اب کہ یہ ہنگام ادب ہے — اس حلق کا اور تیغ کا احوال غضب ہے
یہ رونا رلانا تری بخشش کا سبب ہے — آقا سے طلب کر تجھے جس شے کی طلب ہے
کیا کچھ نہیں حضرت کے تصدق سے ملا ہے — تصنیف کا تیری گہر اشک صلہ ہے

رباعی

گر لاکھ برس جئے تو مرنا ہے — پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے — غافل! تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

رباعی

دس دن یہ وہ ہیں کہ نوحہ گر ہے زہراؑ — تھامے ہوئے ہاتھوں سے جگر ہے زہراؑ
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک اڑاؤ لوگو! — کل شام سے کھولے ہوئے سر ہے زہراؑ

19

مرثیہ
بند ۹۴

جب رو چکے حضرت علی اکبرؑ سے پسر کو
تھے سوچ میں زانو پہ جھکائے ہوئے سر کو
صدمہ تھا عجب بادشہ جن و بشر کو
کہتے تھے کوئی لے گیا سینے سے جگر کو
اب مرگ کا طالب پسر شیر خدا ہے
جینا ہی نہ ہو جب تو مزا زیست کا کیا ہے

گویا کہ اٹھارہ برس تک جسے پالا
رشک قمر آنکھوں کی ضیا گھر کا اجالا
دنیا سے گیا ہائے مرا گیسوؤں والا
ہا لاگئے اعدا نے مجھے مار نہ ڈالا
مرنے کے نہ تھے دن کہ سفر کر گئے اکبرؑ
میں پیر تو جیتا ہوں جواں مر گئے اکبرؑ

افسوس بڑا کا پسر باپ سے چھوٹا
پردیس میں بیکس پہ فلک ظلم کا ٹوٹا
باقی نہ کوئی گل ہے نہ غنچہ ہے نہ بوٹا
فریاد کہ آفت نے مرے باغ کو لوٹا
زخم ان کو ملے داغ جگر ہم کو ملے ہیں
وہ پھول انھیں اور یہ ثمر ہم کو ملے ہیں

جو غنچہ دہن تھے چمن دہر میں نایاب
مہتاب کی جن کے رخ نازک کو نہ تھی تاب
بستان رسول عربی کے گل شاداب
دو دن نہ انھیں فصل بہاری میں ملا آب
سب گل ستم تیغ خزاں سے گئے افسوس
شبنم کی طرح رونے کو ہم رہ گئے افسوس

طاقت تو گئی قلب سے آنکھوں سے گیا نور
تھے صاحب مقدور پر اب ہو گئے مجبور
یک دل کئی داغ ایک جگر اور کئی ناسور
حال اپنا دکھائیں کسے اکبرؑ ہیں بہت دور
بے حلق کٹائے ہوئے ہم جا نہیں سکتے
اور واں وہ سدھارے ہیں کہ یاں آ نہیں سکتے

مشکل ہے عجب خیمے میں جائیں کہ نہ جائیں
ڈر ہے کہ نہ سیدانیاں باہر نکل آئیں
فرزند کہاں ہے کہ اسے ڈھونڈھ کے لائیں
ممکن نہیں اب کھوئے ہوئے لال کو پائیں
اکبر کی ملاقات سے بے یاس پدر کو
جینا تھا جو یعقوبؑ نے پایا تھا پسر کو

جو کر گیا دنیا سے سفر پھر نہیں آتا
جنت میں جو پہونچا وہ ادھر پھر نہیں آتا
مردے کے گلے سے علی اکبرؑ کے ملیں گے

بیٹا جو سفر میں ہو تو رہتا ہے یہی دھیان
اور وصل کی امید نہ ہو جب کسی عنوان
گھر ہو گیا برباد حسینؑ ابن علیؑ کا

کہتے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے سرور
غش خاک پہ ہے ایک طرف زینبؑ مضطر
ماتم ہے بپا چاک گریبان کئے ہیں

رو کر کوئی زینبؑ کو اٹھاتی ہوئی ہے
چلاتے سکینہؑ نے کہا یہ تو دریا ہے
دونوں غم اکبر میں نہ اک آن جئیں گی

حضرت نے کہا کون پچھڑ وہ تو سدھارے
عباس علی سوتے ہیں دریا کے کنارے
دنیا سے ہوئے خلد سفر ہے کوئی دم کو

سب بی بیاں گھبرا گئیں سنتے ہی یہ تقریر
ایک ایک کا منہ تکنے لگی بانوئے دلگیر
بیمار تھی پڑ سا مجھے روتے لگے پسر کو

اجڑی ہی تھی مری کوکھ سو تھا مر چکا
کہتی تھی بھلا سر پہ ہے وارث کا تو سایہ
رکھا ہے تباہی نے قدم گھر میں ہمارے

پاس آکے یہ کہنے لگے پھر سبط پیمبرؐ
دنیا میں سدا جیتے ہیں فرزند نہ شوہر
ہم لوگ تو مجبور ہیں قسمت ہے دہیا ہے

آنکھوں سے چھپا جو وہ نظر پھر نہیں آتا
تڑپا کریں ماں باپ پسر پھر نہیں آتا
اس آس پہ جیتے ہیں کہ اب مر کے ملیں گے

ہو تا ہے کوئی دن میں ملاقات کا ساماں
پھر مرگ ہی ماں باپ کے ہے درد کا درماں
فرزند جواں ہو کے جو مر جائے کسی کا

دیکھا کہ حرم بیٹھے ہیں گھیرے ہوئے سر
چلاتی ہے بانوؑ علی اکبرؑ علی اکبرؑ
شہزادیوں کو ڈھونڈیاں جلتے میں لئے ہیں

سمجھاتی ہے پیش کوئی بانو کو حزیں سے
بابا مرے بھیا نہ پھرے لشکر کیں سے
اماں بھی جئیں گی نہ پھوپی جان جئیں گی

بی بی ابھی نیزے سے ستم ایجاد وں نے ملے
اب غیر اجل کوئی نہیں پاس ہمارے
اکبرؑ کو تو سب رو چکے اب رو ئیں گے ہم کو

تھراتی ہوئی غش سے اٹھی شاہ کی ہمشیر
ہے ہے کہا کیوں ماجو ایسی مری تقدیر
ہے اور ہی کچھ قصد شہ جن و بشر کا

اکلوتے نے تھا دل کو کلیجے بھی جلایا
پیغام قضا آپ کو بھی قسمت نے سنایا
ورد ابھی پھرنا ہے صدقہ میں ہمارے

آتی دکھا یا اس کو لائے بانوئے مضطر
کیوں روتی ہو اللہ کا سایہ تو ہے سر پر
جنگل میں غریبوں کا مددگار وہی ہے

جس خالق اکبر نے کیا بیٹے کو قرباں
پوتے ہیں رہو پاکہ پھرو پاس غریباں
جو چپ ہو تو اُٹھ کرتی ہے فریاد اُسی کی
لوٹیں گے اگر گھر کو تو گھر کس نے بنایا تھا
یہ شکل تمنا میں ثمر کس نے دیا تھا
ہم تھے تو محافظ تھے امانت تھی اُسی کی

گھر بار کے لٹنے کا تاسف نہیں زنہار
سب کچھ مجھے بخشا تھا مگر عاقبت کار
جو اُس کی امانت ہے وہ سب لے کے چلے ہیں
ہاں ایک امانت ابھی باقی ہے مقرر
ہے قول کا صادق پسر فاتح خیبر
منزل پہ پہنچ جاؤں جو ملے راہ رضا ہو

بانو سے یہ فرما چکے جب حضرت شبیر
فرمایا کہ تم بھی ہمیں رخصت کرو ہمشیر
دن وصل کے آخر ہوئے فرقت کی گھڑی ہے
تم فاطمہ زہرا کے طریقے سے ہو آگاہ
زینب نے کہا صدقے بہن اے شہ ذی جاہ
جو حکم ہو کچھ منہ سے نہ ہمشیر کہے گی

مظلومی زینب پہ دل شاہ بھر آیا
بھائی نے گلے اپنے سکینہ کو لگایا
روتے ہوئے شبیر جو باہر نکل آئے
تنہائی شبیر کا کیا حال کہوں آہ
یا اسپ وفادار تھا یا تیغ ذی جاہ
گھبرا کے قدم سید ابرار سے لپٹی

مشکل میں تمہاری وہی کر دیوے گا آساں
حافظ وہی گھر کا وہی عزت کا نگہباں
ایذا اسے اسیری میں رہے یاد اُسی کی
منصف ہو تمہیں پرورش کس نے دیا تھا
ہم شکل محمد سا پسر کس نے دیا تھا
بخشش تھی اُسی کی یہ عنایت تھی اُسی کی

بہتر ہے مسافر کو جہاں تک ہو سبکبار
بھائی ہے نہ بیٹا ہے نہ لشکر نہ علمدار
کچھ لے کے نہ آئے تھے نہ کچھ لے کے چلے ہیں
اُس سے بھی ادا مجھ کو کرے خالق اکبر
وہ دین ہے کیا دین کہ تن دے گئے سر
بستہ دم شمشیر ہے دیکھیے کیا ہو

حسرت سے نظر کی طرف زینب دلگیر
منزل ہے بہت دور رُکا سب نہیں تاخیر
شمشیر لیے قاتل کوئی جس سر پہ کھڑا ہے
ہر شخص کو درپیش ہے اک لازمی راہ
بے آپ کے مر جائے گی بنت اسد اللہ
یہ کہتی رو اور ابھی نہ مرے سر پہ رہے گی

آنکھوں کے عوض خون دل آنکھوں سے بہایا
خیمے سے چلا احمد مختار کا جایا
پیچھے حرم پاک کھلے سر نکل آئے
بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی دوست تھا واللہ
بیٹی نے کہا آپ کے جو تھا وہ تو بیٹھا
بانو نے حزیں گردن رہوار سے لپٹی

نصرت کا تھا یہ قول کہ خاک کف پا ہوں
تیغ دو زباں کستی تھی میں تیغ خدا ہوں
گو سب ہیں یہ ہیں ہاتھ نہ قبضے پہ دھروں گا

شبیر کے ہمراہ دلاوران سلف تھے
شاہ شہدا بیچ میں شمشیر بکف تھے

ہے ہے مرے شبیر یہ چلاتی تھی زہرا
بکھرے ہوئے تھے بال کلیجہ تھا دو پارا
حوران بہشتی کو نہ تھا صبر کا یارا
نے تاب فلک کو نہ تحمل تھا زمیں کو

کی عرض ملائک نے کہ یا شہ ابرار
اس طرح گہر بار ہوئے لعل گہر بار
کیا ابن علی صاحب مقدور نہیں ہے
پیاسے ہیں بچے گو کہ انھیں میں نہیں پیا
عباس سے بھائی کا کیا داغ گوارا
مارا انھیں جب جس نے وہ ہر چند یہی ہیں

ہاں تاب ابھی تک جان ستم دیدہ شبیر
یہ سینہ بے کینہ ہے وقف تبر و تیر
مظلوم کا فرزند ہوں مظلوم مروں گا
کی سارے رسولوں کی ہے باندھے امم
راضی ہوں میں گردن پہ چلے خنجر فولاد
لازم ہے کہ ہو صبر علی کا پسر ایسا

جنات نے پھر عرض کی قدموں پہ گر گر
فرماتے تھے ہم سے یہی حیدر صفدر
سر دے کے ترے کیسے شہدا ہوں گے مولا

اقبال یہ کہتا تھا کہ میں ہاں بچا ہوں
فرماتے تھے شبیر کہ راضی بہ رضا ہوں
پیاسا ہوں کئی روز کا پیاسا ہی مروں گا

جنات و ملائک کے پرے دونوں طرف تھے
دل تھامے ہوئے ساتھ شہنشاہ نجف تھے

سر پیٹتی ہاتھوں سے چلی جاتی تھی زہرا
تھامے ہوئے تھیں آسیہ و مریم و سارا
چلاتی تھیں سب ہے یہ اسداللہ کا پیارا
فریاد سے مردوں کی تزلزل تھا زمیں کو

ہم بھی ہیں تری راہ میں سر دینے کو تیار
بندہ ہوں میں جب کا وہی میرا ہے مددگار
امت کی تباہی مجھے منظور نہیں ہے
بولا وہ جب اکبر سا جواں بیٹے کو مارا
ششماہہ پسر تیر ستم کھا کے سدھارا
بھائی ہیں یہیں اور مرے فرزند یہیں ہیں

اور حلق ہے مشتاق دم خنجر و شمشیر
جس طرح سے چاہیں مجھے بسمل کریں بے پیر
کاٹیں گے گلا بھی تو گلا میں نہ کروں گا
فریاد رس خلق کو کیا چاہیے فریاد
گھر ہو مرا برباد پہ امت نہ ہو برباد
ہم نے بھی کبھی اب تک نہیں دیکھا بشر ایسا

ہم خادم دیرینہ ہیں یا سبط پیمبر
کچھ ہو دو آفت میں پہنچے جب مرا ابر
ہم آپ کے قدموں پہ فدا ہوویں گے مولا

فرمایا کہ تھا فوج ملک کو بھی ابھی عیاں
پر میں نے گوارا نہ کیا اُن کا بھی احسان
ہرگز نہیں رونے کا اشارہ اندکروں گا
فرما کے یہ جنات سے گھوڑے کو بڑھایا
خورشید کا جلوہ رُخ روشن نے دکھایا
ہشیار کہ اب تیغ شرربار کھنچے گی
نورِ رُخ روشن میں عجب جلوہ گری ہے
خورشید ہے اور وہ چراغ سحری ہے
بجلی ہے جو اسوار اسے چمکا کے پھرائے
ہے عام کو مرغوب بہت وصف سراپا
تشبیہ کی صورت کوئی بنتی نہیں اصلا
خورشید تجلی رُخ سے قمر اس کف پا سے
سچ کہتا ہے ذاکر نہیں فرق اس میں سر مو
اس زلف کے ہمسر ہو یہ سنبل کا نہیں رو
کس طرح نہ عاجز دم تحریر یہ قلم ہو
ہر مو ہے رگ ابر کرم یا رگ جاں ہے
یا سنبل پیچیدہ گلزار جناں ہے
دیکھو تو ضیا چہرۂ شاہ شہدا کی
پیشانی نورانی قمر ہے یہ ہمیشہ
آئینہ جو کہئے تو یہ روشن وہ مکدر
کہتا ہے یہ دل نعت تو حاصل نہیں ہوتا
ان ابروؤں کو کہئے جو شمشیر ہلالی
تشبیہ مہ نو کی ہو کاوش سے کمالی
ابرو فلک میں چمکتا نظر آئے

ہم ہوں یا پسر صاحب لولاک پہ قرباں
بے جاں مجھے اب چھوڑنے دو اے مرے ناناجاں
مر جاؤں گا امداد گوارا نہ کروں گا
چالاکی توسن کو ہوا نے بھی نہ پایا
غل پڑ گیا آیا پسر فاطمہ آیا
جو عرش سے اُتری ہے وہ تلوار چلے گی
یاں مہر جہاں تاب کا چہرہ نظری ہے
مالک جو فرشتہ ہے تو مرکب بھی پری ہے
یہ قاف سے تا قاف ابھی جا کے پھر آئے
حیراں ہے گو عقل کہوں گر تو کہوں کیا
جو شے ہے سراپا میں شبیہ کے سو یکتا
کس شے کو مقابل میں کروں نور خدا سے
سو پیچ ہیں کیا ہو صفت کاکل و گیسو
نے رنگ میں پائے عنبر سارا میں یہ خوشبو
کچھ سلسلہ ہاتھ آئے تو تعریف رقم ہو
یا ہے یہ شب قدر کہ قدر اس کی نہ پاتا
یا آہ دل حسرت زدہ کا دھواں ہے
دو دانتوں میں اک صبح یہ قدرت ہے خدا کی
ہے مطلع نور آیت یا قدرتی الفجر
دونوں ماہ سے نسبت تو وہ دونوں نہیں ہم
یاں حسن بھی کاکل کے مقابل نہیں ہوتا
کشتی ہے عجب یہ کہ تشبیہ ہلالی
دیکھا تو یہ جلوہ ہے کہ روشن سے نکالی
آنکھوں سے عیاں ہے کہ یہ وہ چاند نظر آئے

نرگس سے جو تشبیہ ہو اُس چشم کی منظور
آنکھیں ہی کریں اہلِ بصارت ہیں کو گو
بینا ہو تو عاید یہ خطا کس کی طرف ہے
مردم کے تو نزدیک یہ بینائی سے ہے دور
یہ چشمۂ انوارِ خدا اور وہ بے نور
تفسیر تو اعلیٰ کی ہے ادنیٰ کا شرف ہے

کس منھ سے بیاں کیجیے وصفِ لبِ شبیر
یاقوت کا کیا رتبہ ہے کیا لال کی توقیر
ہر لب پہ ہے ذکر اُن کی جو شیریں سخنی کا
جن ہونٹوں نے خاتونِ قیامت کا پیا شیر
پتھر نے کہاں پائی یہ اعجاز کی تقریر
حیرت سے جگر خوں ہے عقیقِ یمنی کا

دانتوں کی ثنا اپنی زباں پر کوئی کیا لائے
ظاہر ہوں تبسم میں تو بجلی سی چمک جائے
الماس گہر جن کی چمک دیکھ کے شرمائے
افلاک تو اس طرح سے اختر ہیں کھلائے
ہے فوق انھیں عقدِ ثریا سے گھنے ہیں
یہ فاطمہ کے دودھ کے قطروں سے بنے ہیں

جو دانت کہ تھے عرشِ معلیٰ کے ستارے
زہرا نے صد آفریں جن پہ اتارے
دشمن کو نہ پیارے ہوں نبی کو تو ہیں پیارے
افسوس یزید اُن پہ چھڑی بید کی مارے
سمجھا نہ کہ دانت ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں میں
سب مار کے دھاڑیں انھیں روتے ہیں جہاں میں

تفسیرِ حسینی ہے خطِ مصحفِ رخسار
یا خامۂ قدرت نے لکھا ہے خطِ گلزار
اعجاز سے خالی نہیں حُسنِ تبرا
دیکھو تو اِدھر شام اُدھر صبح کے آثار
ظلمات کو پہلو میں اُجالے نے لیا ہے
مہتاب کو آغوش میں ہالے نے لیا ہے

ہے گردنِ شہ مملکتِ حُسن میں سردار
منھ جس پہ سدا ملتے تھے احمدِ مختار
اس گردنِ نازک پہ چلا خنجرِ خونخوار
مقطع اسے سمجھے تھے کہ جو مطلعِ انوار
کیا اس کے مقابل ہو بھلا طور کا شعلہ
وہ آگ کا شعلہ تھا یہ ہے نور کا شعلہ

آئینۂ مہتاب سے روشن ہے وہ سینہ
پالا انھوں سا ولادوں کے گلشن ہو وہ سینہ
حق کے گہرِ راز کا معدن ہے وہ سینہ
قرآں کی طرح علم کا مخزن ہے وہ سینہ
رکھ لیتے ہیں سب سر پہ یہ مصحف کا ادب ہے
واں پاؤں رکھے شمر قیامت ہے غضب ہے

آئینے سے بھی صاف تنِ شاہِ زمن ہے
یاں بین شکم ناف نہیں عکسِ ذقن ہے
خوشبو میں سوا نافۂ آہوئے ختن ہے
اور جسم کے گرد اُٹھتہ گلدستۂ تن ہے
سر دینے کو میدانِ شہادت میں چلے ہیں
منھ فوجِ ملک نے انھیں قدموں پہ ملے ہیں

ناگاہ بجا طبل ہوئی تیروں کی بوچھار
واں سو جو علم ہائے سیہ کھل گئے یکبار
تلواروں سے واں برق بھی شرمائی ہوئی ہے
حضرت نے نظر کی جو سوئے قوم ستمگر
فرمانے لگے یوں بہ تبسم شہ صفدر
دنیا میں ہو دوں کو نہیں کچھ ننگ کی خاطر
جوڑے ہوئے تیروں کو ہیں چلّوں میں کماندار
یاں ایک گلا واں کئی سو خنجر خونخوار
رحمت ستم وجور بڑھائیں گے کہاں تک
دم کر کے دعا سینے پہ اور عیش میں آ کر
سب لڑنے جو آئے ہو اکیلا مجھے پا کر
تنہا ہوں مگر فوج کی کثرت پہ نہ دیکھو
مجبور نہ سمجھو مجھے اے فرقۂ ناری
ہو جائے اشارے میں فنا فوج تمہاری
کوسوں تلک اس بن میں کٹے سر نظر آئیں
کہہ دوں کہ سر کٹ جائے تو دریا ابھی ہٹ جائے
یوں رعد بھی کڑکے کہ جگر شیر کا پھٹ جائے
برباد یہ سب خرمن ہستی نظر آئے
اف کروں تو سب فوج کے نیزے ابھی جل جائیں
تلواریں تڑپ کر ابھی قبضوں سے نکل جائیں
پرواز کریں تیر پرندوں کی طرح سے
گھوڑا مرا ان گھوڑوں سے گھوڑے جو اٹھائے
نازاں ہو کر راحت سے ہیں دریا کے کنارے
بچنے سے کلیجوں کو نہ راحت کوئی دم ہو

گرجا جو دہل گونج گیا گنبد دوار
دن ہو گیا آنکھوں میں لعینوں کی شب تار
اڑنے سے پھریروں کے گھٹا چھائی ہوئی ہے
دیکھے کہیں نیزے کہیں تیغیں کہیں خنجر
فوجیں ہیں کہ موجیں ہیں یہی دریا ہے کہ لشکر
اللہ یہ انبوہ ہے مجھ ایک کی خاطر
اک سینے کی خاطر یہ تردد ہے بیکار
پامالی تو اک جسم کی اور اس قدر اسوار
سب نیزوں پہ اک سر کو چڑھائیں گے کہاں تک
غور کیا حضرت نے بھی گھوڑے کو بڑھا کر
دیکھوں تو بچا کون مری ضرب اٹھا کر
بھرے سے رن میں آ کر لگے شجاعت پہ نہ دیکھو
ہر چند یہ عالم میں مرا حکم ہے جاری
چل جائیں تمہیں پہ ابھی تلواریں تمہاری
خنجر جو کمر میں ہیں گلوں پر نظر آئیں
دوں حکم ہوا کو تو ابھی خاک پٹ جائے
یوں گرد اڑائے کہ زمیں ان کی الٹ جائے
باراں کی طرح آگ برستی نظر آئے
چلّے ابھی چلّوں کے شمع کے مانند پگھل جائیں
اور قدم کو نیام اژدہے بن بن کے نکل جائیں
بجلی ہو چاہو کمانوں میں کمندوں کی طرح سے
زینوں سے گرا دیں ابھی رہوار تمہارے
میں چاہوں تو مر جاؤ دریا کے کنارے
دریا کو بھی پی لو تو کبھی پیاس نہ کم ہو

سینہ مرا اسرار امامت سے بھرا ہے
دل خالق اکبر کی محبت سے بھرا ہے
دامن مرا ایمان کی دولت سے بھرا ہے
ہر عضو بدن زور شجاعت سے بھرا ہے
خاموش ہوں خاطر سے رسول عربی کی
ہاتھ اس لیے روکا ہے کہ امت ہے نبی کی

بابا ہے مرا شیر خدا سا شہ عادل
رد ہو گئے تلوار سے جس کی حق و باطل
ہوتا نہ اگر صبر تو تھی دشمنی مشکل
تم ظلم میں یکتا ہو تو میں صبر میں کامل
ہوتا نہ اگر صبر تو کچھ کام نہ ہوتا
مظلوم زمانے میں مرا نام نہ ہوتا

آنے کو تھے ابھی میری مدد کو ملک و جن
یاں عرض یہ مقبول ہوئی ایک کی لیکن
لے کس کا وہ احسان جو ہو خلق کا محسن
دنیا میں بہت جی چکے مرنا بھی ہے اک دن
سمجھا کہ یہ ساماں دو مرے حق میں زبوں ہو
اک جان بچے اور کئی لاکھ کا خوں ہو

آئی یہ ندا چرخ سے اے شیر ہمارے
بگڑے ہوئے جو کام تھے سب تم نے سنوارے
معشوق کے عاشق ہی سمجھتے ہیں اشارے
پیارا جو ہمیں تو ہے تو ہم ہیں تجھے پیارے
محبت ہو تو ایسی ہو مروت ہو تو ایسی
بندہ ہو تو ایسا ہو جو طاعت ہو تو ایسی

اب حکم تجھے دیتے ہیں یاں تیغ علم کر
اور آیۂ نصرت کو دم تیغ پہ دم کر
لاکھوں سے لڑائی ہے ذرا رحم کو کم کر
تیغے کو علم کر سر اعدا کو قلم کر
جب تک کہ جہاں خلق سے آباد رہے گا
یہ معرکہ بھی حشر تلک یاد رہے گا

یہ سنتے ہی شاہ نے سر تسلیم جھکایا
کی عرض کہ جو حکم ترا اے خدا پایا
تلوار جو کھینچی تو ہلا عرش کا پایا
قدسی یہ پکارے غضب آیا غضب آیا
کاٹا ہے اسی نے پر جبرئیل امیں کو
اللہ بچائے گا مگر گاؤ زمیں کو

چمکی جو علم ہو کے وہ شمشیر شرربار
اک برق سی آئینۂ گردوں سے ہوئی پار
دریا میں تلاطم ہوا لرزاں ہوئے کہسار
مچھلی گئی اپنی ہی تہ دریا میں گرے مار
دہشت سے ہرن شیر کے مسکن میں چھپا تھا
شہباز کبوتر کے نشیمن میں چھپا تھا

شیروں کو نیستاں سے نکلتے ہی بن آئی
روباہوں نے چھپنے کی جگہ شیر کی پائی
جان اپنی درندوں نے خدا خیر بچائی
دیتے تھے پرندے بھی سلیماں کی دہائی
پرواز کے مشتاق تھے پر بھول گئے تھے
ہوش اڑ گئے تھے خوف سے گھر بھول گئے تھے

تھی فوج مخالف میں عجب جلد کی ہل چل
آفت ہے یہ پیارے ہو اگر جان تو کل چل

بجلی ہے یہ بجلی میں جلا دینے کی خو ہے
حملہ جو کیا شاہ نے لشکر ہوا ابتر پھر
بالا نے زمیں تیغ سے کٹ کٹ کے گرے سر
یوں چل گئی اجسام مخالف کے وسطا پر
اُس صف سے جو نکلی نظر آئی صف ثانی
آب دم شمشیر کی دیکھی جو روانی

کٹ کٹ کے ابھی سر گرے تھے بدنوں سے
افراط سے کشتوں کی لگا موت کا دربار
بجلی سے بھی بالا ہے یہ شمشیر شرربار
قبضے میں اسی کے ہے جو کچھ کام اجل سے
وہ تیغ تھی کس گھاٹ کے پانی سے بجھائی
دیکھے نہ یہ جوہر نہ یہ تیزی نہ صفائی

پہونچے نہ کبھی سیل قضا گھاٹ کو اس کے
برہم جو صفیں ہو گئیں اک جا ہوئے اظلم
برش تھی عجب اور عجب طرح کا دم خم
کیا جانے وہ پھل کون سے لوہے سے بنا تھا
بے جان تھا جو بڑھتے تھے قدم رن میں کسی کے
دو کر کے نکل جاتی تھی تو سر سے کسی کے

چار آئینہ والے بھی تہہ تیغ دو دم تھے
خوں میں صف دشمن کو ڈباتی ہوئی آئی
شعلے کی طرح سب کو جلاتی ہوئی آئی
ہر سو دم اژدر کی طرح شعلہ فشاں تھی

ایک ایک یہ کہتا تھا یہ لشکر سے نکل چل
نادان شہ دیں سے کہیں بچ کے نکل چل

اک ضرب میں شمشیر میں پھر میں ہوں نہ تو ہے
ڈٹ کر نہ پھرے جب ابھی شمشیر کی کھائی
اک چشم زدن میں صف اول ہوئی آخر
پھر جاتا ہے جس طرح قلم حرف غلط پر
اُس میں بھی در آیا اسد اللہ کا جانی
وحشت سے بعینوں کے جگر ہو گئے پانی

دو دو نے کنارا کیا پہلے ہی تنوں سے
غل تھا کہ عبث آگئے تھے ہم چھوڑ کے گھر بار
افلاک کے اک بار دو گرتی ہے یہ ہر بار
دست ملک الموت ہے یا تیغ کا پھل ہے
اک موج تھی دریائے فنا کی جو چڑھ آئی
کٹ جائے اگر منھ پہ چڑھے ساری خدائی

جبریل کے پر جانتے ہیں کاٹ کو اس کے
اس تیغ نے واں بھی انھیں لینے نہ دیا دم
ہر شخص پہ بجلی کی طرح گرتی تھی پیہم
جلنے میں ہوا آگ لگی جس کے وہ تن تھا
کٹنے ہی اثر دیتی تھی سر تیغ کسی کے
روکی تھی نہ بکتر سے نہ جوشن سے کسی کے

ہر اک تھا میں دستانے بھی یک دست قلم
اعدا کو جھپک اپنی دکھاتی ہوئی آئی
ہستی کے پہاڑوں کو بہاتی ہوئی آئی
منقار اجل تھی کہ وہ تیغ دو زباں تھی

اک دم میں سواروں کے رسالوں کو بھی کاٹا
لشکر کے نشانوں کو بھی بھالوں کو بھی کاٹا

یارا نہ ٹھہرنے کا سمندوں میں رہا تھا
رہوار تھا تلوار سے چلنے میں بھی کچھ تیز
تھے ہو گئے گیسو کی طرح بال دل آویز

عالم یہ پرواز کا تھا دامن زین پر
صرصر تھا کبھی گاہ نسیم سحری تھا
بن بن کے اٹھانے میں قدم کبک دری تھا
رفتار کو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو

تھا کاوہ کشاں چو شیروں کے حلقہ گردن
آہو سے بڑی آنکھ مگر شیر سی چتون
ہست ہے نخوت جو وہ مغرور ہوئے تھے

جب بیس ہزار اہل شقاوت ہوئے بے دم
حضرت کا غضب بھی غضب حق تھا بہم
اب رحم کرو تیغ شرربار کو روکو

بیرحم شہ والا کی جو تھی خاطر اقدس
نزدیک تھا اب کے گرے تیغ جو سرکش
ہے وقت شہادت کا شجاعت کا نہیں ہے
ان دی تھی ہمیں تجھے لڑنے کی اجازت
سپھ تیرے قبضے میں ہے ہاتھ کی طاقت
غم میں ترے رو رو کے جو فریاد کریں گے

الشہ دی تسلیم و رضائے شہ ابرار
گھوڑے سے اتر کر یہ پکارے پدر زار
اس حلق پہ بوسہ احمد مرسل نے لیا ہے

مانند قلم برچھیوں والوں کو بھی کاٹا
تلوار سے بھی آری ہو تیغ ڈھالوں کو بھی کاٹا

ثابت کوئی حلقہ نہ کمندوں سے رہا تھا
شمشیر جو بجلی تھی تو آندھی تھا وہ شبدیز
واقف ہی نہ تھا وہ کہ کسے کہتے ہیں مہمیز

دریا پہ وہ تھا موج تو بجلی تھا زمیں پر
طاؤس فلک سیر وہ جلوہ گری تھا
کاوے میں جو پرکالہ تو اڑنے میں پری تھا
سایہ بھی نہ اس کا نظر آتا تھا کسی کو

سم ہیرے سے اور نعل مہ نو سے بھی روشن
ٹاپ اس کی طمانچہ تھا جبیں کانپے دشمن
شیشوں کی طرح کاسۂ سر چور ہوئے تھے

غل پڑ گیا فریاد ہے یا سید عالم
احمد کی قسم دو جو کبھی تم سے لڑیں ہم
پامال ہوئے جاتے ہیں رہوار کو روکو

شعلہ تھی وہ تیغ دو زباں اہل ستم خس
آئی یہ صدا عالم بالا سے کہ بس بس
اب ہم بھی سمجھ لیں گے قیامت بھی قریب ہے
اب صبر دکھا اے پسر شاہ ولایت
منظور تجھی کو ہے کہ امت ہو نجات
ہم بھی ترے شیعوں کو بہت یاد کریں گے

آئی ادھر آواز ادھر رک گئی تلوار
خم ہو گئی کمر اور کماں شیر شکار
عرصہ نہ کو بیس وغا میں حاضر نگاہ ہے

ہے شوق کہ جاں اب رہِ معبود میں دے دیں
وہ تیغ نہیں ہاتھ میں نیزے سے مجھے ماریں
میرا بھی اور امّت کا بھی مطلب نکل آئے
یہ سنتے ہی سب بھاگ گئے ہو کے پھر آئے جفاجو
تیغوں سے کٹے ابنِ یداللہ کے بازو
سب خوں سے محمد کی قبا لال ہوئی تھی

جب ایک ہزار اور کئی سو زخم اٹھائے
چلائی یہ زینب جو لعیں ذبح کو آئے
روتی تھی سکینہ پہ دعا کرتے تھے حضرت
تیروں سے جو مجروح ہوا چاند سا سینہ
نزدیک اجل ہم سے ہے اور دور مدینہ
واں تو وہ مسافر ہے یہاں اپنا سفر ہے

تھے غش میں شہِ دیں کہ لگی فرق پہ تلوار
رکھنے جو لگا حلق پہ خنجر کو ستمگار
غل تھا کہ یارب یہ مشکل کی گھڑی ہے
یا حیدرِ کرار مدد کا ہے یہ ہنگام
قاتل جو گلا کاٹے تو ٹھہرائے نہ اک دم
خنجر کے تلے حال نہ کچھ غیر ہو میرا

قاتل جو رکھے حلق پہ خنجر کو پھرائے
یہ جان حزیں رنج اٹھائے تو اٹھائے
اس رنج اٹھانے کا صلہ پاکے مردوں میں
مقبول ہوئی شہ کی دعا چل گیا خنجر
کونین میں اس دن سے بپا ہو گیا محشر
روئی ہے یوں خلق جتانے کوئی ہم کو

رگ رگ پہ پھری جب چھری تلوار کی دھاریں
چھاتی پہ چڑھا لعیں سر کو بدن سے اتاریں
جلدی کہ کریں ایسا نہ ہو زینب نکل آئے
سر زخمی ہوا ڈوب گئے خون میں گیسو
پہلوئے مبارک پہ لگے تیر سہ پہلو
چھاتی کا یہ عالم تھا کہ غربال ہوئی تھی

غش میں کئی ساعت سے ہے گردن کو جھکائے
ہے ہے مرے ماں جائے کو اب کون بچائے
ہر زخم میں خیمے کی طرف تکتے تھے حضرت
فرماتے تھے افسوس صد افسوس سکینہ
ضعف آگیا بچی سے ملنے کا نہیں کوئی قرینہ
شبیر کے احوال کی کیا اس کو خبر ہے

تیورا کے ہوئے قبلے جھکے خاک پہ اک بار
ہاتھوں کو اٹھا کر یہ کہا شہ ابرار
فریاد کو بابا مری پہنچئے گھڑی ہے
آپ آتے ہیں مشکل میں یہ ہوتا ہے بہت ظلم
ہر ضرب سے کٹوانے کو ہوں خاک پہ آرام
یہ ہے یہ دعا خاتمہ با خیر ہو میرا

بڑھ شکر خدا اب یہ کوئی حرف نہ آئے
دولت نہ شہادت کی مرے ہاتھ سے جائے
خالق سے یہ کہتا ہوں کہ بخشا کے مردوں میں
اک پھول کھلا تن سے بدن کے گیا سر
تازہ ہے ابھی آج تلک ماتم سرور
ہر سال اگر ہے تو ترقی اسی غم کو

مرثیہ
نمبر ۱۲۶

رشکِ عرش شانِ حسینؑ شہید ہے
خورشید نقشِ پائے حسینؑ شہید ہے
تا عرش شش جہت میں اُجالا ہے آپ کا
قاصر تری ثنا میں ہے شاہا زباں مری
کچھ مدح کر سکوں یہ حقیقت کہاں مری
امداد یا امامِ حجازی ضرور ہے

پیشِ ترا تارکِ عرشِ عظیم ہے
سائل نجف ہے بحر وہ ایسا کریم ہے
سب خلق فیض پاتی ہے نزدیک و دور سے
غلطیدہ بیاں ہے گلشن کاشانۂ حسینؑ
مصباحِ بزمِ خلق ہے جو خانۂ حسینؑ
شمس و قمر نثار ستارے جھنڈ ہیں

گردوں میں جو شعلہ ہے اس مہ جبیں کا نور
کرسی کی زیب مسندِ عرشِ بریں کا نور
کس کی چشم کو فروغِ تجلی کی تاب ہے
رضواں ہے باغبانِ گلستانِ شاہِ دیں
حوریں ہیں سوز خوانِ گلستانِ شاہِ دیں
دم بھر کسی کا کام معطل کیا نہیں

آرامِ جان لائے حسینؑ شہید ہے
بالائے عرش جائے حسینؑ شہید ہے
پایہ مسیح سے بھی دو بالا ہے آپ کا
قطرہ ہے گو پہ بحر ہے طبعِ رواں مری
عاجز ہوں جو عمر ہو صرفِ بیاں مری
اے آفتاب ذرہ نوازی ضرور ہے

دریائے علم و حلم کا دُرِ یتیم ہے
اس کی ولا چراغِ رہِ مستقیم ہے
عالم میں روشنی ہے اسی ایک نور سے
عرشِ خدا ہے فرشِ جلوہ خانۂ حسینؑ
میکال و جبرئیل ہیں پروانۂ حسینؑ
بحر ہے آسماں تو ستارے سپید ہیں

ایماں کا حسن چہرۂ دینِ مبیں کا نور
وہ نور ہے خدائے جہاں آفریں کا نور
بس اے زباں خموش اب آگے حجاب ہے
روح القدس ہے تابعِ فرمانِ شاہِ دیں
سارے فلک میں بندۂ احسانِ شاہِ دیں
عقدہ وہ کون سا ہے جسے حل کیا نہیں

مشکل میں درد و غم میں یہ کس کے کام آئے
خلقت میں مرتضےٰ کی طرح جو کہ دکھائے
جب ہاتھ اُٹھائے گردِ قمر ہالہ ہو گیا
تھا گوہرِ محیطِ کرم فاطمہ کا لال
مولا کو سب کی عقدہ کشائی کا تھا خیال
کچھ بات کی تو غنچۂ اُمید کھل گیا
قفلِ درِ نجات کلیدِ درِ نجات
عمانِ فیض آبِ رُخِ گوہرِ نجات
عالم میں تا ابد ہیں عمل نیک و زشت کے
جس پر کرم ہو اُن کا اُسے بخش دے کریم
یہ باغِ خلد ہے یہ درِ جنت النعیم
گر سب حسین ہو تو خدا سے قریب ہو
حوریں کہیں کہ دُور نہ جاؤ حسینیو!
یہ میوۂ بہشت ہے کھاؤ حسینیو!
حاضر ہیں قصر گلشنِ عنبر سرشت کے
سب جانتے ہیں اُن پہ جو تھا مصطفےٰ کا پیار
مستغنی البیان ہے خیر النسا کا پیار
بچپن سے بے نیاز کو ناز ان کے بھاتے ہیں
حاضر ہوئی وہ شے انھیں جس کی طلب ہوئی
ان کے ہر ایک کھیل میں تائیدِ رب ہوئی
آنکھوں میں اشک بھر کے جو سر کو فرو کیا
یوسف ہے ایک حضرت یعقوب تھے نثار
آتے تھے اہلِ شہر زیارت کو بار بار
نورِ خدا کے چاہنے والے ہزار تھے

فطرس نے پر انھیں کے سبب بچپنے میں پائے
مقبولِ حق ہوئی وہ دعا جو زباں پہ لائے
اک دم میں زندہ مُردۂ صد سالہ ہو گیا
بے چین ہو گئے جو کسی نے کیا سوال
کی مسکرا کے جس پہ نظر ہو گیا نہال
بخشے گناہ جس کے بہشت اس کو مل گیا
ہے سرفراز جس کے قدم سے سرِ نجات
طغرائے کشف مقدمۂ دفترِ نجات
مالک ازل سے ہیں یہی آٹھوں بہشت کے
رضواں نے کہا اب نہیں کچھ مجھ کو خوف و بیم
ٹھنڈی ہوا ہے سایۂ طوبیٰ میں ہو مقیم
آؤ تمھیں شرابِ طہورا نصیب ہو
کوثر قریب ہے اِدھر آؤ حسینیو!
نہرِ لبن سے پیاس بجھاؤ حسینیو!
پہنو کفن اُتار کے حُلّے بہشت کے
مخفی کسی بشر پہ نہیں مرتضےٰ کا پیار
ان سے بھی چاہنے سے سوا تھا خدا کا پیار
جس چیز پہ ہے جی وہی جبرئیل لاتے ہیں
ہر شے کو دیر بیچ کے لانے میں کب ہوئی
شب کا کہیں جو دن ہو تو دن کی شب ہوئی
روح الامیں نے ان کے مولا کو دو کیا
پروانۂ جمالِ نبوت تھے بے شمار
صدقے تھے سب مقربِ درگاہِ کردگار
زہرا کا ایک چاند تھا اُسے ہزار تھے

آئے تھے یہ رسولِ خدا کو پیامِ رب
ساماں ہے زیب تازہ و زردآلو و رطب
ہر وقت شاد شغلِ ثنا ہر زماں رہی
قرباں تھا روزِ عید جو دو چودھویں کا ماہ
رومال و زیر جامہ و پیراہن و کلاہ
رستے سے پھر کے آئے محمد کے سامنے

بولے یہ مسکرا کے رسولِ فلک اساس
شبیر واہ واہ تمھیں زیبا ہے یہ لباس
ہے روزِ عید چھاتی سے لگ جاؤ آن کے
کیا لائے عیدگاہ سے اے میرے گل بدن
پھولا ہوا ہے جس کی نظر خلد کا چمن
موزوں ہے یہ رنگ شہادت کے واسطے

چھوٹے سے اس عمامہ و شملے کے میں نثار
قرباں اس قبا و عبا پہ یہ جان زار
کپڑے یہ دیکھ کر شہِ مرداں نے کیا کہا
سج تو دیکھ لی مری جان لو ادھر تو آؤ
صدقے ہوں اس دہن کے ذرا منہ تو دکھاؤ
کس غم سے خشک لب ہے کہ اب کھولتے نہیں

بولا یہ ہاتھ جوڑ کے دستِ خدا کا لال
پوشاک یہ پہنا کے تو ہم خوش ہوئے کمال
غربت میں ہیں بزرگ شرف میں زیادہ ہیں
پیدل تو عیدگاہ میں جاتا نہ گھوڑا سوار
کہنے لگے حسین سے محبوبِ کردگار
اماں آپ رو رہے ہیں تو شکل سے فقط ہیں

ہم نے کہا دیا حسین کو جو شے کی ہو طلب
جبریل لائے ہیں یہ ماجرا زبان عجب
بیوہ زماں ہے ان کی گود ہمیشہ بھری رہی
بھیجے خدا نے حلۂ جنت بہ عز و جاہ
ہنستے ہوئے حسن کے گئے سوئے عیدگاہ
گردن جھکا کے بیٹھ گئے جد کے سامنے

کیوں آج دور بیٹھے ہو آؤ ہمارے پاس
جی چاہتا ہے ہم بھی پھرا کریں آس پاس
اے میرے جامہ زیب فدا تیری شان کے
شرماتے ہوں گے دیکھ کے رشک یہ پیرہن
اس رنگ کا نہ ہوگا کبھی جامۂ حسن
جامہ یہ قطع ہے اسی قامت کے واسطے

صدقے ان آستینوں کے اے میرے گلعذار
پوشاک ہر حسن کی ہے جس سے آشکار
پیارے گلے لگا کے تمھیں ماں نے کیا کہا
تم سے یہ ہاتھ اٹھا کے ہمیں تو گلے لگاؤ
دے کر جو بوسۂ لبِ خنداں تو گھر میں جاؤ
کیا ہم سے تم خفا ہو کہ کچھ بولتے نہیں

حضرت کو برقرار رکھے ربِ ذوالجلال
ماتم نہیں کہ جس سے ہوئیں آپ پہ ملال
لڑکے تو سب سوار ہیں اور ہم پیادہ ہیں
ہم کو بھی آج اونٹ منگا دو جو ہوں سوار
معلوم اب ہوا یہی خفتہ تھا میں نثار
اچھا سوار ہو جئے ہم اونٹ بنتے ہیں

فرما کے یہ کمر پہ رکھا دامن قبا
جیب قبا میں رکھ کے قدم کو وہ رہ لقا
اے حسینؑ عرش کا سرتاج ہو گیا
کرسی و عرش دونوں بلندی میں ان کی پست
پڑھ کر درود کہتے تھے مردان حق پرست
دونوں ہیں عرش و فرش کی زینت کے واسطے
مرکب ہے مہر اور مہ کامل ہے پر سوار
وہ جان ہے جہان کی اور دل ہے یہ سوار
رفعت میں مرتبت میں ہدایت میں ایک ہیں
ہوئے جدا کے پاؤں حسینؑ فلک مقام
گردن پھرا کے کہنے لگے سید الانام
تم سا سوار کاہے کو دنیا میں پاؤ گے
گیسو نبی کے تھے ہاتھوں میں تھام کر
لڑکوں کے اونٹ ہوتے ہیں سب انکے بار
اس کا نہ بولنا تو بہت دل کو شاق ہے
الفت رسول حق کو نواسے سے تھی کمال
آخر بیاں ہو خاطر فرزند خوش خصال
جنباں جو یک بیک طبقات زمیں ہوئے
کی عرض مصطفےٰ سے کہ اے کل کے عیب پوش
اس دم ہے بحر رحمت رب علا کو جوش
جس دم رہے نہ آتش دوزخ جہان میں
امت کو آپ کی کوئی اچھا نہیں عمل
کیا کیا ذخیرہ حق نے کیا [illegible]
جاتے ہیں اس طرف جو شفاعت کی راہ ہے

رکھ کر زمیں پہ ہاتھ بنے اونٹ مصطفےٰ
گشت جناب سید لولاک پر چڑھا
وہ روز عید کا شب معراج ہو گیا
تھا ایک ان کے زیر قدم ایک زیر دست
پائی ہے شہسوار نے کیا خوش نشست
ایسا نگیں ہو مہر نبوت کے واسطے
ایسے ہی راہوار کے قابل ہے یہ سوار
قرآں رسول ہیں تو حمائل ہے یہ سوار
چھوٹے بڑے تو ہیں پہ حقیقت میں ایک ہیں
ہے کس طرح کا اونٹ کہ جس کے نہیں لگام
ہاتھوں میں تھام لو مرے گیسوئے مشکفام
باگیں جدھر پھراؤ ادھر دوڑے جائیں گے
کہنے لگے حسینؑ کہ یا سید البشر
ہم سے ہمارا اونٹ نہیں بولتا مگر
اب اونٹ کی صدا کا ہمیں اشتیاق ہے
[illegible] نانا کو ملال
[illegible]
نازل خدا کے حکم سے روح الامیں ہوئے
رب کی صدا ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کیوں ہو سو حسین کا رتبہ ہے کیا جلیل
آسائشیں نہ کیونکر تھیں جب فرق تھی تفضیل

اک روز یہ عروج تھا اور یہ وقار تھا
چلتے تھے جب زمانوں سے اپنے تو تھا یہ چین
تلووں سے آنکھیں ملتے تھے سلطانِ مشرقین
نوبت جو ایک گام بھی چلنے کی آتی تھی
روتی تھی لوٹتا تھا جو گیسو کا ایک تار
بالاں میں جو مدیوں سے بچاتی تھی بار بار

یوسف کی طرح اس لیے رکھا نقاب میں
تکیہ تھا سر کا بازوئے سلطانِ بحر و بر
زہرا کی گود حضرتِ روح الامین کا پر
بڑھ کر شرف تھے سب سرِ کامل کے واسطے
سی کر اسے اٹھاتی تھیں ماں نرم پیرہن
اللہ رے احتیاط تن سرور زمن

واحسرتا کہ واقف حال پسر نہ تھی
قرآں تھے جبرئیل تو خیر البشر نثار
بخشیں خدا اور علی گوہر نثار
ہو غیر میں بھی اس گل تازہ کی چھا گئی
وہ احمد و بتول و علی کی محبتیں
وہ پرورشیں وہ چین وہ بچپن کی راحتیں

سو سو تھا کچھ دنوں تو بزرگوں کے پیار کا
پہلو میں شب کو سوتا تھا جب وہ فلک جناب
چونکتا تھے جب تو پوچھتی زہرا بہ اضطراب
کہتے تھے روز کے دن یہ بہت یاد آئیں گے

ہیں اک حسن سوا نہیں ان کا کوئی عدیل
مرکب جو تھے رسول تو خادم تھے جبرئیل

اک دن انہیں کے سینے پہ قاتل سوار تھا
پھیلائے پاؤں گود میں آتے تھے حسین
تھا سامنے گھر کی آنکھوں کا تارا وہ نور عین
زہرا زمیں کو جھاڑ کے آنکھیں بچھاتی تھیں
گھنٹی ہوائے گرم تو ہوتی تھی بے قرار
سایے میں ان کا دھوپ میں اٹھنا تھا ناگوار

سو لانہ جائے چاند مرا آفتاب میں
راتوں کو فرشِ خواب وہ سینۂ پدر
جاسوئے ماں تو جب خاطر ہوئی جدھر
رہتی تھیں کئی تھیں ایک حائل کے واسطے
تا سرخ ہو نہ جائے مرے لال کا بدن
چلا دیں لباس اگر پڑ گئی شکن

تیغوں سے چور ہو گئے یہ اس کو خبر نہ تھی
اور ہزار جان سے صدقے تھے پدر نثار
غفلت سے تھا حسین پہ سب گھر کا گھر نثار
گودی میں جب کی ہنس کے گئے جان آگئی
وہ خلد بہشت وہ جنت کی نعمتیں
وہ فاطمہ کے دودھ کی حاذن کی لذتیں

اک دن مزہ تھا خنجرِ قاتل کی دھار کا
تا ایک پہر کے رکھتی تھی ان کو وہ آب
چلیے ہوا سے حسین تو پانی پیو شتاب
جب تین روز پیاس میں پانی نہ پائیں گے

اب تک تو ہم پہ ایسی مصیبت نہیں پڑی
میداں بھی گرم ہونے لگا اور دھوپ بھی کڑی
ہر چند ابھی وہ روز وہ ہنگام دور ہے
اماں تمہارے دم سے فقط ہے ہمارا چین
بولی تڑپ کے دختر سلطان مشرقین
تھا سمجھے کہ دل پہ قیامت گزر گئی
قربان جاؤں ہلکے کوثر ہو جس کا جد
پیاسا رہے وہ اور نہ کوئی کرے مدد
بی بی کیوں یہ بات تو مجھ کو بڑی لگی
کہنے لگے لپٹ کے حسین فلک وقار
بولیں بھلا حسین بھلا تم پہ میں نثار
برچھی سی اک لگی ہے دل بے قرار میں
لپٹی یہ کہہ کے دختر سلطان بحر و بر
آئی جو نیند کروٹیں لے کر ادھر ادھر
آنکھیں کبھی کھلیں تو کبھی بند ہو گئیں
رو کر اسی خیال میں سوئی جو وہ جناب
نرغے میں ظالموں کے ہے فرزند بوتراب
ملتی نہیں پناہ کہیں نور عین کو
شہ پکارتا ہے کہ کوئی ہمیں بچائے
سب ہیں پہ سب نہیں ہے کسی کا کہ پاس آئے
سر پہ علی کے دخت مصیبت کی خاک ہے
خاتون حشر چونک پڑیں دیکھ کر یہ خواب
شبیر سے لپٹ گئیں با دیدۂ پرآب
گھبرا کے سر سے تا بہ قدم دیکھنے لگیں

اس دن کی پیاس کی ہمیں تشویش ہو بڑی
اماں نہ دیجیے ہمیں پانی گھڑی گھڑی
یہ ہم کو پیاسے رہنے کی عادت ضرور ہے
جلد آپ کے تو دکھ میں پھنسے گا یہ نازنین
پانی کسے نہ دیا گئے یہ کیا کہتے ہو حسین
اماں تو صدقے جائے کہ سنتے ہی مر گئی
بابا اسیر کون و مکاں ضیغم صمد
کہنے لگا اناج ہے کوئی ایسی فال بد
کیا جانو تم کلیجے پہ میرے چھری لگی
اماں نہ رو دیکھیے ہم تمہارا پیار
باتیں بنا کے مجھ کو رلاتے ہو بار بار
مر جاتی میں تو کون شہ لا کا ستار میں
شبیر کو تھپکنے لگی پھر بچشم تر
سوئے حسین بانوئے زہرا کو رکھ کے سر
شب بھر جگے حضرت زہرا بھی سو گئیں
بس آنکھ لگتے ہی نظر آیا یہ خواب
لب برگ گل سے سوکھ گئے ہیں بغیر آب
خنجر سے ذبح کرتا ہے کوئی حسین کو
دم میں ذرا لگے ہے جو قاتل چھری ہٹائے
ہے شور آسمان و زمیں پہ کہ ہائے ہائے
مجبور بے کس یا سر گریبان چاک ہے
تھا یا علی زبان پہ اور دل پہ اضطراب
جلدی گلے پہ ہاتھ پھرا یا رہی نہ تاب
منہ رکھ کے ننھی چھاتی پہ دم دیکھنے لگیں

چونکے جب تو تھا سا بازو ہلا ہلا
آواز دی پسر کو کہ واری اٹھو ذرا
دسواس مجھ کو آتا ہے اے بے خبر سر تھا
کیا وجہ دیر سونے کی ماں ہو گئی فدا
قربان جاؤں زیست کا کیا اعتبار ہے
پیٹو ذرا گلے سے کہ ماں بے قرار ہے

انگڑائی لے کے خواب سے اٹھا وہ دلربا
منہ مل کے تخت پر سے آنکھوں کو دیکھا
کیوں اماں جان خیر تو ہے تم پہ میں فدا
یہ کیا سبب کہ روتی ہو آنسو بہا بہا
کیوں آج بے حواس ہو کیوں رنگ زرد ہے
اماں خدا نخواستہ کیا دل میں درد ہے

اس خواب کے خیال سے تھا دل جو بے قرار
شبیر کو بٹھا کے پھری گرد سات بار
اس دن کہاں تھی دختر محبوب کردگار
جس دن کھلا وہ چاند سا تھا اور پھر کیا تھا
رو رو کے وقت ذبح یہ فریاد کرتے تھے
ماں کو حسین روتے تھے اور یاد کرتے تھے

کیا اٹھیں اٹھا کے چلا ابن بوتراب
وہ سینۂ بتول وہ آرام اور وہ خواب
بس دفعتاً گیا یہ زمانے نے انقلاب
راہی ہوئے جہاں سے رسول فلک جناب
تھے دل پہ کوہ الم ناگہاں گرا
گویا زمیں الٹ گئی اور آسماں گرا

سر پہ سے اٹھ گیا جو محمد سا سرپرست
جاتا رہا تمام ہوئے گھر کا بند و بست
زہرا بنا وہ دکھانے لگے تھے جو زیر دست
کچھ دن کے بعد زمانے نے دی شکست
تھی صدمے سے کہ پہلوئے زہرا پہ در گرا
زخمی تڑپ تڑپ کے شکم سے پسر گرا

مادر نے جب کیا اسی صدمے سے انتقال
بیکس ہوا ہے اور بھی وہ فاطمہ کا لال
آیا اجل کا خواب سے رکھتی تھی جو خیال
پھر کون چھوڑے گرد جگر گیسوؤں کے بال
شیر خدا اٹھا کے جو پہلو میں سوتے تھے
راتوں کو ماں کے حجرے میں جا جا کے روتے تھے

چندے تو حق نے سر پہ رکھا سایۂ پدر
آخر کیا وہیں پہ پسر نے بھی سفر
باپ اٹھ گیا جو سر سے تو خم ہو گئی کمر
اس گوہر یتیم کی بھائی نے لی خبر
آفت کا سامنا تھا جدا جب حسن ہوئے
گھر بھی چھٹا حسین غریب الوطن ہوئے

قطع

گلگ قضا جو کر گرے معرکہ شکست
بے سر ہے بیت معرکۂ ثانی ہو گر چہ بست
بچو ہے تب تلک کہ ہیں انگلیاں درست
معرکے ذرا چار ہوتی رباعی ہے پہ شکست
باقی رہے ذرا چار حدیں جب تو کیا رہا
اک معرکۂ مخمس آل عبا رہا

یثرب سے سوئے کعبہ گیا فاطمہ کا ماہ
حج بھی نہ کرنے پائے کہ آپہونچے روسیاہ
دل رنج کیا نجف کا نہ سوئے نجف گئے

تھا ماہ صیف تھی یہ حرارت کہ الاماں
واں دھوپ میں غزال بچاتے تھے اپنی جاں
دریا بھی گرم عکس سے تھا آفتاب کے

سایے سے اشتروں کے قدم بڑھ نہ سکتے تھے
جھونکے ہوا کے تھے کہ وہ شعلے لپکتے تھے
بستی تلک نہ آتی تھی رستے اُجاڑ تھے

بچوں کا ساتھ کوس کڑے خوف کا سفر
ہردم سکینہ کہتی تھی محمل سے جھانک کر
بے چین ہے حسینؑ کی پیاری خبر نہیں لو

لوگو مسافروں کو ہے درپیش کیسی راہ
وہ کون سی گھڑی تھی جو نکلے تھے گھر سے شاہ
بیٹی پدر سے رنج و مصیبت میں چھٹ نہ جائے

یہ سن کے روتے جاتے تھے گردن جھکائے شاہ
ہردم یہی زباں پہ دعا تھی کہ یا الٰہ
مطلب یہ ہے کہ تیغ ستم سے گلا ملے

اس دشت میں اترنے کا ارمان ہے مجھے
دامن میں خون بھرنے کا ارمان ہے مجھے

۴

قرباں تجھ پہ سبط رسالت پناہ ہے
شاہد ہے تو کہ صادق الاقرار ہے حسینؑ
دنیا میں اپنی زیست سے بیزار ہے حسینؑ
خواہش ہے یہ جہاں میں نہ میں ایک دم رہوں

تانا کے خدا میں نے گوشۂ پناہ
مولا نے اضطرار میں لی کربلا کی راہ
یہ تنگ تھے کہ آپ اجل کی طرف گئے

واں کی زمیں پہ تھا کرۂ نار کا گماں
اور ہانپتے تھے شیر نکالے ہوئے زباں
بریاں ہوئے تھے آب نے خیمے حباب کے

چنگاریوں سے ریت میں ذرے چمکتے تھے
لب خشک تھے جو اونٹوں کے بچے بلکتے تھے
یا ریگ گرم راہ میں تھی یا پہاڑ تھے

منھ اشتروں کے خشک تو گھوڑے عرق عرق
پیاسی ہوں ڈھونڈ پھر کے چچا جان ہیں کدھر
بے ہے انھیں ابھی سے ہماری خبر نہیں

ڈر ہے مجھے کہ ہو نہ کہیں قافلہ تباہ
دریا کوئی ملا ہے نہ چشمہ نہ کوئی چاہ
بستی بتول کی کسی جنگل میں لٹ نہ جائے

دل تھا خدا کی سمت تو زانو پہ تھی نگاہ
دوری سے تنگ ہوں الٰہی اب قطع ہو یہ راہ
مشتاق ہوں کہ جلد کہیں کربلا ملے

ریتی میں خیمہ کرنے کا ارمان ہے مجھے
اس سرزمیں پہ مرنے کا ارمان ہے مجھے
پہونچا دے ایک دن میں جو دو دن کی راہ ہو

یارب گلا کٹانے کو تیار ہے حسینؑ
جنت کی راحتوں کا طلبگار ہے حسینؑ
نانا کے ماں کے باپ کے اب زیر قدم ہوں

جس سرزمیں کے شوق میں اکثر تھے یہ کلام
آگے فرس نے واں سے اُٹھایا نہ ایک گام
اُترو کہ تم سے سر کے اُترنے کی جا ہے یہ

فرزندِ حسن کے چہرے پہ سُرخی سی چھا گئی
زلفوں پہ آکے بادِ صبا خاک اڑا گئی
صورت بگڑ گئی جو خاک میں زہرا کے جائے کی

تھا شور بادِ تند سے دریا کو اضطراب
اس غم سے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگے حباب
کیوں تلخ ہو نہ چشمۂ شیریں حیات کا

ناقے کھڑے ہوئے تھے حرم کے جو آس پاس
بانو میں تھا نہ ہوش نہ زینب میں تھا حواس
کچھ خود بخود سکینہ کے آنسو نکل پڑے

محمل سے شہ کو زینبِ بیکس نے دی صدا
کیسی ہے گرد آپ کی زلفوں پہ میں فدا
ڈر کر سکینہ جان مری بھی جاتی ہے

پاس آکے بولے شاہ بہن خوف کچھ نہیں
صحرا ابھی ہے ہوا بھی ہے دریا بھی ہو قریں
نانا سے سن چکے ہیں زمیں یاں کی پاک ہے

کہنے لگی یہ شاہ سے بانوئے خوش خصال
تب سر جھکا کے کہنے لگا فاطمہ کا لال
جبریل نے سخن جو کہے تھے وہ یاد ہیں

یہ کہہ کے اُترے گھوڑے سے شاہِ فلک جناب
ناموس محملوں میں گھٹے جاتے ہیں تمام
مہماں ہے ہمیں کہ نبی کے نواسے ہیں

جا پہونچے دوسری کو حرم کی لا کلام
آئی ندائے غیب کہ منزل ہوئی تمام
اے سالکانِ راہِ خدا کربلا ہے یہ

گویا کہ اپنا رنگ شہادت دکھا گئی
اُٹھا غبار زرد زمیں تھرتھرا گئی
جنگل سے آئی صاف صدا ہائے ہائے کی

چکر جو تھا بھنور میں تو موجوں کو پیچ و تاب
لینے رہے گا مالک کوثر بغیر آب
طوفاں میں آگیا ہے سفینہ نجات کا

آواز گریہ سن کے حرم کو ہوا ہراس
سنسان دشت دیکھ کے دل ہو گئے اداس
اصغر بھی ماں کی گود میں ڈر کر اچھل پڑے

بھائی رہو گے تم اسی جنگل میں آج کیا
غم دل پہ چھا گیا ہے یہ کس طرح کی جا
ہے ہے یہ کس کے رونے کی آواز آتی ہے

واقف ہوں میں بہت متبرک ہے یہ زمیں
اب اس جگہ سے آگے نہ جائیں گے ہم کہیں
شیشے میں سر بہ مہر اسی بن کی خاک ہے

صاحب نے یہاں بسایا ہے دل کو ہو کیوں ملال
دسویں کو اس مہینے کی ٹل جائے گا یہ حال
خوش اور کوئی ہو کہ نہ ہو ہم تو شاد ہیں

فرمایا دیکھ کر سوئے عباس نیک نام
اے بھائی جان اب کہیں برپا کرو خیام
لشکر کے لوگ صبح سے سب بھوکے پیاسے ہیں

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباس مہ جبیں
آقا کی مصلحت ہو تو خیمہ کریں یہیں!
اس بن میں ایک نہر کی جا چاہئے ہمیں
اتریں گے واں وہ ان کے مقابلہ میں بے یقیں
جھگڑا اگر ہوا تو کسے ہو گا رنج و غم
پانی کی جستجو میں کوئی تا بہ جو نہ جائے

غازی نے کی یہ عرض کہ جو مرضی جناب
خیمے کا نور دیکھ کے ششدر تھا آفتاب

تھا شور تا بہ عالم بالا زمین سے
ڈیوڑھی پہ آئے جب کہ شہ عرش بارگاہ
گردش تمام ہو چکی منزل پہ آیا ماہ
گھوڑوں سے سب رسول کے پیارے اتر پڑے
خیمے کا اوج گنبد خضرا سے کم نہ تھا
صحن کشادہ نور کے دریا سے کم نہ تھا
چہروں کی ضو سے چار طرف نور چھا گیا
گزری جو شب تو آمد فوج عدو ہوئی
بیعت کی چار روز تلک گفتگو رہی
ہشتم سے باب امن و اماں بند ہو گیا
پیاسوں کو تین روز تڑپ کر بسر ہوئے
بچوں کے خشک ہونٹ نہ پانی سے تر ہوئے
کیا کیا صدائے العطش و العطش ہوئی
وہ شب کہ جس کی صبح کو مولا ہوئے ہلاک
سیدانیاں اڑاتی تھیں ہم سروں پہ خاک
دنیا سے تھا سفر جو شہ مشرقین کا

دریا کا قرب خوب ہے یا بادشاہ دیں
کچھ سوچ کر امام امم نے کہا نہیں!
دریا پہ کیا ہے قرب خدا چاہئے ہمیں
جا گہ جو ہو فساد کی واں کیجیے کیوں قدم
بندوں پہ اپنے یاں بھی کرے گا خدا کرم
پیاسے اگر رہیں تو رہیں آبرو نہ جائے
استادہ کر دیے وہیں خیمے بصد شتاب
چمکی بیاباں میں شعاع ہر اک طناب
دیکھو سر آسماں نے نکالا زمین سے
فیض قدم سے کاہکشاں بن گئی وہ راہ
ناقے قریب خیمہ جو بیٹھے بنی سپاہ
گویا قمر کے ساتھ ستارے اتر پڑے
جلوہ کلس کا برق تجلی سے کم نہ تھا
نقش قدم ہر اک ید بیضا سے کم نہ تھا
آئے جو شہ تو چاند ستاروں میں آ گیا
اور کثرت سپاہ ستم چار سو ہوئی
ہفتم سے فکر قتل شہ نیک خو ہوئی
پردیسیوں پہ آب رواں بند ہو گیا
دریا سے آشنا نہ شہ بحر و بر ہوئے
اصغر کو ہچکیاں لگیں پیاس میں پہر پہر لگے
تڑپی سکینہ پیاس سے یاں تک کہ غش ہوئی
کچھ روز حشر سے بھی زیادہ تھی خوفناک
دامن تلک سبھوں کے گریباں ہوئے تھے چاک
خیمے کے پیچھے شور تھا ہائے حسین کا

ہونا وہ صبح قتل کا اور بی بیوں کے بین
زینب کا اضطراب کہ بے ہے چلے حسین
در پر کھڑی ہوئی وہ سواری امام کی
وہ دل رندھے ہوئے وہ اداسی وہ صبح غم
فریاد وہ کنیزوں کی وہ زاری حرم
آگے تو حشم تھے ملک آسمان کے
پنجے نے جلوۂ کف موسیٰ دکھا دیا
دامن نے لطف سایۂ طوبیٰ دکھا دیا
عباس رکھ کے دوش پہ جس دم چلا پھرا
نکلا علم کے جیسے نشان ابو تراب
چڑھنے لگا فرس پہ جو زہرا کا آفتاب
زیں روشنی سے خانۂ پرنور ہو گیا
غازی چلے کہ گلشن باغ ارم چلا
شیروں کے ساتھ لشکر جاہ و حشم چلا
گل کر گئے اسفرو دل پہ داغ رہ گیا
جب وادیِ نبرد میں پہونچے وہ گلعذار
میدان کیں میں تھے جو صف آرا ستم کے خار
سینوں سے ان کے تیروں کی سریاں نکل گئیں
کس کس دلاوری سے وہ خاصان رب لڑے
دریا کی سمت رخ نہ کیا تشنہ لب لڑے
بے دست بھی ہوئے تو یہ جوہر دکھا گئے
جب غول رجس چھپ کے گئے صورت اسد
ہاتھوں میں ان کا وار کوئی کر سکا نہ رد
دو کرتے تھے وہ مجمع تو مہ جہول میں

سوتے سے چونک کر وہ قتیوں کا شور و شین
وہ آخری نماز شہنشاہ مشرقین
تکبیر سے میں وہ تضرع و زاری امام کی
نوحہ وہ طائروں کا درختوں پہ دم بدم
ڈیوڑھی سے وہ علم کا نکلنا بعد حشم
سر ننگے اہلبیت تھے پیچھے نشان کے
پرچم نے حسن زلف چلیپا دکھا دیا
رفعت نے اوج تا بہ ثریا دکھا دیا
غل تھا علی کے لال کے سر پہ ہما پھرا
خورشید مشرقین خدیو فلک جناب
تھامی علم کو گاڑ کے عباس نے رکاب
چمکی جو برق حسن فلک طور ہو گیا
غنچہ حسینیوں کا جہاں سے سہم چلا
غل پڑ گیا حسین سدھارے علم چلا
وا حسرتا بہار گئی باغ رہ گیا
تھی گلشن رسول خدا پر عجب بہار
اک بار ان گلوں پہ پڑے تیر بے شمار
اجلی قبائیں غازیوں کی خوں میں بھر گئیں
اس شان سے کبھی نہ عجم نے عرب لڑے
دو دن کی بھوک پیاس بھی لیکن غضب لڑے
روبہ کو شکل شیر ژیاں دم دبا گئے
بھاگے وہ لوگ چھوڑ کے دشت ستم کی حد
نعرہ ہر ایک ضرب میں تھا یا علی مدد
گھوڑوں کو عرصے میں تو سواروں کو ہول میں

وہ نامراد وہیج سدھائے سوئے جناں
جعفر کے باغ تازہ پہ جب آگئی خزاں
سینوں پہ زخم تیغ و سناں کھا کے مر گئے

نکلے حسینؑ و حسنؑ پھر پئے جدال
ہنگام ظہر آگیا جب فوج پر زوال
آئی صدا یہ دل سے کہ صدمے بڑے ہوئے
اب حال غیر ہے مجھے حضرت سنبھالیے
اس فوج کی بلا کہیں آگے سے ٹالیے

فرمایا وہ لڑے جسے جینے کی چاہ ہو
ہم ان سے خوش ہیں گو نہیں ہم سے ولا نہیں
ہر چند تین روز سے پانی ملا نہیں
چاہوں تو موجزن ابھی طوفان ہو نوحؑ کا
ایذا میں صبر اپنے گھرانے کا ہے چلن
بے دست ہوتے تیرے عباسؑ صف شکن؟
مارا نہ دم انہیں کی شجاعت کے واسطے

ہر کتے تھے کہ چلنے لگے تیر یک بیک
آئی ندائے غیب کہ مشتاق ہیں ملک
سبقت ادھر سے ہو چکی اب کیا درنگ ہے
سنتے ہی یہ امام نے کھینچی کمر سے تیغ
کانپا فلک بلند ہوئی جب کمر سے تیغ
غل پڑ گیا شرر جو اٹھے ذوالفقار سے

بڑھ کر ابھی کیا تھا حملہ امام نے
دونوں لگے رکاب جو گھوڑے کی تھامنے
جلدی جو وہ سرو قد پئے تسلیم جھک گئے

رن میں لڑے عقیل کے فرزند نوجواں
سرور رواں علیؑ کے جو بیٹے جنگ کو رواں
نقشہ علیؑ کی جنگ کا دکھلا کے مر گئے

ایسے لڑے کہ ہو گیا میدان ہو کا لال
لاشے تھے گرد و پیش میں تنہا علیؑ کا لال
بیٹھا فلک پر کلیجے کے ٹکڑے پڑے ہوئے
کب تک یہ صبر ہاتھ کو قبضے پہ ڈالیے
للہ ذوالفقار علیؑ کو نکالیے

اے دل دعا یہ کر کہ نہ امت تباہ ہو
مارے گئے پسر تو کچھ اس کا گلا نہیں
شبیر بندہ ہے یہ کم حوصلہ نہیں
پر کیا کروں کہ پاس ہے نانا کی روح کا
قاسمؑ کو ورنہ خوں میں ڈوبے تیغ زن؟
مرتا کو رگڑے ایڑیاں اکبرؑ سا گل بدن؟
یہ سب ستم سہے فقط امت کے واسطے

شبیر جدا کے شیر نے دیکھا سوئے فلک
دکھلائے ذوالفقار ید اللہ کی چمک
ہاں اے علیؑ کے لال یہ ہنگام جنگ ہے
رکتی کبھی جو فرق کشتوں کے پشتے تیغ
برسے ادھر سے تیر تو چمکی ادھر سے تیغ
بھاگو کہو اژدہے نے نکالا ہے غار سے

ناگاہ وہ دو جوان حسینؑ آئے سامنے
دیکھا انہیں حسین علیہ السلام نے
گھوڑے کی باگ تھام کے حضرت بھی رک گئے

دونوں کی چال ایک سی اور ایک سا جمال
آنکھیں تھیں اُن کی اور قدمِ شاہِ خوش خصال
رو کر کبھی نظر سوئے جنگاہ کرتے تھے

کہنے لگے یہ اُن سے بشفقت شہِ انام
بیکس ہوں میں غریب کہاں اور کہاں سلام
مشکل جو تم پہ ہو تو اُسے پہلے حل کروں

ہو کون اپنا نام بتاؤ مجھے شتاب
ہم نصرت اور فتح ہیں یا ابنِ بوتراب
اس شکل سے زمیں پہ بہت کم ہم آئے ہیں

کھینچی کرے آپ نے جب وقت ذوالفقار
درپیش ہے حسین کو لاکھوں سے کارزار
منظور زیست گر تجھے اے حق پرست ہو

یہ سُن کے آبدیدہ ہوئے سرورِ اُمم
مشتاقِ قربِ حق ہوں اُسی کی مجھے قسم
اس وقت ذبحِ فضل کا اُمیدوار ہوں

اکبر نہ ہو تو جی کے بھلا کیا کرے حسین
کب تک جوان بھتیجے کو رویا کرے حسین
گھر خالی اس فدائی سے دیکھا نہ جائے گا

دونوں نے حکمِ شاہ سے لی آسماں کی راہ
نوحہ کیا کہ او پسرِ سعدِ روسیاہ
ہمت کو دیکھ اور مری بے کسی کو دیکھ

وہ حلقِ حسین کہ اللہ کی پناہ
تلوار تھی ہلال رخِ شاہ رشکِ ماہ
قتل تھا حلال ہے پسرِ بوتراب کو

چہروں پہ رُعب و دبدبہ و شوکت و جلال
پروانے جیسے شمع کے ہوں گرد تھا یہ حال
حضرت کی بے کسی پہ کبھی آہ کرتے تھے

پیٹے ہو کیوں قدم سے تمہیں کیا ہوا اِن کا کام
ہوتا ہے قتل آپ کی دشمن ہے فوجِ شام
پھر اس ستم کی فوج سے جنگ و جدل کروں

دونوں نے ہاتھ جوڑ کے تب یہ دیا جواب
حاضر ہیں جلو میں جو ہو مرتضیٰ جناب
حکمِ خدا سے ہو کے مجسم ہم آئے ہیں

بس دفعتاً ہوا ہے یہی حکمِ کردگار
جا کر کہو کہ ہم نے دیا تم کو اختیار
تیری ظفر ہو فوجِ عدو کو شکست ہو

بولے زہے غلام نوازی زہے کرم
طفلی سے اشتیاقِ شہادت ہے دمبدم
میری یہی ہے فتح کہ اُس پر نثار ہوں

کیا زیست کا مزہ ہے کہ تڑپا کرے حسین
کھو کر کہاں سے بھائی کو پیدا کرے حسین
رونا بہن کا بھائی سے دیکھا نہ جائے گا

تنہا اِدھر بڑھا پسرِ ضیغمِ الٰہ
لے حکمِ شہ کہ مجھ سے لڑے تیری سب سپاہ
قوت کے جد جوہرِ تیغِ علی کو دیکھ

ابرو پہ بل وہ غیظ سے وہ قہر کی نگاہ
خوں کی شفق میں ڈوب گئی شام کی سپاہ
پرزے اُڑا دئے سپرِ آفتاب کو

ہر ضرب میں تنوں سے معینوں کے سر اڑے
ترکش ہر اک قلم ہوا تیروں کے پر اڑے
زخموں سے خون گرم کے شعلے نکل گئے

تقطیع مصرعہ قد اعدا میں تھی وہ فرد
ناقص کیا انھیں جنھیں ولا کا تھا درد

پھرتا زمیں پہ تو برق آسمان پر
وہ تیغ آب بھرتا میں بجھائی تھی
جس کے گلے لگی سر و تن میں جدائی تھی

ہر معرکے میں دین کے آگے بڑھی رہی
وہ ہے کہ اس کی کچھ نہ کھلا کوئی تھی قسم
کیا جانے اس پہ شاہ نے کیا دم کیا تھا

اعدا و دیگر قد دشمن بلند تھا
ہر اک شقی کے سر پہ صفائی سے چل گئی
ناری پکارتے تھے کہ ہم سب کی کل گئی

کس کس مزے سے خون عدو چاٹتی تھی وہ
غازی نے سرکشوں کو تہ تیغ دھر لیا
لاشوں سے دشت ظلم نے دامن کو بھر لیا

ٹھہری کہاں نہ خود پہ نہ زرہ پہ نہ زین پہ
شل بنیاد کٹ گئے رہ گئے تنوں کے سر
ٹوٹے بنے تھے خاک پہ تیر افگنوں کے سر

گھٹنے پڑے تھے خاک پہ یوں ذوالفقار کے
اللہ رے تیغ دست علی کی صفائیاں
پھرتی ہے گو جوانوں نے جو تیغیں بجائیاں
مقدور کس کو جنگ میں ردّ و بدل کا تھا

چمکی ادھر کہ پھول سپر کے ادھر اُڑے
لشکر پہ جیسے آگ لگا دی شرر اُڑے
تن ناریوں کے تیغ کے پانی سے جل گئے

اور نظم چار پارہ میں کامل بحر و
تھے ضربت ثقیل سے اس کی خفیف مرد

سیفی کا سب حروف تھا اس کی زبان پہ
نم قہر تھا غضب کی برش اُس نے پائی تھی
جس صف پہ گر کے برق سی چمکی صفائی تھی

مرکز کی طرح کفر کے سر پر چڑھی رہی
جوہر سے شکل آئینہ شفاف صاف جسم
اک دم میں کھول دیتی تھی ہر جسم کا طلسم

بجلی سی بس چلی کہ جدا بند بند تھا
آئی اُدھر جو حسن سے ادھر سے نکل گئی
کشت امان و امن شقیوں کی جل گئی

ہر عضو شکل حرف غلط کاٹتی تھی وہ
قبضہ اجل کی طرح ہر اک تن پکڑ لیا
لیتی ہوئی سپر کو جو اُتری تو سر لیا

سر سے کمر پہ تھی تو کمر سے زمین پہ
شہ کے قدم پہ لوٹتے تھے دشمنوں کے سر
بچے کی جا پڑے تھے تہ تیغ گردنوں کے سر

سوتے ہیں جیسے بوجھ سا فرار اتار کے
ماری جو چمکتی تو اژدر بھی سلا دیا
کٹ کٹ گئیں جھپکتے ہی ہاتھوں کی ہتھیلیاں
ضربت تھی تیغ کی کہ طمانچہ اجل کا تھا

جب شکلِ برق کوند کے بالائے سر گری
پہونچوں سے ہاتھ کٹ کے سپر سپر گری
ضربت کی دھوم قاف سے تا قاف ہو گئی

جب لڑتے لڑتے عصر کا ہنگام آگیا
زخموں میں فاطمہ کا گل اندام آگیا

تھا شوقِ بندگی جو شہِ سرفراز کو

نیت میں تھی عبادتِ خالق جو مرتے دم
گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے ہوئے سوئے قبلہ خم
اٹھا گیا نہ پھر وہیں تھرا کے گر پڑے

شاہی کلاہ سر سے گری خوں بھری ہوئی
حضرت پہ ختم بے کسی و بے پری ہوئی
کیوں بحرِ اشکِ فاطمہ آئے نہ جوش پر

ریتی پہ جب تڑپنے لگا فاطمہ کا لال
غش تھی اس کی چال سے خیر النسا کی چال
آلودہ تھے عذار مبارک غبار سے

غش میں امام نے جو بہن کی سنی صدا
سر تن سے ہے ابھی مرے کیوں پھینک دی ردا
کٹتا ہے ایک حلق کئی گھر اجڑتے ہیں

چلاتی تھی یہ ہاتھوں سے تھامے ہوئے جگر
اس کے بعد پھرا دو چھری تیز حلق پر
شبیر ذبح ہوتا ہے میں بے حواس ہوں

مقتل میں بے حواس ہیں محبوب کبریا
اور سر برہنہ گرد علی کے ہیں اولیا
اٹھ اٹھ کے جب زمین پہ شبیر گرتے ہیں

خود آیا زمیں پہ تن سے زرہ خاک پر گری
ٹانسی اِدھر اُدھر سے چمک کر اُدھر گری
جو صف پہ صف بڑھی صاف ہو گئی

خوں بہہ کے تا بقبضۂ صمصام آگیا
تیروں کے ساتھ موت کا پیغام آگیا
گردن جھکائے گھوڑے سے اترے نماز کو

سوئے زبان خشک سے پڑھ کر بچشمِ نم
جھکنا تھا بس کہ سر پہ لگی تیغِ پُرستم
سجدے کو ریگِ گرم پہ غش کھا کے گر پڑے

خود آیا زمیں پہ تن سے زرہ خاک پر گری
سر چاک تھا زمیں پہ جبیں تھی بھری ہوئی
پہلو پہ ایک تیر لگا ایک دوش پر

اک بی بی نکلی خیمے سے بکھرائے سر کے بال
چہرے سے تھا عیاں اسد اللہ کا جلال
غل تھا کہ فاطمہ نکل آئی مزار سے

گردن اٹھا کے بولے کہ بھیا یہ کیا کیا
آئی صدائے فاطمہ بیٹی یہاں نہ آ
ہے ہے یہ تیر کس کے کلیجے پہ پڑنے لگا

کیوں بے چراغ کرتے ہو خیر النسا کا گھر
اے ظالمو حیدرِ صفدر کا ہے پسر
تو گھر میں جا کے رہیں ترے بھائی کے پاس ہوں

آتے ہیں غش پہ غش انہیں تھامے ہیں انبیا
اک شور ہے کہ ہائے یہ امت نے کیا کیا
پروانے کی طرح سے حسن گرد پھرتے ہیں

ماں کی صدا یہ سُن کے پکاری وہ دل فگار
بھائی سے چھوٹتی ہوں میں کیونکر پڑے قرار
اماں یہ کس میں کام نہ بھائی کے آؤں میں
رو کر بیاں یہ کرتی تھی وہ سوختہ جگر
چلاتی تھی سکینہؑ کہ ہے ہے مرے پدر
پردے سے منہ نکال کے سیداں کو دیکھتے تھے
تیغوں کے وار چلتے تھے بیکس پہ دم بدم
بارہ سیں تھے کھینچے ہوئے خنجر ستم
کرتا تھا جب نگاہ تن چاک چاک پر
یاں قتل گہ میں غش ہوئے سلطانِ بحر و بر
فریاد ہے کہ پاؤں دھرا اُس کے سینے پر
پانی دیا نہ ہائے نبیؐ کے نواسے کو
قاتل نے یاں گلے پہ رکھا خنجر جفا
جنگل سے آئی فاطمہؑ کے رونے کی صدا
بند آنکھیں کرو سب کہ زمیں تھرتھرائی ہے
زینبؑ نے دی صدا کہ حسینا بہن نثار
دل تھام کر تڑپ گئے محبوبِ کردگار
حیراں ہوں کیوں زمیں کا طبقہ الٹ گیا
خوں ہو کے تیغِ کیں سے بہا فاطمہؑ کا شیر
نیزے پہ رکھ دیا سرِ شاہِ فلک سریر
خنجر چلا گلے پہ شہِ مشرقین کے
بس اے انیسؔ گریہ و زاری کا ہے محل
حسرت کا ہے مقام جو فرصت دے اجل
دیکھا کو یاں مزا نہ جوانی کا لطف ہے

اماں یہ بیٹی آپ کی آواز کے نثار
ہے ہے یہ بیت حسینؑ کا اور برچھیوں کی وار
نکلی ہو تم تو قبر سے اور گھر میں جاؤں میں
اور پیٹتی تھیں بیبیاں ڈیوڑھی پہ ننگے سر
تھیں ننھے ننھے لڑکوں کی اشکوں سے آنکھیں
مائیں جو پیٹتی تھیں تو بچے بلکتے تھے
کہتے تھے شکر شکر زباں سے شہِ اُمم
غل تھا کہ بس گلا ہو محمدؐ کا قلم
دلدل بھی سر پٹکتا تھا جھک جھک کے خاک پر
آیا پکڑ کے خنجرِ کیں شمرِ بد گہر
حضرت نے شمر سے کہا پیاسا نہ ذبح کر
چلتا وہ ذبح کرنے لگا بھوکے پیاسے کو
دوڑی ادھر سے دخترِ زہراؑ برہنہ پا
سر پیٹ کے فلک پہ فرشتوں نے یہ کہا
بیٹی علیؑ کی بھائی کے لاشے پہ جاتی ہے
واحسرتا کہ خشک گلا اور چھری کی دھار
فرزند سے بچھڑ گئے شاہِ ذوالفقار
سب پیٹتے رہے سرِ شبیرؑ کٹ گیا
سینے سے آن کر نکالا کسی نے تیر
غل تھا کہ ذبح ہو گیا کونین کا امیر
ہے ہے یتیم ہو گئے بچے حسینؑ کے
واللہ ہر عمل سے ہے بہتر یہی عمل
اب تو وطن کو چھوڑ بس اب کربلا کو چل
رونے پہ شہ کے مرثیہ خوانی کا لطف ہے

۲۱

مرثیہ

بند

جب جاں نثار سبط پیمبر ہوئے شہید
عباس قتل ہو گئے اکبر ہوئے شہید
مظلوم کے غریب کے یاور ہوئے شہید
یاں تک کہ تیرے علی اصغر ہوئے شہید
جانباز اپنی اپنی شجاعت دکھا گئے
تنہا امام نرغۂ اعدا میں آ گئے

جب قتل رن میں ہو چکا لشکر حسین کا
دشمن جو تھا ہر ایک ستمگر حسین کا
باقی رہا نہ یار نہ یاور حسین کا
غل پڑ گیا کہ کاٹ لو اب سر حسین کا
پیاسے پہ ابر شام کے لشکر کا چھا گیا
مظلوم اہل ظلم کے نرغے میں آ گیا

اس خاصۂ خدا پہ ہوا اک ہجوم عام
نیزے کسی کے کوئی تو لیے ہوئے حسام
کالی گھٹا کی طرح سے امڈی سپاہ شام
غل تھا کہ تیر مارو اکیلے ہیں اب امام
گھوڑے سے یاں گرا دو شہ سرفراز کو
پانی نہ ملنے پائے امام حجاز کو

لشکر ہوا اہتمام جفائے کارزار
تھی پشت پر تو برچھیوں والوں کی اک قطار
نکلے پروں سے نیزوں کو تولے ہوئے سوار
اور سامنے کھڑے تھے کماں دار صد ہزار
یہ ظلم تھا نبی کے نواسے کے واسطے
تلواریں تیز ہوتی تھیں پیاسے کے واسطے

تھی سبط مصطفیٰ پہ عجب بیکسی و یاس
تھا دشمنوں میں بیکس و تنہا وہ حق شناس
شدت تھی آفتاب کی اور تین دن کی پیاس
بیتاب روح فاطمہ پھرتی تھی آس پاس
تنہائی پہ پسر کی علیؑ اشکبار تھے
اور قبر میں رسول خدا بے قرار تھے

جن تیروں سے کہ ہوتا تھا شہ کا جگر فگار
وہ تیر ہوتے تھے جگر مصطفیٰ کے پار
پڑتی تھی جسم پاک پہ جب تیغ آبدار
چلتی تھی دل پہ شیر الٰہی کے اس کی دھار
نیزہ جو لگتا سینۂ سبط رسول کے
اٹھتا تھا دل میں درد جناب بتول کے

اک یہ الم تھا جس سے کہ بے قرار تھے
اک سر تھا جس کے لینے کو لاکھ ہزار تھے
اک تن تھا اس پہ زخم لگے بے شمار تھے
دو پہر اس ایک جان کے سب نابکار تھے
تدبیر قتل شاہ وہ گمراہ کرتے تھے
امت کی مغفرت کی دعا شاہ کرتے تھے

تھا چتر زرنگار سے ہونے شمر روسیاہ
تابش میں آفتاب کی تھا فاطمہ کا ماہ
میداں میں چار سمت پہ تھی کثرت سپاہ
جانے کی خیمہ گاہ تلک ملتی تھی نہ راہ
سر ضعف سے جھکاتے تھے گھوڑے کی یال پر
فاقہ تھا تین روز کا زہرا کے لال پر

پیتے تھے آب نہر چرند و پرند سب
محروم ابن ساقی کوثر تھا بے غضب
نیلے تھے مارے پیاس کے وہ برگ گل سے لب
پڑتے تھے تیر پانی اگر کرتے تھے طلب
سو دوپہر کی پیاس کلیجہ جلاتی تھی
کچھ بات کرتے تھے تو زباں اینٹھی جاتی تھی

چھڑکاؤ سقے کرتے تھے میداں میں جابجا
اور گھوڑوں کو بھی پانی پلاتے تھے جابجا
افراط آب دیکھ کے سلطان کربلا
دل سے بیاں یہ کرتے تھے آنسو بہا بہا
اصحاب پانی کو ترس کے مرے لال مرگئے
اصغر جہاں سے تشنہ دہن کوچ کر گئے

دریا کو دیکھ دیکھ کے فرماتے تھے یہ بات
تو ایک فاطمہ ہی کے لئے چشمۂ حیات!
پیتے ہیں پانی دیکھیے تجھ سے زبوں صفات
قطرے کو ہم ترستے ہیں طرفہ ہے واردات
اعدا تو مشکیں بھر کے زمیں پر چھڑکتے ہیں
بچے ہمارے پانی کی خاطر سسکتے ہیں

آیا نظر جو لاشۂ عباس نیک نام
ٹوٹی کمر کو تھام کے کرتے تھے یہ کلام
بھائی تمہاری لاش کے قربان ہو غلام
تم کیا تمام ہو گئے ہم ہو گئے تمام
فرزند فاطمہ کی مدد آن کر کرو
بھائی پہ تیر پڑتے ہیں سینہ سپر کرو

کچھ تم کو اپنی پیاری سکینہ کی ہے خبر
اب تک نہیں ہوئے ہیں لب خشک اس کے تر
چلاتی ہے یہ ڈیوڑھی سے سر پیٹ پیٹ کر
لوگو بتاؤ وہ مرے عمو گئے کدھر
تم سے بڑا عجب مجھے اے بھائی جان ہے
میری خبر ہے کچھ نہ سکینہ کا دھیان ہے

اے میرے شیر اے مرے ہمدرد و خیر خواہ
اٹھو کمک کرو کہ ہیں گھیرے ہوئے سپاہ
ساحل پہ آپ کو تو ملی سرد خوابگاہ
لاشہ زمین گرم پہ میرا رہے گا آہ
بے غسل اس زمیں پہ بہت دن رہیں گے ہم
چالیس روز دھوپ کی ایذا سہیں گے ہم

بھائی کی لاش پہ جو دیتا تھا کچھ جواب
بابا کا بھی خیال ہے کب تک کرو گے خواب
گھوڑے سے نیزے مار کے اعدا گراتے ہیں

راوی نے یہ لکھا ہے کہ وقت زوال تھا
سوکھی زباں سے بات کا کرنا محال تھا
اس بات کا جواب بھی ظالم نہ دیتے تھے

کہتا تھا کوئی تیر لگاؤ حسینؑ کو
کہتا تھا شمر گھیر کے لاؤ حسینؑ کو
کیا چپکے دیکھتے ہو منہ اس تشنہ کام کا

جب تیر آ کے لگتا تھا جسم حسینؑ پہ
کہتے تھے دل سے درد کے یہ شاہ بحر و بر
بانو کو اے کریم مرے غم میں صبر دے

کرتے تھے ہاتھ اٹھا کے کبھی حق سے یہ دعا
بیٹے بھتیجے سب تری رہ میں ہوئے فدا
پر یہ دعا قبول ہو مجھ دل ملول کی

زینبؑ نے اپنے بھائی کی جب یہ سنی صدا
دیکھا کہ شہ کو گھیرے ہے سب فوج اشقیا
کوئی قریب آ کے ہے شمشیر مارتا

زینبؑ پکاری تیر یہ مجھ پر لگاؤ تم
نیزے پہ کاٹ کر مرے سر کو چڑھاؤ تم
پانی کو تین روز سے محروم ہے حسینؑ

گر حال یہ حسینؑ کا سن پائے گی بتولؑ
دکھیا کو کیوں ستاتے ہو غم کھائے گی بتولؑ
یہ کیا سلوک کرتے ہو تم بے گناہ سے

کرتے تھے رو کے لاشۂ اکبر سے یہ خطاب
بیٹا خبر ہو نرغے میں ہے ابن بوتراب
ہاتھوں کو آ کے تھام لو کہ ہم ڈگمگاتے ہیں

اور غلبۂ پیاس کا شہ دیں پر کمال تھا
پانی جوان سے مانگتا زہرا کا لال تھا
منہ پیٹنے کی جا ہے کہ منہ پھیر لیتے تھے

تلواروں سے لہو میں ڈبو دو حسینؑ کو
گھوڑے سے جلد نیچے گرا دو حسینؑ کو
سر کاٹ دو حسین علیہ السلام کا

خیمے کو تکتے جاتے تھے منہ پھیر پھیر کر
زینبؑ کہیں نہ خیمے سے نکلے برہنہ سر
زینبؑ کو اے خدا مرے ماتم میں صبر دے

تو ہے کریم بندۂ عاجز ہوں میں ترا
میں بھی اب اپنا پیاسا گلا دیتا ہوں کٹا
امت کو بخش دے مرے نانا رسولؐ کی

گھبرا کے آئی ڈیوڑھی پہ وہ غم کی مبتلا
امت کی مغفرت کی ہیں شہ کرتے یہ دعا
اور جسم پاک پہ ہے کوئی تیر مارتا

بھائی کے مرے خون میں مجھ کو ڈبو دو تم
فرزند فاطمہؑ پہ نہ اب ہاتھ اٹھاؤ تم
تشنہ ہے بے گناہ ہے مظلوم ہے حسینؑ

بابا پکڑ کے عرش کا چلائے گی بتولؑ
جنت سے سر برہنہ چلی آئے گی بتولؑ
مانگو پناہ فاطمہ زہرا کی آہ سے

اس قوم سے یہ کہتی تھی زینبؑ تو غل مچا
زینبؑ نے سر کو پیٹ کے تب اس طرح کہا
چلتے ہیں وار فاطمہؑ کے نازنین پر
یہ بات کہہ کے رونے لگی ڈھاڑیں مار کر
پھر شاہ سے وہ کہنے لگی یوں پکار کر
اس بے کسی غریبی کے قربان جاؤں میں
اس وقت چھپ کے رہنے کے قربان ہو بہن
اعدا سے گھر کے کٹنے کے قربان ہو بہن
کیوں صدقے ہو کے آپ پہ زینب نہ مر گئی
سینہ ستم کے تیروں سے غربال ہو گیا
زینبؑ کو تم بن ایک دم اک سال ہو گیا
ہاں حق ہے ظلم فاطمہؑ کے نور عین پر
جس دم بہن کے رونے کی شہ نے سنی صدا
غل اس لئے ہے خیمے میں فریاد و آہ کا
تنہا ہے سامنا جو ہے سارے ہی خدائی کا
یہ کہہ کے سوچنے لگے پھر دل میں کچھ امام
پھر شاہ ظالموں سے یہ کرنے لگے کلام
خیر النساء ہے ماں مری بنت رسولؐ ہے
بیٹی کا میں تمہارے پیغمبر کی ہوں پسر
محبوب حقؐ نے مجھ کو چڑھایا ہے دوش پر
پیارا ابن رسولؐ کو کیوں خوں میں بھرتے ہو
ماں میری فاطمہؑ نہیں نانا نبی نہیں؟
اُمت میں جن کی تم ہو میں ان کا کوئی نہیں؟
واجب ہے اعتقاد مرے نور عین سے

وہ شہ کو زخمی کرتے تھے نیزہ لگا لگا
فرمایا بنت فاطمہ کرتی ہے اے خدا
کیوں آسمان گر نہیں پڑتا زمین پر
سر سے زمیں پہ پھینک دی چادر اتار کر
زینب کو مار ڈالے کوئی تم پہ وار کر
کچھ بس نہیں مرا کہتیں کیونکر بچاؤں میں
یہ ظلم و جور سہنے کے قربان ہو بہن
زخموں سے خون بہنے کے قربان ہو بہن
بھائی تمہاری شکل تو سب خوں میں بھر گئی
ہے ہے یہ جسم خون سے سب لال ہو گیا
کیسی ہوئی جدائی یہ کیا حال ہو گیا
ہے ہے ستم یہ ہو کے پیارے حسینؑ پر
سمجھے کہ پھر پڑا جو اعدا نے کیا
اعدا کو دور بیکسی اس وقت دی کہا
پرچار ہے جہان میں ہماری لڑائی کا
حجت بھی اس گروہ سے کر لیجئے تمام
کیوں مجھ پہ ظلم کرتے ہو اے ساکنان شام
میرے ستانے سے تمہیں کچھ بھی حصول ہے
سبط نبیؐ ہوں شیر خدا ہے مرا پدر
ہاں منصفو لحاظ تمہارا گیا کدھر
بتلاؤ کس گنہ پہ مجھے قتل کرتے ہو
بابا مرا رسول خدا کا وصی نہیں؟
یہ بات میرے حق میں نبیؐ نے کہی نہیں؟
یعنی حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے

اصحاب سے یہ کہتے تھے اکثر سنا سنا
دشمن ہے وہ مرا جو ہے دشمن حسین کا
ہو دوست تم میں گر کوئی خیر الانام کا
اکبر شہید ہو گیا مارا ذہیں نے دم
عباسؑ کے الم سے کمر ہو گئی ہے خم
اب بھی کہو تو یاں سے کسی سمت جاؤں میں
اس واسطے یہ کہتا ہوں اے لشکر جفا
بیمار ایک ہے سو مصیبت میں مبتلا
کس طرح سے مرے دل بے کل کو کل پڑے
اعدا نے تب کہا تمہیں پہچانتے ہیں ہم
پر دل پہ قتل آپ کا اب ٹھانتے ہیں ہم
گر ہو رسول حق کے نواسے تو کیا کریں
ہم تو تمہارے خون کا دریا بہائیں گے
احمد کی بوسہ گاہ پہ خنجر چلائیں گے
شہ بولے خیر ہم نے تو حجت تمام کی
فرماتے تھے یہ اعدا سے سلطان بحر و بر
دی ہے علیؑ کے لال کو کیوں شدت الم
خنجر سے ذبح سخت دل فاطمہ کرو
یہ سنتے ہی برسنے لگے شہ پہ تیر کیں
چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے سنگدل لعیں
تم نے بہت ستایا ہے مجھ دل فگار کو
تم نے مرے رفیقوں کے کاٹے بدن سے سر
برچھی سے چھیدا اکبر مظلوم کا جگر
یہ اٹھائی پیاس کی شکر خدا کیا

جو دوست ہے حسین کا وہ دوست ہے مرا
دشمن نبی کی آل کا ہے دشمن خدا
پوچھو اُسی سے مرتبہ مجھ تشنہ کام کا
اصغر کو تیر مارا کیا میں نے کچھ نہ غم
قاسم کے مرنے کا بھی مجھے سخت ہے الم
اس دشت سے ابھی خیمہ اُٹھاؤں میں
اہل حرم کا اب کوئی وارث نہیں رہا
اہل حرم میں شور ہے فریاد و آہ کا
زینبؑ کہیں نہ خیمے سے باہر نکل پڑے
خیر النساء کے بیٹے ہو تم جانتے ہیں ہم
اس وقت تو کسی کو نہیں مانتے ہیں ہم
دو دن کے بھوکے ہو جو پیاسے تو کیا کریں
جتنا ستایا جائے گا تم کو ستائیں گے
سر کو تمہارے نیزے کے اوپر چڑھائیں گے
پر تم نے کوئی بات نہ مانی امام کی
چلایا فوج کو عمر سعد بد گہر
اس جلد کاٹ لو پسر فاطمہ کا سر
اب پنجتن کا روز و ہم خاتمہ کرو
زخمی ہوئی امام کی وہ چاند سی جبیں
تھمتے ہی ہاتھ رکھ کے پکارے امام دیں
ور اب حسینؑ کھینچتا ہے ذوالفقار کو
بازو کٹائے بھائی کے میرے فرات پر
مارا ہے تم نے چھ مہینے کا جو پسر
میں نے نہ کچھ زباں سے تمہارا گلہ کیا

اللہ میرے قتل سے اب ہاتھ اٹھاؤ تم
میں جاؤں اپنے شہر میں کوفے میں جاؤ تم
کیوں خاک میں ملاتے ہو گھر بوتراب کا

واللہ میرا قتل رسولِؐ زمن کا قتل
محسن کی قتل اور ہے شہادت حسنؑ کا قتل
مرنا مرا نہ ہوگا گوارا رسولؐ کو

مظلوم کو یہ ظالموں نے تب دیا جواب
حضرت کا قتل کرنا سمجھتے ہیں ہم ثواب
نیزے لگا کے گھوڑے سے تم کو گرائیں گے

یہ سن کے آگیا شہِ مظلوم کو جلال
اس غیظ میں کھڑے ہوئے سامنے ہو گیا

اب جانتے ہو اب حلق کو ہراس ہے
یہ کہہ کے ذوالفقار کو کھینچا نیام سے
جوں برق نکلی کوندتی وہ فوج شام سے
غصے میں صورتِ اسدِ حق جدھر گئے

فرمایا ہے کشتۂ خیبر مرا پدر
کچھ سوجھتا نہیں کہ ہوا ہے جوان پسر
وارث ہوں ذوالفقار و جنابِ امیر کا

لاشے پہ لاشہ ڈال دیا ایک آن میں
کس طرح آسکے وہ شجاعت بیان میں
پیدل تو کیا سوار ہزاروں بھگا دیے

غصے میں آگیا ذہن خلف شیر کردگار
گھوڑوں سمیت گھوڑے پڑے تھے کھیت میں
تکبیر اک اٹھاتے تھے جب نعرہ مار کے

شبیرؑ کو بے وطن کو نہ اتنا ستاؤ تم
میں تنہا ہوں مجھ کو نہ نیزے لگاؤ تم
میرا لہو لہو ہے رسالت مآبؐ کا

زہراؑ کا خون ہے اور علی صفدرؑ کا قتل
ذبحِ حسینؑ خلق میں ہے پنجتنؑ کا قتل
مجھ کو کیا شہید تو مارا رسولؐ کو

ہے آپ کو جو بیعتِ حاکم سے اجتناب
حیدر شہید ہوں گے رسولِ فلک جناب
پانی نہ دیں گے حلق پہ خنجر چلائیں گے
غصے سے ہو گیا رخِ انور کا رنگ لال

فرمایا ظالموں سے کہ اے قوم بدخصال
مجھ کو فقط رسولؐ کی امت کا پاس ہے

ظاہر ہوا یہ معجزہ دستِ امام سے
دم میں ہٹا دیا انھیں ان کے مقام سے
جب تیغ کھینچے شاہ کی وحشت سے ڈر گئے
لشکر اکھاڑ دوں کوہ کا ٹوٹی ہے تو کمر

لرزہ ہو شیر کو جو کروں غیظ سے نظر
رگ رگ میں میرے زور ہے زہراؑ کے شیر کا
اک تنگ سا پڑ گیا کون و مکان میں

ایسا لڑا نہیں کوئی پیاسا جہان میں
کشتوں کے پشتے رن میں ہر اک جا لگا دیے
بے سر کہیں تھے خاک پہ اک سمت نیزہ دار
ہر سو گماں کشتوں کے تھے لاشوں کا تھا تما
تھمتے نہ تھے زمیں پہ قدم وار وار کے

جوں برق تیغ شاہ صفوں سے گزر گئی
جس جس کو چھو گئی لبِ نے خوں میں کھینچ گئی
اک دم میں شہ نے خون کے دریا بہا دیے

جس شخص کے پڑا الفِ تیغ فرق پر
بادصف چار آئینہ و جوشن و سپر
ہر صف بصورتِ صفِ اہلِ قلم ہوئی

گوشوں میں جا چھپے تھے کماں دار و صف شکن
دستِ اماں اٹھائے تھیں ادویں بار بار
خود صاحبِ کمند اسیرِ کمند تھے

کشتوں کے ڈھیر دشتِ ستم میں لگا دیے
ہر حملے میں سواروں کے ٹکڑے اڑا دیے
اللہ ری ضرب راحتِ جانِ بتولؑ کی

بہرِ مدد فرشتے بھی آئے تھے بے شمار
سب کہتے تھے کہ اے خلفِ شیرِ کردگار
شہ کہتے تھے کہ گو مرا تن زخم دار ہے

میری مدد کو کافی ہے سر پر مرا خدا
حلّالِ مشکلات پہ جس کا ہو آسرا
کٹواکے اکبرا کو نہ خاطر طول کی

اور اس گھڑی جو فوج مخالف سے بچ گئی
لیکن نظارہ یہ تھا بشریت کا مقتضا
طاقت تو دیکھ لی مری غربت بھی دیکھ لو

دشمن کے سب لاکھ کرنے لگے بکا
کیا لڑا ہے آج مرا شیر واہ واہ
پالے حسینؑ، شیر بھی یاد ہے!

سب دیکھتے رہے کہ کدھر آئی کدھر گئی
اک دو ہوئے جو دو تھے انھیں چار کر گئی
حیدرؑ کی ذوالفقار کے جوہر دکھا دیے

تھا لام الف کی طرح وہ دو ٹکڑے تو دو کمر
اعدا کے جوں نقاط غلط کٹ گئے تھے سر
ایسی بھی جنگ صفحۂ عالم میں کم ہوئی

چادر ہلا رہے تھے شجاعانِ نامدار
نیزے بلند کرتے تھے انگشتِ زینہار
دم مخبروں کے تیغ کی دہشت سے بند تھے

دریا کے پاس خون کے دریا بہا دیے
پیدل بھی ایک دم میں ہزاروں بچھا دیے
چلّاتے تھے مدد کرو دہائی رسولؐ کی

اور قوم جن بھی حرب کی تھی ہیں ایستادہ
گر حکم ہو تو آپ پہ ہو جائیں ہم نثار
فرزندِ مرتضےٰ کو مدد ناگوار ہے

جز ذاتِ حق کسی کا نہیں ہم کو آسرا
پھر غیر کی مدد کا وہ محتاج کب رہا
اولاد سے عزیز ہے امّت رسولؐ کی

فریادِ اہلبیتؑ نے تھا مضطرب کیا
اب دیکھیے صبر سے کٹواتا ہوں گلا
دیکھا غضب تو صبرِ شہادت بھی دیکھ لو

ناگاہ آئی پردۂ گردوں سے یہ صدا
سر بر ہو کوئی تجھ سے جہاں میں مجال کیا
کچھ تم کو اپنے خون کا محضر بھی یاد ہے

سب طرح کا دیا ہے تجھے ہم نے اختیار
پڑنے لگا تو حلق پہ گر تیغ کیں کی دھار

موقوف تیرے قتل پہ اُن کی نجات ہے
سُن کر صدا یہ کانپ گئے شاہِ نامدار
کی عرض کبریا سے بصد عجز و انکسار
ہر امر میں تجھ ہی سے عنایت ہوں چاہتا
تیری مدد سے جرأت و ہمت دکھا چکا
اولاد کا بھی داغ کلیجے پہ کھا چکا

اب آرزو یہ ہے کہ یہ خادم نثار ہو
یہ کہہ کے بس ٹھہر گئے سلطان کربلا
بس تو مری سواری کا حق کر چکا ادا
یہ بات کہہ کے شاہِ حجازی نے رو دیا
یہ کہہ کے ظالموں کو پکارے امام دیں
تن پر لگاؤ نیزہ و شمشیر و تیر کیں

اب رحم بھی نہ مجھ پہ کوئی مطلقاً کرے
سُن کر سخن یہ ٹوٹ پڑی فوج نابکار
تیر ستم گزر گئے سینے سے بے شمار
تیغوں سے پیچ سارے عمامے کے کٹ گئے
تھے دو ہزار جسم شہ بحر و بر پہ زخم
گردن پہ زخم سینے پہ زخم اور کمر پہ زخم

گھوڑے پہ گو سنبھلتے تھے پر ڈگمگاتے تھے
گھوڑے پہ جب سنبھلنے کی باقی رہی نہ تاب
گرنے لگا زمیں پہ وہ دو آسماں جناب
غل تھا کہ خاک پر شہ کون و مکاں گرا

تو چاہے گر تو ہوں ابھی غارت یہ نابکار
تو اُمتِ نبی نہیں ہونے کی رستگار

حرمت گناہگاروں کی اب تیرے ہات ہے
رکھ لی میان میں وہیں شمشیر آبدار
شمشیر و تیر کا وار ہیں سو جان سے نثار
اور اُمتِ نبی کی شفاعت ہوں چاہتا
دو دن کی بھوک پیاس کی قوت اُٹھا چکا
اصغر کو قبر کے اندر سُلا چکا

سجدے میں سر ہو حلق پہ خنجر کی دھار ہو
ماتھے پہ ہاتھ پھیر کے گھوڑے سے یہ کہا
تیرا سوار ہوتا ہے بس تجھ سے بھی جدا
حضرت کے منہ کو دیکھ کے تازی بھی رو دیا
کیوں بھاگتے ہو آؤ کہ لڑنے کے ہم نہیں
حاضر ہے سر کٹانے کو شبر کا نازنیں

قاتل کہاں ہے آ کے مرا سر جدا کرے
نورانی جسم برچھیوں سے ہو گیا فگار
نیزے لگے کہ چار سو سے ظالموں کے وار
گیسو لہو میں ڈوب کے رُخ سے لپٹ گئے
ماتھے پہ زخم تیر کے تیغوں کے سر پہ زخم
اور اس کے ساتھ ہاتھ پہ زخم اور جگر پہ زخم

غش آ رہا تھا تو بھی نہ سر کو جھکاتے تھے
ہاتھوں سے باگ چھوٹ گئی پاؤں سے رکاب
مرقد میں بے قرار ہوئی روح بوتراب
بس اب زمیں اُلٹ گئی اور آسماں گرا

راوی بھی یہ شہ کے زخموں کا لکھتا ہوا بجا
تفصیل اس کی سن کے کلیجہ ہے کانپتا
اس زخم میں بھی سینکڑوں تیر دغا کے وار تھے
ہرگز ہجوم زخم سے تن میں رہی نہ تاب
ہونٹوں پہ پھیرتا تھا زباں کو بغیر آب
بے ہے زبس حسینؑ پہ کہا "ا نہیں کوئی
ظالم کھڑے تھے گرد وہ بیٹھا تھا خاک پر
آنے لگا جو غش تو جھکایا زمیں پہ سر
یارب تو میرے نانا کی امت کو بخش دے
شرمندہ ہوں میں کس لئے آیا تھا کیا کیا
تو نے کرم حسینؑ پہ لا انتہا کیا
صدمہ ہے آج فاطمہؑ کے نور عین پر
رو رو دعا یہ حق سے ابھی کرتے تھے امام
اس وقت شمر سے یہ عمر نے کیا کلام
ذرہ دشمن کے فاطمہ زہرا کی آہ کو
یہ سنتے ہی خنجر چڑھائی ستمگر نے آستیں
تھے قبلہ رو جھکے ہوئے بیٹھے شاہ دیں
سمجھا کہ تشنگی سے جو صدمے گزرتے ہیں
جھک کر قریب کان جو لایا تو یہ سنا
جاری زباں خشک سے ہے یہ کہ اے خدا
شیعوں کا حشر روز جزا میرے ساتھ ہو
یہ سن کے مستعد ہوا وہ شہ کے قتل پر
گردن پہ پھیرنے لگا خنجر وہ کینہ ور
زہرا پکاری کچھ بھی نہ حق سے حجاب ہے

کب وہ ہزار زخموں کی ہوتی ہے انتہا
جتنے جو زخم تیغ تن شاہ پہ لگا
ہر زخم نیزہ میں کئی سو تیر پار تھے
بیٹھا زمیں پہ جھومتا تھا ابن بوتراب
چلاتی تھی یہ ڈیوڑھی سے زینبؑ جگر کباب
مرتا ہے میرا بھائی بچاتا نہیں کوئی
ڈوبا ہوا تھا خون میں مظلوم سر بسر
سجدے میں عرض کی یہ خدا سے بچشم تر
اور میرے بھی قصور عبادت کو بخش دے
جو حق بندگی تھا وہ بھی ادا کیا
یاں تک کہ ساری خلق کا مشکل کشا کیا
آساں تو کر دے ذبح کی مشکل حسینؑ پر
جو ظالموں نے شہ پہ کیا اور اژدہام
ہاں جلد کاٹ تن سے سر شہ انام
گم کر دے شمع قبر رسالت مآب کو
خنجر کمر سے کھینچ کے آگے بڑھا لعیں
لب ہلتے دیکھے شاہ کے آیا جو جب قریب
اس وقت یہ دعا تھی شبیر کرتے ہیں
حق میں گنہگاروں کے شکر کرتے ہیں
کرنا جنتوں کو میری محبوں کی تو روا
میرا یہ خوں بہا ہے کہ ان کی نجات ہو
زانو رکھا حسینؑ کی چھاتی پہ بے خطر
آئی صدا علیؑ کی کہ ہے ہے مرا پسر
ظالم یہ بوسہ گاہ رسالت مآب ہے

کیوں ذبح میرے لال کو کرتا ہے بے گناہ
کیوں کاٹتا ہے میرے کلیجے کو روسیاہ
کشتی کو اہل بیت نبی کی نہ کر تباہ
میں فاطمہ ہوں عرش ہلا دے گی میری آہ

جس سینے میں بھرا علم الٰہی بھرے ہوئے
تو پائے جگہ دار ہے اُس پہ دھرے ہوئے
آواز اپنی ماں کی یہ زینب نے جب سنی
دو دن کی کل کے تھیجے سے وہ بھٹکی ہوئی
دیکھا کہ ذبح کرتا ہے خنجر سے وہ شقی
سر پیٹ کر یہ کہنے لگی وہ جگر جلی

ہے بے زباں تین روز کے پیاسے کو ذبح کر
ظالم نہ مصطفیٰ کے نواسے کو ذبح کر
او نابکار تجھ پہ یہ کیا کرتا ہے لعین؟
پیاسا ہے تین روز سے زہرا کا لاڈلا بھی
چلاتی تھی سکینہ کہ جینے کی میں نہیں
بابا کو ذبح کرتا ہے کیوں اے عدوئے دیں

خنجر نہ پھیر شاہ کی گردن پہ ظلم کر
بابا کو چھوڑ دے مرے بچپن پہ رحم کر
زخموں سے چور چور ہے زہرا کا لاڈلا
جس چھاتی پر میں سوتی تھی اس پر ہو تو ہو
بابا کے حلق پر تو نہ پھیر اب چھری کی دھار
ہے بے پدر کے سر کے ملے سر کو تو اتار
بیٹھا ہو تشنہ لب پہ ستم اس قدر نہ کر
پوتی ہوں فاطمہ کی مجھے بے پدر نہ کر

رو کر بیان کرتی تھی بچی وہ تشنہ کام
دے کر دہائی پیٹتی تھیں بی بیاں تمام
کرتا تھا ذبح شاہ کو وہ نطفۂ حرام
سب تھیں زباں دکھا کے یہ فرشتے تھے تمام
خنجر ابھی نہ حلق پہ دھرتا تو خوب تھا
پانی پلا کے ذبح جو کرتا تو خوب تھا

یہ کہتے تھے حسین کہ بس حلق کٹ گیا
نورانی جسم ریگ بیاباں میں اٹ گیا
ننھا سا دل سکینہ کا سینے میں پھٹ گیا
اک شور تھا کہ دفتر عالم الٹ گیا
ذبح حسین تو خنجر کے ہائے جب جاتی تھی
فریاد فاطمہ کی صدا رن سے آتی تھی

سر کٹ گیا جو سبط رسالت پناہ کا
غارت گروں نے قصد کیا خیمہ گاہ کا
بس اک اٹھا شور ہے فریاد و آہ کا
عرض اس نے کی غلام ہے جب بادشاہ کا
خلقت کے درد و رنج و مصیبت کو دور کر
آقا مدد کو دوڑیے مولا مدد کرو

۲۳

مرثیہ

جب باغِ حسینؑ پہ خزاں آگئی رن میں
کھیتی تھی جو زہراؑ کی وہ مرجھا گئی رن میں
پھولوں کی اجل خاک پہ پھیلا گئی رن میں
غم کی دلِ زہراؑ پہ گھٹا چھا گئی رن میں
پانی نہ ملا تھا جو کسی غنچہ دہن کو
بس پیاس سے تکتے تھے حسینؑ اپنے چمن کو

جس باغ پہ تھا سایۂ ابرِ کرمِ رب
تھی دھوپ کی گرمی کی جلا تاب یہ کب
پانی جو نہ پایا کئی دن اور کئی شب
مرجھا گئے برگ و ثمر و غنچہ و گل سب
لوٹا گیا گلشن چمن آرائے جہاں کا
تھی فصلِ بہاری کہ ہوا دخل خزاں کا

پانی سے درختوں میں بھرے رہتے ہیں نالے
رکھتے ہیں تر و تازہ انہیں سینچنے والے
پھولی ہوئی ڈالی پہ کوئی ہاتھ تو ڈالے
ان سب گلِ زہراؑ تھے زبانوں کو نکالے
قطرے انہیں شبنم کے میسر نہ ہوئے تھے
وہ دو روز تلک خشک گلے تر نہ ہوئے تھے

جو نخل کہ گلشنِ ہستی میں ثمردار
کرتے ہیں ریاض اُس پہ سدا صاحبِ گلزار
پتا کوئی توڑے یہ گوارا انہیں زنہار
اُن پھولوں پہ تلواروں کے پھل لگتے تھے ہر بار
یہ غم ہے جو غنچوں کے گریبان پھٹے ہیں
نخلِ چمنِ فاطمہؑ تیغوں سے کٹے ہیں

کیوں بلبلِ نالاں نہ کرے مرثیہ خوانی
مرجھا گیا قاسمؑ سا گلِ باغِ جوانی
اور دیدۂ نرگس کو بہا ہے نگرانی
حسرت ہے کہ پایا گلِ زہراؑ نے نہ پانی
نہریں ہیں رواں خلق میں چشمے بھی بھرے ہیں
حیدرؑ کا چمن خشک ہے اور کھیت ہرے ہیں

آجاتا ہے جب ذکرِ علی اکبرؑ گلرو
شبنم کے عرق گل پہ ٹپک پڑتے ہیں آنسو
ہوتا ہے اگر تذکرۂ قامتِ دلجو
شمشاد سے قمری کی صدا آتی ہے کو کو
کہتی ہے یہ بلبل کہ دیکھے گی کہاں ہے
وہ سرو رواں خاک کے پردے میں نہاں ہے

وہ باغ تو سب تین پہر میں ہوا پامال
دشمن تو ہیں نو لاکھ اور اک فاطمہ کا لال

پہونچا نہیں وہ روز سے پانی جو دہاں میں
عمامۂ محبوبِ خدا خون میں تر ہے
بہتا ہے لہو سر سے گلا خون میں تر ہے
گرمی کی بھڑک تھی کہ چمکے جاتے تھے شبیرؑ
ہجرِ علی اکبرؑ سے بصارت پہ ہے بہت غم
دل ٹکڑے کئے دیتا ہے داماد کا ماتم

کرتے ہیں نظر یاس سے ششدر پسر پر
تیغے ہیں ہے مولا کے ید اللہ کی شمشیر
ہر زخم پہ ہے شکر ہر اک تیر پہ تکبیر
کھانے کی نہ پانی کی نہ راحت کی طلب ہے
وہ دھوپ کی تیزی وہ غضب اور وہ لو کا وہ چلنا
ہر ایک بدن سے وہ پسینے کا نکلنا
جنگل کے چرندے بھی جھیلوں میں پڑے تھے
گر خاک پہ گرتا ہے تو بھن جاتا ہے دانا
پیاسے ہیں حسینؑ اور ہے سیراب زمانا
کیا بے کس و مظلوم ذوی القدر ہوئے ہیں
وہ دھوپ ہے جس میں کہ ہرن ہوتے ہیں کالے
گرمی سے رکے دام میں منھ آب میں ڈالے
آہن کی بھی شے موم صفت نرم ہوئی ہے
پتوں میں طیور اپنے بدن کو ہیں چھپاتے
جنگل میں مسافر بھی نہیں چھاؤنی چھاتے
نے دامنِ زہراؑ نہ محمدؐ کی عبا ہے

اب سروِ گلستانِ محمدؐ کا سنو حال
سر تیغوں سے زخمی ہے بدن تیروں سے غربال
ہیں پیاس سے کانٹے گلِ زہراؑ کی زباں میں
مخدومۂ عالم کی ردا خون میں تر ہے
سارا تنِ اطہر کی قبا خون میں تر ہے
رہوار کی گردن پہ جھکے جاتے تھے شبیرؑ
غم ہے کہ برابر کا پسر ہوگیا بے دم
بارِ غمِ عباسؑ سے ہے پشت دوتا خم
اک زخم تو بازو پہ ہے اک زخم جگر پر
پر صبر کے جوہر انہیں دکھلاتے ہیں شبیرؑ
فرماتے ہیں راضی ہوں میں اے مالکِ تقدیر
یارب مجھے امت کی شفاعت کی طلب ہے
وہ دوپہر اس دشت کی اور دن کا وہ ڈھلنا
اور تن پہ حرارت سے وہ ہتھیار کا جلنا
اور دھوپ میں پیاسے شہِ مظلوم کھڑے تھے
کیا قہر ہے اس آگ میں پانی کا نہ پانا
یہ جانِ محمدؐ ہے یہ بیٹوں نے نہ جانا
امت میں محمدؐ کی عجب غدر ہوئے ہیں
اور دم کھینچتے ہیں شیر زبانوں کو نکالے
ریتی پہ دھریں پاؤں تو پڑ جاتے ہیں چھالے
پتھر ہیں چمکتے یہ زمیں گرم ہوئی ہے
مسکن سے چرائی کو پرندے نہیں جاتے
اس دھوپ میں حضرتؑ کہیں سایا نہیں پاتے
اس سر پہ فقط سایۂ الطافِ خدا ہے

پھر کاوے سے ہوتی ہے ادھر خنگ نبی پر
ہے چتر کا سایہ پسر سعد کے سر پر
نرغہ ہے حسینوں کا امام ازلی پر
کہتا ہے کماں داروں سے شمر ستم آرا
سرواب تو اکیلا ہے ید اللہ کا پیارا
اس وقت نشانے کو جو چوکے تو خطا ہے
تھے برچھیوں والوں سے نشانے ہیں شہ بر
پشتے پہ کاری کوئی پڑتی نہیں تلوار
دست شہ دیں کاٹ کے شانے سے گرا دو
یہ سن کے ہوئے مستعد قتل وہ نامرد
ناگاہ بیاباں میں اٹھی دور سے اک گرد
خورشید دہنگام تمازت نظر آیا
آندھی غضب آئی کہ لرزنے لگا میداں
ذرے کے پہاڑوں میں پڑے جیسے بھونچال
مہلت تھی کسی کو نہ جگہ امن و اماں کی
حضرت نے سنی گھوڑوں کے ٹاپوں کی جو آواز
سمجھے کہ یہ کچھ فوج کی آمد کا ہے انداز
اس وقت میں کس نے یہ کیا قصد کمک کا
مقتل کے قریب آ کے بھی گرد جو اک بار
دو سا زرہ گھوڑے وہ چمکتے ہوئے ہتھیار
کچھ فوج زمیں پر ہے تو کچھ فوج ہوا پر
جب نور سے وہ دشت ستم بھر گیا سارا
اس رنگ سے باگوں کو یہ سردار نے پکارا
مقتل سے یہیں وہ شہ دیں جا کے کھڑے ہیں

مرتا ہے عطش سے پسر ساقی کوثر
اور دھوپ میں بیٹھا ہے زینت آغوش پیمبر
تلواروں کی ہے چھاؤں حسینؑ ابن علیؑ پر
ہے فتح جگر گوشۂ زہرا کو جو مارا
اس تیروں سے بیکس کا بدن چھان ڈالا
نیزے کا جو سینے کو امام دو سرا کے
اس پہلوئے شہ پر کسی پہلو سے کرو وار
کہتا تھا سواروں کو سنا کر وہ جفا کار
سب مل کے اکیلے کو نشانوں سے گرا دو
بے دینوں کو درد دل زہرا کا تھا دارو
جس گرد سے صحرائے پر آشوب ہوا اندھ
مینائے فلک شیشۂ ساعت نظر آیا
دریا سے اٹھا شور کہ طوفان ہے طوفاں
طائر بھی درختوں سے اڑے ششدر و حیراں
غل تھا کہ دہائی ہے سلیمان جہاں کی
تکنے لگے دریا کی طرف شاہ سرافراز
بیکس کی مدد کرنے کو آیا کوئی جانباز
جنات کی ہے فوج کہ لشکر ہے ملک کا
دیکھا شہ دیں نے کہ چلے آتے ہیں اسوار
کثرت ہے یہ ایسی کہ شمار ان کا ہے دشوار
لشکر ہے کہ دریا کی ہے اک موج ہوا پر
تھا گھوڑوں کی کثرت سے نظر کا نہ گزارا
آگے نہ بڑھو اب یہیں آقا ہے ہمارا
ٹکڑے بھی زہرا کے کلیجے کے پڑے ہیں

سب تھم گئے میداں میں پڑا اندھیرے کا انبوہ
مُجرے کو غلاموں کی طرح خم ہوا کوہ

عاشق اُسے سمجھے جو امامِ اُمم اپنا
یوں کہنے لگا جوڑ کے ہاتھوں کو وہ ذی جاہ

حضرت نے کہا مختصر بعبارت یہ واللہ
تو دوست ہمارا ہے اُسے جانتے ہیں ہم

آجاتا تھا جنات کا مذکور کبھی گر
ہوتا ہے وفادار وفادار کا دلبر

سب عقدوں کو کھولا ہے امامِ ازلی نے
ہے خوب مجھے یاد ترے باپ کا آنا

وہ اور زمانہ تھا یہ ہے اور زمانا
اب بے کس و بے پر خلفِ شاہِ عرب ہے

تھا کون جو مظلوم کی تسلیم کو آتا
برگشتہ ہے قسمت کسے حال اپنا سناتا

انداز زمانے کی یہ گردش کے نئے ہیں
سُن کر یہ سخن کہنے لگا زعفرِ دیندار

تھا کل اسے آنے پہ تب آیا یہ گنہگار
زندہ شہِ ذی جاہ کے پیاروں کو نہ دیکھا

تھا جشن میں شادی کی میں اے قبلۂ عالم
بس تخت سے اُٹھا ہیں وہ صحبت ہوئی برہم

ہے تیرہ و تاریک جہاں سب کی نظر میں
لشکر نے چلے میں نجف کی طرف آیا

آتی تھی صدا قبر سے ہے ہے مرا جایا
سجاد ہیں محبوبِ خدا اُمتِ جد سے

شبدیزِ فلک سیر سے اُترا وہ نکوکار
آنکھوں سے لگانے قدمِ سیّدِ ابرار

مولا نے رکھا پشت پہ دستِ کرم اپنا
میں کون ہوں پہچانا مجھے آپ نے یا شاہ

مجھ سے بھی ترے جد و پدر سب ہی ہوں آگاہ
تو زعفرِ جن ہے تجھے پہچانتے ہیں ہم

تعریف ترے باپ کی فرماتے تھے حیدر
فرزندِ علیؑ سے تجھے اُلفت نہ ہو کیونکر

دی ہے ترے آنے کی خبر ہم کو علیؑ نے
اور مسئلہ کچھ پوچھ کے دربار سے جانا

ماں اُٹھ گئیں دنیا سے سفر کر گئے نانا
تو پوچھنے آیا ہیں اس کا بھی عجب ہے

ہم سے تو کوئی آج نہیں آنکھ ملاتا
منظور وہ ہوتی تو خود تجھ کو بلاتا

جو میرے شناسا تھے وہی بھول گئے ہیں
ہے سخت تعجب مجھے یا سیّدِ ابرار

تلواروں سے جب کٹ گیا سب آپ کا گھر بار
مہتاب کو دیکھا ہے ستاروں کو نہ دیکھا

جو قاف میں ناگاہ یہ پہونچی خبرِ غم
پریوں کی جماعت میں بپا ہو گیا ماتم

روتا ہوا ایک ایک کو چھوڑ آیا ہوں گھر میں
تھا ابرِ الم روضۂ مرقد پہ چھایا

فرمایا کہ شبیر نے پانی بھی نہ پایا
غل تھا کہ علیؑ آج بلکتے ہیں لحد سے

اک جن تھا وہاں میں جو ٹھہرتا تو غش آتا
گستاخی جو ذرا ہو تو حضرت کو نہ پاتا
تبلائیے مولا کے منہ اپنا دکھاتا
تنہائی میں آقا کو مرے کون بچاتا
سب کہتے کہ حیدرؑ نے سدا جن کی مدد کی
ان لوگوں نے کچھ اپنے نہ محسن کی مدد کی

اب اذنِ وغا دیجیے مجھے یا شہِ ذی جود
سارا مرا لشکر ہے فدا ہونے کو موجود
کیا بود و نمود اُن کی ابھی ہوتے ہیں نابود
رو سکتے ہیں احمدؐ کے نواسے سے یہ مردود
بڑھ کر ابھی پنجے میں دبا لیتا ہے سب کو
اک جن کو جو دوں حکم تو کھا لیتا ہے سب کو

پھیلی ہوئی ہے قوت مری آفاق میں تا قاف
سب شیعہ ہیں دیندار ہیں اور قوم کے اشراف
رخ میرے روشن ہیں دل آئینے سے شفاف
تسبیح زباں پنجتنِ پاک کے اوصاف
ہے آج کے دن عید فدا ہونے کی ان کو
یہ وہ ہیں کہ پیاری نہیں جاں آپ کی ان کو

زعفر سے یہ فرمانے لگے سیدِ ابرار
مشہور ہے عادل خلفِ حیدرِ کرار
تم دیکھو انھیں اور تمہیں دیکھیں ستمگار
یہ جنگ و جدل شرع میں جائز نہیں زنہار
جو حق ہے کیے جاؤں گا گو تشنہ دہاں ہوں
احمدؐ کا نواسا ہوں امامِ دو جہاں ہوں

ہے دورِ شجاعت یہ اگر یوں انھیں مارا
یا مروت نہیں کرتی ہے گوارا
لازم ہے مجھے رحم نبی کا ہوں نواسا
دشمن پہ بھی ہے خلق میں احسان ہمارا
ہر چند نہیں ننگ عمل اُمتِ جد کا
شرم آتی ہے پڑھتے ہیں یہ کلمہ مرے جد کا

کی دستِ ادب جوڑ کے زعفر نے یہ گفتار
مشہور جہاں جنگِ اُحد کے ہیں یہ اخبار
کی فوجِ ملک نے مددِ احمدِ مختار
اُن کو بھی تو لڑنے میں نہ تھے بھیجے کفار
کافر ہیں یہ سب ترکِ مروت نہیں اس میں
خادم بھی لڑا گر تو قباحت نہیں اس میں

فرمایا شہِ دیں نے بصد گریہ و زاری
اُس دن تھی یہی مصلحتِ ایزدِ باری
بھیجا تھا انھیں حق نے جو فوج آئی تھی ساری
تو آیا ہے اُلفت سے مدد کرنے ہماری
انسان سے جنات کو گر حکمِ وغا دوں
عادل کوئی پوچھے تو جواب اس کا میں کیا دوں

بولا قدمِ شاہ پہ سر رکھ کے وہ ذی شان
آقا ترے قربان ترے عدل کے قرباں
کہیے تو مشکل ہو ابھی صورتِ انسان
وہ ہم کو کریں قتل کریں ہم انھیں بے جاں
سب کو یہی حسرت ہے لڑیں راہِ خدا میں
گر مر گئے ہو جائیں گے داخل شہدا میں

شہ بولے کہ دے تجھ کو جزا خالقِ اکبر
تو چاہتا ہے قتل نہ ہو سبطِ پیمبر
لیکن نہ بچے گا پسرِ ساقیِ کوثر
یہ اہلِ ستم تیغ سے کاٹیں گے مرا سر
معلوم ہے مجھ کو نہ اجل آج ٹلے گی
اللہ کے سجدے میں یہ خنجر مجھ پہ چلے گی

تب زعفرِ جن بولا کہ یا شیرِ ابرار
یہ قتل کریں گے تمہیں اب جائیے ناچار
شہ نے کہا میں ہوں خلفِ حیدرِ کرار
کونین میں مشہور ہیں ہم قاتلِ کفار
دیکھی نہیں احمد کے نواسے کی لڑائی
اب دیکھ تو اس بھوکے پیاسے کی لڑائی

یہ کہہ کے بڑھے بہرِ وغا سرورِ عالی
غصے میں نظر شیر سی اُس شیر نے ڈالی
پھر نادِ علی پڑھ کے جو تلوار نکالی
بجلی سی چمکنے لگی شمشیرِ ہلالی
حیدر کی طرح آئے صفِ لشکرِ کیں پر
بجلی سی گری تیغ ہر اک دشمنِ دیں پر

دم تن سے جوانوں کا نکلتے ہوئے دیکھا
وہ سر جو اجسام سے کر چلتے ہوئے دیکھا
تن شمع کے مانند پگھلتے ہوئے دیکھا
نیزوں کی سنانوں کو اچھلتے ہوئے دیکھا
اس تیغِ شہِ ابرار سے بیتاب تھے ناری
تلوار جو تھی آگ تو سیماب تھے ناری

روکا جو سپر کو تو سپر کاٹ کے نکلی
سر پہ جو پڑی کاٹ کے سر کاٹ کے نکلی
سینے میں در آئی تو جگر کاٹ کے نکلی
اُتری جو جگر سے تو کمر کاٹ کے نکلی
ٹھہری نہ کمر پر نہ رکی خانۂ زیں پر
رہوار کو دو کر کے گری روئے زمیں پر

ناگاہ صدا چرخ سے پیدا ہوئی پیہم
اب روک لے تلوار کو اے سیدِ عالم
کون ایسا ہے جو سامنا تیرا کرے اشقی
آگے سے تمہیں بھاگ گیا لشکرِ ظالم
بس خوب لڑے تیغِ شہِ ابرار کو روکو
سب فوج چلی جاتی ہے تلوار کو روکو

آواز کا آنا تھا کہ تلوار کو روکا
فرمایا کہ جو حکم ترا اے مرے مولا!
کیا دخل جواب میں کروں لڑنے کا ارادا
میں بندۂ ناچیز تو کونین کا آقا
سر تیغ سے میداں میں کٹانے کی خوشی ہے
دربار میں تیرے مجھے آنے کی خوشی ہے

یہ کہہ کے رکھی میان میں شمشیرِ دو پیکر
پھر زعفرِ جن سے یہ کہا با دلِ مضطر
کیوں دیکھی شجاعت مری اور تیغ کے جوہر
مجبور نہیں ہے خلفِ حیدرِ صفدر
اُمت مرے نانا کی ہے کیا ان کو سزا دوں
اب بھی یہ اگر مانیں تو دوزخ سے بچا دوں

اے زعفر جن تجھ سے رضامند ہے غفار
راضی ہوا تجھ سے خلف حیدر کرار
جب پیاس میں تو پانی کبھی بھیجیو بھائی
تو دل میں دگر غصّہ کر مری عرض نہ مانی
مرجائے جب اکبر سا پسر یوسف ثانی
جا اب تو کہ جلدی کہیں سر تن سے اتر جائے

اس سعی کا بدلا تجھے دے ایزد باری
ہر سال کیا کیجو مری تعزیہ داری
رونے میں تجھے اجر شہادت کا ملے گا
سب لشکر جن رونے لگا سن کے یہ تقریر
غل سن کے یہ چلانے لگی شاہ کی ہمشیر
سنتی ہوں جدھر ہائے حسینا کی صدا ہے

اب گھر سے نکلتی ہوں میاں ہائے مرے بھائی
زعفر نے یہ جنات کو آواز سنائی
سیدانی ہے واجب بخدا اس کا ادب ہے
ہمشیر کو گھبرا کے شہ دیں نے پکارا
بیٹا زعفر جن آیا ہے لشکر لئے سارا
کرتا ہوں میں رخصت وہ جدا ہوتا ہے زینب

حضرت کی صدا سن کے وہ ناشاد پکاری
گھبرا کے وہ آئی ہے زعفر کی سواری
اعدا کو نہ اب قہر الٰہی سے بچانا
اس وقت میں کیونکر یہ تمہیں چھوڑ کے جائے
زہرا کا پسر قتل ہو اور یہ نہ بچائے
کیوں کر نہ ہوں زینب شہ مرداں نے لیے ہیں

اس بیکسی میں آ کے ہوا میرا مددگار
ہر ایک سخن یاد رہے اے مرے غمخوار
تب تشنگی تو یاد مری کیجیو بھائی
بیزار ہے دنیا سے یہ اللہ کا جانی
جینے کا مزا تلخ ہے اور خاک ہے پانی
یہ بار امانت مری گردن سے اتر جائے

رخصت ہو کر اب آئے گی اماں کی سواری
جب پیاس لگے یاد رہے پیاس ہماری
تربت میں مزا میری محبت کا ملے گا
برپا ہوا اک شور کہ ہے شہ دلگیر
روتی تھی میں کٹ گیا شاید سر شبیر
دنیا میں قیامت نہیں آئی ہے تو کیا ہے

فریاد ہے فریاد دہائی ہے دہائی
بند آنکھیں کرو غیرت زہرا نکل آئی
سر ننگے کسی نے اسے دیکھا تو غضب ہے
بیکس و دلہن ہم کو کسی نے نہیں مارا
پر مجھ کو کسی کی نہیں امداد گوارا
یہ لشکر جن میرے لئے روتا ہے زینب

تنہائی کے صدقے میں اس آواز کے واری
عرض اس کی نہ رد کیجیو اے عاشق باری
کشتی کو غریبوں کی تباہی سے بچانا
ہے دوست وہ جو کام بُرے وقت میں آئے
اب ساتھ جو چھوٹے تو کہاں پھر تمہیں پائے
اس پر بھی تو احسان مرے بابا کے جب

ہم ان پہ نہ کیجے کہ یہ ہیں ظلم کے بانی
جعفر سے کہے جا کے کوئی میری زبانی

آفت ہے یداللہ کی جائی کو بچا لے
یاں ہو چکا تھا سب مرے لٹ جانے کا ساماں
سُن لی مری فریاد ہی اللہ کے قرباں

فرزند علی گھر گیا تھا فوج ستم میں
سیدانی ہوں بیکس ہوں ہیں گردش کی ستائی
رکھتی ہوں میں دولت و بضاعت کی کمائی

غربت میں مدد کو نہیں نہ مقتل میں رہوں گی
شبیر کی اک جان کا دشمن ہے زمانہ
واجب ہے یداللہ کے پیارے کا بچانا

شبیر کے دشمن ہیں سب اس فوج کی صف میں
اس وقت اگر تو نہ مدد کرنے کو آتا
میں دیکھتی اور سبطِ نبی برچھیاں کھاتا

ذاتوں میں سینۂ صد چاک پہ ہوتا
پٹختے ہیں سر بیٹے کے رونے لگا جعفر
کچھ کام نہ مجھ سے لیا اے سبط پیمبر

کام آئے گا مجھ سے کس روز آس پہ رونا
جب حکم امام دو جہاں سے ہوا لاچار
سب اوج سمجھ جانے کہ یا [illegible]

آقا ترے اس صبر و شکیبائی کے صدقے
[illegible]
[illegible]
[illegible]

پہ ہے دریا اصغر معصوم کو پانی
ہیں درپئے جاں شاہ کے یہ دشمن جانی

میں دوں گی دعا تمیں مرے بھائی کو بچا لے
چلاتی تھیں زہرا مرا گھر ہوتا ہے ویراں
مر کر بھی نہ بھولوں گی تو آج میں احساں

اس وقت تو کیا آیا کہ جاں آ گئی دم میں
جب سے ہوئی پیدا کبھی راحت نہیں پائی
دنیا میں بس اب ایک یہی ہے مرا بھائی

میں بھائی کو لے کر کسی جنگل میں رہوں گی
اس وقت ہوا ام کو نسبت ترا آنا
اب چھوڑ کے حضرت کو کہیں یاں نہ جانا

پہنچا دے ممدوح کے نواسے کو حفاظت میں
ہے ہے کہ اب بجائے کو پھر کون بچانا
ہو قید جو دریا تو حضرت کو نہ پانا

سر نیزے پہ ہوتا تو بدن خاک پہ ہوتا
کہتا تھا میں اس صبر کے صدقے ترا جعفر
حضرت نے کہا اب تو اک پھر جانا ہے بہتر

جب ہیں یہ پانی تو مری پیاس [illegible] ہے رونا
سر پیٹنے گھر نے چلا جعفر پری دار
چلاتے تھے ہے ہے غضب حیدر کرار

اے صدقہ [illegible] تنہائی کے صدقے
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ماتم کی خبر زعفرِ بادر نے جو پائی
پوچھا کہ ہوا کیا صفِ ماتم جو بچھائی
گھیرا ہے ستمگاروں نے فرزندِ علیؑ کو

سر پیٹ کے ماں زعفرِ جن کی یہ پکاری
واجب تھی تجھے شہِ کونین کی یاری
اب محکمۂ حشر میں جاؤں گی میں کیونکر

حیدر نے ترے باپ پہ کیا کیا کیے احساں
کیا رحم ہے اس عقدہ کشائی کے میں قرباں
فرزند پہ آج اُس کے بڑا وقت پڑا ہے

باپ آج ترا ہوتا تو جی اُس کو دے آتا
فرزندِ پیمبر کے عوض برچھیاں کھاتا
جو اہلِ وفا ہوتے ہیں مر جاتے ہیں بیٹا

رو کر کہا زعفر نے میں تھا لڑنے کو تیار
حکمِ شہِ کونین سے میں ہو گیا ناچار
میں کیا کروں سر مجھ کو کٹانے نہیں دیتے

اُس نے کہا پھر جا کے تو حاضر ہو وہیں جا
سیداں میں سلامت جو وہ ہو دیجیو سلطاں
چلتی ہے چھری شیرِ الٰہی کے جگر پر

یہ کہتے تھے میداں میں وہ کٹتا ہوا آیا
یاں ہو چکا تھا قتل یداللہ کا جایا
سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھاتے تھے ستمگر

خاموش انیس اب کہ جگر ہو گیا پانی
بے شک ہیں بیاں ہر چند یہ الفاظ و معانی
مداحیِ حضرت تو کرے شکر ادا کیا ہے

گھبرائی ہوئی گھر سے وہ باہر نکل آئی
زعفر نے کہا لٹ گئی زہراؑ کی کمائی
چھوڑ آیا ہوں تیغوں کے تلے سبطِ نبیؐ کو

تو نے پسرِ فاطمہؑ پہ جان نہ واری
عزت نہ رہی آگے محمدؐ کے ہماری
منہ فاطمہؑ کو جا کے دکھاؤں گی میں کیونکر

جاں بخشی بھی کی اور دیے دین دولت ایماں
مشکل جو پڑی دم میں اُسے کر دیا آساں
تو سائے میں بیٹھا ہے وہ میداں میں گھرا ہے

اعدا کا نشاں صفحۂ ہستی سے مٹاتا
شہزادے کے قدموں پہ گلا اپنا کٹاتا
یوں چھوڑ کے آقا کو چلے آتے ہیں بیٹا

فرمایا مدد ابنِ علیؑ کو نہیں درکار
ورنہ مری شمشیر سے بچتے نہ ستمگار
اُمت پہ تو وہ ہاتھ اُٹھانے نہیں دیتے

ایسا نہ ہو سر رن میں کٹا دیں شہِ ذی شاں
میں دودھ نہ بخشوں گی جو تو ہو گا نہ قرباں
میں نے تجھے صدقے کیا زہراؑ کے پسر پر

زندہ مجھے دکھلائیو پھر شہ کو خدایا
اُس وقت وہ پہنچا کہ تڑپتا ہوا پایا
سیدانیوں کو لوٹنے جاتے تھے ستمگر

دیکھی ترے دریائے طبیعت کی روانی
توصیف مگر خوب نہیں اپنی زبانی
امدادِ محمدؐ ہے یہ الطافِ خدا ہے

۲۳

مرثیہ

بند ۳۸

جب کہ خاموش ہوئی شمعِ امامت رن میں
اور تڑپنے لگا وہ سرو سا قامت رن میں
چرخ چلاتا تھا زمیں خوف سے تھراتی تھی
شور تھا فاطمہ کا راحتِ جاں قتل ہوا
حق کے سجدے میں امامِ دو جہاں قتل ہوا
ظلمِ اعدا سے ہوا یثرب و بطحا خالی

تشنہ لب بیکس و مظلوم مسافر ہے ہے
تابعِ مرضیِ حق صابر و شاکر ہے ہے
سر کٹے جاتے ہیں نیزے پہ چڑھ جانے کے لیے
بی بیاں بوڑھی پہ چلاتی ہیں گھبرائے ہوئے سر
کہتی تھی پیٹ کے سر زینبِ تفتیدہ جگر
تم نے پردیس میں منہ بہنوں سے موڑا بھائی

گھر میں زہرا کے تو ماتم ہے ستمگاروں میں عید
قتل تھا سجدے میں ہوا فاطمہ کا لال شہید
قتل فرزند ہوا غالب ہر غالب کا
اپنے خیمے میں اُدھر بیٹھا تھا کرسی پہ عمر
ہے مبارک ہو کہ مارا گیا زہرا کا پسر
خیمے کی ڈیوڑھی پہ سیدانیاں چلاتی ہیں

دن کو پیدا ہوئی ظلمت کی علامت رن میں
صاف ظاہر ہوئے آثارِ قیامت رن میں
نالۂ فاطمہ زہرا کی صدا آتی تھی
بوند پانی نہ ملا تشنہ دہاں قتل ہوا
قبلۂ دیں شرفِ کون و مکاں قتل ہوا
ہو گئی پنجتنِ پاک سے دنیا خالی

بوند پانی کی نہ پائی دمِ آخر ہے ہے
روضۂ احمدِ مرسل کے مجاور ہے ہے
کوئی آتا بھی نہیں لاش اُٹھانے کے لیے
اے فرزندِ علی وائے محمد کے پسر
سبطِ احمد تری مظلومی کے صدقے خواہر
آپ جنت کو سدھارے ہمیں چھوڑا بھائی

روزِ عاشور کو سمجھے تھے لعیں روزِ عید
آلِ احمد پہ ظفر یاب ہوئی فوجِ یزید
کٹ گیا باغِ علی ابنِ ابی طالب کا
کہ خبرداروں نے ناگاہ یہ دی آکے خبر
فاطمہ روتی رہی کاٹ لیا شمر نے سر
بیٹیاں فاطمہ کی رن میں چلی آتی ہیں

کہہ کے یہ کرسی زریں سے اٹھا وہ بے دیں
آیا خوش ہوتا ہوا سامنے یوں شمر لعیں
کہتا تھا احمد مختار کا گھر خاک ہوا
تیرا اقبال تھا یاور کہ لڑائی جیتی
خنجر ظلم سے کاٹا ہے محمد کا جگر
نالۂ شیر الٰہی کی صدا آتی تھی
اس نے دیکھا جو سر پاک امام خوش خو
بولا یہ شمر سے وہ آل پیمبر کا عدو
تیغ جب حلق پہ رکھی تھی تو کیا کرتے تھے
جب میں نزدیک گیا کھینچے ہوئے خنجر کیں
ہاتھ تھے خاک پہ اور سجدۂ خالق میں جبیں
عرش تھرّاتا تھا جب فاطمہ چلاتی تھی یوں
زانو اس سینۂ پرنور پہ رکھنے لگا جب
تھامے ہاتھوں سے جگر کہتے تھے سلطان عرب
مجھ کو اللہ نہ بخشے گا یہ کیا کرتا ہے
گردن سبط پیمبر پہ جو رکھا خنجر
پھر گئی آنکھ تھے گردش میں چشم حیدر
اور یہ کچھ کہہ کے وہ جاں سے گزر جانے کی
ذبح کے وقت کا احوال سناؤں تجھے کیا
سر برہنہ تھے نبی پیٹتے تھے شیر خدا
جب علی ہاتھ پکڑتے تھے تو ہٹ جاتی تھی
ماں کے احوال پہ روتا تھا علی کا جانی
مجھ سے دو مرتبہ شبیر نے مانگا پانی
زیر شمشیر گلوئے شہ خوش خو دیکھا

شکر ہے قتل ہوا بادشہ عرش نشیں
سر تھا اک ہاتھ میں اک ہاتھ میں تھا خنجر کیں
لے عمر! خانۂ پنجتن پاک ہوا
اس کا یہ سر ہے جو تھا فاتح خیبر کا پسر
آج گل ہو گئی شمع حرم پیغمبر
میرا خنجر نہ رکا فاطمہ چلایا کی
چاہتا تھا کہ سینے سے نکل آئے ابھی
کس طرح ذبح کیا مجھ سے مفصل کہہ تو
اس نے رو کر کہا امت کی دعا کرتے تھے
قبلہ رو بیٹھے تھے خاموش شہ عرش نشیں
آستیں میں نے جو الٹی تو لرزتی تھی زمیں
الاماں کی مرے خنجر سے صدا آتی تھی
شور تھا چار طرف ہائے غضب ہائے غضب
میرا سینہ ہے یہ اس سینے کا لازم ہے ادب
سر شبیر کو خنجر سے جدا کرتا ہے
شہ بیکس نے عجب یاس سے کی مجھ پہ نظر
رو کے فرمایا کہ زینب تو نہیں دیکھتی ہے
ذبح ہوتے مجھے دیکھے گی تو مر جاوے گی
زینب آ پہونچی تھی شبیر تلک ننگے پا
رکھے دیتی تھی گلا تیغ کے نیچے زہرا
پھر تڑپ کر شہ بیکس سے لپٹ جاتی تھی
ہونٹ سوکھے ہوئے تھے پیاس کی تھی طغیانی
سبط احمد کی کوئی بات نہ میں نے مانی
آسماں ہل گئے جب سینے پہ زانو دیکھا

ضربِ اوّل میں شہِ دیں نے کہا بسم اللہ
تیسری ضرب میں آئی یہ صدائے جانگاہ
پھر نہ کچھ حضرتِ شبیرؑ کی آواز آئی

شمرِ اظلم سے خوشی ہو کے لگا کہنے عمر
حکم دے فوج کو کوئی نہ ابھی کھو سکے گھر
دن بہت کم ہے بس اب فکرِ زر و مال کرو

شمر چلایا یہ سنتے ہی کہ اے لشکرِ شام
دیر کا وقت نہیں اب کہیں ہو جائے نہ شام
پاس ناموسِ نبیؐ کے زر و زیور نہ رہے

یہ سخن سن کے چلے خیمے پہ اعدا کے پرے
کاٹ کر لاشوں کے سر نوکوں پہ نیزوں کی دھرے
آلِ اطہرؑ پہ عجب طرح کی آفت آئی

پیٹتی پھرتی تھیں سیدانیاں کھولے ہوئے بال
خوف کے مارے سکینہؑ کا عجب تھا احوال
ماں جب ہوں شہِ والا کو بلا دے کوئی

ارے لوگو مرے بھیا علی اکبرؑ ہیں کہاں
لوٹی جاتی ہے دلہن قاسمِ مضطر ہیں کہاں
ظلم تو لشکرِ اعدا نے دکھایا مجھ کو

یہ تلاطم تھا کہ خیمے میں دھنسے غارت گر
دخترِ فاطمہؑ کے سر پہ نہ چھوڑی چادر
مختصر رکھی سے کہاں سبطِ نبیؐ کی دولت

بی بیاں کستی تھیں بکھرائے ہوئے چہرے پہ بال
کرتا تھا فاقے پہ فاقہ اسد اللہ کا لال
اب حسینؑ ابنِ علیؑ سے ہے زمانہ خالی

دوسری بار پکارے کہ مدد یا جدّاہ
بخش دے حشر میں یا رب مرے شیعوں کے گناہ
جب گلا کٹ گیا تکبیر کی آواز آئی

شکر صد شکر کہ جلدی یہ مہم ہو گئی سر
جلد غارت کریں ابنِ اسد اللہ کا گھر
لُٹ چکے خیمے تو پھر لاشوں کو پامال کرو

غارتِ خیمہ کا ہے حکم چلے فوج تمام
جس کے جو ہاتھ لگے لوٹ لے اسباب تمام
اس سرِ زینبؑ و کلثومؑ پہ چادر نہ رہے

شور تھا رحم نہ ہرگز کوئی رانڈوں پہ کرے
نہ خدا سے دل میں نہ پیمبرؐ سے ڈرے
فوج کیا آئی کہ خیمے میں قیامت آئی

ماؤں کی گودیوں میں چھپتے تھے ڈر کے اطفال
مارے دہشت ہوئی چلاتی تھی وہ نیک خصال
ارے لوگو مرے بابا کو بلا دے کوئی

کس سے جا کہوں پھوپھی جان کہ اکبرؑ ہیں کہاں
ان کے قربان میں عباسؑ دلاور ہیں کہاں
کوئی اس وقت بچانے نہیں آتا مجھ کو

اور لٹنے لگا ناموسِ نبیؐ کا زیور
شور تھا جلد بتا دو کہ خزانہ ہے کدھر
کیا ہوئی احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کی دولت

گھر نبیؐ کا ہے یہ جا ہے یہاں زر کا کیا
دو وظیفے ہے نہ دولت ہے نہ زیور ہے یہاں
ہو گیا آج محمدؐ کا گھرانا خالی

غش میں بستر پہ جو سجادؑ پڑے تھے تنہا
تھمے ہاتھوں سے بازو کو ہلا کر یہ کہا
جی مرا ڈوبتا ہے چھاتی سے لگا لو مجھ کو
اٹھو صدقے گئی دیکھو کہ یہ کیسا ہے ستم
کھول کر آنکھ پکارے یہ امام عالم
رو گئے ہم اسد اللہ کا پیارا مارا
کہتے تھے یہ کہ لعینوں کا ہوا گرد ہجوم
برچھیاں تان کے سب بولے کہ اٹھ او مظلوم
او شہ موجود ہیں ناموس کے جھلانے کو
آگیا غیظ میں فرزند علی کا دلدار
شمر ظالم سے یہ فرمایا کہ او نا ہنجار
او لعیں صاحب شمشیر کا پوتا ہوں میں
اس کا بیٹا ہوں میں دو لاکھ سے کی جس نے جنگ
پاٹ دوں لاشوں سے اک دم میں صف جنگ
ہم وہ ہیں جن سے رسولوں نے مدد چاہی ہے
بیچ میں آ گئیں سب بیبیاں کھولے سر
کہا زینب نے میں صدقے ہوئی اے نور نظر
جنگ کا قصد نہ اے سید سجاد کرو
لے کے بابا کی بلائیں یہ پکاری کبرا
خط وصیت کا ہے تم اس کو پڑھو لو بھیا
بولے دیکھوں خط شبیر میں کیا لکھا ہے
خط جو کھولا تو یہ لکھا تھا پس از حمد خدا
ہم تو اب جاتے ہیں خنجر سے کٹانے کو گلا
جان من مرضی حق پہ رضا ہو رہنا

بے حواسی میں سکینہ گئی دوڑی اس جا
پھوپھی اماں کی ردا چھن گئی اٹھو بھیا
میرے گوہر کوئی چھینے چھپا لو مجھ کو
برچھیاں تانے ہوئے گھر میں گھسے ہیں ظالم
ہائے بابا یہ سر شبیر ہوا تن سے قلم
لٹ گئے رن میں ہے سرتاج ہمارا دردا
قتل اس کو بھی کریں ملعونوں میں ہے ہجوم
آپ مارا گیا شاید نہیں تجھ کو معلوم
بیڑیاں آتی ہیں بھاری ترے پہنانے کو
کانپتے ہاتھوں سے بستر سے اٹھائی تلوار
تیری سب فوج کو کافی ہوں میں گو ہوں بیمار
قید ہونے کا نہیں شیر کا پوتا ہوں میں
قید کر لیوے مجھے کیا ترے لشکر کی مجال
غضب جاتا ہے جس دم میں آتا ہے جلال
دست بیمار میں بھی زور ید اللہی ہے
بانو چلائی کہ ہے ہے مرے بیمار پسر
کچھ نہیں یاد ہے کیا کہہ گئے تھے تم سے پدر
صدقے میں باپ کی باتوں کو ذرا یاد کرو
وقت رخصت تمہیں کچھ لکھ کے ہے بابا دیا
لے کے اس نامے کو سجاد نے آنکھوں پہ دھرا
اور بیمار کی تقدیر میں کیا لکھا ہے
مرے بابا ترے تنہائی کے صدقے بابا
سب کو سونپا تمہیں اور تم کو خدا کو سونپا
آپ کی بیکسی و یاس کے شاہد رہنا

لوٹنے آئے مرے بعد جو فوجِ دشمن
طوق لا دیں تو خوشی ہو کے جھکانا گردن
مر کے لٹنے کا نہ اے لال تاسف کرنا
رکھیو اُمت پہ نبی کی نظرِ لطف و کرم
ہم کو سب حضرت کی قدرت تھی بیادِ انیس
مر کے بھی تم سے نہ غافل یہ پدر ہووے گا
پڑھ چکا آپ کی تحریر کو جب وہ بیمار
دیکھ کر لشکرِ کفار کو یہ کی گفتار
ہاتھ باندھو یہ گرفتارِ بلا حاضر ہے
سن کے بیمار کی تقریر بڑھے اہلِ جفا
ہوئی زنجیر کے نالوں سے قیامت برپا
میں تو صابر ہوں پہ حضرت یہ ستم دیکھتے ہیں
اتنے میں جلنے لگا خیمۂ سلطانِ اُمم
دوڑا معصوم سکینہ کی طرف ایک اظلم
کانوں میں گوہر کو بھرا دیکھ کے تھراتی تھیں
گود میں لے کے اُسے رونے لگی بانوئے زار
اونٹ جھلائے تو چلائی یہ زینب کہ ہائے
کرو اونٹوں کے قطار آگے لگا دو بیٹا!
اونٹ آئے ہیں سواری کو لیے نورِ نظر
دیر سے بھائی کو چلاتی ہوں میں خستہ جگر
سر پہ چادر نہیں ہے شانِ بہادر کی دیکھو
یہ جو زینب نے کہا رونے لگے خرد و کلاں
بس انیس جگر افگار نہیں تاب و تواں
ختم کرتا ہوں گنہگار ہوں سے پشیماں ہوں میں

منہ سے نکلے نہ بجز شکر کوئی اور سخن
کیجو اُمت کی دعا بارِ مصیبت کھینچیں
میری مسند بھی جلا دیں تو نہ تم اُف کرنا
کھینچیو تیغ نہ جھنجھلا کے مرے سر کی قسم
اے مرے جانی نہ ڈگے راہِ رضا سے قدم
شام تک ساتھ تمہارے مرا سر ہووے گا
اشک آنکھوں سے بہے ہاتھ سے رکھ دی کاغذ
طوق و زنجیر کو لے آؤ نہیں اب انکار
پاؤں سوجے ہوئے حاضر ہیں گلا حاضر ہے
پھنس گیا طوق میں وہ چاند سا پرنور گلا
جب سیہ ہاتھ تو یوں بولا کہ یا عقدہ کشا
آئی آواز یہ اللہ کہ ہم دیکھتے ہیں
بچے لے لے کے نکلنے لگے ڈیوڑھی سے حرم
دونوں کانوں سے گہر چھین لیے وہ ظالم
ہاتھ کانوں پہ دھرے آپ کو چلاتی تھی
غل ہوا اہلِ حرم جلد ہوں اونٹوں پہ سوار
کس طرف ہو علی اکبر پھوپی تم پہ نثار
ہاتھ پکڑو مجھے محمل میں بٹھا دو بیٹا
دکھ دیا ہے نہ ہو دوچند ہماری محن پر
اپنے ناچار کی لیتے نہیں اس وقت خبر
آج ناموسِ محمد کی سواری دیکھو
اور اونٹوں کی بھی آنکھوں سے بہے اشکِ رواں
عرض کر حق سے بعد عجز کہ ربِّ دو جہاں
عفو کر جرم کہ آلودۂ عصیاں ہوں میں

۲۴

مرثیہ

نمبر ۶۰

جب تیغِ کیں حسینؑ کی گردن پہ چل چکی
آتش سے مسندِ شہِ لولاک جل چکی
سجادؑ کس کے پاس نہ تھی اژدہام میں
رتبے میں جو کہ خانۂ کعبہ سے تھا نہ کم
اونٹوں پہ بے عماری و ہودج چڑھے حرم
جو دستگیرِ خلق تھا وہ دستگیر تھا

رانڈوں کو ساتھ لے کے چلے جب وہ اہلِ شر
لے چل خدا کے واسطے مقتل میں اے عمر
پامال کیے پھر نہ لاشِ شہِ مشرقین کو
سنتے تھے کب اسیروں کی زاری وہ بد شعار
پھر پھر کے دیکھتے گئے لاشوں کو سوگوار
کیونکر جلائیں لاشوں کی اون دسترس نہیں

آئی حسینؑ کے تنِ بے سر سے یہ صدا
زینبؑ سے تب یہ کہنے لگا شمرِ بے حیا
وہ سوگوار بھائی کو چلا کے رہ گئی
وہ قافلہ دمشق کی جانب ہوا رواں
رسی لئے تھے اونٹوں کی سجادِ ناتواں
بچے بھی ماں کی گودیوں میں بے قرار تھے

اور فوجِ شام گھوڑوں سے لاشے کچل چکی
زینبؑ حرم سرا سے کھلے سر نکل چکی
سیدانیاں اسیر ہوئیں فوجِ شام میں
اُس خیمے کو جلادیا آتش سے بے ستم
رخصت نہ پائے لاشوں پہ بھی وہ اسیرِ غم
پوتا علیؑ کا طوق و رسن میں اسیر تھا

زینبؑ پکاری اونٹ سے سر پیٹ پیٹ کر
تا دیکھ لیں عزیزوں کے لاشوں کو اک نظر
سب مل کے ہم وداع تو کرلیں حسینؑ کو
دم بھر ٹھہرنے پائی نہ اونٹوں کی واں قطار
زینبؑ پکارتی تھی کہ بھیا بہن نثار
بس میں ستمگروں کے ہوں کچھ میرا بس نہیں

بھیا تری اسیری و غربت کے میں فدا
بس رو چکی خموش ہو اے بنتِ مرتضیٰ
لاشِ حسینؑ خاک پہ تھرا کے رہ گئی
نیزوں پہ تھے شہیدوں کے سرساتھ خونچکاں
بے حسینؑ کتنی تھیں سر کھولے بیبیاں
عابدؑ پیادہ پا تھے ستمگر سوار تھے

منزل پہ کس تعب سے پہنچتے تھے تا بہ شام
تھا ایک کوس ضعف کی شدت سے ایک گام
کستی تھی ناتوانی کہ رو اب یہیں مقام
کرتے تھے جب تو اٹھتے تھے لے کر علیؑ کا نام
دم رک گیا جو طوق سے گھبرا کے گر پڑے
کانٹا چبھا تو خاک پہ تھرا کے گر پڑے

منزل پہ جا کے سوتے تھے راحت سے بے صفات
غم میں پدر کے روتے تھے عابدؑ تمام رات
جز حمدِ حق زبان پہ آتی تھی کوئی بات
ہر دم تھا شکرِ نعمتِ معبودِ پاک ذات
کٹتی تھی راہ بندگیٔ بے نیاز میں
شب کو جب اٹھ کے دیکھا تو پایا نماز میں

راتوں کو اک گھڑی کسی منزل تھا نہ چین
رہتا تھا تا بہ صبح بپا شورِ واحسینؑ
اصغر کے غم میں بچے کو کرتی تھی ماں بین
جنگل میں کس طرح سے رہا میرے نورِ عین
کس کو سلاؤں سینے پہ میں آہ تم نہیں
اُترا ہے دودھ چھاتی میں اے ماہ تم نہیں

کرتا ہے ایک راوی شیریں سخن بیاں
پہنچا قریبِ قلعۂ شیریں وہ کارواں
فوجِ امیرِ شام فروکش ہوئی وہاں
تھک کر زمیں پہ گر پڑے سجادؑ ناتواں
اس دشت میں اُتر کے حرم نوحہ گر ہوئے
نیزوں پہ پھر نصب وہ شہیدوں کے سر ہوئے

شیریں کو تھا جو آٹھ پہر شاہ کا خیال
اس طرح خواب میں نظر آیا اسے جمال
زخمی ہے سر سے تا بہ قدم شاہِ خوش خصال
اصغر کی لاش گود میں کپڑے لہو سے لال
زخمی گلا ہے تیغ سے پیشانی تیر سے
بوندیں لہو کی گرتی ہیں حلقِ صغیر سے

شیریں نے شاہِ دیں کو جو دیکھا تو مطلقاً
حیرت سے شہ کو دیکھتی تھی سر سے تا بہ پا
کہنے لگا تب اُس سے یہ مظلومِ کربلا
افراطِ زخم سے مرا نقشہ بدل گیا
صدمے سے جو ہم پہ گزرے ہے جانتی نہیں
میں ہوں حسینؑ تو مجھے پہچانتی نہیں

شیریں قدم پہ گر کے پکاری کہ میں نثار
یہ حال کیا ہے آپ کا باشاہِ باوقار
فرمایا تب حسینؑ نے با چشمِ اشکبار
شیریں مرے گلے پہ چلی تیغ آبدار
کس سے کہیں جو پیاس کے صدمے اٹھائے ہیں
وعدہ کیا تھا تجھ سے سو ہم مر کے آئے ہیں

دشتِ بلا میں لٹ گیا سارا بھرا گھر
یاں تک کہ قتل ہو گیا تھا سایۂ پسر
زینبؑ اسیر ہے تجھے اس کی نہیں خبر
بی بی ہے تیری فوجِ ستمگر میں ننگے سر
جس نے غنی کیا تھا تجھے وہ فقیر ہے
آزاد کرنے والی تری خود اسیر ہے

شیریں یہ اٹھی جو دیکھ کے یہ خواب ہولناک
شوہر پکارا آپ کو کرتی ہے کیوں ہلاک
چلائی وہ کہ تختِ امامت الٹ گیا
اس نے کہا کہ منھ سے نہ یہ فالِ بد نکال
آتی ہے یاں سدا خبرِ شاہِ خوش خصال
امت ستائے گی شہِ ذوالاحترام کو
مشکل کشا ہے خلقِ دو عالم کا پیشوا
ایسے بزرگ پر کوئی کرتا نہیں جفا
سید کے سر کو تیغ سے ناحق اتاریں گے
شیریں نے تب کہا کہ قلق ہے مجھے شدید
ہے ذبحِ ابنِ فاطمہ کی اس شقی کو عید
کوئی نہ جنگ میں رہے یہ مراد ہے
وہ ہیں ادھر جہاں نہیں سامانِ کارزار
دنیا کا ہاتھ میں نہ ریاست نہ اقتدار
ان کو غرض ہے کچھ نہ ریاست نہ جاہ پر
یہ بین کر کے روتی تھی وہ غم کی مبتلا
شیریں خبر نہیں ہے تجھے اس خوشی کی کیا
اب داخلہ ہے فاطمہ کے نورِ عین کا
دیکھ آئے لوگ خیمۂ زرنگارِ امام
کہتے ہیں ساتھ آئے ہیں اہلِ حرم تمام
بستی کے لوگ شہ کی زیارت کو جاتے ہیں
شیریں پکاری اٹھ کے کہ میں ہوں نثار
اس نے کہا غلط نہ کہوں گی میں زینہار
آنکھوں سے سیلِ اشک جو جاری تھی رک گئی

چھاتی پہ ہاتھ مار کر تڑپی پڑی بخاک
کیا سانحہ ہوا جو گریباں کیا ہے چاک
ہے ہے مرے امام کا سر تن سے کٹ گیا
دیکھا ہے خواب کچھ تو ہے اس کا عبث خیال
سچ کو گیا ہے کیسے ہیں خیر النساء کا لال
کیسے ہیں کون قتل کرے گا امام کو
محبوبِ کبریا کی زباں حجتِ خدا
فرزندِ فاطمہ نے کسی کا ہے کیا کیا
کس جرم پر نبی کے نواسے کو ماریں گے
ششدر ہوں میں بھی مرے آقا ہے یزید
ڈر ہے کیا نہ ہو شہِ ذی جاہ کو شہید
دشمن سوا یزید کے ابنِ زیاد ہے
کچھ ہیں جو ہمرہ ساتھ تو کچھ ہیں رفیق و یار
حاصل فدک کا بھی نہیں دیتے ستم شعار
ہٹکے کیا ہے قبرِ رسالت پناہ پر
اتنے میں آن کر کسی عورت نے یہ کہا
ہے شور آمد آمدِ فرزندِ مصطفےٰ
یاں سے قریب اترا ہے لشکر حسین کا
اس رکنِ دیں نے آج کیا ہے یہیں مقام
ہے زیرِ قلعہ فوجِ حسینی کی دھوم دھام
یاں صبح سے ہے شور کہ شبیر آتے ہیں
نکلا ہے قریب آئے شہنشاہِ نامدار
خرّم وہ یہ سن کے شاد ہوئی وہ نکو شعار
مارے خوشی کے خاک پہ سجدے کو جھک گئی

سجدے سے اُٹھتے ہی کہے شوہر سے یہ کلام
دعوت کا میں کروں گی تکلف سے اہتمام

کیونکر خوشی نہ ہوں کہ یہ روزِ سعید ہے
فرزندِ فاطمہؑ کی عنایت کے میں فدا
یہ گھر کہاں کہاں قدمِ ابنِ مرتضےٰ
بالوں سے اپنے گھر کی زمیں کو بہاروں گی
یہ کہہ کے اُس نے فرش کیا گھر میں سر بسر
مسند بچھائی بہرِ شہنشاہِ بحر و بر

کتنی تھی میرے گھر میں ابھی سے جو نور ہے
دالان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے
حجرے کی جا یہ ہے علی اصغرؑ کے واسطے
راحت سے شہ نشیں پہ امامِ زمن رہیں
کرسی کو لا کے جلد کسی جا بچھاتی تھی
سجدے میں بہرِ شکر کبھی سر جھکاتی تھی

چہرے پہ اک خوشی تھی پہ دل بے قرار تھا
جا کر کبھی خواصوں سے کرتی تھی یہ کلام
بھر بھر کے آبِ سرد کے رکھ دو ابھی جام
بدولیوں کو خیر سے جب گھر میں لاؤں گی
ہمسائیوں سے کہتی تھی ہنس ہنس کے بار بار
ہے باغِ فاطمہؑ پہ عجب حسن کی بہار

سب نونہالِ گلشنِ دیں لاجواب ہے
شمشادِ بوستانِ پیمبرؐ کو دیکھیو!
کیا نوجوان ہے شہ کے برادر کو دیکھیو!
ہو گا کبھی یہ حسن ملک کا نہ حور کا

آیا مدینے سے مرا آقا مرا امام
بہتر ہو جتنی جلد ہو تیار سب طعام

آئے حسینؑ آج مرے گھر میں عید ہے
منظور تھا کنیز کا اعلیٰ ہو مرتبا
آنکھوں کو آج فرش کروں گر تو ہے بجا
شہزادیوں پہ آپ کو صدقے اُتاروں گی
سوسن کے گل کی طرح مصفا ہوا وہ گھر
تکیوں کو صاف کر کے لگایا اِدھر اُدھر

یہ آمدِ امامِ زمن کا ظہور ہے
یہ بزم فرش ہے علی اکبرؑ کے واسطے
یہ گھر ہے شاہِ دیں کے برادر کے واسطے
حجلہ یہ اس لئے ہے کہ دولھا دولھن رہیں
تختوں کو گوشیوں میں کبھی وہ لگاتی تھی
گھبرا کے صحن سے کبھی ڈیوڑھی پہ آتی تھی

فرزندِ فاطمہؑ کا اُسے انتظار تھا
کہنے لگی کہ جلد کہ اب آتے ہیں امام
برف آب گرم کے کر دو سبو تمام
ہاتھوں سے اپنے پاؤں سبھوں کے دھلاؤں گی
اب کیجیو زیارتِ سلطانِ نامدار
رشکِ ریاضِ خلد ہے اک ایک گلعذار

قد سروِ باغِ حسن ہیں رُخ آفتاب ہیں
سروِ ریاضِ حضرتِ شبیرؑ کو دیکھیو!
سب ایک سمت تم علی اکبرؑ کو دیکھیو
جلوہ ہے اُس جبیں میں محمدؐ کے نور کا

خالق رکھے اُسے صد و سی سال برقرار
بخشیں خدا ہیں باپ تصدق ہے ان نثار
چہرے کے آگے نیّرِ تاباں بھی ماند ہے
اب خیر سے یہ گزرے گا اٹھارواں سال
زینب کو اُس کے بیاہ کا ارمان ہے کمال
آتی ہیں نسبتیں حلب و شام و روم سے
جب ڈھل گئی اُسے انھیں باتوں میں دوپہر
اب تک نہ آئے گھر میں شہنشاہِ بحر و بر
بستی سے ساتھ لے کے ہر اک اپنے بھائی کو
کہیو مری طرف سے یہ تو چوم کر قدم
کرتے ہیں اغنیا غربا پر سوا کرم
کچھ آج ہے طپش سی دلِ بے قرار میں
قربان ہو گئی مرا گھر کچھ نہیں ہے دور
ہم لوگ مشتِ خاک ہیں حضرت خدا کے نور
کہنا حضور راہِ ہدایت کی شمع ہیں
عرصہ ابھی ہے آپ کے آنے میں کچھ اگر
ذوالجناح پہ بند و بست ہے یا شاہِ بحر و بر
محمل میں گھٹتی ہوویں گی زہرا کی پیاریاں
لشکر اپنے جلد پر اور کو بھیجئے
نورِ نگاہِ حضرتِ شبّیر کو بھیجئے
آئیں تو شاہزادوں پہ اپنے نثار ہوں
گھر سے خوشی عزیز چلا سُن کے یہ پیام
روکا سپاہیوں نے تو اُس نے کیا کلام
ہے اشتیاق فاطمہ کے نور العین کو

نامِ خدا ہے شادی کے قابل وہ گلعذار
سر پر پھوپی نے پیار سے گیسو رکھے ہیں چار
عالم کی روشنی ہے اندھیرے کا چاند ہے
شادی کریں گی بیٹی کی بانوئے خوش خصال
ہر دم یہی دعا ہے کہ دولھا بنے یہ لال
شادی خدا جو چاہے تو ہووے گی دھوم سے
شوہر سے پھر یہ کہنے لگی وہ نکو سیر
اُترے کہاں کسی سے مفصل سنی خبر
جا پیشوائے خلق کی تو پیشوائی کو جا
لونڈی کو سرفراز کر دیا شہِ اُمم
اپنے حضور چین نہیں مجھ کو ایک دم
آنکھیں سپید ہو گئی ہیں انتظار میں
خاصہ تناول آن کے اس جا کریں حضور
ہوگا یہ گھر وہ آپ کے آنے سے رشکِ طور
پروانے یاں سحر سے زیارت کو جمع ہیں
آنے میں کیوں حرم کے ہوئی دیر اتنی حضور
گو دور بھی ہیں میں نے قناتیں ادھر ادھر
عباس لے کے آئیں زنانی سواریاں
ہمراہ اُن کے عترتِ حیدر کو بھیجئے
مشتاق ہوں بہت علی اکبر کو بھیجئے
عابد کے دیکھنے کے لئے بیقرار ہوں
پہنچا اُتر کے کوہ سے نزدیک جب شام
میں بھی تمہارے شاہ کا ادنیٰ سا ہوں غلام
بتلاؤ کس طرف کو ہے خیمہ حسین کا

ہنس کر زرہ میں طعن یہ بولا کوئی شریر
اس ساری فوج کا پسرِ سعد ہے امیر

پھر ادھر نہیں ہے شہِ عالی مقام کا
آگے بڑھا عزیز تو دیکھا یہ اُن کا حال
روتے ہیں مارے بھوک کے اطفالِ خردسال
طاقت نہیں جو دھوپ سے آ بیٹھے چھاؤں میں
یہ دیکھ کر عزیز کے آنسو ہوئے رواں
چہرے پہ تو اسیروں کی سب کے شکوہ و شاں

بولے کبھی اسیر ہو اب تو فقیر ہیں
اُس نے کہا بتائیے خادم کو اپنا نام
مضطر عزیز مُردہ اسیرِ سپاہِ شام
قیدی ستم کی فوج میں بچوں سمیت ہوں
بولا وہ تب کہ خیمۂ شبیر ہے کدھر
کہنے لگے یہ عابدِ بے کس بہ چشمِ تر

خنجر گلو پہ سبطِ پیمبر کے چل گیا
دشتِ بلا میں لٹ گیا زہرا کا سب چمن
ہے جن کے پاؤں میں بندھی ظلم کی رسن
مظلوم ہوں یتیمِ شہِ مشرقین ہوں
جس دم سنی عزیز نے ماتم کی یہ خبر
شبیر یاں کھڑی تھی آس لگائے قریبِ در

مظلوم کو روتے دیکھ کے دل کو کل پڑی
چلا کے دی صدا کہ ارے کیا غضب ہوا
برباد خاندانِ امیرِ عرب ہوا
زینب ہوئی اسیر حسینؑ اُس سے چھٹ گئے

جا پوچھ اُن سے خاک پہ بیٹھے ہیں جو اسیر
وہ سب ہیں رشتہ دارِ امامِ فلک سریر

تجھ کو پتہ انھیں سے ملے گا امام کا
کچھ بیبیاں ہیں خاک نشیں کھولے سر کے بال
اک نوجوان ضعف کی شدت سے ہے نڈھال
گردن میں بھاری طوق ہے زنجیر پاؤں میں
کی عرض اپنا حال تو کچھ کیجیے بیاں
گردن جھکا کے بولے یہ سجادِ ناتواں

بے کس ہیں بے وطن ہیں یتیم و اسیر ہیں
فرمایا رو کے بیکس و مظلوم و تشنہ کام
کنبہ شہید ہو گیا اک دشت میں تمام
میں سارباں قافلۂ اہلِ بیت ہوں
شبیر یاں کو انتظار میں گزری ہے دوپہر
جا دیکھ لے حسینؑ کا نیزے پہ ہے وہ سر

رہتے تھے جس میں شاہ سو وہ خیمہ جل گیا
جیتا بچا ہوں ایک میں بیمار و خستہ تن
بیٹھی ہے ان میں کوئی کوئی شاہ کی بہن
عابدؑ ہے میرا نام میں ابنِ حسینؑ ہوں
سر پیٹتا ہوا وہ چلا واں سے اپنے گھر
دھیان اُس کو تھا کہ آتے ہیں سلطانِ بحر و بر

ڈیوڑھی میں سے بیٹی ہوئی باہر نکل پڑی
اُس نے کہا کہ سانحہ بی بی عجب ہوا
خنجر سے ذبح سبطِ نبیؐ تشنہ لب ہوا
غربت سے آ کے راہ میں سجاد لٹ گئے

میں تجھ سے کیا کہوں کہ جگر کو نہیں ہے تاب
بی بی حسینؑ کو نہ ملا تین روز آب
اُترا ہے یاں جو آ کے وہ لشکر ہے شام کا

جا بچا ہے ایک سو وہ بے پر اسیر ہے
عاشق تھے جن کے شاہ وہ دختر اسیر ہے
ناموس میں پردہ آلِ عبا نہیں

صغریٰ یہ پکاری ٹوٹ گئی ہائے میری آس
کس نے قلم کیا سرِ شبیرِ حق شناس
سے چل مجھے کہ روؤں گی اور خاک اڑاؤں گی

روتی چلی اسیروں کی جانب وہ نوحہ گر
پہونچی قریب ناقوں کے جوش رقت تنگ تھے
ماتم کا اہلبیتِ محمدؐ میں جوش تھا

صغریٰ یہ روکے کہتی تھی بانو سے بار بار
زینبؑ سے روکے بولیں یہ کبریٰ جگر فگار
قیدی ہیں کوکھ اُجڑ گئی اور مانگ جل گئی

قدموں پہ گر کے تب وہ پکاری بیرد و غم
پہچانوں کیا کہ بال ہیں بکھرے کمر ہے خم
چھایا ہے ہیں خاک کے رُخِ نیکو پہ ہے غضب

بانو پکاری کیا کہوں صغریٰ میں پیاسا تھا
اکبر جوان تھے علی اصغر تھے خورد سال
دونوں کے سر قریب سرِ شاہِ زمن کے ہیں

بولی یہ روکے زینبؑ ناشاد و نامراد
مشہور تو ہے اہلِ وفا اور خوش اعتقاد
ہم سب کو ساتھ لے کے جو تشریف لائے ہیں

جو تو بیان کرتی تھی وہ سچ تھا ترا خواب
اے خاک اڑا کہ ذبح ہوا ابنِ بوتراب
لائے ہیں سر حسینؑ علیہ السلام کا

کبریٰ اسیر بانوئے مضطر اسیر ہے
سب اک طرف ہیں شاہ کی خواہر اسیر ہے
زہراؑ کی بیٹیوں کے سروں پر ردا نہیں

یہ کس کا ذکر کرتا ہے مجھ میں نہیں حواس
ہے ہے ردا نہیں مری شہزادیوں کے پاس
راندوں میں ہیں حسینؑ کے پرسے کو جاؤں گی

زیور جو پہنے تھی لگے پھینکنا زمین پر
سر پیٹنے لگے حرمِ شاہِ بحر و بر
صغریٰ کو تھا نہ ہوش نہ بانو کو ہوش تھا

بتلاؤ تم کدھر مری بی بی ہیں میں نثار
کیا کہتی ہے یہی تو ہیں بانوئے نامدار
وارث شہید ہو گیا صورت بدل گئی

یہ حال ہو گیا مری بی بی کا ہے ستم
ماتھے سے خون بہتا ہے آنکھوں پہ ہے ورم
نیلے نشاں ہیں جا بجا بازو پہ ہے غضب

زہراؑ کا باغ ہو گیا مقتل میں پائمال
بے جرم قتل ہو گئے سب میرے نونہال
برچھی کے پھل پہ پھول ہمارے چمن کے ہیں

صغریٰ یزید کو نہ بیکس سے تھا عناد
بھولی کبھی نہیں ترے بھائی کو تیری یاد
مرکے حسینؑ وعدہ وفائی کو آئے ہیں

یہ سُن کے دوڑی جانبِ نیزہ وہ تشنہ کام ... نیزے پہ آفتاب سا آیا لئے قیام
تب دونوں ہاتھ اُٹھا کے پکاری وہ نیک نام ... لونڈی نثار آپ کے اے شاہِ بحر و بر
زینب لہو کی چادر سی گردن سے بہ گئی ... لونڈی کو چھپانے کی حسرت ہی رہ گئی

اس خوں بھرے چہرے رُخِ انور کے میں نثار ... نیزے پہ آپ تک لبِ اطہر کے میں نثار
آنکھوں کے صدقے زلفِ معنبر کے میں نثار ... اے مصطفیٰ کے لال ترے سر کے میں نثار
کیا بن گئی حضور کہاں کربلا کہاں ... نیزے کی نوک اے کماں یہ گلا کہاں

مجھ سے تو عورتوں نے کہا تھا یہ آن کر ... آتے ہیں آج گھر میں ترے شاہِ بحر و بر
آراستہ کیا تھا خوشی سے تمام گھر ... یوں آپ آئیں گے مجھے اس کی نہ تھی خبر
یاں سے جو خاک اُڑاتی ہوئی گھر میں جاؤں گی ... اب فرش اُٹھا کے میں صفِ ماتم بچھاؤں گی

اعجاز سے یہ دی سرِ شبیر نے صدا ... شبیر یہ نہ رو کہ تھا یہی منظورِ کبریا
وعدہ جو مجھ سے تھا اُسے ہم نے ادا کیا ... لازم تجھے یہ ہے کہ غریبوں کے پاس جا
زہرا جا زینبِ عالی ہمم کو دے ... دعوت ہے بس یہی کہ دلاسا حرم کو دے

اماں نہیں کفن تو کچھ اس کا نہیں الم ... زینب ہے بے ردا ہمیں اس کا ہے بس یہ غم
شبیر یا کسی بشر پہ یہ ہوتا نہیں ستم ... مقتل میں تین روز کے پیاسے تو ہیں ہم
ماتم میں میرے نالہ و فریاد کیجیو ... جب پانی پیجیو تو مری یاد کیجیو

یہ کہہ کے جھک گیا سوئے شبیر سر حسین ... غل پڑ گیا کہ ہائے شہنشاہِ مشرقین
بس اے انیس آ گئے نزدیک بیت کے بین ... راحت جگر کو ہے کوئی ساعت نہ دل کو چین
دنیا میں کیا کسی سے مقدر کا زور ہے ... شیریں تو ہے کلام مگر سخت شور ہے

رباعی

غربت کدۂ دہر میں کیا ملتا ہے ... نہ دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے
صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو سہی ... ہر ایک طرف نورِ خدا ملتا ہے

۲۵

مرثیہ
بند ۸۸

اے مومنو کیا صادق الاقرار تھے شبیرؑ
خوشنودیِ خالق کے طلب گار تھے شبیرؑ
چاہا جو خدا نے وہی چاہا شہِ دیں نے
تھا قول کا صادق پسرِ جعفرِ صادق
کیوں خوش نہ ہو اس طرح کی مخلوق سے خالق
فرماتے تھے سر تن پہ امانت ہے خدا کی
سر دینے کا اقرار کیا تھا جو خدا سے
سر نذرِ خدا کر دیا تسلیم و رضا سے
وعدہ فقط اک سر کا تھا درگاہِ خدا میں
محتاجوں کی دعوت تھی یتیموں کی مدارات
کیا بات کے پورے تھے شہنشاہِ خوش اوقات
اس طرح کے صادق کبھی دیکھے ہیں کسی نے؟
شیریں بیاں قرآں صفتِ حسنِ بلاغت
زینت دہِ بیت الشرفِ خاص تھے حضرت
بانوئے جو ناموسِ شہنشاہِ زمن تھے
شیریں پہ جو حضرت کی نظر جا پڑی اک بار
خوش چشم ہے کس مرتبہ شیریں خوش اطوار
فرمائی جو یہ بات شہنشاہِ اُمم نے

دریائے وفا کے دُرِ شہوار تھے شبیرؑ
اقلیمِ صداقت کے جہاں دار تھے شبیرؑ
کیا وعدۂ طفلی کو نبایا شہِ دیں نے
معشوقِ خدا وہ تو یہ اللہ کا عاشق
بچپن سے یہ حق کی ملاقات کے شائق
یہ دَین ادا ہو تو عنایت ہے خدا کی
آپ آئے کٹانے کو گلا تیغِ جفا سے
پانی نہ کئی روز ملا مر گئے پیاسے
حضرت نے بہتّر دیے سر راہِ خدا میں
تھا وعدہ وفائی کا خیال آپ کو دن رات
فرق اس میں نہ آیا کبھی جو منہ سے کہی بات
مر کر کیا وعدے کو وفا سبطِ نبیؐ نے
اس طرح رقم کرتے ہیں شیریں کی روایت
اور سامنے تھی شیریں بھی حاضر پئے خدمت
کچھ پیار کی باتیں تھیں محبت کے سخن تھے
بانو سے یہ بولے بہ تبسم شہِ ابرار
اس طرح کی آنکھیں کبھی دیکھی نہیں زنہار
نہوڑا لیا سر دخترِ سلطانِ عجم نے

سوچی کہ یہ میلان شہ جن و بشر ہے
پھر اُن سے کہا عاشق صادق تو اگر ہے
فرزند نبی ابن شہنشاہ نجف ہے
یہ سنتی ہوئی واں سے وہ اک حجرے میں آئی
شانا کیا سرمہ کیا پوشاک پنہائی
کھلتا نہیں کچھ مجھ پہ یہ اسرار میں صدقے
وہ بولی کہ میں نے تجھے بچپن سے ہے پالا
اب تجھ پہ پڑی ہے نظر شہ والا
جو کچھ تری خدمت کروں واللہ وہ کم ہے
آراستہ جب ہو چکی شیریں وفادار
کی عرض کہ لونڈی کا فدا آپ پہ گھر بار
شہ سمجھے گلہ ہو گا دل افسردہ ہے بانو
اُٹھ کر گیا زہرا کا پسر بانو کے ہمراہ
ہے موتیوں میں شیریں ستاروں میں جوں ماہ
جو کچھ بھی ہو تم اس کا مجھے دھیان نہیں ہے
بانو نے کہا صدقے میں اے سرور والا
حاضر ہے یہ میں نے یہ دل و جاں اسے بخشا
تم نے تو دیا ہم کو کہ صادق ہو وفا میں
بانو نے سنی جب شہ والا کی یہ گفتار
اور اس کو دیا زیور و زر درہم و دینار
اوروں کو نہ اتنا زر و زیور دیا تم نے
بانو نے کہا اُن سے جو کچھ ہے یہ برابر
ہر چند کہ سلطان عجم کی ہوں میں دختر
خود صدقے ہوں شیریں پہ مگر جیب تو کیا ہے

کی آنکھوں کی تعریف تو منظور نظر ہے
معشوق جو راضی ہو تو اس میں خطر ہے
شیریں کی کنیزی میں مجھے دین تو شرف ہے
شیریں کو اشارے سے بلاتی ہوئی آئی
حیرت ہوئی شیریں کو تو یہ بات سنائی
کیوں کرتی ہو لونڈی کو گنہ گار میں صدقے
آزاد کیا سب کو پہ تجھ کو نہ نکالا
رتبہ ترا شہزادیوں سے اب ہے دو بالا
لونڈی تری اب دختر سلطان عجم ہے
بانو گئی واں بیٹھے تھے جب حامی ابرار
کچھ کہنا ہے اُٹھیے تو کروں حال دل اظہار
تعریف پہ شیریں کی کچھ آزردہ ہے بانو
پردہ جو اُٹھا حجرے کا کیا دیکھتے ہیں شاہ
فرمانے لگے بانو سے ہنس کر شہ ذی جاہ
جب تم سی ہو بی بی تو کچھ ارمان نہیں ہے
کچھ لونڈی کی آزردگی کا دھیان نہ لانا
فرمانے لگے تب یہ شہ یثرب و بطحا
ہم نے اسے آزاد کیا راہ خدا میں
خوش ہو کے پھری گرد محبت سے کئی بار
حضرت نے کہا اس کا سبب کیا مری غمخوار
شیریں سے یہ اُلفت کہ غنی کر دیا تم نے
آزاد کیا تھا اُنھیں میں نے مرے سرور
پر فاطمہ زہرا کی کنیزوں سے ہوں کمتر
فرزند نبی نے اسے آزاد کیا ہے

شیریں یہ کے یہ سخن کر ہوئے اشک آنکھوں سے جاری
سجاد کو لے گود میں بولی کہ میں واری
خط بھیج کے اپنا مرا دل شاد کروگے
صدقے گئی خدمت کو مری بھول نہ جانا
سہرا مجھے اس چاند سی صورت پہ دکھانا
نزدیک جو آنے کی خبر پاؤں گی واری
پھر پاؤں پہ سر حضرت زینبؑ کے جھکایا
جب آپ کو اس نے قدم شہ پہ گرایا
مولا کے نہ قدموں سے جدا ہوتی تھی شیریں
کہتی تھی یہ جانا ہے جہاں سے مرا جانا
فرماتے تھے شبیرؑ کہ یہ دھیان نہ لانا
کہہ کر نہ کریں اپنا یہ دستور نہیں ہے
ملنے کے لئے آئیں گے شیریں نے کیا عرض
اب عرض یہ لونڈی کی ہے اے سرور ذی جاہ
فرمایا کہ ہم پورے سب ارمان ترے ہوں گے
یہ بات تو فرمائی پہ رونے لگے حضرت
کچھ لوگ کے ساتھ کر پہونچے بہ حفاظت
تھا پاس کنیزوں کا یہ جب شاہ امم کو
اک کوہ پہ تھا قلعہ کہ گھر اس کا تھا اونچا
تھا ایک یہودی کہ وہ طالب ہوا اس کا
گر ہے مری وصلت کی تمنا ترے جی میں
ڈھونڈ کر مجھے کو وہ جو اول سے مسلماں
آباد یہودی کا ہوا اجڑا ویراں
شیریں کو محبت تھی نہ بس آل نبیؐ کی

لیتی تھوں سے بانو کی بلائیں کئی باری
اب تم سے جدا ہوتی ہے یہ لونڈی تمہاری
اس پالنے والی کو بھی شاد کروگے
جب ہونے لگے بیاہ تو لونڈی کو بلانا
اس سمت سفر ہو تو مرے گھر بھی آنا
چھاتی مری ٹھنڈی ہوگی جب آپ آؤں گی واری
شفقت سے گلے شاہ کی خواہر نے لگایا
سب روتے تھے حضرت کو بھی رونا ابھی آیا
نعلین سے منہ ملتی تھی اور روتی تھی شیریں
ان قدموں سے چھوٹی تو کہاں سر جھکانا
ہم آئیں گے اک ایسا بھی ہوئے گا زمانا
نزدیک ہے تو دل سے تو کچھ دور نہیں ہے
جیسا ہے تعلق مجھ کو خدا اس کا ہے آگاہ
نہ آپ آئیں تو ناموس بھی ہوں آپ کے ہمراہ
ہم ساتھ حرم کو لئے مہماں ترے ہوں گے
آخر مع اسباب کیا شیریں کو رخصت
محمل میں وہ چڑھ کر گئی با عزت و حرمت
ملعونوں نے بے پردہ کیا اہل حرم کو
واں ہو گئی تو شیریں کے ہوا حسن کا چرچا
شیریں نے سنا جب تو پیام اس کو بھیجا
تو کفر کو تو چھوڑ کے آ دین نبیؐ میں
عقد اس سے ہوا ہاتھ لگی دولت ایماں
وہ دونوں وہاں رہنے لگے خرم و خنداں
تھی آٹھ پہر یاد حسینؑ ابن علیؑ کی

کہتی تھی کہ یارب مرا گھر شہ کو دکھانا
شبیر ادھر کو کہیں جلدی ہوں روانا
زہرا مرے کیا جانیے کب آئیں ادھر کو
کہتی کبھی ہمسائیوں سے بیٹھ کے باہم
خاتون قیامت جو ہے مخدومۂ عالم
احمد کی زیارت شہ والا کی ملاقات
اے بیبیو! آقا ہے مرا صادق الاقرار
زہرا کے چمن سے یہ مکاں ہوئے گا گلزار
آنکھیں قدم سبط پیمبر پہ ملیں گے
رہتا تھا یہی اس کو تردد سحر و شام
جو چیز تھی مرغوب امام ذوی الاکرام
شوہر کوئی تحفہ جو اسے دیتا تھا لا کر
تھا دھیان کہ آویں گے سفر سے شہ والا
دن ڈھلتا تو شوہر سے یہ کرتی تھی تقاضا
آمد ہو اگر لشکر حضرت کی ادھر سے
بے شک ہے کہ ہے لشکر کا نشاں اور یہ آثار
ہوئیں گے عزیز و رفقا گھوڑوں پہ اسوار
ملبوس رسول عربی ہووے گا بر میں
ناموس کی کچھ فاصلے سے ہوگی سواری
ہودج میں سوار آئے گی شہزادی ہماری
آگے یہ نقیبوں کا سخن ہووے گا سب سے
حضرت کا تصور تھا ادھر شیر کے دل کو
دستور ہے مہمان کی کرتے ہیں مدارات
دھومیں کہ حشم کی رو سے شاہ امم سے

وہ دن ہو کہ ہو زینب و کلثوم کا آنا
اس لونڈی پہ اب شاق ہے تفرقہ جانا
پھر بھی کبھی دیکھوں گی میں زہرا کے پسر کو
آویں گے مدینے سے یہاں سید اکرم
اب بیٹیوں سے ان کی ملاویں گے تمہیں بھی
زینب کی ملاقات ہے زہرا کی ملاقات
آنے کو کہا ہے مرے گھر آئیں گے اک بار
فرزند نبی کا تمہیں دکھلائیں گے دیدار
ہم دوڑ کے لینے کو مولا کے چلیں گے
اندوختہ کرتی تھی ضیافت کا سرانجام
ان میووں کو منگواتی تھی دے دے کے اثاثا
حضرت کے لیے رکھتی وہ کشتی میں لگا کر
کوزے گھڑوں میں پانی بھرا رکھتی تھی ٹھنڈا
شہ آتے نہ ہوں شہر کے ناکے پہ ذرا جا
میں بھی چلوں شہزادوں کے لینے کو گھر سے
آگے علم سبز نبی ہوگا علمدار
اور بیچ میں ہوگا خلف حیدر کرار
تیغ اسد اللہ کی ہوگی کمر میں
آئے گی نظر حضرت زینب کی عماری
اور محملوں میں ہوویں گی سیدانیاں ساری
خاموش چلے جاؤ تفاوت سے ادب سے
واں کوفے کو فرمانے لگے شاہ خوش اوقات
رفقا سے کہا کوفہ کی پوچھی بھی ذرا بات
سر کاٹ لیا جائے گا شبیر ادھر سے

جب قتل ہوا حضرتِ زہراؑ کا دو پیارا
در گوشِ سکینہ سے لعینوں نے اُتارا
یہ ظلم تھا ناموسِ شہِ جن و بشر پر
گھر آگ سے خاتونِ قیامت کا جلایا
سرِ سیدِ مظلوم کا نیزے پہ چڑھایا
دفن اپنے تو لاشے کیے رانڈوں کو دکھا کے
جب لے چلے مقتل سے اسیروں کو کھلے سر
اے ظالمو! ٹھہرو کہ اونٹ کو ہم
پاؤں گی نہ پھر لاشِ شہِ تشنہ دہن کو
بانو نے کہا اونٹ کو میرے بھی بٹھا دو
بچھڑے ہوئے فرزند کو مادر سے ملا دو
اُلفت نے پسر کی مجھے بے چین کیا ہے
زینبؑ سے یہ تب کہنے لگا شمرِ ستمگر
تب لاش کو بھائی کی پکاری وہ دل افگار
حضرت کی زیارت مجھے کرنے نہیں دیتے
لاشِ شہِ مظلوم سے آواز یہ آئی
تم کیا کرو لکھی ہے مقدر میں جدائی
اب تم ہو بہن اور اسیری کی جفا ہے
سن کر یہ صدا بیبیاں کرنے لگیں فریاد
نیزے کو دکھا بولا یہ شمرِ ستم ایجاد
بن آیا نہ کچھ شبیرؑ سے کس کے پسر کو
اونٹوں کو چلا کھینچتا عالم کا خوزادہ
اسوار تھے گھوڑوں پہ لعیں اور پیادہ
شانوں پہ سنانوں کو جھکاتے تھے ستمگر

سیدانیاں قیدی ہوئیں گھر لٹ گیا سارا
روئی وہ تو جھنجھلا کے طمانچے گئے مارا
منہ ڈھانپنے کو تھی نہ ردا ایک کے سر پر
شہزادیوں کو ناقۂ عریاں پہ بٹھایا
اور طوقِ گراں گردنِ عابدؑ پہ پنہایا
بے غسل و کفن رہ گئے لاشے شہدا کے
سر پیٹ کے چلانے لگی زینبِ مضطر
ہوئے تنِ شبیرؑ سے رخصت تو یہ خواہر
رو لینے دو بھائی کے گلے مل کے بہن کو
لوگو مجھے لاشہ علی اکبرؑ کا دکھا دو
اصغرؑ کو بھی لا کر مری چھاتی سے لگا دو
بچے نے مرے دودھ نہیں کل سے پیا ہے
منزل ہے کڑی اونٹ نہ یاں ٹھہرے گا زنہار
بے بس ہے بہن اے خلفِ حیدرِ کرار
اُشتر سے جفا کار اُترنے نہیں دیتے
بھیا تری مظلومی کے صدقے ہو یہ جائی
جاؤ تمہیں دے قید سے اللہ رہائی
ہم ہیں یہ بیاباں ہے اور یادِ خدا ہے
نزدیک تھا اُشتر سے گرے زینبِ ناشاد
اونٹوں کو بڑھا جلد اب اے سیدِ سجادؑ!
تسلیم شہادت ہاتھوں سے کی جھک کے پدر کو
صدمے سے ہوئی شدتِ تپ درد بھی زیادہ
جب ضعف سے گرتے تھے ٹھہرنے کا ارادہ
بیمار کو کھینچے لئے جاتے تھے ستمگر

اونٹوں پہ شہزادیاں تھیں گردنیں ڈالے
عابدؑ تھے بندھے ہاتھوں سے زنجیر سنبھالے
منزل پہ اُتر کر بھی نہ سوتے تھے سحر تک
اعدا تو لگاتے تھے زمیں پہ جا کے بستر
بھر بھر کے گھڑے رکھتے تھے پانی کے مگر
تیاری میں کھانے کی اُدھر اہلِ ستم تھے

جب طے اسی صورت میں ہوئے چند لیل و نہار
اک راہ سوئے دشت تھی اک جانبِ کہسار
پہنچا جو دوراہے کے قریب رُک گیا نیزہ
گھبرا کے لگے کہنے یہ عابدؑ سے ستمگار
فرمانے لگے رو کے یہ تب عابدِ بیمار
اعجاز ہوا یہ جو سرِ سبطِ نبیؐ سے

یہ سن کے اسی سمت چلے سب ستم آرا
شیریں سے کہا جا کے کسی نے یہ قضا را
ناموس بھی ہمراہ ہیں اور بھیڑ بڑی ہے
اس مژدے کو سنتے ہی جو خوش ہو گئی شیریں
صد شکر کہ خالق نے نہ دیکھا مجھے غمگیں
اب جا کے قدم پہ شہِ والا کے گروں گی

عورات محلہ کو بلا کر یہ سنایا
یہ روزِ مبارک ہے مجھے قسمت نے دکھایا
کونین میں ممتاز کیا شاہِ زمن نے
سب نے کہا خوش ہو کے ہمیں بھول نہ جانا
شہزادی کا اپنی ہمیں دیدار دکھانا
حضرت کی سواری کا حشم دیکھیں گے ہم بھی

اور پیاس سے بچے تھے زبانوں کو نکالے
دل میں بھی پھپھولے تھے کفِ پا میں بھی چھالے
آ کے لئے شام سے رہتے تھے سحر تک
اور خاک پہ گر رہتے تھے ناموسِ پیمبرؐ
یاں پھیرتے تھے پیاسے زبانوں کو لبوں پر
فاقوں کے سبب قیدیوں کے ہونٹوں پہ دم تھے

اک جا پہ دوراہا ہوا رستے میں نمودار
صحرا کو چلے لے کے سرِ شاہ ستمگار
جس سمت کو تھا کوہ اُدھر جھک گیا نیزہ
جھکنے کا سرِ شاہ کے ظاہر کرو اسرار
ہے مخبرِ صادق کا پسر صادق الاقرار
اس راہ میں مہمانی کا وعدہ ہے کسی سے

لشکر کا ہوا کوہ کے دامن میں اُتارا
آیا ہے لشکر اسد اللہ کا پیارا
جنگل میں کسی کوہ سے اک فوج بڑی ہے
بولی کہ ہوئی اب دلِ بیتاب کو تسکیں
وعدہ جو کیا تھا اُسے بھولے نہ شہِ دیں
واں میرے پھرے گرد میں آقا کے پھروں گی

وہ تہنیت لے بھیجو آقا مرا آیا
اب عرش کے پائے سے ہوا بڑھ کے مرا پایا
لونڈی کو سرافراز کیا شاہِ زمن نے
ہم کو بھی ملا حضرت زینبؑ سے ملانا
قسمت سے ہوا فاطمہؑ کے لال کا آنا
سردارِ دو عالم کے قدم دیکھیں گے ہم بھی

عباسؑ علی کے قد و قامت کے ہیں مشتاق
زینبؑ کے جگر بندوں کی صورت کے ہیں مشتاق

گل روتے ہیں کوئی اُن میں کوئی غنچہ دہن ہے
تھی شیریں تو اس ذکر سے پھولے نہ سماتی
یہ کہہ کے کبھی صحن کے دروازے پہ جاتی

دعوت کا سر انجام تو تیار ہوا ہے
مطبخ میں تاکید کبھی کرتی تھی یہ جا کر
شربت بھی بناؤ کہ شہا فر پئیں آ کر

کہتی تھی تصدق نہ اُتاروں گی میں پہلے
دن ڈھل گیا اور جب نہ ہوئی آمد سرورؑ
جا دیکھ تو اُترا ہے کہاں شاہ کا لشکر

شیریں کی یہ ہے عرض کہ اب آئیے مولا
غربت میں بر آئی ہے مرے دل کی تمنا
آپ آئیں یہ ہر چند نہیں ہے مرا رتبا

روشن مرا گھر کیجیے گر فیض قدم سے
یہ کہہ کے چلا شوہرِ شیریں طرفِ شاہ
فوج اُتری نظر آئی اُسے دور سے ناگاہ

لشکر میں عجب طرح کا عالم نظر آیا
جس جا پہ تھا خیمہ عمر سعد کا برپا
کب ہو گا ورود پسرِ فاطمہ زہراؑ

گر ہو تمہیں خبر کر دو تو احسان بڑا ہے
گر یہ نہ ہو تو شہ کے رفیقوں سے ملا دو
سجادؑ کو اور عونؑ و محمدؑ کو بلا دو

ہتلاؤ قسم تم کو رسولِ عربیؐ کی

اور قاسمؑ مضطر کی بھی طلعت کے ہیں مشتاق
ہم شکل پیمبرؐ کی زیارت کے ہیں مشتاق

کہتے ہیں بڑے جشن پہ زہراؑ کا چمن ہے
کرسی کو کہیں اور کہیں مسند کو بچھاتی
دیکھ آؤں سواری تو نہیں شاہ کی آتی

کیوں دیر لگی فاطمہؑ کے لال کو کیا ہے
کھانے کے رکھو خوان قرینے سے لگا کر
حجرے میں رکھیں زر کی سب کشتیاں لا کر

شہزادیوں پہ آپ کو واروں گی میں پہلے
شوہر سے کہا اب تو نہایت ہوں میں مضطر
کہیو قدم پاک کو آنکھوں سے لگا کر

لونڈی کو قریب آ کے نہ ترسائیے مولا
صدقے گئی نوش آج یہیں کیجیے کھانا
عزت مگر اس لونڈی کی بڑھ جائے گی شاہا!

کچھ دور نہیں آپ کے الطاف و کرم سے
پوشاکیں بدل اہلِ محلہ ہوئے ہمراہ
نزدیک جو پہنچا وہ شہِ دیں کا ہوا خواہ

شادی کہیں دیکھی کہیں ماتم نظر آیا
واں جا کے یہ ڈیوڑھی کے نگہبانوں سے پوچھا
فرماتے ہیں آرام کہ بیدار ہیں مولا

اک تازہ غلام آپ کا حجرے کو کھڑا ہے
عباسؑ علمدار کے خیمے کا پتا دو
ہم شکل پیمبرؐ کی مجھے شکل دکھا دو

ڈیوڑھی ہے کدھر خیمۂ ناموسِ حسینؑ کی

وہ ہوتے کوئی شخص کہ جو رو حیات بچپرا
یہ شام کی ہے نوحہ یہ خیمہ ہے عمر کا
اب گھر ہے کہاں سبط رسول عمر بی کا
مارے گئے سادات ہوئی فتح عراقی
عباس نے اک بوند بھی پانی کی نہ پائی
کوئی نہ ہوا تو جو رہ شبیر رہیں
کرلائے ہیں ناموس محمدؐ کو گرفتار
دشمن ان کو کیا پاس کہ جو اے گئے بیمار
جیدا ماتھے ہیں تب کنگ ہیں لکھ خوں سے بھرے ہیں
سیدانیاں بیٹھی ہیں وہ جنہیں پہ ہے خاک
وہ پانی سے روتے ہیں کہ گریبان کیے چاک
گھر جائے وہ ناقہ پہ جھکائے ہوئے سر کو
یہ سنتے ہی سینے میں جگر چھٹ گیا اس کا
[illegible] گریبان کو پھاڑا
[illegible]

اس حال کی شاید نہیں تجھ کو خبر اے لعل
تب ہوش اڑ گیا محنت دل زہرا
خیمہ تو جلا آئے حسین ابن علی کا
تصویر بنی صغریٰ ہستی سے نکالی
وہ تکیہ سب خیمہ [illegible]
گھر [illegible] کو صاف کیا [illegible]
بے قید میں حضرت کا [illegible]
[illegible]
وہ دیکھے [illegible]
زینب [illegible]
[illegible]
وہ پانی [illegible]
[illegible]
کہتا تھا [illegible]
[illegible]

یہ کہہ کے چلی پیٹتی اور دیتی دہائی
اک بار یہ آنے کی شبیر کے جو پائی
حجرے کو وہ آئی ہے سو یاں گھر بھی نہیں ہے
یہ کہتی تھی زینب کہ وہ آ پہنچی کھلے سر
شبیر کا یہ تھا حال کہ گرتی تھی وہ مضطر
چلاتی تھی ہے ہے شہ ذی جاہ کو مارا
کیا فاطمہ کے لال سے ایسی ہوئی تقصیر
فریاد ہے بے پردہ ہوئے صاحب تطہیر
گودی بھری اولاد سے خالی ہوئی ہے ہے
یہ کہہ کے پچھاڑیں کبھی کھاتی تھی وہ مضطر
جس نیزے پہ آلودہ خوں تھا سر سرور
تھی میں تو قدم دیکھئے آئی مرے مولا!
آقا تری اس خوں بھری تصویر کے واری
اس جا سے سر شبیر نے جو کی گریہ زاری
پیدا یہ لب خشک سے حضرت کے صدا تھی
صد شکر کہ ہم تجھ سے ہوئے صادق الاقرار
و تفے کی اور کے ہے عترت بیمار
دشمن کے بھی بچوں پہ نہ یوں فاقہ کشی ہو
ہے تین دن کا تو سن اور تشنہ دہانی
ہر بار گھڑکتے ہیں لے ظلم کے بانی
کی جاتی نہیں بات بھی اس تشنہ دہن سے
زینب کی خبر لے کہ ہے قیدی مری خواہر
ہے خاک سے گبرائے چھپایا رخ انور
احسان کا یہ وقت ہے غیرت کی یہ جا ہے

بستے ہیں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
زینب نے کہا ہائے سلامت نہیں بھائی
کس کا ہے ہے سر ڈھانپیں کہ چادر بھی نہیں ہے
سب اٹھ کے لگے پیٹنے ناموس پیمبر
بانو کے قدم پہ کبھی زینب کے قدم پہ
کس جرم پہ اعدا نے مرے شاہ کو مارا
کیوں حلق شہ دیں پہ چلی ظلم کی شمشیر
ہے ہے مرا شہزادہ ہے پہنے ہوئے زنجیر
بی بی مری بے وارث و والی ہوئی ہے ہے
ہاتھوں سے گھڑوں ہو کے کبھی پیٹتی تھی سر
واں جاتی تھی اور کہتی تھی یوں ہاتھ اٹھا کر
لونڈی کو یہ کیا شکل دکھائی مرے مولا
میں مر گئی ہائے بلا لے کے تمھاری
نیزے پہ سر شاہ کے آنسو ہوئے جاری
کیوں روتی ہے شبیر یہیں مرضی خدا تھی
دھو بیٹھے ہاری ہیں لے ہوش و غم خوار
اور پیاس سے مرتی ہے سکینہ مری دلدار
پانی اسے پلوا کہ مری روح خوشی ہو
ہو جاتی ہے غش مانگتے ہی مانگتے پانی
کیا ضد ہے کہ بچوں کے بھی ہیں دشمن جانی
ننھا سا گلا شمر نے باندھا ہے رسن سے
زینت اسد اللہ کے سر پہ نہیں چادر
شہزادی تری آج ہے بیٹھی ہے کھلے سر
وہ قید ہے جس نے تجھے آزاد کیا ہے

سیدانیوں کو چادریں کچھ لا کے اڑھائے
راضی ہوں بہن صاحبِ تطہیر جو جائے
بے وارث و والی ہیں گرفتارِ بلا ہیں
سن کر یہ سخن زینبِ دلگیر پکاری
یاد آئی نصیحت تمہیں اے عاشقِ باری
تم تشنہ دہن ذبح ہوئے مجھ کو یہ غم ہے
جیتی ہے بہن کس لیے گر مٹتے ہو برادر
گردن پہ تو بھیا کی پھرایا نہیں خنجر
غم کھاؤ نہ چادر جو نہیں پاتی ہوں بھائی
زینب تو یہ کہتی تھی سرِ شاہ سے رو کر
ان آنکھوں کی تعریف کیا کرتے تھے اکثر
ہوتیں نہیں سیر آپ کے دیدار سے آنکھیں
اللہ رے اعجاز سرِ سیدِ ابرار
شیریں کے کفِ دست ہوئے مطلعِ انوار
سب دیکھ کے شہ کے رخِ روشن کی تجلی
آنکھوں سے لگا کر کہا شیریں نے سرِ شاہ
پھر جا کے گھر سے کرامت رہ کو مری راہ
خدمت حرمِ شہ کی مجھے مدِ نظر ہے
لونڈی ہوں میں آقا ہے مرا شاہِ دو عالم
شب بھر مرے گھر میں رہیں سیدانیاں ہم
دن سخت مصیبت کے گردشِ ایام سے گزرے
لا کے میں ہوا زر کی رضامند وہ غدار
سب قیدیوں کو لے گئی گھر میں وہ وفادار
حلقے میں حرم کے سرِ شبیر تو کھلا تھا

ماؤں کی مدد کر کہ خدا تجھ کو جزا دے
محشر میں تجھے خلۂ فردوس خدا دے
محتاج کفن ہم ہیں یہ مصیبت زدہ ہیں
ان باتوں کے صدقے میں تن وارثِ گیری
شیریں تیرے سناں پہ بھی سفر شہ کی سواری
اور آپ کو بھیا کی اسیری کا الم ہے
تن پر تو ہے سر گو مرے سر پہ نہیں چادر
لاشہ تو مرا دھوپ میں جلتا نہیں دن بھر
بالوں سے تو منہ ڈھانپے چلی جاتی ہوں بھائی
چلاتی تھی شیریں کہ میں صدقے ترے سر کا
کیوں بند ہوگئے کہو مرے دیدۂ انور
لا دو تو لہوں چاند سے رخسار سے آنکھیں
اس خادمہ کے ہاتھوں پہ سب آ گیا اک بار
ہاتھوں سے ضیا نے یہ بہم تھی نور کا
کہتے تھے یہ سب وادیٔ ایمن کی تجلی
صدقے ہیں اس اعجاز کے لے سر کو بڑھ کے شاہ
گھر تک مرے گر ہو تو مجھے لے جائیے واللہ
بے خوف سے زر و مال اگر طالب زر ہے
بیٹیوں کی سر و سینہ بچھا کر صفِ ماتم
پھر صبح کو لے بیٹھو سرِ سیدِ اکرم
اک رات تو مظلوموں پہ آرام سے گزرے
منگوا دیا شیریں نے آگے صرۂ دینار
اور رکھ دیا مسند پہ سرِ سیدِ ابرار
غل ہائے حسینا کا تھا اور شور بکا تھا

چلاتی تھی بانو مرے سید مرے سرور
بیٹھی ہوئی کہتی تھی سر شاہ سے خواہر
غیرت سے موئی جاتی ہے صدمہ ہے بہن پر

جب رونے سے فارغ ہوئے وہ شہ کے عزادار
رو رو کے یہ کی سید سجاد سے گفتار
سو مر گئے بھوکے یہی مرضی تھی خدا کی

یہ سُن کے اُٹھے روتے ہوئے عابد ناکام
جب دینے لگے فاتحہ شاہ خوش انجام
جس وقت لیا نام شہ تشنہ دہاں کا

رو کر کہا زینب نے بہن ہو گئی واری
کیا پیاس تھی جب دم تھا لبوں سے بھی جاری
جب تم تھے تو ملتا تھا نہ پانی کہیں بھائی

روتی ہوئی اتنے میں اُٹھی بانوئے بے پر
سجاد سے رو رو کے کہا لے مرے دلبر
مارے گئے کس ظلم و جفا سے مرے بچے

سجاد نے جب فاتحہ سے پائی فراغت
تب بیبیوں سے شیر بیا نے کی عرض بہ منت
اس کھانے پہ ہے فاتحہ خواں روح نبی کی

فاقہ کشی کا جو اسیروں نے لیا نام
زینب نے کہا کھانے کا ہے کون سا ہنگام
کیا کھانے کو ہم کھائیں کہ دل غم سے جلا ہے

بھائی تو ہوئے بے گور و کفن کھاؤں میں کھانا
بے سر علی اکبر کا ہو تن کھاؤں میں کھانا
رونا مجھے دیکھے سے چلا آتا ہے لوگو!

شیر بیا کے گھر تب مجھے اس حال سے لا کر
مہمان بہن آئی ہے سر پر نہیں چادر
ثابت نہیں کرتا ہے سکینہ کے

شیر بیا نے بھیجے خوان طعام آن کے گھر بار
کھانے یہ کئے تھے شہدا کے لئے تیار
ان کھانوں پہ دو فاتحہ شاہ شہدا کی

پانی کے بھی شیر بیا نے کئی بھر کے رکھے جام
یہ جوش تھا رقت کا کہ تھراتا تھا اندام
اک شور ہوا رانڈوں میں فریاد و فغاں کا

میں جیتی ہوں اور فاتحہ ہوتی ہے تمہاری
پانی نہ کسی نے دیا مانگا کئی باری
اب پانی تو موجود ہے اور تم نہیں بھائی

اک دودھ کا کوزہ رکھا اک پانی کا ساغر
ان دونوں پہ دو فاتحہ اکبر و اصغر
تھے تین شب و روز کے پیاسے مرے بچے

تا دیر رہی شہ کے عزاداروں میں رقت
فاقہ شکنی کیونکہ رونے کی ہو طاقت
یہ حاضری ہے سبط رسول عربی کی

بیٹھے یہ سر دینے کہ برپا ہوا کہرام
نے چین محمد کو نہ زہرا کو ہے آرام
لاشہ تو ابھی بھائی کا جنگل میں پڑا ہے

بے دفن ہو فرزند حسن کھاؤں میں کھانا
پامال ہو زہرا کا چمن کھاؤں میں کھانا
لے جاؤ کہہ کر کھانا مجھے یہ کھاتا ہے لوگو

ناچار جو اک جام کو شبیرؑ نے اٹھایا
پاس آن کے ہونٹوں سے سکینہؑ کے لگایا
بولی کہ یہ وارثی دم آنکھوں میں ہے آیا
منہ پھیر کے شبیرؑ کو سکینہؑ نے دکھایا
پیاسے مرے بابا ہوئے میں بھی نہ پیوں گی
عباسؑ چچا آئیں گے جب پانی پیوں گی

جس دم یہ سکینہؑ نے کہا پڑ گیا کہرام
اور بیٹھے رہے ہیں ہوا صبح کا ہنگام
آئی سرِ شبیرؑ کو لینے سپہ شام
رخصت ہوئے شبیرؑ سے حرم بادلِ ناکام
تجھ پہ ہے انیس اب یہ کرم ربِ غنی کا
شہروں میں ہے شہرہ ترے شیریں سخنی کا

رُباعی

مظلوم نہ شاہِ بحر و بر سا ہوگا
مینہ تیروں کا یوں کسی پہ برسا ہوگا
پیاسے رہے کربلا میں جس طرح حسینؑ
یوں کوئی بھی پانی کو نہ ترسا ہوگا

رُباعی

میزانِ عمل میں جرم تُل جاتے ہیں
فردوس میں غش ہوئے کھل جاتے ہیں
انگشتِ علیؑ ہیں بابِ خیبر کی طرح
عقدے جو ہزاروں ہوں تو کھل جاتے ہیں

رُباعی

جبریلؑ امیں کو فخرِ دربانی ہے
حضرتؑ کا غبارِ قبر نورانی ہے
ہو جاتی ہیں۔ کور کی بھی آنکھیں روشن
وہ خاک بھی سرمۂ سلیمانی ہے

۲۶

مرثیہ

۱۶۲ بند

جب قیدیوں کو خانۂ زنداں میں شب ہوئی
بچوں کی مارے خوف کے حالت عجب ہوئی
گھٹ گھٹ کے دخترِ شہِ دیں جاں بلب ہوئی
مضطر کمال بنتِ امیرِ عرب ہوئی
آفت کا سامنا تھا نئی واردات تھی
زہرا کی بیٹیوں پہ قیامت کی رات تھی

پہلے پہل کی قید وہ اور وارثوں کے داغ
بے رنگ تھا کہ جیسے خزاں دیدہ ہو باغ
چھٹنے سے اہلبیت کو اک دم نہ تھا فراغ
بے چاندنی نہ شمع نہ مشعل نہ واں چراغ
غل تھا کہ ایسے گھر بھی الٰہی جہاں میں ہیں
ثابت نہیں کہ قبر میں ہیں یا مکاں میں ہیں

یوں وہ شکستہ حال تڑپتے تھے ہر نفس
دشوار جیسے صید پہ ہو تنگئ قفس
جانوں کی تھی بدن سے نکل جانے کی ہوس
بازو بندھے ہوئے تھے نہ تھا کچھ کسی کا بس
دل چھاتیوں میں صورتِ بسمل پھڑکتے تھے
زنداں کے در سے جا کے سروں کو پٹکتے تھے

اس گھر میں اہلبیتِ محمد ہوئے تھے بند
بجز تنگی جسے نہ کسی نے کیا پسند
تنگی سے ایک ایک کو تکلیف تھی دو چند
تھوڑی سی جا مگر کہیں پست اور کہیں بلند
وہ بیبیاں اسیر تھیں اس قصرِ زشت میں
ہیں جن کی لونڈیوں کے لئے گھر بہشت میں

زنداں میں جب کہ آلِ پیمبر ہوئے اسیر
کونین کے امیر کھلے سر ہوئے اسیر
سب رشتہ دار احمد و حیدر ہوئے اسیر
وحشت سرا میں عرش کے گوہر ہوئے اسیر
وہ بیبیاں اسیر تھیں اس قصرِ زشت میں
ہیں جن کی لونڈیوں کے لئے گھر بہشت میں

جنت وہ فاطمہ کی کہاں اور وہ گھر اجاڑ
جانوں پہ تھیں بنی ہوئی قسمت کا تھا بگاڑ
کیا دل کھلیں کہ شام سے جب بند ہوئے کواڑ
دیواریں تھیں بلند کہ چھاتی پہ تھے پہاڑ
گھبرا کے چھت کو بیبیاں ہر بار تکتی تھیں
نوحے مکاں کی رات کو کڑیاں بھی کرتی تھیں

کیجے شکستگیِ خرابے کا کیا بیاں
وحشت کا گھر ہراس کی جا خوف کا مکاں
ظلمت سرائے گور تھی زنداں کا گھر نہ تھا
مثلِ دلِ یزید تھا وہ سب مکاں سیاہ
چھایا تھا دل جلی ہوئی رانڈوں کی دودِ آہ
دیکھے کسی کی شکل کوئی یہ محال تھا

شب کا تو ذکر کیا ہے کہ لگتا تھا دن کو ڈر
تھے وقفِ آشیانِ ابابیل سقف و در
گھر تھا اجل کا خانۂ رنج و بلا نہ تھا
وہ تیرگی کہ ہو شبِ ظلمات اس سے ننگ
تھی واں کی صبح شام سوادِ دیارِ زنگ
قید اُس میں تھے حرم شہِ گردوں مقام کے

گرمی کی فصل اور ہوا کا وہ التہاب
اندوہ کا وفور دلوں پر ہجومِ یاس
دیواریں بھی شکستہ تھیں در بھی جھکے ہوئے
ہر دم زمیں سے واں کی نکلتا تھا دن بھبک
گرمی سے یوں زمیں پہ تڑپتے تھے سوگوار
جھک جھک کے آسماں کو حسرت سے تکتے تھے

جھڑتی تھی واں کی سقف سے ہر دم ہر طرف خاک
جاتی تھی روشنی بھی یہ حجرے تھے ہولناک
قسمت میں ہے کہ قید اسی جا نصیب ہو
ایک ایک سے یہ کہتی تھی زینب جگر فگار
مجبور جو غریب ہوں کیا اُن کا اختیار
ہو جائے گر یہ حالِ شہِ مشرقین پر

ثابت نہ تھیں یہیں سقف نہ در اور نہ سائباں
وہ شب کہ الحذر وہ حرارت کہ الاماں
حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گزر نہ تھا
تاروں کی روشنی کو بھی ملتی تھی واں نہ راہ
حجرے سے چشمِ تر کے نکلتی نہ تھی نگاہ
روزن بھی تھا کوئی تو وہ چشمِ غزال تھا

ظاہر تھے جا بجا حشراتِ زمیں کے گھر
نکلا وہ مر کے قید ہوا اس میں جو بشر
برسوں سے واں چراغ کسی شب جلا نہ تھا
ہر در پہ یاں حجرۂ چشمِ بخیل تنگ
دیوار اور سقف و بام زمیں سب سیاہ رنگ
کیا صبح لگ گئی تھی خرابے کو شام کے

وہ تنگی اس مکان کی اور تپ کا وہ ہراس
نانی جو تھکے ہیں تو بچے تھے بے حواس
جانیں بھی غم سے تنگ تھیں دل بھی رکے ہوئے
جیسے دھواں تنور سے اٹھتا ہے بار بار
جس طرح سے سپند ہو آتش پہ بے قرار
کیسے ہوائے سرد کو بچے بلکتے تھے

تھے گرد سے بھرے ہوئے ماندوں کے جسمِ زار
کہتے تھے اب مکاں یہ گرا اب ہوئے ہلاک
اچھا تو ہے جو خاک کا پردہ نصیب ہو
لائق نہ اس مکان کے تھے گر گناہ گار
سایہ تو ہے سروں پہ گرو شکرِ کردگار
کیا گزری ہو گی دھوپ میں لاشِ حسین پر

غارت گروں نے لوٹ لیا گھر نہ پیرہن
ہے ہے وہ شب پیاس کی اور کربلا کا بن
پیاسا گلا کٹا کے سوئے جس کی راہ میں
دشمن مرے گلے کی کوئی کھول دے اگر
نکلوں میں جب تو پھر نہیں درکار راہ بر
ممکن ہے یہ کہ لاش کو زینب نہ پائے گی

کہنے لگی یہ اٹھ کے سکینہ جگر فگار
چھپ کر چلی گئیں تو میں روؤں گی زار زار
مر جاؤں گی اگر نہ پدر سے ملاؤ گی
رو کر تب اُس یتیم سے زینب نے یہ کہا
بے کس اسیر دام بلا، غم کی مبتلا
بھائی کی لاش پاس اگر رہنے پاتی میں

ہے دشت کربلا تو کئی دن کی یاں سے راہ
گھر میں یزید کے ہے سر شاہ دیں پناہ
ہم سا کوئی جہاں میں نہ آفت نصیب ہو
یہ تفرقہ بھی ہوتا ہے کم زیر آسماں
ہم ہیں کہیں کہیں ہے سر شاہ انس و جاں
بے جاں ہیں یاں رشتہ دار شہ ذوالفقار کے

کہنے لگی یہ سن کے سکینہ بچشم تر
ظالم کے گھر میں قید ہیں سلطان بحر و بر
تک سکتی ہوں نہ شاہ خوش انجام آئیں گے
جب رو کے پوچھتی ہوں کہ بابا گئے کدھر
کہتا ہے کوئی دور نہیں شاہ بحر و بر
خاطر کی بات کیا کوئی پہچانتا نہیں

وہ ریگ گرم اور وہ عریانی بدن
کس طرح جائے بھائی تلک کیا کرے بہن
سونپی ہے میں نے لاش اُسی کی پناہ میں
مقتل کو ڈھونڈھتی ہوئی جاؤں میں دربدر
رستے میں پوچھوں گی کہ ہے کربلا کدھر ؟
بھائی کے خوں کی بو مجھے کوسوں سے آئے گی

بیٹی چلو مجھے بھی پھوپھی تم پہ میں نثار
تم نے بھی کیا بھلا دیا دل سے پدر کا پیار
کیا اس اندھیرے گھر میں مجھے چھوڑ جاؤ گی
واری کہاں ہیں اور کہاں دشت کربلا
قیدی کو کون جانے کی دے گا بھلا رضا
زنداں میں قید ہونے کو کاہے کو آتی میں

ایسے کہاں نصیب کہ حاصل ہو وصل شاہ
ہم قید اس مکاں میں ہیں بے جرم بے گناہ
ممکن نہیں کہ سر کی زیارت نصیب ہو
ہے ایک شہر پاس ہیں لیکن الگ مکاں
یہ کس کے آگے اپنی مصیبت کریں بیاں
ظالم کے ڈر سے رو نہیں سکتے پکار کے

ہے ہے پھوپھی نہ آئیں گے کیا اب مرے پدر
اب مجھ کو نیند کاہے کو آئے گی رات بھر
اماں تو کہتی تھیں کہ سحر شام آئیں گے
فرماتی ہیں مجھے کہ سدھارے ہیں با سفر
روؤ نہ تم ابھی آئیں گے اب آئیں گے پدر
سن لیتی ہوں میں سب کی پہ دل مانتا نہیں

سمجھاتی ہیں پھوپھی کہ اب آنسو نہ تم بہاؤ
اب عنقریب ہے کہ چچا اور پدر کو پاؤ
سچ ہے اگر تو کس لیے بیتاب ہوتی ہے
ماں سے جو پوچھتی ہوں کہ تم بھی تو کچھ کہو
اس شب کو اور شہ کی جدائی کا غم سہو
دل مجھ سے اچاٹ ہے بستی اجاڑ ہے
معلوم ہو گیا مجھے بہلاتے ہیں یہ سب
کیا حاصل اس چھپانے سے سنا تیر جو لگا
یہ لوگ تو کبھی نہ مفصل بتائیں گے
یہ ذکر تھا ابھی کہ ہوا بند قفل در
گھبرا کے دیکھنے لگیں رانڈیں ادھر ادھر
تڑپے یہ دل کہ سینوں میں سانسیں الجھ گئیں
نظروں سے صورتیں جو ہوئیں یک بیک نہاں
چلاتی ہے حواس میں بانوئے خستہ جاں
دل پر سکینہ جان کے صدمے گزر نہ جائیں
پھرتا تھا گھٹنیوں بھی یہاں میرا نونہال
کہنے لگی یہ زینب بے کس بصد ملال
ملتا نہیں ہے بچہ ہے ہاتھوں سے کھوتے ہیں
چھاتی کو پیٹ کر یہ پکاری وہ سوگوار
ہے وہ کہاں اے مرا طفل شیرخوار
اے لال [illegible] خوشی خواب میں سوتے ہو
[illegible] کو [illegible] کے [illegible] اب کے بچے
آ جاؤ ماں کے پاس اگر نیند [illegible] کے
[illegible] ہے پدر کی ترا زاں کا [illegible] ہے

آرام سے سلاؤں میں گودی میں پھر لگا
کہتی ہوں ان سے میں کہ بھلا تم تو کچھ کہو
کیوں منہ کو پھیر کر مری جانب سے روتی ہے
وہ کہتی ہیں کہ آؤ مری جان سو رہو
کچھ تو سبب ہے جو شہ سے ملاقات کل ہو
مجھ کو تو کاٹتا ابھی شب کا پہاڑ ہے
تا فجر جائے قید میں گھٹ کر یہ تشنہ لب
ہیں کس بلا میں پھنس گئی یاں آ کے ہم غضب
ہیں اپنی جان دوں گی جو بابا نہ آئیں گے
زنداں میں اور ہو گئی ظلمت زیادہ تر
مطلق کسی کو نہ آتا تھا کچھ نظر
ماؤں سے بچے بچوں سے مائیں بچھڑ گئیں
ہاتھوں سے ڈھونڈنے لگیں بچوں کو بیبیاں
دیکھو تو ڈھونڈ کے ہے اصغر مرا کہاں
بچے مرے ولی کے اندھیرے میں روندے نہ جائیں
بچے کسی کا میرے سوا جو دیکھو ذرا خیال
کس کی تلاش میں ہو کہاں ہے تمہارا لال
تم جس کو ڈھونڈتی ہو وہ مقتل میں سوتے ہیں
دریا کے [illegible] میں رہ گیا وہ گلعذار
اصغر تمہارے تھے [illegible]
ماں سے بچھڑ کے باپ کے پہلو میں سوتے ہیں
[illegible]
[illegible]
[illegible] مری [illegible] بھی [illegible] ہے

بانو کے اس بیان پہ بکتے تھے سب حرم
چلاتی تھی سکینہ کہ گھٹتا ہے میرا دم
کھولے گا قفل کون جو عباس آئیں گے

گر کے سر اندھیرے میں چلائیں گے اگر
گر کے مارے اور بھی گھبرائیں گے اسیر
دربانوں کو پکارو پیمبر کے واسطے

زنداں کا در کدھر ہے مجھے لے چلو شتاب
دادا مرے ہیں شہر علوم نبی کا باب
پھر کل سے قیدیوں کو تو نظر بند کیجیو

بولا جب کوئی تو ہوا غم زیادہ تر
پٹ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر
بے کس ہوں تشنہ لب ہوں فلک کی ستائی ہوں

بولا کوئی کہ کون ہے تو اے نحیف و زار
اک آہ سرد بھر کے یہ بولی وہ دل فگار
چھوٹے سے سن میں قیدی زندان شام ہوں

پوتی ہوں اس کی جو کہ ہے کونین کا امیر
ایسا کریم تھا وہ دو عالم کا دستگیر
شہرت جہاں میں ہمت مشکل کشا کی ہے

کشتی نہیں میں یہ کہ کرو قید سے رہا
کھانے کی کچھ طلب ہے نہ پانی کی التجا
جائیں گے ہم کہاں کہ تمہارے حوالے ہیں

اصغر بھی ان کے ساتھ یقیں ہے کہ جلد آئیں
جو کہہ گئے ہیں رہیو در پر مجھے بٹھائیں
نیند آنے کی نہ مجھ کو بہت بے قرار ہوں

باقر پکارتے تھے کہ کیونکر جئیں گے ہم
زنداں کا در بھی ہوگیا معدوم ہے ستم
تو اب پدر کدھر سے مرے پاس آئیں گے

اب روشنی کہاں سے بھلا لائیں گے اسیر
ہے ہے یہ کیا غضب ہوا مر جائیں گے اسیر
کھلوا دو قفل فاتح خیبر کے واسطے

دربانوں سے کہوں گی میں با دیدۂ پرآب
مجھ پر کرو گے رحم تو ہوگا تمہیں ثواب
آئیں بابا جان تو در بند کیجیو

دیوار پکڑے پکڑے گئی وہ قریب در
دربانو جاگتے ہو کہ سوتے ہو بے خبر
کچھ تم سے اپنا حال میں کہنے کو آئی ہوں

دل ہوگیا ہے تیری صدا سن کے بے قرار
آفت زدہ اسیر و پریشان و سوگوار
میں دختر حسین علیہ السلام ہوں

شیر الٰہ بادشہ آسماں سریر
جس نے ہزاروں قید سے چھڑوا دیے اسیر
ہم آج ہیں اسیر یہ قدرت خدا کی ہے

چھٹ جائیں گے کبھی کہ اسیروں کا ہے خدا
ان قفل کھول دو گے تو دوں گی تمہیں دعا
بابا حسین آج کی شب آنے والے ہیں

اپنے نہیں ہیں وہ کہ مجھے رات بھر رلائیں
دھڑکا مجھے یہ ہے کہ کہیں آ کے پھر جائیں
جاگے کوئی اسیر تو میں ذمہ دار ہوں

منظور ابھی نہ ہو تمھیں در کھولنا اگر
دے جاتی ہوں پتا تمھیں اُن کا بخوبی گر
بوئے زلفِ مشک فام کی مہکے گی دور سے
باندھے ہیں مصطفےٰ کا عمامہ وہ تاجدار
ہالہ سا گرد ماہ کے ہے خطِ مشک بار
گر ذکرِ حق ہے گا وہ زباں پہ ورد ہے
ساتھ اُن کے ہووے گا علی اکبرِ گلعذار
تصویر ہے نبی کی سراپا وہ ذی وقار
انجم فلک پسینے کے قطروں سے ماند ہیں
ہوں گے جلو میں حضرتِ عباس نوجواں
اس شیر کا نشاں یہ ہے اور یہ شکوہ و شاں
قمری تو قد پہ چال پہ صدقے تذرو ہیں
مجمع جب دو سوئے ہوں گے شہنشاہِ خوش خصال
تم دیکھیو مجھ سے ہے الفت انھیں کمال
ہیں محو دکھوں کی مجھ پہ جو آفت گزر گئی
ہوتے نہیں عزیز کے دختر و پسر
سوتی تھی اُن کی چھاتی پہ منھ رکھ کے رات بھر
موقوف ان پہ میری حیات و ممات ہے
ہووے گا یہاں کہ ترا دھیان ہے کدھر
بے صبح کے ہوئے نہیں کھلنے کا قفلِ در
دن کو بھی روتی رہتی ہے شب کو بھی ڈرتی ہے
ناحق ابھی سے کرتی ہو کاہے کو شور و شین
ڈرنے سے تیرے شب کو بھی ملتا نہیں ہے چین
بھولا نہیں شمر کو تری تعزیر کے لئے

آئے کہاں یہ شاہ تو تم کھول دیجو در
معلوم ہوگا صاف کہ طالع ہوا قمر
چمکے گی چاندنی رخِ روشن کے نور سے
اور ہے نشانِ سجدہ وہ تارہ سا آشکار
زیبِ کمر ہے شیرِ الٰہی کی ذوالفقار
سوکھے لبوں سے پیاس کی شدت نمود ہے
گیسو لٹکتے ہیں رخِ روشن پہ پیچدار
یوسف ہیں مصرِ حسن کے بھائی کے جاں نثار
دنیا کی روشنی ہیں اندھیرے کا چاند ہیں
چھوٹا ہے جن سے وہ ہے شبیرِ حق عیاں
اک دوش پر تو مشک ہے اک دوش پر نشاں
نامِ خدا علی کے گلستاں کے سرو ہیں
بے خواب ہیں وہ ان کو بھی ہوگا مرا خیال
آتے ہی تم سے پوچھیں گے پہلے ہی میرا حال
مرجائیں گے پدر یہ نہ کہنا کہ مر گئی
پر مجھ کو چاہتے ہیں وہ سب سے زیادہ تر
زنداں میں اب زمیں پہ تڑپتی ہوں تا سحر
آنے کا ہے یہ دن ہی یا وعدے کی رات ہے
جاں اُن کے پاس جیتی کہاں ہوں کہاں پدر
کیا شمر کے طمانچوں کا تجھ کو نہیں ہے ڈر
نے ہم کو سونے دیتی ہے نے آپ سوتی ہے
جا قفل کھول دیں گے بھلا آئیں تو حسین
بے وقت کے سُنے نہیں جاتے ہیں یہ ترے بین
رونا نہ کم کرے گی تو شمشیر کے لئے

ماں بہنیں قید ہوگئیں آتش سے گھر جلا
کھائے طمانچے جب تو ترا زور کب چلا
ماں سے چھٹے تو اور بھی صدمہ دو چند ہو
ایسا نہ ہو جدا کسی حجرے میں بند ہو

یہ بات سن کے سہم گئی وہ جگر فگار
دالان سے پکاری یہ بانوئے نامدار
کھونے لگا کون در کے چلاتی پھرتی ہو
زنجیر در نہ رات کو کھولیں گے یہ لعیں
پست و بلند خانۂ زنداں کی ہے زمیں
دشمن ہر اک ہے لشکر اہل عناد میں

بولی سکینہ جان ہے تن میں یا کہ جائے
بے جرم کان زخمی ہوئے اور طمانچے کھائے
واں کیا ہے یاں نہ بیٹھ کے آنسو بہاؤں میں
اکبر کے صدقے جاؤ بھلاؤ ہمارا پیار
مشکل ہے صبر دل پہ مرا کیا ہے اختیار
راحت بہت نصیب میں کم لے کے آئے ہیں

اصغر کو اپنی گود میں لو مجھ سے کیا ہے کام
تم اپنے دل میں سمجھو کہ میں ہو گئی تمام
سبط رسول سے مجھے پیارا نہیں کوئی
بچی سے رو کے بولی یہ بانوئے تشنہ لب
بیمانے ہی شہ سے تم کو چھڑایا ہے بے سبب
جو چاہو کہہ لو ایسی ہی تقصیر وار ہوں

صدقے ہے جان تک مری گھر بار کیا ہے چیز
بے سر ہوا ہے یوسف زہرا تمھیں عزیز
واری گئی جو ان کا کیا سب بجا کیا
آیا بچانے کوئی برے وقت میں بھلا
گس دیوے آ کے شمر نہ رسی سے پھر گلا
ایسا نہ ہو جدا کسی حجرے میں بند ہو

دروازے سے سر کے لگی رونے زار زار
بی بی کدھر گئیں ادھر آؤ یہ ماں نثار
واری کہاں اندھیرے میں ٹکراتی پھرتی ہو
ماں صدقے جائے گھڑکیاں کھانے کو دلگیر
گھبرا کے گر پڑو نہ اندھیرے میں تم کہیں
سونا بھی آج بھول گئیں شہ کی یاد میں

بیٹھی ہوں جب تلک کہ سواری پہ رک گئے
جو چاہے مجھ فلک کی ستائی کو پھر ستائے
اچھا مجھے پدر سے ملا دو تو آؤں میں
سمجھو کہ ایک بیٹی ہوئی باپ پر نثار
اب کوئی دم میں تن سے نکلتی ہے جان زار
اتنی ہی عمر خلق میں ہم لے کے آئے ہیں

پیاری تھی سارے گھر کی میں جب تک تھے امام
اماں بس اب پکارو نہ لے کے میرا نام
بابا ہی جب نہیں تو ہمارا نہیں کوئی
ہاں بی بی سچ ہے میری ہی تقصیر ہے یہ سب
تو اور بس معاف کرو جرم ماں کا اب
سمجھو نہ ماں یہ جانو کہ خدمت گزار ہوں

ہیں تک تمہارے باپ کی ادنی سی ہوں کنیز
میں جانتی ہوں کیا مجھے اتنی نہیں تمیز
میں نے تمہارے باپ کو تم سے جدا کیا

بابا کے آگے بچ ہے بھلا ماں کی قدر کیا
بے زار تم ہو مجھ سے ہیں اصغر سے بھی خفا

بیٹیوں کا کیا گلہ ہے بھلا وہ تو دور ہیں
مشہور ہے کہ چاہتے ہیں باپ کو پسر
اک بدنصیب ہم ہیں کہ مر جائیں بھی اگر
گو ہم نہ ہوں عزیز وہ ہم کو تو پیارے ہیں

روتی ہوئی یہ کہہ کے اٹھی بانوئے حزیں
روتی تھی منہ کو کر کے سوئے ڈھانپے وہ جبیں
سر کو جھکا کے بیٹے تو وہ پیچھے ہٹ گئی

آئی ماں گلے سے لگا کر چشم تر
بخشیں امیر بیبیاں سب گرد آن کر
ماں کہتی تھی ہائے میں بچے صدقے جاتی تھی

ماں کہتی تھی تھکے مری جان سو رہو
فرماتی تھیں پھر بھی کہ میں قربان
بھی جاتا ہے جینے کوئی دم تھمیں

[illegible]

کرلائی ہیں روہ وہ صغر سن کو دل
پوچھی خبر نہ ماں کی دیا ساتھ باپ کا
تقصیر وار ہیں ہیں سب بے قصور ہیں
بچی کو ماں سے ہوتی ہے الفت زیادہ
بیٹوں کو کچھ خیال نہ بیٹی کو کچھ خبر
ماں سمجھیں یا نہ سمجھیں سب آنکھوں کے تارے ہیں

بچی کو ڈھونڈتی ہوئی
پاس آ کے ماں نے
پھر تھے ہاتھ اٹھا کے گلے سے لپٹ گئی
چپ ہو کے بیٹی ماں کی
ہاتھوں سے کوئی پاؤں
بابا بغیر نیند آئے آتی تھی

[illegible]

تم کو سکھائے رکھتی ہوں جب دم بدم ملے
اس واری سچ ہے غنچۂ دل کس طرح کھلے
دفتر مصیبتوں کا بھی اپنے نہ کھولوں گی
سچ ہے کہ صاحب اُن کی یہ بھائی نہ مجھ کو یاد
ہوسے جو منہ کے لینے لگیں شاہ خوش صفات
آزردگی کی ہے یہ جگہ کیوں چلے گئے

ٹک آہ سرد بھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
رونے لگیں گے ڈھونڈھ کے جب وہ اِدھر اُدھر
اتنا تو کہہ دو مجھ سے اگر مر جاؤں گی
میرے طمانچے کھانے کا اُن سے کہیو حال
ہوئے گا غصّے سے علی اکبر کا رنگ لال
منظور ہے کہ قید سے تم کو رہائی ہو

کیوں اماں جان قبلۂ عالم ابھی جو آئیں
جیتا خدا کرے علی اصغر کو ساتھ لائیں
سو جاتے ہیں شاہ شہ خوش خصال کے
لے کر بلائیں بانو نے ہے کس نے یہ کہا
سمجھو نہیں تم اب انہیں عرصہ نہیں ذرا
بابا سے ہم بغل تمہیں ہونا نصیب ہو

صدقے گئی جب آئیں شہنشاہ انس و جاں
تقصیر جو ہوئی وہ تمہیں بخشوا دیں ماں
لشکر یزید کا ہو غارت نہ مل سکا
بیٹی سے ماں نے کیں جو یہ باتیں بچشم تر
سب ہو گئے خموش اسیران نوحہ گر
فاقوں میں قیدیوں نے اِدھر شکر رب کیا

صدقے گئی وہ آنے کے کیجیو بہت گلے ؛
یوں اُس کو بھول جاتے ہیں جو باپ سے ملے
تم جب تلک نہ بولو گی میں بھی نہ بولوں گی
بچّی کو میری غم ہے مجھے تلخ ہے حیات
رکھ لیجیو اپنے چہرے پہ تم چھوٹے چھوٹے ہات
اصغر کو ساتھ لے کے گئے تم کو دے گئے

اماں میں چپ رہوں گی بھلا آئیں تو پدر
اُس وقت گر پڑوں گی میں قدموں پہ دوڑ کر
صدقے تمہارے منہ کے میں بابا کو پاؤں گی
اماں بہت کڑھیں گے شہنشاہ خوش خصال
عباس نامدار کو آ جائے گا جلال ؛
ایسا نہ ہو کہ پھر کہیں اُن سے لڑائی ہو

رو کر کس اشتیاق سے مجھ کو گلے لگائیں
صدمے جو گزرے ہیں ابھی سب مجھ کو بھول جائیں
کیا سوؤں ہاتھ چاند سی گردن میں ڈال کے
اے عاشق پدر تری باتوں کے میں فدا
آئے کوئی گھڑی میں شہنشاہ کربلا
چھاتی پہ اُن کی رات کو سونا نصیب ہو

پیارا گلا نہ دیکھیو تم اُن سے سکینہ جاں
آزردہ مجھ سے ہوں گے بہت سرورِ زماں
سیلی لگائی جب تو مرا بس نہ چل سکا
جاگی بہت تھی سو رہی وہ عاشق پدر
پھر کی نگاہ بانو نے جو کی بجا ہے یہ
اور اس طرف یزید نے خاصہ طلب کیا

زنداں میں مضطرب تھے اسیران [illegible]
[illegible] فرش خاک پہ [illegible]
[illegible] قید ہو گئے اور شکر رب کیا
[illegible]

[illegible]

کوئی اگر کہے بھی تو میں مانتی ہوں کب
میں سن چکی ہوں آپ صدائے نمازِ شب
گریے سے گو کہ سینوں میں دم اُن کے رُک گئے ہیں
قیدی ہیں پر قضا کبھی ہوتی نہیں نماز
آواز میں سنا نہیں ایسا یہ سوز و گداز
چھوٹے بڑوں کی عادت طاعت گزاری ہے

قیدی ہے ظاہرا کوئی بیمار و ناتواں
آواز اک ضعیف سی آتی تھی ہر زماں
یہ درد ہے صدا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں
کرتا ہے جب تلاوتِ قرآں وہ حق کا نور
رشتہ کچھ اُس کو مصحفِ ناطق سے ہے ضرور
تقریر کیا فصیح ہے کیا خوش بیان ہے

دن بھر تو اُس کو رہتا ہے غش اور دردِ سر
واللہ کیا دعاؤں کے فقروں میں ہے اثر
شاید کوئی عزیزِ شہِ مشرقین ہے
کہتے ہیں صبر و شکر لے اللہ رے حوصلہ
جاری ہے صبح و شام عبادت کا سلسلہ
گردن جھکی ہوئی ہے خدا پر نگاہ ہے

سنتی ہوں تھے بچے بھی وہ چار ہی اسیر
رونے سے اُن کے پھٹتے ہیں پتھر کے جگر
دکھ دے کسی کو یہ نہیں عادت کریم کی
اے سست دل کے قلب کو اتنا بھی کر نہ سخت
روتے ہیں سر جھکائے ہوئے بارور درخت
حاکم کو خوف چاہیے قہرِ الٰہ سے

ابرار حق پرست ہیں قیدی یہ سب کے سب
فاقوں میں بھی وہ کرتے تھے تا صبح شکرِ رب
ماؤں کے ساتھ سجدے میں بچے بھی جھکتے ہیں
رکھتے ہیں پانچوں وقت زمیں پر جبیں نیاز
سجدے میں حق سے کہتے ہیں کچھ اپنے دل کا راز
آٹھوں پہر جو ورد زبانوں پہ جاری ہے

معلوم کچھ نہیں کہ وہ لڑکا ہے یا جواں
کیا کراہتا ہے سحر تک وہ نیم جاں
رونے پہ اُس کے لوگ محلے کے روتے ہیں
ہوتا ہے لحنِ حضرتِ داؤد کا ظہور
قرآں کے حرف حرف کے معنے پہ ہے عبور
گویا زبان اس کی خدا کی زبان ہے

کرتا ہے نصفِ شب سے مناجات تا سحر
ہو جائے آب ہو کے جو پتھر کا ہو جگر
صوتِ حسن میں ہیں حسنِ صدائے حسین ہے
شکوہ نہ طوق کا ہے نہ زنجیر کا گلہ
ہر دم رواں ہے چشم سے اشکوں کا قافلہ
لب پر کبھی تو آہ کبھی لا الٰہ ہے

لڑکی بھی کوئی قید ہے رشکِ مہِ منیر
کیا قہر ہے یہ ظلم غریبوں پہ اے امیر
قرآں میں حق نے کی ہے سفارش یتیم کی
عقبیٰ میں رو سفید ہو اور سیاہ بخت
ڈر ہے تجھے کہیں نہ الٹ جائے تیرا تخت
اکثر گری ہے برق یتیموں کی آہ سے

کرتے ہیں لطف و رحم فقیروں پہ اغنیا
خالق نے اپنے ملک کا حاکم سمجھ لیا

زنداں میں قیدیوں کا بہت حال غیر ہے
قاروں کا گنج اور ستم ایجاد کیا ہوا
تھا پہلے وہ جو بانیٔ بے داد کیا ہوا
وہ قبر میں ہیں آج جو کل تھے رواق میں
گرمی کی فصل اور یہ مکاں تنگ ہائے ہائے
فاقے سے ہوں گے قیدی اور بھیجتی کھانے

دل سے بھلا نہ وعدۂ روزِ سخت کو
کھانے کو میں نہ ہاتھ لگاؤں گی کبھی بجوک
ان کے بغیر مجھ کو یہ کھانا ہے مثل جوک
خوش ہوگا حق و دل کو یتیموں کے شاد کر!
کافر کے گھر کو بھی کبھی لوٹا نہ بعد جنگ
جو ہاتھ آیا دے دیا سائل کو بے درنگ

اس بادشاہِ دیں کو نہ کچھ فکر اور تھی
یکساں تھا خلق آپ کا شاہ و فقیر سے
باتیں تھیں پرورش کی یتیم و اسیر سے
ہر شب کو قیدیوں کی خبر لینے جاتے تھے
تھا حال فاطمہ بھی علی تھے وہ التباس
دنیا میں تھی اگر تو انھیں اک فدک کی آس

وہ دن وہ جسم پاک میں پوشاک تو رہی
ہے آج تک جہاں میں علی کے کرم کا شور
تھا بازوئے رسول میں دستِ خدا کا زور
کی اس نے کچھ زباں سے شکایت تو ڈر گئے

عقبیٰ میں کام آتا ہے یاں کا کیا دیا
جز نام نیک کون جہاں میں سدا جیا

کچھ خیر کر کہ خیر سے ملتی ہے بخیر ہو
فردوس کس طرف گیا شدّاد کیا ہوا
فرعون بد نہاد سا جلّاد کیا ہوا
ڈھونڈو تو خاک بھی نہیں کسریٰ کے طاق میں
اب رحم کر ارے کوئی معصوم مر نہ جائے
پانی تو پیاس میں کوئی جا کر انھیں پلائے

بیمار کو دوا نہ غذا تندرست کو
اشکوں سے بار بار بھگتے ہیں میرے پوک
بیکسوں پہ ظلم غریبوں سے یہ سلوک
کیا رحم تھا کرم کو محمدؐ کے یاد کر!
چادر گلے میں ان کے کھنچا ہوئے پہ تنگ
عشرت یہی کہ فاقوں میں باندھا شکم پہ سنگ

راتوں کی پرورش تھی یتیموں کی غور تھی
بھلاتے تھے فقیر کو یہ تو امیر سے
کرتے تھے سیر انھیں کے طلب شہد و شیر سے
وہ دن کہ جب نان جویں آپ کھاتے تھے
صرف رہ کرم تھا جو کچھ تھا ان کے پاس
جب چھن گیا تو کرتی تھیں فاقے وہ حق شناس

خود اٹھ گئیں جہاں سے چادر گرو رہی
ہر ایک کی زباں پہ ہے نقل فقیر کور
پر داد و دہش کرم نہ گوارا تھا رنج مور
کاندھے پہ رکھ کے مشک ضعیفہ کے گھر گئے

رانڈوں کے وارث اور یتیموں کے تھے پدر
ہر دم حسینؑ پر یہ تقید تھا اے پسر
راضی نہ اس کے قتل پہ مشکل کشا ہوئے
خلقِ خدا ہے معترفِ خلقِ مجتبیٰ
یا دشمن بغیر ذکر کروں کیا حسینؑ کا
دونوں جہاں میں کیا برکت ایک دم سے ہو
دنیا ہو اور حسینؑ میں اس نام کے نثار
ہے بات بات میں کرمِ شاہِ ذوالفقار
ہو جیسے پیمبروں کی سی شرم مشرقین میں
تھی ان میں بھی فیضِ صحبتِ مولا سے بہرور
نیلے نشاں ہیں چاند سے کاندھوں پہ جا بجا
اس پر بھی ہر گھڑی یہ دعا ہے الٰہ سے
اُس سالکِ طریقِ ہدایت کے میں فدا
ناقے تو پیچھے ہوتے ہیں آگے وہ مقتدا
اس سال بھی سُنا ہے کہ تشریف لائے ہیں
کیا جانئے حج کے بعد سدھائے ہیں کدھر
رہتی ہوں اس خیال میں پہروں میں نوحہ گر
ہے دھوم کچھ دنوں سے جدال و قتال کی
اس خانداں میں کون رہا ہے سوائے شاہ
آگاہ ہوں کہ شاہ سے کینہ تجھے تھا آہ
بیتاب ہوں خیالِ رشکِ نیک نام میں
دعوے اس کا مقام تردد کی ہے یہ جا
پھرتا دشمنی مجھے کوئی ہوتا جو دوسرا
اس نامِ پاک سے برکت ہے جہان میں

قاتل پہ مرتے مرتے رکھی رحم کی نظر
قیدی کے بھی طعام کی رکھیو ذرا خبر
غمگیں جو ہاں عدو بھی تو حسنؑ سے خفا ہوئے
دریائے فیض ابرِ کرم منبعِ سخا
آقا کو دیر تک وہ سلامت رکھے خدا
قائم جو ہے زمیں تو انہیں کے قدم سے ہے
فیض ہی تو عصمتِ خاتونِ روزگار
اور خلق میں نظیرِ حسنؑ ہے وہ ذی وقار
ہیں جمع کس قدر حسنات ایک حسینؑ میں
پیدا کیا ہے حق نے عجب طرح کا بشر
سے کرا کے جاتے ہیں خود بیکسوں کے گھر
یا رب بچائیو مجھے بارِ گناہ سے
پیدل ہی حج کو آتے ہیں اکثر پیادہ پا
خالق نے اُن پہ ختم کیا زہد و اتقا
کعبے میں اب کی بیت بھی ہمراہ آئے ہیں
لونڈی نے پھر سنی نہیں آقا کی کچھ خبر
کعبے میں گھر گئے نہ ہوں سلطانِ بحر و بر
یا رب تو خیر کیجیو زہرا کے لال کی
قائم رکھے جہان میں شہ کو مرا اگر
ہے ہے کیا نہ ہو کہیں زہرا کا گھر تباہ
شہزادیاں اسیر نہ ہوں فوجِ شام میں
رہتے ہیں نام لے کے یہ قیدی حسینؑ کا
گر ہے تو اک حسینؑ ہے زہرا کا دلربا
عقدے وہ کھول دیتے ہیں سب ایک آن میں

کہیں ہند نے یہ درد کی باتیں جو ایک بار
ہر قلب پر ستم کی چلی تیغ آب دار
اللہ رے جوش ماتم سلطان نامدار
رویا جھکا کے سر کو یزید زبوں شعار
خنجر غم حسین کا دشمن پہ چل گیا
کیا نام میں اثر ہے کہ پتھر پگھل گیا

رو کر پھر اُس سے کہنے لگی ہند خوش سیر
ہوں بے قرار صورت بسمل میں نوحہ گر
گر کہو تو دیکھ آؤں انھیں جا کے اک نظر
شاید انھیں سے شہ کی مفصل سنوں خبر
ہیں غیر یا عزیز شہ انس و جاں کے ہیں
دریافت تو کروں کہ یہ قیدی کہاں کے ہیں

ناچار ہو کے ہند سے ظالم نے یہ کہا
جا دیکھ آ انھیں مگر نقصان اس میں کیا
واں جا کے اور ہوئے گا تجھ کو قلق سوا
سنتے ہی یہ کلام اُٹھی ہند باوفا
پہلو میں مضطرب تھا دل اُس حق پرست کا
اُٹھتے ہی جلد حکم دیا بندوبست کا

سب وارثوں کو رو کے چلی جب وہ حق شناس
کہنے لگیں یہ تب جو کنیزیں تھیں اس کے پاس
کپڑے یہ سمجھی ہیں بدل ڈالے لباس
اُس نے کہا کہ ہے مرے دل پر ہجوم یاس
اک دم میں سوگواروں کو میں دیکھ آتی ہوں
کیسا لباس کیا کسی شادی میں جاتی ہوں

میلے ہی کپڑے چاہئیں جب دل ہو پر ملال
کچھ سوجھتا ہے مجھے تمھیں کچھ اور ہے خیال
نکلیں وہ کیا کرے کہ پریشاں ہو جس کا حال
ہے سر کا گوندھنا بھی مجھے اس گھڑی وبال
جی چاہتا ہے یہ کہ گریبان چاک ہو
کپڑے تو سب سیاہ ہوں اور سر پہ خاک ہو

لازم ہے بزم غم میں عزادار بن کے جائے
جو وارثوں میں بیٹھ کے بین کرے اور انھیں لگائے
واں وارثوں کا سوگ ہو کپڑے نئے نئے
رو آئے دل مقام ہے عبرت کا ہائے ہائے
کپڑے بدل کے رانڈوں میں جانا روا نہیں
اُن میں چلی ہوں جن کے سروں پہ ردا نہیں

نکلی محل سرا سے یہ کہہ کر وہ خوش سیر
تھیں ساتھ ساتھ جتنی خواصیں بھی نوحہ گر
پہونچی جناب حضرت زینب کو یہ خبر
رنگ اُڑ گیا یہ کہنے لگیں سر کو پیٹ کر
اپنا نہیں خیال بزرگوں کا پاس ہے
ہے ہے کہاں چھپیں وہ مری رو شناس ہے

ہے شرم کی جگہ کہ میں ہوں خواہر امام
غمگین سوگوار و پریشان و تشنہ کام
ہم ہیں فقیر بزم میں امیروں کا کیا ہے کام
لوگو بتا نہ دیجو کہیں اُس کو میرا نام
پوچھے جو وہ کسی سے کہ زینب کدھر گئی
کہہ دیجیو کہ بھائی کے ہمراہ مر گئی

رو کر ہر اک سے بانوئے ناشاد نے کہا
لوگو! خدا کے واسطے چپکے رہو ذرا
پھر حشر قید خانے میں ہوگا جو روئے گی
چپ ہو گئے یہ سن کے اسیران نوحہ گر
آئی سواری زن حاکم قریب در
وحشت یہ قید خانے کی جس دم نگاہ کی
دل ہند کا تو رُندھ گیا تھرا گیا جگر
دیکھا نہیں مکان کوئی تاریک اس قدر
ایسا بھی ظلم کرتا ہے کوئی جہان میں
بڑھ کر کسی کنیز نے تب یہ کیا بیاں
چلئے محل میں آپ بھلا جائیں گی کہاں
گر غش ہوئے تو آپ میں آیا نہ جائے گا
آزردہ ہو کے کہنے لگی ہند نوحہ گر
آخر جو اس میں قید ہیں وہ بھی تو ہیں بشر
جانے وہی کلیجے پہ جس کے چھری سی لگے
یہ بات کہہ کے آگے بڑھی وہ بصد الم
حلقہ گلے میں طوق کا زنجیر میں قدم
زنداں ہے یہ اندھیرے میں یا شمع جلوہ ہے
پڑھتی ہوئی درود گئی جب قریب تر
غل حوروں میں تھا یہ فرشتہ ہے یا بشر
رتبے میں ماہ ہے بزرگ نسب میں جلیل ہے
کوئی بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار
ہے ہے گلا ہے چاند سا اور طوق خاردار
لوگو! بزرگ اس کے مقرر اسیر ہیں

کیا حاصل اضطراب سے قسمت کا جو لکھا
رو رو کے سو گئی ہے ابھی میری دلربا
چونکی اگر تو صبح تلک پھر نہ سوئے گی
جا بیٹھی ایک گوشے میں زینب جھکا کے سر
درباں بھی دور ہٹ گئے دروازہ کھول کر
ہاتھوں پہ ہاتھ رکھ کے خواصوں نے آہ کی
بولی ٹھہر کے ڈیوڑھی پہ یہ قہر ہے کہ گھر
پوچھو کوئی کسی سے کہ ہیں بیبیاں کدھر
بندے خدا کے بند ہیں ایسے مکان میں
بی بی کوئی اسیر یہاں ہیں زندہ نہیں یہاں
قابل نہیں حضور کے جانے کے یہ مکاں
ہم سے تو اس خرابے میں جا یا نہ جائے گا
عبرت کا ہے مقام اے لونڈی خدا سے ڈر
تاراج یوں جہاں میں نہ ہووے کسی کا گھر
ایسی نہ بات کہہ کہ خدا کو بری لگے
اک آفتاب دیں نظر آیا اسیر غم
بولی ٹھہر کے وہ کہ زہے شوکت و حشم
آئی ندائے غیب کہ خالق کا نور ہے
اللہ رے حسن کرنے لگی خیرگی نظر
اترا ہے آسماں سے خرابے میں یا قمر
ثابت ہے ضعف سے کہ نہایت علیل ہے
لے بلکیں وہ اسیر بلاکش ترے نثار
یہ گوری گوری پنڈلیاں زنجیر سے فگار
گویا جناب یوسف کنعاں اسیر ہیں

بولی کوئی کہ عابد و زاہد ہے یہ جواں
ایماں کا نور چہرۂ انور سے ہے عیاں

رقت شریف قوم پہ گردوں اساس ہے
جو غیر کی طرف نہ حیا سے کرے نظر
بے فکر ہو رہے ہیں کی طبیعت [illegible]

تقویٰ پہ اس کے عفت و عصمت گواہ ہے
اس سن میں ایسے سجدۂ صالح پہ ہے تعجب
بستر ہیں کا اور یہ تھوڑا ہے غضب

ہے خامشی دہن میں عبادت کے شوق کی
[illegible]
[illegible]

آنکھوں میں صاف پھرتی ہے صورت امام کی
[illegible]
[illegible]

[illegible]

کہتی تھیں [illegible]
[illegible]

[illegible]

یہ ذکر سن کے رونے لگیں ہمشیرِ باوفا
کی عرض کیا ہے اسم مبارک حضور کا
گردن جھکا کے قبلۂ عالم نے یہ کہا
بیکس اعزہ مُردہ گرفتار و بے نوا
کیا پوچھتی ہے نام و نشاں خاکسار کا
اک بندۂ حقیر ہوں پروردگار کا

زیبا ہے نام پاک بس اک خالق ودود
روزی رسان عالمیان واجب الوجود
جو محوِ فنا ہیں ہے کیا اُن کی بست و بود
قطروں کی کیا بساط حبابوں کی کیا نمود
درپیش منزلِ لحدِ خوفناک ہے
آغاز اپنا خاک ہے انجام خاک ہے

تھے مرتضیٰ علی کے جہاں میں بہت خطاب
شیرِ خدا امیرِ عرب مالک الرقاب
کارہ تھا پر ترقی ظاہر سے وہ جناب
ہوتے تھے شاد کہتا تھا جو ان کو بوتراب
جس کو فروتنی ہے وہی سربلند ہے
خالق کو خاکسار ہی انساں پسند ہے

اُنھوں نے کہا بتائیے والد کا اپنے نام
فرمایا فاقہ کش وطن آوارہ تشنہ کام
مقتولِ نیزہ و تیر و خنجر و حسام
جس کو ملا نہ پیاس میں پانی کا ایک جام
بے گور بے کفن جسدِ پاش پاش ہے
پھر یاں ہے کربلائے معلّیٰ میں لاش ہے

پوچھا وطن کو اُس نے تو بولے شہِ زمن
وارفتۂ مقامِ فنا منزلِ محن
مجھ سے فقیر کے جہاں ہے وہی وطن
بے خانماں اسیر و پریشان و خستہ تن
پردیس میں تباہ ہوئے شہر چھٹ گیا
جنگل میں ہم بھی لُٹ گئے اور گھر بھی لُٹ گیا

اُنھوں نے کہا کہ خلق سے ہوئے گا دم فنا
فرمایا جس میں خالق کونین کی رضا
گھٹتا ہے گر گلا تو کچھ اس کا نہیں گلا
بندے ہیں امرِ حق میں بھی اختیار کیا
صابر ہیں غیر شکرِ خدا کیا سخن کریں
ہم وہ نہیں کہ شکوۂ خلقِ زمن کریں

وہ بولی اور بھائی بھی کیا تھے سرِ منیر
فرمایا ہاں جوان تھا اک اور اک صغیر
جرأت میں بے مثل تھے صورت میں بے نظیر
دونوں کو تین روز نہ پانی ملا نہ شیر
اعدا کو دشمنی تھی صغیر و کبیر سے
برچھی سے ایک قتل ہوا ایک تیر سے

غش ہو گئے یہ کہہ کے امامِ فلک اساس
ٹھہرا کے واں سے آ گئے زینب جہاں تھیں
پہنچی شمر کے جو سیدانیوں کے پاس
رانڈوں کی شان دیکھ کے بولی وہ حق شناس
چہرے سبھوں کے غیرتِ خورشید و ماہ ہیں
گویا کہ اہلِ بیتِ رسالت پناہ ہیں

پیدا ہے ان کی شان سے سیدانیوں کی شان
ہاشمی ہیں یا علوی ہیں خستہ جان
یہ لاکھ گر چھپائیں تو کب مانتی ہوں میں
مٹی میں گو بھرے ہوئے ہیں زنداں کے ریگ
ہر چند ہیں صعوبت زنداں سے سب تنگ
میں کس طرح کہوں کہ یہ آل عبا نہیں

چہروں کی آب و تاب پہ لوگو کرو تو غور
بازو میں ایک رسی میں ہے یہ ظلم و جور
مٹی میں مل گیا یہ چمن وا مصیبتا
آ کر قریب کہنے لگی ہند خوش خصال
مجھ سے تو کچھ بیان کرو اپنے دل کا حال
کیوں لے گئے عدو تمہیں بلوائے شام میں

سنتی ہوں میں مدینے میں ہے آپ کا وطن
ہیں خیریت سے حضرت شبیر کی بہن
وہ بی بی روح جنت رسالت پناہ ہے
کیوں بی بیو بتاؤ خدا کے لیے ذرا
سنتی ہوں اب جوان ہیں ہمشکل مصطفیٰ
شہرت ہے ابن فاطمہ زہرا کے بیاہ کی

حق سے یہی ہے شام و سحر اب مری دعا
اکبر کا سہرا ان کو دکھلائے اب خدا
ارماں مجھے ہے بادشہ مشرقین کا
جب ہند ختم کر چکی رو رو کے یہ کلام
صدمے میں تب بتائیے کیا آپ کا ہے نام
زنداں میں سب اسیروں کی سردار آپ ہیں

ظاہر ہے صبر و شکر سے سادات کا نشاں
کس میں یہ معرفت کے سخن اور یہ بیاں
خوشبو کو اہل بیت کی پہچانتی ہوں میں
چھپتا ہے کوئی چاند پہ ڈالے سے خاک
روشن ہے قید خانہ تاریک و ہولناک
اک فرق اتنا ہے کہ سروں پر ردا نہیں

دیکھا ہے قیدیوں کا کسی نے کبھی یہ طور
بچے گلے میں بندھے ہوئے دیکھو تم ادھر
ان گوری گردنوں میں رسن وا مصیبتا
لے لی چھپا دو نور رخ سے اپنے بال
کیسی تمہاری ہو گئی کس جا یہ حال
کس جرم پر اسیر ہوئے ہیں یہ شام میں

لشکر کچھ کو خبر سرور زمن
زندہ رہے جہاں میں یہی تیغ و تیر فن
عصمت پہ جن کی خالق اکبر گواہ ہے
بے خیریت مدینے میں فرزند مصطفیٰ
سرسبز رکھے باغ جہاں میں انہیں خدا
حسرت تو شہ کو ہوئے گی اکبر کے بیاہ کی

آقا مرے جہاں میں سلامت رہیں مدام
گھر میں بہو کو لائے جگر بند مصطفیٰ
آباد گھر ہو فاطمہ کے نور عین کا
بانو کے پاس آ کے یہ بولی وہ نیک نام
شہ بانو کو میں جانتی ہوں تمام
اب قیدیوں کی قافلہ سالار آپ ہیں

بانو نے اُس سے پھر یہ کہا تھام کر جگر
زینبؑ کو پھر بتا کے یہ بولی بچشم تر
تو دل میں جانتی ہے کہ ان کی عزیز ہوں
وہ بولی گئے ہیں آپ کے فرزند خوش سیر
تیر و سناں سے قتل ہوئے رن میں دو پسر
ٹکڑے جگر کے صدمۂ فرقت سے ہوتے ہیں
یہ سُن کے ہند رونے لگی تب بہ اشک و آہ
رُخ سے ہٹائے بال تو حالت ہوئی تباہ
ہرگز غلط نہیں جو مجھے اشتباہ ہے
کہنے لگی یہ ہند سے زینبؑ جگر فگار
اے ہند اُن کا نام نہ لے بہر کردگار
اعدا تو مجھ کو لے گئے بلوائے عام میں
وہ شاد کام اور میں بے کس جگر فگار
بلوے میں لے گئے مجھے اعدا بحالِ زار
وہ بی بی پردہ دار ہے اور خوش خصال ہے
یہ سُن کے بے قرار ہوئی ہند خوش خصال
اے میری شاہزادی چھپاؤ نہ مجھ سے حال
تم کو قسم ہے فرقِ سرِ مشرقین کی
یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی ہند باوقار
چلائیں سر کو پیٹ کے با چشم اشکبار
پالی ہوئی ہوں سبطِ رسالت پناہ کو
اے ہند کیا کہوں خبر شاہ تشنہ لب
مطلق ڈرا نہ خالقِ اکبر سے بے ادب
روئے نہ پائے ماتمِ شاہِ شہید میں

ہم قیدیوں کے نام ہیں مظلوم و نوحہ گر
بی بی یہ جو کہ روتی ہیں منہ ڈھانپے اپنا گر
مختار یہ مری ہیں یہاں ان کی کنیز ہوں
فرمایا رو کے لُٹ گیا بی بی ہمارا گھر
زنداں میں اک اسیر ہے مظلوم و نوحہ گر
جو گود میں پلے تھے وہ جنگل میں سوتے ہیں
پھر غش کے رونے حضرت زینبؑ پہ کی نگاہ
بے ساختہ کہا کہ زہے قدرتِ اِلٰہ
زینبؑ تمہیں ہو خالقِ اکبر گواہ ہے
کیوں خاک پر ملاتی ہے منہ سے بار بار
نسبت نہ اُن سے دے کہ وہ ہے فاطمہؑ کا
دشمن نہ اُن کے قید ہوں زندانِ شام میں
آیا وہ ہیں اور میں زنداں میں سوگوار
باہر کنیز اُن کی نہیں نکلی زینہار
زینبؑ میں ہی ہوں یہ ترا بے جا خیال ہے
دیکھا بغور رُخ تو یہ بولی بصد ملال
زینبؑ تم ہی ہو خواہرِ شبیرؑ باکمال
جلدی کہو خبر مرے آقا حسینؑ کی
فرطِ قلق سے دل ہوا زینبؑ کا بے قرار
اے ہند کٹ گیا سرِ شبیرؑ نامدار
حاکم نے بے گناہ کیا قتل شاہ کو
ہنگامِ عصر کٹ گیا زہراؑ کا باغ سب
چوبِ جفا ہے اور لبِ شبیرؑ ہے غضب
سر ننگے لے گئے ہمیں بزمِ یزید میں

کیا پوچھتی ہے تو خبرِ شاہِ بحر و بر
مارا وہ دشت میں کبھی خولی نے بے خطر
اک تک تھی دشمنی سپہ بدخصال کو
اے مضطرب رن میں شاہ کے یاور ہوئے شہید
بن بیاہے دشت میں علی اکبر ہوئے شہید
مر جائے فاطمہ کی نہ کھیتی ہری بھری
میداں میں بے کفن ہے ابھی لاش وہ پیاسے کی
وا حسرتا وہ گرم ہوا اور وہ فرشِ خاک
چہلم تک ہوا نہ سفر مشرقین کا
منگوایا ہند نے جو سرِ شاہِ بحر و بر
جب سر پہ شاہِ دیں کے سکینہ کی تھی نظر
دنیا سے تشنہ کام سفر کر گئے حسین
پھر سر کو پیٹتی ہوئی دوڑی وہ سوگوار
نظریں ملا کے شہ سے جو روئی وہ دل فگار
دنیا میں اس کی زیست کا نقشہ بدل گیا
ہاتھوں نے سر کو پیٹ کے تب یہ کیا بیاں
لے نورِ عین بس نہ کرو نالہ و فغاں
بچھڑے ہو کب سے بادشہِ مشرقین سے
اٹھی یہ کہہ کے ہاتھ سے بیکس برہنہ سر
زینب کو پھر دکھا کے یہ بولی بہ چشمِ تر
زنداں کے پیچھے وہ ظلم کہ جا بر تھی جان سے
بی بی تمہاری بچی ہی ہیت کرے ہیں نثار
میں پھر کے جو کرو دیکھنے بابا جگر فگار
فرصت کبھی نہ ہوگی مجھے شور و شین سے

فرقِ حسین تھا کبھی نیزے پہ جلوہ گر
لٹکا وہ نیزے پہ سجاد کا سر
پھر لگانے راہ میں زہرا کے لال کو
عباس قتل ہو گئے اصغر ہوئے شہید
شبیر کا لال اور مرے دلبر ہوئے شہید
بچوں سے گود ہو گئی خالی بھری ہوئی
ہے ہے وہ دھوپ اور وہ میدان ہولناک
کس طرح شاد دل نہ ہو مرا سینہ چاک چاک
اب تک پڑا ہے دھوپ میں لاشہ حسین کا
بچھڑے کو دوڑ کھڑے ہوئے قیدی چشمِ تر
چلائی رو کے ہائے غضب مر گئے پدر
مرا بجھ چو اب یہ راز کھلا مر گئے حسین
دامن میں لے لیا سرِ شبیر نامدار
صدمہ ہوا کہ نکلی تن سے جانِ زار
جنبش ہوئی لبوں کو لبوں اور دم نکل گیا
بس اے دل نکلیں حسین سے قربان جاؤں میں
ایسا نہ ہو کہ گھٹ کے نکل جائے تن سے جاں
ہم بھی تو مل لیں فاطمہ کے نورِ عین سے
دیکھا پڑی ہے خاک پہ بے جان نوحہ گر
بچی کو بیری لے گئے سلطانِ بحر و بر
افسوس بے جان میں مری بچی جان سے
منہ سے اٹھا کے گرتی کو دامن پھر اک شور
زنداں کو اپنے پاس بلا لو تو ہو قرار
تم پاس سے جا کے قبر میں سوؤں گی چین سے

ہے ہے اٹھائے قید میں کیا کیا رنج و غم — باندھا گلے کو شمر نے رسی سے بے ستم
بابا کو یاد کر کے جو روتی تھیں دم بدم — دیتے تھے گھرکیاں تھیں یہ بانیٔ ستم
زخمی ہیں کان چھلوں سے عارض کبود ہیں — اب تک نشاں طمانچوں کے رخ پہ نمود ہیں

بی بی خدا پہ خوب ہے روشن ہمارا حال — چادر تلک نہیں ہے چھپاؤں جو سر کے بال
کس طرح دوں کفن تجھے اے میری خوش خصال — نادار ہوں میں پاس نہ دولت ہے اور نہ مال
تنگ الم سے شیشۂ دل پاش پاش ہے — دو گز کفن کے واسطے محتاج لاش ہے

ہوتا جو وارثی پاس مرے کچھ بھی مال و زر — تربت بناتی تجھ سی میں سوختہ جگر
تابوت پر میں باندھتی سہرا بچشم تر — جو پوچھتا تو سب یہی کہتی میں نوحہ گر
میت یہیں ہے بنتِ شہِ مشرقین کی — دنیا سے آج اٹھ گئی عاشق حسینؑ کی

بس اے اختر بزم میں ہے گریہ و بکا — وقتِ دعا ہے خالقِ اکبر سے کر دعا
یارب بحقِ احمدؐ و زہراؑ و مجتبیٰ — دکھلا دے جلد روضۂ سلطانِ کربلا
دم لب پہ ہے زیارتِ مولا نصیب ہو — بیمارِ غم کو قربِ مسیحا نصیب ہو

رباعی

لائق تیرے کس نے کی عبادت تیری
مجرم پہ بھی ہر دم ہے عنایت تیری
دن حشر کا ہو تو دیکھتا ہوں میں بھی
عصیاں میرے افزوں ہیں کہ رحمت تیری

رباعی

مڑ کر کب ادھر ادھر دیکھوں میں
حیراں ہے نظر کدھر کدھر دیکھوں میں
دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو۔ فلک ہو کہ زمیں
تو ہی تو ہے جدھر جدھر دیکھوں میں

۲۷

مرثیہ

بند ۳۶

در پہ ہیں نواسے طلب کرتے ہیں تیغیں
منھ گرد سے بھرے آنسوؤں سے دھوتے ہیں تیغیں
فاقوں میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں تن میں
دل ہولتے ڈر سے نہیں سینوں میں سماتے
زینب کا یہ عالم ہے کہ ہیں غش پہ غش آتے
دم ہو گئے بس قید کی ایذا و محن سے
[illegible] ہیں گودی میں چھپاؤ
منھ [illegible] سخن کچھ نہ دکھاؤ
ڈر سے [illegible] دل پہ خوف بڑا ہے
[illegible] تیغ [illegible] میں جاؤ
طاقت [illegible] اب آنسو نہ بہاؤ
حاکم کو [illegible] تمہیں شاد کرے گا
[illegible]
[illegible]
[illegible] سے ستم [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] گنتے ہیں تیغیں
بچوں کو [illegible] ہیں تیغیں
دہشت سے حرم [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اب [illegible] نہیں کرنے [illegible] گا
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مشہور ہوں میں فاطمہ کے لال کی شیدا
اب قید کا غم ہے نہ رہائی کی تمنا
پھر جا ہو کر دنیا سے سفر کر گئی زینب
مارے گئے عباس دلاور مرے آگے
بھائی کے چلا حلق پہ خنجر مرے آگے
غم کھاتی ہے اور خون جگر پیتی ہے زینب
بتلاؤ خوشی چھوٹنے کی قید سے اب کیا
قاسم ہیں کہ دکھلائیں گے آکر مجھے سہرا
لاشے بھی ابھی تک نہیں پیاروں کے گڑے ہیں
جو بھائی کے مرنے سے ستم میں نے اٹھائے
یہ رسے مرے شانوں میں سینوں نے چبھائے
بھائی کی عزادار ہوں اور خستہ جگر ہوں
کہہ دو مجھے دربار میں حاکم نہ بلائے
گر قتل ہو منظور تو قاتل یہیں آئے
فکر غم و اندوہ سے آزاد ہو زینب
فرمانے لگے رو رو کے تب عابد بیمار
کیا بس ہے اسی طرح چلو پھر سر دربار
کب سے نہیں کی سید پیمبر کی زیارت
رو کر کہا زینب نے جو مرضی تری پیارے
سن کر یہ سخن خاک سے قیدی اٹھ چلے
نورانی جبیں گرد غریبی سے اٹے تھے
اس حال سے پہنچے جو وہ مجلس میں سر راہ
کانپ گئیں جب بیڑیاں اور طوق گراں کی
صدمے سے جو اشک شہ خوش خو نکل آئے

جب وہ نہ ہوئے قید سے چھوٹی بھی تو پھر کیا
مر جاؤں میں زنداں میں تو رہ جائے پردا
چہلم نہ ہوا بھائی کا اور مر گئی زینب
دنیا سے گئے اکبر و اصغر مرے آگے
خالی ہوا زہرا کا بھرا گھر مرے آگے
وہ شیر تو مارے گئے اور جیتی ہے زینب
بیٹے ہیں کہ پھر جن سے ہو ملنے کی تمنا
اکبر ہیں جنہیں دیکھ کے ٹھنڈا ہو کلیجا
آباد تھا گھر جن سے وہ جنگل میں پڑے ہیں
دشمن کو بھی یہ ظلم نہ اللہ دکھائے
بازو مرے باندھے مجھے دربار میں لائے
عاشور محرم سے ہیں اب تک کھلے سر ہوں
خلقت کو دوبارہ نہ مری شکل دکھائے
موجود ہوں خنجر مری گردن پہ پھرائے
سر تن سے جدا ہو تو بہت شاد ہو زینب
اس وقت مجھے بھی جانا مناسب نہیں آپا
دیکھیں تو کہ کیا کہتا ہے اب حاکم غدار
شاید ہو میسر سر سرور کی زیارت
مختار ہو تم اب تو ہوں میں گو کنارے
ہلتے تھے قدم کانپتے تھے ضعف کے مارے
بکھرے ہوئے تھے بال گریبان پھٹے تھے
تعظیم کو مسند سے اٹھا حاکم غدار
گردن کو جھکا رونے لگے عابد بیمار
اس وقت تو حاکم کے بھی آنسو نکل آئے

جب اُس نے کہا یہ عابدؑ سے لگا کہنے وہ جلّاد
تھا دشمنِ شہ ابنِ زیادِ ستم ایجاد
بے کس کے ستانے میں مجھے فائدہ کیا تھا
عابدؑ نے کہا گو کہ ہیں ہم بے سروساماں
سب مشکلیں بندوں کی خدا کرتا ہے آساں
اک گھر دے وہاں ماتمِ شبیرؑ کریں ہم
بابا جو ہوئے قتل تو ہم قید میں آئے
آنکھیں ہمیں دکھلائیں اگر اشک بہائے
ناموسِ نبیؐ خوف سے اک دم نہیں روتے
اور دوسرے ہیں آلِ نبیؐ اسیرِ غریباں
میں اپنے بزرگوں کے تبرک کا ہوں خواہاں
حیدرؑ کا عمامہ ہے محمدؐ کی عبا ہے
لوٹا ہوا اسباب جو حاکم نے منگایا
سجادؑ کا دل سینے میں اُس وقت بھر آیا
اس وقت مری چھاتی پھٹی جاتی ہے لوگو!
ہے ہے مجھے پوشاک برادر کی دکھا دو
عمامۂ گلگوں مری آنکھوں سے لگا دو
واللہ ابھی جی سے گزر جائے گی زینبؑ
حاکم نے جو دیکھی شہِ مظلوم کی پوشاک
عابدؑ سے یہ تب کہنے لگا حاکمِ سفّاک
حیرت ہے مجھے جامۂ شاہِ شہدا ہے
رو کر کہا عابدؑ نے کہ او حاکمِ غدّار
اس میں تھے واللہ تنِ شاہِ ابرار
تلواروں سے ٹکڑے ہے جسد پاک ہوا ہے

محجوب بناتِ نبویؐ میں اے سیدِ سجادؑ
ہیں خانۂ زہراؑ کو نہ کرتا کبھی برباد
لیکن وہ ہوا جو کہ مقدر میں لکھا تھا
پر یہ نہیں منظور کہ لیں غیر کا احساں
چھٹنے کی خوشی ہے نہ وطن جانے کا ساماں
سامانِ عزائے شہِ دلگیر کو ہیں ہم
اعدا کی تقیہ بھی کوئی غل نہ مچائے
جی بھر کے کبھی باپ کو رونے نہیں پائے
زنداں میں بہن مر گئی اور ہم نہیں روتے
لوٹا ہوا اسباب منگا دے ہمیں اس آن
بس یہ ہے وہی ہم بے سروساماں کا ساماں
اور گنبد میں اک فاطمہ زہراؑ کی ردا ہے
تب شمر لباسِ شہِ دیں کشتی میں لایا
سر پیٹ کے یہ زینبِ بیکس نے سنایا
بھائی کے مجھے خون کی بو آتی ہے لوگو
پیراہنِ شبیرؑ کی بو مجھ کو سنگھا دو
عابدؑ نے کہا جلد یہ پوشاک چھپا دو
ان کپڑوں کو دیکھے گی تو مر جائے گی زینبؑ
ٹکڑے تھا ہر اک جامہ وہ دامن سے گلے تک
یہ جامہ کس نے پہنے تھے سبطِ شہِ لولاک؟
دعوے تھا خلافت کا اسی کہنہ قبا پہ
معراج میں پہنے تھے اسے احمدِ مختار
[illegible] تیروں کے [illegible]
یوں جیسے مرے بابا کا بدن چاک ہوا ہے

اکبر کی جو پوشاک تھی تر خوں سے ساری
مشکل پہ پیمبر ترے شبیہ کے میں واری
طے کر کے بہت جلد یہ منزل گئے بیٹا
کپڑے سحر قتل کے بدلے تھے جو دلبر
وہ چاند سے رخسار وہ گیسوئے معنبر
اب سمجھی کہ دولت مری کھونے کو چلے ہو

شلوکے کو اٹھانے جو لگی بانوئے غم خوار
پیٹا کے کلیجے سے پکاری بدل زار
مارے گئے دامن میں شہ تشنہ گلو کے
کچھ حال مجھے درد گلو کا نہ سنایا
مادر نے تو اُجلا تمہیں کرتا تھا پنہایا
پیکاں کے نکلنے کا جو دکھ تم نے سہا ہے

صدقے گئی آباد کیا باپ کا پہلو
تھی شب کو بہت دودھ کے پینے کی تمہیں خو
مجھ کو تو جدائی تری تڑپاتی ہے اصغرؑ
اک کشتی میں تھا رانڈوں کا لوٹا ہوا زیور
تب بیٹے کے چھاتی پہ لگی کہنے وہ مضطر
زنداں سے سوئے خلد سفر کر گئی ہے ہے

زخمی ہوا ہے ہے اسی شب سے کلیجے کا
دن رات تھا بابا کی نشانی کا تمہیں دھیان
اب تم کو کہاں ڈھونڈھنے اب جائے سکینہ
جب لے چکا لوٹا ہوا اسباب ستمگر
اور حضرت زینبؑ نے کہا اٹھو چلو جاؤ
ہے چاک گریبان علیؑ بیٹے کے غم میں

دیکھا جو اُسے بانوئے بیکس نے پکاری
آنکھوں کے تلے پھرتی ہے تصویر تمہاری
کپڑے تو ہیں اور خاک میں تم مل گئے بیٹا
کیسے ہی یہ قامت کو بھلے لگتے تھے اکبرؑ
دولھا سے بنے خیمے سے تم نکلے تھے باہر
تم قبر کی آغوش میں سونے کو چلے ہو

اصغرؑ کا شلوکا نظر آیا اُسے اک بار
اصغر ترے کرتے پہ فدا ماں جگر افگار
ننھے سے گریبان میں دھبے ہیں لہو کے
چھلکے رہے اور تیر ستم حلق پہ کھایا
دودھ اُس پہ یہ کیا ہچکیاں لے لے کے گرایا
ہے ہے یہ مرا دودھ لہو ہو کے بہا ہے

ویراں مری گود ہوئی اے اصغر مضطر
اٹھ اٹھ کے یہ ماں ڈھونڈھتی پھرتی تو کہاں ہو
مجھ بن تمہیں کس طرح سے نیند آتی ہے اصغرؑ
پازیب بھی کبریٰ کی سکینہ کا تھا گوہر
ہے ہے مری بچی ترے قربان یہ مادر
گوہر یہ پنہاؤں کسے تو مر گئی ہے ہے

کیا قید سے تھا چھوٹنے کا بی بی کو ارماں
گوہر کے دلوادو یہی کہتی تھیں ہر آن
گوہر تو ملا تم نہ ملیں ہائے سکینہ
عابدؑ سے کہا اب تو عمامہ رکھو سر پر
عابدؑ نے کہا سر پہ عمامہ رکھوں کیونکر
سر ننگے محمدؐ ہیں نواسے کے الم میں

ملبوس نہ درکار ہے اب نے زر و زیور
منگوادے مجھے میرے پدر کا سرِ انور
بابا سا بھی میرا کوئی مظلوم نہیں ہے
بہر حسن و حیدر و زہرا و پیمبر
تا دفن کروں قبر میں لاشے سے ملا کر
جس کا سرِ پُرنور کہیں لاش کہیں ہے

سُن کر یہ سخن کہنے لگا حاکمِ بے پیر
جو شیر کی بی بی کے بلا فاطمہ کا شیر
کچھ اور نہیں بعدِ ظفر ہاتھ لگا ہے
سب کچھ دیا پر ایک نہ دوں گا سرِ شبیر
طاقت ہے کہ کوئی اُسے کرتا تہِ شمشیر
زر میں نے لٹایا ہے تو سر ہاتھ لگا ہے

سجاد نے فرمایا کہ او کاذب و مکار
خود تو نے کیا قتل کا شبیر کے اقرار
اُس دن تجھے محجوب یہ بے داد کرے گی
وہ عذر ابھی تھا ابھی یہ کرتا ہے گفتار
خونِ شہدا ہے تری گردن پہ ستمگار
جب فاطمہ اللہ سے فریاد کرے گی

حاکم نے بگڑ کر کہا جلاد کو لاؤ
سجادِ حزیں کو تہِ شمشیر بٹھاؤ
زینب نے کہا یا اسد اللہ اب آؤ
بابا! مرے بیمار بھتیجے کو بچاؤ
کیسا ہے عیاں زورِ ولایت نہیں کرتے
صدقے گئی پوتے کی حمایت نہیں کرتے

تلوار کو کھینچے ہوئے آیا جو ستم گار
سجاد سے لپٹے حرمِ احمدِ مختار
آوازِ یداللہ یہ پیدا ہوئی اک بار
کیوں اے تحت اُلٹ دوں ترا او ظالمِ غدار
قائم رہی دُنیا کی بنا جس کے قدم سے
اب اُس کا گلا کاٹتا ہے تیغِ دو دم سے

سُن کر یہ صدا کانپ گیا حاکمِ اظلم
عابد کو دیا اُس نے سرِ سرورِ عالم
بیٹے نے لیا باپ کا سر ہاتھ میں باغم
دربار سے قیدی چلے کرتے ہوئے ماتم
دل غم سے اُچیتی جگر افگار تپاں ہے
دفنِ شہدا کرنے کی اب تاب کہاں ہے

رُباعی

دینداروں نے امن کفر و شر سے پایا
کعبے نے شرف اپنے گھر سے پایا
ہاتھوں پہ علیؑ کو دے کے احمدؐ نے کہا
یہ نورِ نجف خدا کے گھر سے پایا

۲۸

مرثیہ

بند ۱۲۶

خورشیدِ حقیقت رخِ زیبائے علیؑ ہے / معراجِ امامت قدِ بالائے علیؑ ہے
ایماں جسے کہتے ہیں تولائے علیؑ ہے / اکسیر جو ہے خاکِ کفِ پائے علیؑ ہے
ہے نام رقم عرش پہ ہم نامِ خدا کا / کیا مرتبہ ہے زوجِ بتولِ عذرا کا

کہتے ہیں جسے عرش وہ ہے منزلِ حیدر / خلوت گہِ خلاقِ جہاں ہے دلِ حیدر
ہر حال میں ہے قدرتِ حق شاملِ حیدر / ہے نورِ خدا روشنیٔ محفلِ حیدر
وہ محبتِ خالق ہے چراغِ رہِ دیں ہے / پروانہ اُسی شمع کا جبریلِ امیں ہے

وہ گل ہے کہ جس سے چمنِ دیں کو ہو رونق / معنیٔ کلامِ حق اُسی سے ہیں محقق
شمشیر سے اس کی جگرِ کفر ہوا شق / ہے جدِ محمدؐ سے علیؑ ہادیٔ برحق
اللہ رے شرف ختم ہے یہ رتبہ علیؑ پر / رکھے ہیں دھر اُس نے قدم دوشِ نبیؐ پر

بے فصل وہی بعدِ نبیؐ صدر نشیں ہے / انگشترِ پیغمبرِ خاتم کا نگیں ہے
گنجینۂ اسرارِ الٰہی کا امیں ہے / وہ کعبۂ دیں قبلۂ اربابِ یقیں ہے
کرتے ہیں ملک فخر صفاتِ علیؑ پر / ہے عرشِ معلّٰی کو شرف ذاتِ علیؑ پر

کرسی نے بھی پایا ہے اُسی شاہ سے پایا / خورشید اُسی کے رخِ انور کا ہے سایا
اوصافِ علیؑ لکھنے کو جس وقت جھکایا / سر لوح سے تا دیر قلم نے نہ اُٹھایا
لکھا کہ ہر اک حرفِ خفی اس پہ جلی ہے / اللہ کا عاشق ہے محمدؐ کا وصی ہے

تحقیق کہ وہ شاہ دو عالم ازلی ہے / روشن ہے کہ شمعِ حرمِ لم یزلی ہے
قرآں سے ہے ثابت کہ خدا کا وہ ولی ہے / یہ اُس کی بزرگی کے لئے نقشِ جلی ہے
پوشیدہ نہیں مرتبہ ظاہر ہے علیؑ کا / خارج ہے وہ ایماں سے جو منکر ہے علیؑ کا

تھا تارکِ لذّاتِ جہاں شاہِ ولایت
مسکینوں سے اُلفت تھی فقیروں سے محبت
جُز نانِ جویں تھی نہ کبھی کھانے سے رغبت
اندھوں کی ضعیفوں کی کیا کرتے تھے خدمت
دے آنا کھلا آنا یہ کام آٹھ پہر تھے
رانڈوں کے تو وارث تھے یتیموں کے پدر تھے

مفلسوں کے مظلوموں کے گھر آ پہنچ جاتے
سر اپنے شفقت سے کبھی پاؤں دباتے
اور ہاتھ سے اپنے انھیں کھانا تھے کھلاتے
آہستہ اُٹھاتے انھیں آہستہ بٹھاتے
غربت میں فقیروں کو کھلا آتے تھے اکثر
ننگوں کو وہ اپنی ردا اُڑھا آتے تھے اکثر

جو شہرِ علوم شہ لولاک کا ہے در
وہ قاتلِ عنتر ہے وہ ہے فاتحِ خیبر
واللہ وہ حیدر ہے وہ حیدر ہے وہ حیدر
قبضے میں اُسی شاہ کے ہے تیغِ دو پیکر
حالاں کبھی ہوتے نہ جو پر روحِ امیں کے
اک دم میں گزر جاتی وہ طبقے سے زمیں کے

تھی ضرب یہ اور زورِ خداداد تھا ایسا
جنبش ہوئی سب قلعے کو اور در کو گرایا
دو انگلی سے حلقۂ درِ خیبر کا جو کھینچا
حضرت نے اُٹھا کر طرف دور کے پھینکا
چالیس گز اس طرح گرا دور وہ جا کے
جس طرح سے پتا اُڑے جھونکے سے ہوا کے

خندق میں کیا وار سرِ عمرو پہ جس دم
جنت کی آتی تھی صدا ہر خاص و عام
ضرب اسدِ حق سے ہوا دم میں وہ بیدم
کرتا تھا ثنا بارِ خداوند دو عالم
سرخی تھی خوشی سے رخِ انور پہ نبیؐ کے
جبریل امیں چومتے تھے ہاتھ علیؑ کے

جس وقت اُحد میں ہوئے کفار صف آرا
اصحابِ نبیؐ کر گئے دنیا سے کنارا
جب حضرت حمزہ کو ستمگر نے مارا
اسلام کا لشکر متفرق ہوا سارا
انصار و مہاجر سب ہی اُس وقت جُدا تھے
یا احمدِ مختار تھے یا شیرِ خدا تھے

کفار کا نرغہ تھا رسولِ عربی پر
منظور ہر اک شخص کو تھا خونِ پیمبر
تلوار لگاتا تھا کوئی اور کوئی پتھر
ٹوٹے در دنداں ہوئے پُر خوں لبِ اطہر
ہر غول پہ للکار کے جا پڑتے تھے حیدر
احمدؐ کو بچا لیتے تھے اور لڑتے تھے حیدر

اک غول سے کرتے تھے وہ خاتمہ کر کار
جو ٹوٹ پڑا دوسرا غول آن کے اک بار
اُس غول میں تھا ابنِ قمیّہ کوئی سر آ
تلوار کا اس نے سرِ احمدؐ پہ کیا وار
لیکن نہ لگا زخم سرِ سرورِ دیں پہ
ہوا ضرب سے غش کھا کے گرے روئے زمیں پہ

وہ مشرقِ ایماں کا ہے خورشید درخشاں
اور رتبۂ احمدؐ کے لیے حجت و برہاں
اعجاز عصا و یدِ بیضا جو وہاں تھا:
عالم پہ شرف بیتِ مقدس کا ہے مشہور
بے شبہ وہ ہے مولدِ شاہنشہِ جمہور
اُس سے انھیں رتبہ ہے اُسے ان سے شرف ہے
دی جس نے اذاں کعبے میں پہلے بہ فصاحت
وہ حیدرِ صفدر ہے وہ ہے شاہِ ولایت
خود اگرچہ گرفتار رہے رنج و بلا میں
مقبول یہ تھی پیشِ خدا اطاعت حیدر
آرام کیا زانو پہ سرِ جانی کے رکھ کر
احمدؐ کو جگا تو نہ سکے پاسِ ادب سے
جب واں احمدؐ مختار ہوئے خواب سے بیدار
مغموم ہے طاعت کے لیے حیدرِ کرار
لازم ہے کہ واجب جو علیؑ پر ہو ادا ہو
جس دم یہ فرشتوں کو ہوا حکم خدا کا
پنہاں ہوئی تاریکیِ شب دن ہوا پیدا
خالق کو یہ خاطر کسی مخلوق کی کب تھی
واللہ کہ ہے حُبِّ علیؑ اعظمِ طاعات
سلطانِ امم ختمِ رسل قبلۂ حاجات
سورج میں دکھا تھا جو قربِ اپنے وصی کا
کیا اسمِ مقدس ہے یہی نام کے قرباں
کیسی ہی مصیبت میں گرفتار ہو انساں
صحت میں توانا کو حفاظت کی دعا ہے

ہے نورِ علیؑ روشنیِ اعینِ ایماں
تھا طور پہ وہ راہ برِ موسیٰ عمراں
وہ دست یداللہ ہے سرِ دست عیاں تھا
گر نور تھا کعبہ تو علیؑ نورِ علیٰ نور
فرق اس میں نہیں کچھ یہ تجلی تھا وہ تھا طور
یہ گوہرِ یکتا ہے وہ پاکیزہ صدف ہے
اللہ کے گھر میں ہوئی ہے جس کی ولادت
مصروفِ عبادت رہے تا روزِ شہادت
بندے ہیں بہت آزادکئے راہِ خدا میں
تھا ظہر کا وقت گئے جو ناگاہ پیمبرؐ
یاں تک کہ ہوئی شام چھپا مہرِ منور
پر غم تھا کہ محروم رہے طاعتِ رب سے
بہ حکم فرشتوں کو خدا کا ہوا اک بار
ہاں جلد کرو مہر کو مغرب سے نمودار
منظور ہے ہم کو نہ نماز اس کی قضا ہو
تب آہنی زنجیروں سے خورشید کو کھینچا
مولا نے خوشی ہو کے کیا شکر کا سجدہ
پڑھ کر جو نماز اُٹھے مصلّے سے تو شب تھی
مقبولِ خدا ہے وہ شہنشاہِ خوش اوقات
اُمت کے لیے کرتے تھے جس وقت مناجات
محبوبِ خدا واسطہ دیتے تھے علیؑ کا
یہ نام تو ہے نامِ خدا رونقِ ایماں
جب نامِ علیؑ کو لیا مشکل ہوئی آساں
بیماری میں واللہ وہ تعویذِ شفا ہے

یہ نام رہا حضرتِ آدم کا مددگار
آتش میں گرے جب کہ خلیلِ جگر افگار
یوسف کو نکال آئے علی چاہِ الم سے
افلاک پہ اور راہِ ملائک سے یہی نام
یہ اسم جنوں کا ہے وظیفہ سحر و شام
اس نام نے دل جانوروں کے بھی قوی ہیں
لکھتا ہے مناقب میں یہ راوی ولی آگاہ
حلقہ درِ جنت کا ہلاتے ہیں جو ناگاہ
خالی کوئی شے الفتِ حیدر سے نہیں ہے
انساں سے بیاں ہو سکے کیا رتبۂ حیدر
تھا جھولے کا در جنبش تھے سجدہ میں پیمبر
اک بازو پہ تو نام شہنشاہِ امم تھا
حالات یہ فرماتے تھے سلطانِ رسالت
ہے ذات علی روشنیِ شمعِ ہدایت
[illegible]

اس نام ہی نے نوح کے بیڑے کو کیا پار
تھا نام یہی لب پہ جو آتش ہوئی گلزار
یونس کو رہا کر دیا ماہی کے شکم سے
انساں کو مشکل میں اسی نام سے ہو کام
اس کی برکت سے ہے خدائی کا سر انجام
[illegible]
گردوں سے ملائک [illegible]
آتی ہے صدا اس سے علی ولی اللہ
اس نام کے سب خلقِ خدا زیرِ نگیں ہے
قرآں میں ثنا جس کی کرے خالقِ اکبر
نازل ہوئے جو روحِ امیں [illegible]
اور دوسرے پہ نام علی صاف رقم تھا
[illegible] ولایت
[illegible]

حافظ تھا محمدؐ کا زبس حضرت یزداں
بیتاب ہو ساکنانِ سموات نے اُس آن
امداد کو ہم جائیں رسولِ عربی کی
درگاہِ الٰہی سے صدا آئی یہ اُس دم
محتاج مدد کا نہیں یہ سیدِ عالم
موجود ہے واں صاحبِ شمشیر ہمارا

کرتے تھے ملک عالمِ بالا سے نظارا
ناگاہ یہ انھیں جفا کار پکارا
سو بھی جو یہ پڑی صدا گوشِ علیؑ میں
پھر پھر کے لگے دیکھنے ہر سو شہِ صفدر
خود بیچ میں اور گرد ستمگاروں کا لشکر
نظروں سے جو شاہِ نجف کو نہیں نہاں تھے

مارے جو گئے ہوں کہیں احمدؐ تھا یہ دھوکا
احمدؐ سے جو تھے دور نہ تھا جان کا کھٹکا
حملوں سے پراگندہ صفِ فوجِ ستم تھی
اُس فوج میں ملتے جو نہ تھے سیدِ والا
دل اپنا فرطِ قلق سے جو نہ جاتا تھا سنبھالا
زندہ ترے محبوب کو پھر پاؤں گا کیونکر

وہ باپ کی عاشق ہے وہ ہو باپ کی شیدا
کیوں لائے نہ تشریف شہِ یثرب و بطحا
یارب نہ جدا ہوں میں رسولِ دوسرا سے
یارب تو اُسے باپ کے غم میں نہ رُلانا
محبوب ترا بیٹیوں کا دہرا کے ہے نانا
نانا کے جو مرنے کی خبر پائیں گے دونوں

اُس نور کو اعدا کی نظر سے کیا پنہاں
کی عرض ملائک نے کہ گر ہو ترا فرماں
تنہائی تو دیکھی نہیں جاتی ہے نبیؐ کی
جو قصد کیا تم نے ہے اجر اُس کا مقدم
ہم جس کی طرف ہوں اُسے تنہائی کا کیا غم
اُس فوج کو کافی ہے فقط شیر ہمارا

اور فوج میں تھے شیرِ خدا معرکہ آرا
اے قوم مبارک ہو محمدؐ گیا مارا
طاقت نہ رہی صبر کی احمدؐ کے وصی میں
نہ فوج پیمبرؐ نظر آئی نہ پیمبر
تلواریں نظر آتی تھیں یا نیزہ و خنجر
دل اپنے سینے میں بیتاب تھا، اور اشک رواں تھے

جھک جھک کے ہر اک لاش کو تکتے تھے شہِ دیں
گھبرائے ہوئے ڈھونڈتے پھرتے تھے جہاں میں
تھا منہ میں کف اور ہاتھ میں شمشیرِ علم تھی
گھمسان سے لشکر کو کیا تھا تہ و بالا
کہتے تھے اٹھا لے مجھے اللہ تعالیٰ
منہ اپنا فاطمہؑ کو جا کے میں دکھلاؤں گا کیونکر

جب مجھ سے وہ پوچھے گی کہاں ہیں مرے بابا
کیا بنتِ پیمبرؐ سے میں اُس وقت کہوں گا
یارب مرا دم نکلیو بتولؑ جدا سے
یارب تو اُسے داغِ یتیمی سے بچانا
نانا کے الم میں انھیں روتے نہ دکھانا
جینے کے نہیں رو رو کے مر جائیں گے دونوں

بے احمدِ مرسل مرا کس کام کا جینا
نزدیک ہے اب شق ہو قلق سے مرا سینا
بے تاب ہوں فرقت سے رسولِ مدنی کی
یہ کہتے تھے اور لڑتے تھے جوں شیرِ غضبناک
ہلتی تھی زمیں خوف سے تھرّاتے تھے افلاک
جاں آگئی گویا تنِ بے جاں میں علیؑ کے
دل جوشِ محبت سے محمدؐ کا بھر آیا
اور چوم کے پیشانیِ انور یہ سنایا
دیکھا! مری ہمراہی سے منھ موڑ گئے سب
اس عالمِ ایجاد میں پھر ہوگا نہ زنہار
زیبا ہے اگر فخر کرے احمدِ مختار
۱۴۲ ہمراہ تھا کئی بار خوشی جیسے غم بریں سے
فرما کے یہ ناقے پہ چڑھے احمدِ مختار
پھر لشکرِ کفار میں یہ غل ہوا اک بار
یاں نکلے ہے اب جنگ دلاور جو کوئی ہے
دشمن کے بڑھی جنگ کو پھر فوجِ ستمگر
کھینچے یہ فلک نیزوں نے آتش کی طرح
پھل! تیغوں کے جوں برقِ درخشاں نظر آئے
اس فوج میں اک ایک نمودار جواں تھا
دیکھا جسے تو دے ہوئے اک گرزِ گراں تھا
۱۴۳ کاہوں سے قدم کانپتے تھے گاوِ زمیں کے
پھر فوج نے سلطانِ رسالت کو لیا گھیر
فرمایا علیؑ سے کہ بچا مجھ کو مرے شیر
۱۴۴ باہم نہ سکا کوئی رسولِ عربی کے

ہیں خلق میں ہوں اور نہ ہوں سلطانِ عرب
کوئی نظر آتا نہیں راحت کا قرینا
اب ہاتھ میں طاقت نہیں شمشیر زنی کی
ہر حال میں کفار کی ہوتی تھیں صفیں چاک
اک غار میں ناگاہ نظر آئے شہِ لولاک
جلدی سے گرے دوڑ کے قدموں پہ نبیؐ کے
رو رو کے گلے شوہرِ زہرا کو لگایا
صد شکر کہ تم نے مجھے جیتے ہی تھیں پایا
کفار کے نرغے میں مجھے چھوڑ گئے سب
تجھ سا نہ جواں نہ تری تلوار سی تلوار
خود آج ثنا خواں ہے ترا ایزدِ غفار
پوچھے تری الفت کو کوئی روحِ امیں سے
اور تیغ بکف آگے بڑھے حیدرِ کرار
جیتا ہے محمدؐ نہیں مارا گیا زنہار
ناقے پہ فقط آپ ہے اور آگے علیؑ ہے
تھا تلاطمِ آتش کی طرح جوش پہ لشکر
ہنگامہ ہوا جب کہ چمکنے لگا خنجر
چنگاریوں سے نیزوں کے پیکاں نظر آئے
تھا بیچ وہاں کوئی کوئی شیرِ ژیاں تھا
ہر شخص کے اسپ دو دو کا پہ تو راں تھا
غل نعروں کا جاتا تھا پرے چرخِ بریں کے
سمجھے شہِ لولاک کو مرنے میں نہیں دیر
یہ سنتے ہی کھینچی اسداللہ نے شمشیر
پروانہ سے پھرتے تھے علیؑ گرد نبیؐ کے

خالد پسرِ سفیاں تھا جو اُس فوج میں سردار
مشہور تھا وہ خلق میں زور آور و جبار
غالب کبھی اُس پر نہ ہوا تھا کوئی زنہار
للکارا وہ حیدر کو کہ آتا ہوں میں ہُشیار
کیا منھ جو سپر کوئی دمِ حرب اُٹھا دے
طاقت ہے یہ کس میں جو مری ضرب اُٹھا دے

یہ لاف زنی سُن کے بڑھے حیدرِ صفدر
کی دستِ مبارک میں علم تیغِ دو پیکر
خوں جوشِ غضب سے ہوئیں چشمانِ منور
گویا تھا مجسم غضبِ خالقِ اکبر
فرمایا کر اِس وار کو اب تیغ زن اپنا
تیغ! اپنی چلے پہلے نہیں یہ چلن اپنا

یہ سُنتے ہی خالد نے کیا وار علیؑ پر
اُس ضرب کو رد کر کے یہ کہنے لگے حیدر
لے اب مری باری ہے خبردار ستمگر
سنبھلا بھی نہ تھا وہ کہ چلی تیغِ غضنفر
یہ غل ہوا صمصامِ یداللہ کی چمک سے
تلوار نہیں آئی قضا سر پہ فلک سے

بجلی سرِ دشمن پہ جو وہ صاعقہ کردار
دو ہو کے چپ و راست گرے راکب و رہوار
سردار کو مارا تو چلی فوج سے تلوار
لڑتے ہوئے لشکر میں دھنسے حیدرِ کرار
دہشت سے تلاطم یہ ہوا فوجِ عدو میں
زندے ابھی تڑپنے لگے کشتوں کے لہو میں

ہر سو تھے علیؑ فوج میں لڑتے ہوئے جاتے
ہر وار میں تھے لاش پہ واں لاش گراتے
حملوں سے کبھی دور تلک اعدا کو بھگاتے
اُلفت سے کبھی پاس محمدؐ کے پھر آتے
سینہ تھا سپر ہاتھ میں شمشیر دو سر تھی
دل! سوئے نبیؐ تھا طرفِ فوج نظر تھی

جل جل گئے جب آتشِ شمشیر سے ناری
جمعیتِ کفار پریشاں ہوئی ساری
پھیری اسد اللہ نے میداں کی سواری
اُس وقت ندا چرخ سے آئی کئی باری
تو ایسا ہی تھا جب تجھے رتبہ یہ دیا ہے
شاباش! مرے شیر عجب کام کیا ہے

آ پہونچے سرِ فتح و ظفر حیدرِ کرار
ناقے کو بٹھا کود پڑے احمدِ مختار
حیدر کو بہت چھاتی سے لپٹا کے کیا پیار
فرمایا! فدا تجھ پہ ہیں یہ میرے دلدار
کس کو یہ محبت ہے رسولِ عربی سے
جو تو نے کیا آج یہ ہوا نہ کسی سے

کس منھ سے میں تعریف کروں تیری اے بھائی
آگہ ہے شجاعت سے تری ساری خدائی
تنہا کوئی کرتا نہیں یوں فتح لڑائی
واللہ! یہ جرأت ترے حصے میں ہے آئی
قبضے میں ترے قبضۂ شمشیرِ خدا ہے
دشمن ترے روباہ ہیں تو شیرِ خدا ہے

اے مومنو کہو تم نے سُنے رنج حیدر
کیا کیا ہدف تیغ ظلم و ستم ہو گئے اُن پر
باطل کیا حق ظلم سے احمد کے وصی کا
گھر پھونکے واللہ وہ رسالت کو چھوڑا
جس در پہ ادب قدسیوں نے ہاتھوں کو جوڑا
اُس در کے تلے دب گئی بیٹی جو نبی کی
تھی حمل سے محسن کے جو خاتون قیامت
غش آنے لگے اور نہ رہی اُٹھنے کی طاقت
وہ سیدہ جس وقت تڑپتی تھی زمیں پر
ہیہات نہ اُس ظلم پہ بھی ہاتھ اُٹھایا
مظلومہ نے اک آہ کی ایسی کہ غش آیا
رسی تو اِدھر بندھی تھی گردن میں علیؑ کی
نزدیک تھا شق ہوئے مزار شہ لولاک
فرزندوں نے کرتوں کے گریبان کئے چاک
جب آہ کرتی تھی وہ آہ تو چلاتے تھے دونوں
فرمایا جو تھا صبر کو شاہ دوسرا نے
گردن میں بھی بندھوائی رسن عقدہ کشا نے
کس شخص نے دستِ ستم اُن پر نہ اُٹھایا
اُن میں سے اگر پوچھتا حضرت کا کوئی نام
ہر صبح کو جینے کا بھروسا نہیں تا شام
اے شخص بھلا نام و نسب کیا فقرا کا
طالب نہیں دنیا کا خدا خوب ہے آگاہ
مسکین کو تسکین سے ہوتی ہے بہت راہ
آگاہ رہِ حق سے کم درویش ہوں میں بھی

یہ لطف خدا جس پہ یہ الطاف پیمبرؐ
پُرسا بھی کسی نے نہ نبی کا دیا آ کر
آئے بھی تو دروازہ جلانے کو علیؑ کا
مائل بہ ضلالت ہوئے منھ دین سے موڑا
افسوس کہ وہ دُرِّ یگانہ ظلم سے توڑا
چلائی دہائی ہے رسولِ عربی کی
پہلوئے مبارک پہ لگی چوب بہ شدت
بچے کی بھی زہراؑ کے شکم میں ہوئی رحلت
سر پیٹتا تھا روح امیں عرش بریں پر
کوڑا یہ ستم بانی نے زہراؑ پہ لگایا
آرام لحد میں بھی محمدؐ نے نہ پایا
مرقد میں اُدھر روح تڑپتی تھی نبیؐ کی
پھٹ جائے زمیں گر پڑے یہ گنبدِ افلاک
تھے لوٹتے مادر کے برابر یہ سر خاک
رو کر کبھی مادر سے لپٹ جاتے تھے دونوں
دم مارا نہ اس ظلم پہ بھی شیرِ خدا نے
تلواریں بھی کھینچیں سرِ ظلم اہلِ جفا نے
اُس صابر و شاکر نے مگر سر نہ اُٹھایا
فرماتے تھے گمنام ہوں بے نام سے کیا کام
آغاز مرا خاک ہے اور خاک ہے انجام
درویش ہوں محتاج ہوں بندہ ہوں خدا کا
تم لوگوں کی خدمت میں کیا کرتا ہوں اے شغل
غربت زدہ ہوتا ہے غریبوں کا ہوا خواہ
درویش جو تم ہو تو تونگر درویش ہوں میں بھی

ہے ایک سا واللہ مرا باطن و ظاہر
کام آوے مرا سر بھی تو واللہ ہے حاضر
جاں دینے کو موجود ہوں میں دوست کی خاطر
رکھتا ہے بہت اُنس مسافر سے مسافر
مہمان ہیں یاں زیرِ زمیں جائیں گے ہم بھی
جانا ہے جہاں تم کو وہیں جائیں گے ہم بھی

فاقوں میں جو کھانا کبھی آتا تھا میسر
سائل کو کھلا دیتے تھے تب کھاتے تھے حیدر
آدم ہوئے اُن کے لیے جنت سے جو باہر
گندم کی نہ روٹی رکھی حضرت نے زباں پر
کیا صبر تھا قبضے میں تو سب روئے زمیں تھی
تھا زرد قبا اور غذا نانِ جویں تھی

رہتا تھا سدا زحمت کش زیبِ تنِ پاک
تھے اس میں بھی پیوند یہ تھی آپ کی پوشاک
تھے صاحبِ مسند وہ وہی شہِ لولاک
آرام سے سو رہتے تھے لیکن سرِ خاک
فرماتے تھے یوں کیا کروں پوشاک بنا کے
سب خاک ہے مرنے پہ سوا ذاتِ خدا کے

اک روز کسی شخص نے کی عرض کہ مولا
یہ جامۂ بوسیدہ نہیں آپ کو زیبا
واللہ کہ ہیں آپ شہِ یثرب و بطحا
سب طرح کا اسباب ہے حضرت کو مہیا
آرام غلام آپ کے پاتے ہیں جہاں میں
اور آپ یہ تکلیف اُٹھاتے ہیں جہاں میں

سُن کر یہ سخن رونے لگے حیدرِ کرار
فرمایا مجھے زینتِ دُنیا نہیں درکار
نوش اُس کا ہے نیش اور گلِ باغ کا خار
راحت ہے زمانے کی مرے واسطے آزار
اک روز نہ جانا ہے یہ ملبوس بدن سے
گھر قبر ہے تن خاک ہے پوشاک کفن ہے

ہے خوفِ خدا جسم کی کیوں فکر کروں زینت
محشر میں حساب آہ نہیں دینے کی طاقت
اک روز یقیں ہے کہ اجل دے گی نہ مہلت
دُنیا سے سبک بار ہی اُٹھنا ہے غنیمت
کیا حکم ہو کیا جانئے جنابِ احدی کا
تن کانپتا ہے خوفِ قیامت سے علی کا

پوشاکِ تکلف سببِ طولِ امل ہے
گر سیر شکم ہو تو عبادت میں خلل ہے
غفلت نہیں خوب آج کے دن حشر بھی کل ہے
اور فکرِ حشر تردد کا محل ہے
ہوگا عملِ نیک سبب لطفِ خدا کا
واں مرتبہ یکساں ہے شہنشاہ و گدا کا

کس زیست پہ اسبابِ جہاں کا ہوں میں پابند
ہو جائے گا اک روز تنِ خاک کا پیوند
سب نعمتِ دُنیا کا میں محتاج ہوں ہر چند
ہے نانِ جویں کھانے سے دل میرا خرسند
بس نان جو کیا گور کے مہمان کی خاطر
دو رخت نہیں چاہئے اک جان کی خاطر

واللہ بضاعت نہیں کچھ گھر میں ہمارے
پوشاک نہیں اور سوا ایک ردا کے
مالک تھا فدک کا فقط اسباب جہاں سے
اعدا نے مرے حق کو کیا ظلم سے باطل
کیا کرتا اگر غلہ فدک کا مجھے حاصل
مرنا ہوا جب دولت دنیا ہوئی تو کیا
کیا فقر تھا کیا صبر تھا اللہ ری قناعت
دنیا کے خزانے کے تو مختار تھے حضرت
دن آپ کشتی کرکے گزرتا تھا عشے کو
سید بن طاؤس سے ہے ایک روایت
ہاتھ آتی تھی کچھ آپ کشتی کی بھی اجرت
لب خشک تھے اور زرد رخ شیر خدا تھا
زہرا سے یہ فرمایا کہ اے بنت حبیبہ
کچھ کھانے کو دے آؤ جو آیا ہو میسر
کیا لا کے کھلاؤں تمہیں ہے کیا مرے گھر میں
ہیں بھوک کے مارے حسنین آج بلکتے
بستر سے نقاہت کے سبب اٹھ نہیں سکتے
دو دن تک انہیں جب نہ ملے پارۂ ناں تک
میں کیا کہوں ہوتا ہے جو ان دم مرا حال
کہتے ہیں کہ یوں بھوکے نہ ہوں گے کوئی اطفال
کون ایسا ہے جس شخص کے کھانا نہیں گھر میں
حیدر نے سنی فاطمہ کی جب کہ یہ تقریر
کچھ گھر میں اثاثہ بھی نہیں کیا کروں تدبیر
ناچار ہیں اب فاقے کی طاقت نہیں رکھتے

کرتی ہے صدا بنت نبی فاقے پہ فاقے
بچے بھی مرے دو روز کے سوتے ہیں بھوکے
سو چھین گیا اب قوت میسر ہو کہاں سے
رازق ہے خدا صبر کچھ اتنا نہیں مشکل
حالانکہ ہے کل پیر نے گور کی منزل
راحت ہوئی تو کیا اگر ایذا ہوئی تو کیا
مخفی تھا قاسم رزق دو عالم پہ یہ عسرت
پر فاقے پہ فاقہ تھا مشقت پہ مشقت
کام آسیہ گردانی سے تھا بنت نبی کو
دو دن سے گرسنہ تھے شہنشاہ ولایت
مسجد سے گئے گھر میں تو تھا ضعف نہایت
فاقے سے شکم پشت مبارک سے لگا تھا
طاقت نہیں غلبہ ہے بہت بھوک کا ہم پر
فرمانے لگیں فاطمہ اشک آنکھوں میں بھر کر
یہ تیسرا دن ہے کہ ہے فاقہ مرے گھر میں
ہر دم مرا منہ تکتے ہیں آنکھوں سے بچے
دیکھو ان کو مری آنکھوں سے آنسو نہیں تھمتے
معصوم ہیں بچے ہیں کریں صبر کہاں تک
جب بھوکے ہیں آنکھوں کو یہ گردن میں ڈالے
اماں ہمیں کھانے کو دو اب تو ہے برا حال
تم ایسی ہو نادار کہ دانا نہیں گھر میں
فرمایا کہ اے والدۂ شبر و شبیر
دو دن ہی کو یا اپنی ردا یا مری شمشیر
کچھ اس کے سوا اور بضاعت نہیں رکھتے

زہرا نے کہا تیغ میں دوں رہن کو کیونکر
لے جائیے حاضر ہے یہ سر کی مرے چادر
فاقے سے وہ غمگیں تھے وہ عترت کا گلا تھا
پوشیدہ گئے زیرِ ردا چادرِ زہرا
جب اس نے وہی شہِ لولاک کو دیکھا
کی عرض کہ آپ آئیں یہ رتبہ مرا کب ہے
فرمانے لگے اس سے شہنشاہِ دو عالم
رغبت ہے مگر راحتِ دنیا سے بہت کم
شاکی نہیں شرمندۂ احسانِ خدا ہیں
آرام کی جا گہ نہیں یہ دارِ مصیبت
انساں سے روا ہوتی ہے انساں کی غربت
حق راضی ہو خوشنودیٔ بنتِ رسولِ عربی ہو
رکھ لی وہ یہودی نے ردا جو دیے لا کر
لے کر چلے تھے راہ کہو اک فاتحِ خیبر
تصدیع تو ہوگی پہ اُدھر لائیے تشریف
پاس آئے یہودی کے شہِ شیرِ غضب تھا
فرمایا گیا ہے ابنِ عم اس طرح تمہارا
میں خاصۂ خالق ہوں میں محبوبِ خدا ہوں
جو قربِ خدا ہے مجھے وہ اور کو کب ہے
ہونا مرا پیدائشِ عالم کا سبب ہے
مختار ہوں جو چاہوں سو دوں راہِ خدا میں
مقدور یہیں کا ہو یہ کچھ جس کے ہوں تحفے
ہوں ساتھ کہ غلاموں کے لئے خلد کے تحفے
محبوبِ خدا یادشہِ روئے زمیں ہو

اعدائے جہاد آپ کیا کرتے ہیں اکثر
زہرا سے ردا لے کے چلے حیدرِ صفدر
ہر گام پہ تسبیح تھی اور شکرِ خدا تھا
پاس ایک یہودی کے گئے شہِ والا
مولائے دو عالم کی وہ تعظیم کو اٹھا
فرمائیے کیا آنے کا اس وقت سبب ہے
ہر چند کہ سب خلق کے ہیں مخدومِ انام
ان روزوں گزرتے ہیں یہ فاقے ہیں یہ ہم
ایذا وہی سہتے ہیں جو خاصانِ خدا ہیں
مومن کے لئے رنج ہے کافر کو ہے راحت
پاس اپنے تو رکھ چادرِ خاتونِ قیامت
جو دے مجھے ایک صاع کہ فاقہ شکنی ہو
دامن میں انھیں لے کے چلے حیدرِ صفدر
اک بار کہا اس نے کہ اے خوش سیر
سن لیجیے کچھ عرض تو لے جائیے تشریف
اُس نے کہا یا شاہ تعجب کی ہے یہ جا
ہے حضرتِ آدم سے زیادہ مرا رتبا
رتبے میں رسولانِ سلف سے میں سوا ہوں
جو کچھ مری مرضی ہے وہی خواہشِ رب ہے
عالم میں مرا صاحبِ لولاک لقب ہے
مقبول دعا ہے مری درگاہِ خدا میں
افسوس وہی اس کا کرے فاقے پہ فاقے
پیوند پہ پیوند لگیں جامے میں اس کے
کھانے کو میسر نہ تھیں نانِ جویں ہو

سنتا ہوں کہ ہے حضرت زہرا کا عجب حال جز ایک ردا پاس ہے زیور نہ زر و مال
بکتی ہیں اُنھیں بیچتے کٹتا ہے وہ سال سبطین نبیؐ کا نظر آتا ہے یہ احوال
کرتے کبھی ثابت نہیں دیکھے بدنوں میں وہ چاند سے پھرتے ہیں پھٹے پیرہنوں میں

بے فیض دو عالم میں رسولِ عربی سے کیوں عرض نہیں کرتے جنابِ صمدی سے
جو دیوے نجات آپ کو اس فاقہ کشی سے اور دُور ہو افلاس کا غم بنتِ نبی سے
ہو جس کا لقب شیرِ خدا کون و مکاں میں محتاج ہو وہ نانِ شبینہ کو جہاں میں

یہ سُن کے کہا اس سے شہِ عقدہ کشا نے سب نعمتیں اپنی ہیں بخشی ہیں خدا نے
عسرت نہ سمجھ کیا کوئی اس راز کو جانے چاہیں تو ابھی خلد کے کھانے لگیں کھانے
رتبہ نہ سمجھ فاقے سے کم آلِ نبیؐ کا واللہ کہ یہ فقر تو ہے فخر علیؑ کا

یاں رنج ہے جس کے لیے راحت ہے وہاں کی دُنیا سے جو بیزار ہے وہ اہلِ جناں ہے
ہو طالبِ عُقبیٰ یہی مومن کا نشاں ہے پوشاک کہن پہنی تو کیا اس میں زیاں ہے
اک دن بغلِ گور میں محتاج و غنی ہیں یہ صورتیں سب خاک میں ملنے کو بنی ہیں

یہ نعمتِ دُنیا میں ملی کب ہے حلاوت جس طرح کی فاقوں میں ہیں ملتی ہوئی لذت
ان کپڑوں میں معبود نے بخشی ہے وہ عزت بانٹیں گے محبوں کو ہیں حُلّۂ جنت
خالق کی عبادت کے سزاوار ہمیں ہیں جنت کے ہیں کوثر کے بھی مختار ہمیں ہیں

ہو کس سے بیاں وصف بزرگی کا خدا کی بخشا ہے جنھیں صبر وہ بنتے نہیں شاکی
معبود نے بندوں کو یہ طاقت ہے عطا کی گر چاہیں تو دیوار یہ ہو جائے طلا کی
ذرہ پہ کریں مہر تو خورشید نسب ہو قطرے کو جو کہہ دیں تو ابھی قلزمِ عجب ہو

مولا کی ابھی ختم ہوئی تھی نہ یہ گفتار جو ہو گئی اعجاز سے سونے کی وہ دیوار
اور آئی صدا اُس سے کہ یا حیدرِ کرار حاضر ہوں میں ہیں آپ کے مالک و مختار
فرمایا کہ ہم پر نظرِ لطفِ خدا ہے ہیں آپ غنی ہوں مجھے پروا تری کیا ہے

دیکھا جو یہودی نے یہ اعجاز نمایاں قدموں پہ گرا اور ہوا دل سے مسلماں
کی عرض کہ میں تجھ پہ فدا اے شہِ مرداں حضرت کے تصدق سے ملی دولتِ ایماں
شہ نے کہا ہر بندے کا مالک وہی رب ہے یہ چادرِ زہراؑ کی زیارت کا سبب ہے

غربت میں بھی تھا فیض ید اللہ کا جاری
فاقوں میں بھی تھی مصلحت حضرت باری
کس مرتبہ تھا لطف و کرم رب غنی کا

ہے دفتر دیوان دو عالم میں علیؑ فرد
بے جگری بازار شجاعان جہاں سرد
شیروں کے جگر آب ہیں صمصام علیؑ سے

بے اذن کوئی گھر میں کسی کے نہیں جاتا
و شد کر ید اللہ اگر ہاتھ اٹھاتا
ہو زیر کیا جس نے زبردستوں کو لڑ کے

اعدا یہ سمجھتے تھے یہ زنہار نہ سمجھے
مختار کے گھر کا اُسے مختار نہ سمجھے
کیا قہر ہے داماد نبیؐ پر یہ ستم ہو

تھا ایک تو غم فاطمہؑ کو ہجر پدر کا
حیدرؑ کو پکڑ لے گئے وارث جو تھا گھر کا
پھر اُٹھ کے نہ دروازے سے باہر گئیں زہراؑ

غل پڑ گیا ہے ہے ہوئے تنہا شہ دلگیر
مر پیٹ کے کی زینب بیکس نے یہ تقریر
اب دست ستم کس پہ اٹھا دیں گے ستمگر

ہے ہے مری اماں تری صورت کے تھی یاں
بی بی گئیں جنت کو یہ گھر ہو گیا ویراں
تم مر گئیں اب کون دلاسا ہمیں دے گا

اس ظلم و ستم پر بھی نہ باز آئے ستمگر
ماہ رمضاں تھا کہ ہوا شور یہ گھر گھر
مسجد میں کسی نے اسد اللہ کو مارا

ہر دم میں حیدرؑ کی خدا کرتا ہے یاری
کافر کو مسلماں کیا تا جی ہو اداری
تھا زور یہ اور زور تھا خیبر شکنی کا

آفاق میں حیدرؑ سا نہیں کوئی جوانمرد
دہشت سے اُسی کے رخ خورشید ہوا زرد
تھراتا ہے مریخ فلک نام علیؑ سے

بے پردہ ہوں ناموس تو کیا طیش نہ آتا
تلوار کی تاب اس کی جہاں میں کوئی لاتا
طاقت تھی کسے جاتے اُسے گھر سے پکڑ کے

کچھ مرتبہ حیدرؑ کا کرار نہ سمجھے
افسوس کہ حقدار کو حقدار نہ سمجھے
ممکن ہے کہ تربت میں محمدؐ کو نہ غم ہو

اور دوسرے اسقاط ہوا محسن پسر کا
اُس دن سے عجب حال تھا اس خستہ جگر کا
جس حجرے میں بیٹھی تھی وہیں مر گئیں زہراؑ

ماں مر گئی بن ماں کے ہوئے شبر و شبیر
لو وہ ہوا جو چاہتے تھے ظالم بے پیر
اب پہلوئے در کس کے گرا دیں گے ستمگر

صدقے ترے پہلوئے شکستہ کے مری جاں
تنہائی کا کچھ بیٹیوں کی ہرگز نہ کیا دھیاں
اب کون خبر شبر و شبیر کی لے گا

چاہا کہ نہ دنیا میں رہے خویش پیمبر
تلوار لگی سجدے میں زخمی ہوئے حیدر
بے جرم دو عالم کے شہنشاہ کو مارا

سر پیٹ کے گردوں پہ یہ جبرئیل پکارا
کہتے ہیں محمدؐ مرا گھر لٹ گیا سارا

آواز یہ آتی ہے بتولِ عذرا کی
میں لٹ گئی ہے ہے مرے بچے ہوئے برباد
پردیس میں جاویں گے کدھر لئے وہ ناشاد
بچھڑے ہوئے تھے مادرِ تفتیدہ جگر سے
گھبرا گئی گھر میں یہ صدا سنتے ہی کلثوم
زینب نے پکارا ارے لوگو یہ ہے کیا ہوا

خوں ہو گیا سجدے میں محمدؐ کے وصی کا
بابا کا سنا حال جو فرزندوں نے اک بار
دیکھا کہ نمازی تو کھڑے لوٹتے ہیں سرشار
کچھ ذکر زباں پر نہیں جز طاعتِ حق ہے
گر رکتے ہیں سر ہی کبھی سجدے میں جھکاتے
خوں لے لے کے ہیں ریشِ مبارک پہ لگاتے

ہوش آتا ہے جب کہتے ہیں جس وقت مردوں کا
سجدے میں تڑپنے لگے وہ فاطمہ کے لال
چلاتے تھے بابا سے لپٹ کر یہ وہ اطفال
ہم گھر میں رہے ہم کو خبر کی نہ کسی نے
ہے ظلم شہ زادوں پہ فریاد خدایا
اماں سے تو چھوٹے تھے پہ اب تم بھی چھٹے

اس سن میں یتیمی کا ہمیں داغ دیا ہے
قاتل کو غلامانِ علیؑ لائے پکڑ کر
جب دم پڑی اس پر نظرِ خویشِ پیمبر
کیا میری خطا تھی جو ستایا مجھے تو نے

سر شیرِ خدا کا ہوا سجدے میں دو پارا
ظالم نے علیؑ کو نہیں مارا مجھے مارا

مارا مرے شوہر کو دہائی ہے خدا کی
سمجھاتا تھا باپ ان کو جو کرتے تھے بیداد
اب قتل یتیموں کو کریں گے ستم ایجاد
اک باپ کا سایہ تھا سو اب اٹھتا ہے سر سے
بے دار ہوئے خواب سے زہراؑ کے وہ معصوم
بابا ہوئے زخمی یہ ہوا ہے یہ معلوم

ہر سمت ہے غل ہائے علیؑ ہائے علیؑ کا
سر پیٹتے مسجد میں گئے وہ جگر افگار
اور خوں میں تڑپتے ہیں پڑے حیدرِ کرار
سر تا بہ جبیں ضربتِ شمشیر سے شق ہے
امت کی دعا کو ہیں کبھی ہاتھ اٹھاتے
بند آنکھیں ہیں اور غش پہ غش ہیں چلے آتے

احمدؐ سے اسی طرح ملاقات کروں گا
سنبل سے بھرے گیسوؤں کو کھولے تھے سب بال
اے قبلۂ کونین یہ کیا آپ کا ہے حال
بابا تمہیں زخمی کیا مسجد میں شقی نے
اعدا نے ہمیں حیدر کے نزدیک رلایا
سید کا لہو ماہِ مبارک میں بہایا

روزوں میں نمازی کو ترے قتل کیا ہے
آنکھیں تھیں بند ہی سر کو جھکاتا تھا جگر
قاتل سے یہ فرمانے لگے حیدرِ صفدر
کس جرم پہ یہ وار لگایا مجھے تو نے

بتلا مجھے کچھ میں نے اذیت تجھے دی تھی
کچھ بات کبھی سخت تجھے میں نے کہی تھی
بے کس کیا پیاروں کو رسولؐ دوسرا کے
رونے لگا سر شرم سے نہوڑا کے ستمگار
کیا رحم ہے فرمانے لگے حیدرِ کرار
بے جا بتا ہے بند سے رسّی کے رہا ہوں
بازو ہیں بندھے اس کے ہو بے چین مرا دل
دشمن نہیں میں اس کا یہ گو ہے مرا قاتل
کی اس نے برائی تو ضرر کیا ہے ہمارا
اے لال قسم ہے تمہیں غصے میں نہ آنا
جس وقت میں ہوں عالمِ فانی سے روانا
جو کھاؤں میں کھانا وہی پہنچائیو اس کو
دشمن پہ بھی مولا کا یہ تھا لطف و مدارا
وہ لوگ تھے کیسے کرو انصاف خدارا
قاتل پہ یہ احسان تھا جس حق کے ولی کا
کٹتا ہے جگر جاتا ہے چھاتی پہ جب شمرِ بد اختر
کہتے تھے کہ دو روز کا پیاسا ہوں ستمگر
رحم آیا نہ دل میں یہ تفاوت تھی شقی کے
قاتل کے ید اللہ نے کھلوائے بندھے ہاتھ
باندھے ہوئے تھے بازوئے زینب کو بھی بدذات
ظالم ہیں دربار میں جب لے کے چلے تھے
والقصہ یہ فرزندوں سے جب کہہ چکے حیدر
جا پاک کی آنکھیں اٹھ گئے فاتحِ خیبر
حیراں زینب و کلثوم کی ہونے لگی پر رہیں

یا تجھ سے علیؑ نے کبھی نیکی نہیں کی تھی
ثابت مری تقصیر کوئی تجھ پہ ہوئی تھی
مارا مجھے کیوں آن کے سجدے میں خدا کے
چاہا یہ حسنؑ نے کہ لگا دیں اُسے تلوار
مارو نہ اسے قید کرو اے مرے دلدار
تم کھول دو ہاتھ اس کے کہ ہیں عقدہ کشا ہم
ہم وہ ہیں کہ حل کرتے ہیں سب خلق کی مشکل
دیوے گا سزا اس کی اسے خالقِ عادل
دشمن پہ کریں رحم یہ شیوا ہے ہمارا
جب تک کہ میں زندہ ہوں نہ ہاتھ اُس پہ اُٹھانا
اک وار سے تم اس پہ زیادہ نہ لگانا
پیاسا ہو تو پانی سے نہ ترسائیو اُس کو
پیاسا رہے قاتل نہ علیؑ کو تھا گوارا
پیاسا انہوں نے حضرتِ شبیرؑ کو مارا
پانی سے ترستا رہا فرزند اُسی کا
تھی پیاس سے حضرت کی زباں نوک کے باہر
کرتے تھے یہ تھوڑا سا مجھے پانی پلا کر
پیاسا ہی کیا ذبح نواسے کو نبیؐ کے
اور بازوئے کلثوم بندھے رسّی میں ہیہات
فرماتے ہیں یہ سید سجادؑ خوش اوقات
اک رسّی تھی اور بارہ اسیروں کے گلے تھے
رونے لگے بابا سے وہ شہزادے لپٹ کر
بیٹوں سے کہا باندھو عمامہ مرے سر پہ
مسجد سے اٹھا کر مجھے اب لے چلو گھر میں

روتے ہوئے سبطین نبی باپ کو لائے
زینب نے کہا ہائے پدر زخموں میں نہائے
برباد ہوئیں بیٹیاں بھی بیٹے بھی گھر بھی
بابا مرے زخمی ہوئے ہے ہے مری قسمت
اماں کے بھی ماتم سے ہوئی تھی نہ فراغت
دن روتے گزرتا تھا تو شب آہ و فغاں میں
نانا موئے اور ہائے مجھے موت نہ آئی
اب اور اک آفت یہ مقدر نے دکھائی
کس سے کہوں جو مجھ پہ جفا ہو گئی لوگو!
سُن سُن کے بیاں بیٹیوں کے روتے تھے حیدر
سر رو کے پٹکتے تھے جو سبطین پیمبر
جو ہوش آتا تو کہتے نہیں مرنے کا الم ہے
مرغوب تھا ماہ رمضاں کا ہمیں آنا
اس عید کا افسوس نہ پڑھیں گے دوگانا
مسجد میں بغل گیر جو ہوویں گے نمازی
دو دن رہا اس سید عالم کا یہ عالم
سر تا بہ قدم پھیل گیا تھا اثر سم
آئی جو شب بست و یکم مر گئے حیدر
ہاں اہل عزا رو کہ یہ وقت بکا ہے
ادنیٰ جو تمہارا ہے وہ دنیا سے خفا ہے
اک شور ہے ماتم کا بپا گھر میں نبی کے
خاموش انیس اب کہ جگر ہو گیا پانی
بے مثل ہیں ہر چند یہ الفاظ و معانی
گر اپنی جید رو کرے نظم تو کیا ہے

سر پیٹتے ناموس محمد نکل آئے
نانا نہیں زینب یہ ستم کس کو دکھائے
جن ماں کی تھی چھوڑ چلے ہائے پدر بھی
دو ٹکڑے ہے سر زخموں میں بھری خوں سے ہے صورت
آنسو بھی نہ سوکھے تھے کہ ٹوٹی یہ مصیبت
ماتم کے لیے خلق ہوئی تھی میں جہاں میں
اماں کے لیے نانا کی صف میں نے بچھائی
ویرانی ہے پردیس میں بابا سے جدائی
فریاد ہے تقدیر بری سو گئی لوگو
ایک ایک کو سمجھاتے تھے چھاتی سے لگا کر
اس صدمے سے ہو جاتے تھے غش فاتح خیبر
ان روزوں سے محروم رہے ہم یہ ستم ہے
سو آہ ہمیں ہوتے ہیں جنت کو روانا
خوں سے ہو عوض غسل تھا قسمت میں نہانا
منبر سے لپٹ کر ہمیں روئیں گے نمازی
رخ زرد تھا اب شاہ کو غش آتے تھے پیہم
گھٹتی تھی جو طاقت تو ورم بڑھتا تھا ہر دم
قُل پڑھ گیا دنیا سے سفر کر گئے حیدر
بچو کہ محمد کا وصی قتل ہوا ہے
دن آج کا سوچو تو قیامت سے سوا ہے
بیٹے لیے جاتے ہیں جنازے کو علی کے
دیکھی تری دریائے طبیعت کی روانی
تعریف مگر خوب نہیں اپنی زبانی
امداد محمد ہے یہ تائید خدا ہے

۲۹ مرثیہ ۱۲۸

جس دم حسینؑ دلبرِ شبّرؑ کو رو چکے — غربت میں یادگارِ برادر کو رو چکے
پالا تھا جس کو اُس مہِ انور کو رو چکے — صفدر کو تشنہ لب کو دلاور کو رو چکے
دل پر ہجومِ حسرت و اندوہ و یاس تھا — اک بھائی اور ایک پسر شہ کے پاس تھا

رعشہ تنِ ضعیف میں لب خشک رنگ زرد — سینے میں گاہ ہوک اُٹھی گاہ دل میں درد
چھینٹیں قبا پہ خون کی تھیں گیسوؤں پہ گرد — خالی پروں کو دیکھ کے بھرتے تھے آہِ سرد
غم تھا کہ ابنِ فاطمہؑ آفت میں کیا کرے — اب ہم سے دیکھیے کسے قسمت جدا کرے

بھرتے تھے آہِ سرد کبھی تھام کر جگر — روتے تھے گاہ زانوے اقدس پہ رکھ کے سر
تکتے تھے مسکرا کے کبھی جانبِ پسر — کرتے تھے یاس سے کبھی عباسؑ پر نظر
وہ نونہال اور یہ پھولے پھلے ہوئے — حضرت کی ایک گود کے دونوں پلے ہوئے

ماتم اِدھر تھا فوج کے باجوں کی دھوم اُدھر — یاں بیکسی تھی فوجِ عدو کا ہجوم اُدھر
باہم تھے سرکشانِ عرب و شام و روم اُدھر — زر بانٹتا تھا خود پسرِ سعدِ شوم اُدھر
ہر شخص نعمتوں سے اُدھر کامیاب تھا — گرمی میں تین روزے یاں قحطِ آب تھا

عباسؑ چاہتے تھے کہ پہلے ہوں ہم نثار — اکبرؑ کا عزم تھا کہ بس اب سر پہ تیغ بار
بھائی کے غم میں روئیں نہ آقائے نامدار — عمو سے پہلے جائیں ہمیں بہرِ کارزار
جاتا ہے وقت ہاتھ سے گر اب فدا نہ ہوں — حضرت یہ چاہتے ہیں کہ دونوں جدا نہ ہوں

اُٹھتا ہے اہلِ بیت سے جب شورِ العطش — شہ کہتے ہیں قریبِ ہلاکت ہیں فاقہ کش
کرتے ہیں عرض رو کے علمدارِ باہوش — شاید سکینہؑ جان کو پھر آگیا ہے غش
کس سے کہیں جو قلب پہ صدمے گزرتے ہیں — افسوس ہم تو جیتے ہیں معصوم مرتے ہیں

دیکھا ہے جب سے لاشۂ قاسمؑ کو پائمال — چھریاں جگر پہ چلتی ہیں یا شاہِ خوش خصال
گر قبلۂ امم سے ملے رخصتِ جدال — دشتِ نبرد کو ابھی کر دیں لہو سے لال
رو کے غلام کو یہ کسی کا جگر نہیں — دریا نہ چھین لیں تو علیؑ کے پسر نہیں

جائیں جدھر لہو کی اُدھر ندیاں بہائیں
کاٹے سروں کے ٹھوکریں اک اک قدم پہ کھائیں
چھوٹے نہ تیغ ہاتھ سے جب تک کہ دم رہے
شہ نے کہا کہ اس میں کسی کو ہے کیا کلام
بھائی مگر یہ غیظ و غضب کا نہیں مقام
بیٹھے مروں میں تم نہ اگر سدِ راہ ہو
بولے بہا کے اشک علمدارِ نامدار
یاں ایک شاہزادہ ہے اور ایک جاں نثار
دیکھیں تو آپ اُن کے نشانوں کے اوج کو
شہ نے کہا انھیں بھی تو ہے شوق جنگ کا
اچھا جہاد کی علی اکبرؑ کو دی رضا
کس منہ سے پاس جاؤں گا خیر الانام کے
بانو کی روح جسمِ شہِ بے وطن کی جاں
چھوٹے بڑوں کی آنکھوں کا تارا بہن کی جاں
اُس زندگی پہ خاک اگر ایک دم جئیں
شہ نے قسم کھا کر پھر مجھے کھانے دو تیغ تم
تم یادگارِ شیرِ خدا شاہِ قلعہ گیر
سمجھے ہو سہل تم مجھے مشکل ہے کیا کروں
تم ہو گے تو تباہ نہ ہو گا ہمارا گھر
عریاں نہ ہوں گے بلوے میں سیدانیوں کے سر
بچ جائیں گے سبھوں کے گلے ریسمان سے
کہنے لگے یہ رو کے علمدارِ ذی حشم
کرتے ہیں گر سپرد یہ عہدہ شہِ اُمم
نام و نشاں سے کام نہ دُنیا سے کام ہے

ظالم کسی پرے میں سلامت نظر نہ آئیں
مشکیزہ وہ بھر نہ لیں تو نہ منہ آپ کو دکھائیں
چھاتی پہ مرتے وقت بھی مشک و علم رہے
تم غیظ میں جو آؤ تو ہل جائے روم و شام
میری تو یہ دُعا ہے کہ ہو صابروں میں نام
مجھ کو نہیں قبول کہ اُمت تباہ ہو
ھل من مبارز کی ہے اُس فوج میں پکار
آخر حضور دیں گے اذنِ کارزار
اتنا تو ہو کوئی کہ نہ بڑھنے دے فوج کو
غازی نے کی یہ عرض کہ یا شاہِ کربلا
انصاف کیجئے مجھے خلقت کہے گی کیا
جب شاہزادہ قتل ہو آگے غلام کے
دُنیا کی زیب آلِ رسولِ زمن کی جاں
پامال ہو وہ گل جو ہے سارے چمن کی جاں
ہم شکلِ مصطفےٰ تو نہ ہو اور ہم جئیں
تم سا جوان قتل ہو جیتا رہے یہ پیر
ہم صورتِ رسولِ خدا یہ مہِ منیر
دو داغ اور ایک میرا دل ہے کیا کروں
عابدؑ کو بیڑیاں نہ پنہائیں گے اہلِ شر
زینبؑ کو شام میں نہ پھرائیں گے در بدر
بندے نہ پھر چھنیں گے سکینہ کے کان سے
میرا ہے افتخار نگہبانیٔ حرم
بہتر ہے پھر کسی کو عنایت ہو یہ علم
مجھ کو رضائے سیّدِ والا سے کام ہے

صفا و طاعتیں ہیں کیا آبرو کے کام
بہتر ہے بیڑیاں بھی پہن لے گا یہ غلام
آقا کریں عتاب نہ گر جاں نثار پر
رونے لگے یہ سُن کے شہنشاہِ بحر و بر
سیدانیاں یہ کہنے لگیں تھام کر جگر
اکبرؑ کی خیر ہو شہِ والا کی خیر ہو
سب بی بیاں تھیں گردِ علمدارِ نامدار
کہتی تھی رو کے زوجۂ عباسِؑ ذی وقار
آنکھوں سے اشک بہتے ہیں چہرہ بھی لال ہے
لیکر بلائیں کہتی تھی بانوے شاہِ دیں
کہتے تھے ہاتھ جوڑ کے عباسِ مہ جبیں
کرتا نہیں مدد کوئی لاکھ التجا کریں
بنتِ علیؑ کے پاس جو پہنچا وہ سیم بر
گھبرا کے بولی زینبِ ناشاد و نوحہ گر
اب تو کوئی لڑے گا نہ بچیں امام سے
رونے کی وجہ کیا ہے الجھتا ہے میرا دم
بہتے ہیں اشک نرگسی آنکھوں سے دم بدم
آخر کھلے گا سب پہ کوئی واردات ہو
کہنے لگی یہ زوجۂ عباسِ خوش خصال
قسمیں جناب دیتی ہیں تم کو نہیں خیال
صدقہ تمھیں کا ہے کہ پھولے پھلے ہو تم
قدموں پہ سر جھکا کے یہ عباسؑ نے کہا
میرا کفیل کوئی نہیں آپ کے سوا
میرا نہیں خیال شہِ خاص و عام کو

کچھ عرض کی مجال نہ تکرار کا مقام
کھولوں سلاحِ جنگ اجازت جو دیں امام
جا بیٹھوں منہ چھپا کے علیؑ کے مزار پر
عباسؑ آئے خیمہ کے اندر جھکائے سر
کیا ہے جو روتے آئے ہیں عباسِؑ نامور
یارب وطن میں فاطمہ صغراؑ کی خیر ہو
جو پوچھتا تھا اور یہ روتے تھے زار زار
صاحب کہو تو کچھ کہ میرا دل ہے بیقرار
مقتل میں کیا ہوا جو تمہارا یہ حال ہے
بھیا بتاؤ خیر سے ہیں اکبرؑ حزیں
ہے خیریت حضور نہ گھبرائیں کچھ نہیں
جو بدنصیب ہوں وہ نہ روئیں تو کیا کریں
ماتم کی صف پہ رکھ دیے ہتھیار کھول کر
عباسؑ کیا ہے کھولتے ہو کس لئے کمر
کیوں بھائی صلح ہو گئی کیا فوجِ شام سے
قاسمؑ کے غم میں کیا ہوا کچھ اور تازہ غم
بولو تو کچھ حسینؑ کے سر کی تمہیں قسم
مجھ سے الگ کہو جو چھپانے کی بات ہو
وہ کونسی ہے بات کہ جس کا ہے یہ ملال
صاحب بڑی بہن سے کہو اپنے دل کا حال
بیٹوں کی طرح گود میں ان کی پلے ہو تم
کیونکر نہ روؤں قتل ہوئے خویش و اقربا
مجھ کو حسینؑ مرنے کی دیتے نہیں رضا
دیکھیے نجف میں جانے کی رخصت غلام کو

فرماتے ہیں کہ اکبرِ مہرو وفا کو جائیں
دیکھیں انھیں شبیہِ دلِ ہم کہاں سے لائیں
کب اُٹھ گئے جہاں سے کسی کو خبر نہ ہو
زینبؑ نے تب کہا کہ یہ آزردگی ہے تو
کیوں کر کہوں کہ بھائیؑ کو مرنے کا اذن دو
رونا اِدھر، اُدھر کو غریب و یاس ہے

مشکل مجھے ہے کس سے کہوں اپنا حالِ زار
بیکس بہن سے پوچھے کوئی بھائیوں کا پیار
کہتے ہیں موت خلق میں سب اس جدائی کو
زاری اِدھر تھی اور پریشاں تھا سب کا حال
ہمشکلِ مصطفےٰ سے یہ بولا علیؑ کا لال
بے تاب دل ہے چھاتی سے لپٹائیں بھائیؑ کو

اکبرؑ کا ہاتھ تھام کے گھر میں حسینؑ آئے
پھیلا کے ہاتھ لب پہ شہِ دیں سخن یہ لائے
تم تو عزیز ہو مجھے اس نورِ عین سے
عباسؑ ہاتھ جوڑ کے بولے کہ کیا مجال؟
کیا ذکر ہے ملال کا اے فاطمہؑ کے لال
حضرت غلام کہہ کے پکاریں تو شاد ہوں

حضرت کے منہ کو دیکھ کے زینبؑ نے یہ کہا
صدقے بہن ہو بھائی انھیں دیکھیے ذرا
شبلِ علی جہاں کے شجاعوں کے تاج ہیں
والا ہے وفا طلب سپہ خانماں خراب
حضرت کے ڈر سے دے نہیں سکتے ہیں کچھ جواب
بگڑیں تو پھر بپا ہو قیامت جہان میں

بچّے ہوں کامیاب شہادت ہمیں نہ پائیں
پردہ اسی میں اب ہے کہ عالم سے منہ چھپائیں
اُس بن میں جا رہیں کہ بشر کا گزر نہ ہو
معلوم اب ہوا مجھے مطلب ہے ان کا جو
اچھا بلا کے کہتی ہوں آگے جو ہو سو ہو
ان کا بھی درد ہے مجھے اُن کا بھی پاس ہے

وہ ماں کی جان و روح یہ بابا کی یادگار
کیونکر جئیں گے ہائے شہنشاہِ نامدار
یا رب مفارقت نہ ہو بھائیؑ سے بھائیؑ کو
آیا اُدھر حسینؑ کو عباسؑ کا خیال
آزردہ ہو گئے ہیں علمدارِ خوش خصال
آؤ حرم میں چل کے منا لائیں بھائیؑ کو

دیکھا کھڑے ہیں حضرتِ عباسؑ سر جھکائے
آؤ گلے لگو کہ دلِ زار چین پائے
کس بات پر خفا ہوئے بیکس حسینؑ سے
ہیں شیرِ کبریا کی جگہ شاہِ خوش خصال
عاجز ہوں شکر میں جو زباں سب بنیں تن کے بال
مادر مری کنیز ہے میں خانہ زاد ہوں

آپ ان پہ شفقت ہیں یہ ہیں آپ پر فدا
دنیا میں اور بھی ہے کوئی ایسا باوفا
ظاہر ہے آپ پر کہ یہ نازک مزاج ہیں
ان کو کسی کی بات کے سننے کی کب ہے تاب
غصہ ہی ہے اور یہیں ان کو پیچ و تاب
رونا یہ ہے کہ آتا ہے فرق آن بان میں

اکبرؑ کو آپ بھیج دیں گر سوئے فوجِ شام
ہو جائیں دشمن ان کے تڑپ کر ابھی تمام
مطلب یہ ہے کہ فوج پہ چمکے مری حسام
دنیا میں مجھ سے بڑھ کے نہ ہوگا کسی کا نام
پہلے بھی حسینؑ پہ سر کو فدا کریں
پالا ہے دکھ سے اب انھیں کیونکر جدا کریں

نیت سفر یہ باندھی ہے ہتھیار کھول کر
بہنوں کی بیکسی پہ بھی اب تو نہیں نظر
کیا آپ نے کہا تھا کہ اکبرؑ کٹائے سر
مجھ کو کبھی یقین نہیں یا شاہِ بحر و بر
میرے حواس ان کے تڑپنے نے کھوئے ہیں
روئی ہوں میں بھی ساتھ یہ اس طرح روٹھے ہیں

کیونکر زباں سے اپنی کہوں میں جگر فگار
ضد ہے یہی کہ جلد ملے اذنِ کارزار
حضرت پہ ان کے دل کا تو مطلب ہے آشکار
خیر اب خوشی انھیں کی کریں شاہِ نامدار
صفدر ہیں جان دینے کو کچھ جانتے نہیں
غصے میں یہ تو بات کوئی مانتے نہیں

شہ نے کہا کہ بس ہے اسی بات کا ملال
لیں اذنِ جنگ خیر سدھاریں پئے جدال
قسمت میں ہے کہ یہ بھی نہ ہوں وقتِ قتال
تنہا مسافرت میں مرے فاطمہؑ کا لال
قاتل ہو زخمی چھاتی پہ خنجر ہو پیاس ہو
کٹنے لگے جو حلق تو کوئی نہ پاس ہو

ہم چاہتے ہیں ساتھ جئیں ساتھ ہی مریں
مرنے لگیں جو ہم تو یہ زانو پہ سر دھریں
تلواریں کھا کے ایک جگہ خون میں بھریں
خیر ان کی جو خوشی ہے پہلے سفر کریں
مشتاق ہیں بہشت کے حوروں کے قصر کے
یہ قبلِ ظہر پہنچیں گے ہم بعد عصر کے

سب اہلبیت رونے لگے سن کے یہ کلام
قدموں پہ شہ کے جھک کے یہ بولا وہ نیک نام
تقصیر بخشیے مری اے شاہِ تشنہ کام
چھاتی سے سر لگا کے یہ کہنے لگے امام
بھائی سے دل برا کہیں ہوتا ہے بھائی کا
یہ روٹھنا فقط تھا بہانہ جدائی کا

لائے سلاح سامنے زینبؑ بہ چشمِ تر
پٹکا اٹھا کے شہ نے کہا باندھیے کمر
تسلیم کی ادب سے جری نے جھکا کے سر
ہتھیار سج کے خیمے سے نکلا وہ نامور
غم چھا گیا امید چلی یاس رہ گئی
بس سر جھکا کے زوجۂ عباسؑ رہ گئی

لے کر علم ادھر سے بڑھا وہ فلک جناب
خادم ادھر سے لائے فرس کو بصد شتاب
گھوڑے پہ جلوہ گر جو ہوئے مثلِ آفتاب
نورِ قدم سے چاند بنے حلقۂ رکاب
اسوارِ بے نظیر فرس بے مثال تھا
جو نعل کا نشاں تھا زمیں پر ہلال تھا

آمد علیؑ کے شیر کی ہے رزم گاہ میں
دہشت سے تہلکہ ہے عدو کی سپاہ میں
ہر چند ابھی سواریِ صفدر ہے راہ میں
بجلی چمک رہی ہے عدو کی نگاہ میں
غل ہے وہ شیر قصد کئے ہے ترائی کا
پھر معرکہ ہے آج علیؑ کی لڑائی کا

یوں چھیڑتے فرس کو ادھر شیرِ بن آگئے
جیسے نسیمِ فصلِ بہاری چمن میں آئے
اس دبدبے سے لشکرِ پیماں شکن میں آگئے
اک شور پڑ گیا اسد اللہ رن میں آگئے
جنگل کے شیر صورتِ آہو دبک گئے
جتنے بڑھے ہوئے تھے پرے سب سرک گئے

اللہ رے رعبِ حضرتِ عباسؑ عرش جاہ
صف پر گریں صفیں تہ و بالا ہوئی سپاہ
دیکھا جدھر شکار پہ کی شیر نے نگاہ
ہٹ ہٹ گئے جو نہر کو روکے تھے روسیاہ
کھایا جگر کا تیر اگر آنکھ چار کی
دکھلا دی ابروؤں نے برش ذوالفقار کی

کاندھے پہ ساتھ مشک و علم پشت پر سپر
وہ تیغ تیز دم جو کرے ضیغم کو سر
وہ تیر الحفیظ کماں وہ کہ الحذر
وہ ضرب گرز توڑ دے جو کوہ کی کمر
وہ ڈھال روک لے جو تہمتن کے وار کو
نیزہ وہ جو فرس سے اٹھا لے سوار کو

سر پر وہ خود گرد پھرے جس کے آفتاب
نورِ جبیں سے بدرِ فلک قدر کو حجاب
بیتِ ابروؤں کی شرح کے دیواں میں لاجواب
جو خالِ مشکبیز کا نقطہ وہ انتخاب
مرجائے شیر پر جو پڑے اس جری کی آنکھ
آنکھوں کو دیکھئے تو بعینہٖ علیؑ کی آنکھ

قرآں ورق ہے روئے مبیں خط سیاہ
ظلمت میں آفتاب ہے یا جوفِ شب میں ماہ
سوکھے لبوں پہ برگِ گلِ تر کا اشتباہ
مدحِ دہن میں اب نہیں طبعِ سخن کو راہ
ایسا دقیق اور معما کہیں نہیں
موجود اسم ہے پہ مسمّا کہیں نہیں

کیونکر کہیں کہ غنچۂ تصویر فرد ہے
یاں یاسمن بھی فرطِ خجالت سے زرد ہے
کس طرح منقسم ہو وہ جوہر جو فرد ہے
حیراں خیالِ فلسفیِ ہرزہ گرد ہے
میزانِ عقل میں حکما کے تلا نہیں
یہ وہ طلسم ہے جو کسی سے کھلا نہیں

دانتوں میں وہ چمک کہ نظر کو نہیں ہے تاب
خود جس کی برق و شرق سے آنکھ اس کو ہے حجاب
کیا ان کے سامنے گہرِ بے بہا کی آب
دعویٰ جو کچھ تو دوں ابھی دنداں شکن جواب
گر منہ سے دُر کہوں تو فصاحت سے دور ہے
دانا کو آبرو کی حفاظت ضرور ہے

شانوں کو آفتاب اگر کھینچے رقم
لوکاتا ہے غیظ سے اپنی زباں قلم

کون ایسا نوجواں تھا خدا کے ولی کے بعد
شانے وہ گول گول وہ بازو بھرے بھرے
پہنچوں کے زور سے تہ و بالا ہوئے پرے
ضو ان ہتھیلیوں کی کہاں آفتاب میں

سینہ وہ آئنہ ہے کہ صدق و صفا کا گھر
سینے میں اس طرح ہے دلِ باوفا کا گھر
کعبہ ہے گو زمیں پہ مگر عرش قدر ہے

قرباں ہیں ثباتِ قدم پہ ہزار سر
اعدا جو لاکھ ہوں تو کریں ایک بار سر
نقش اس قدم کا خاک پہ رہتا ہے اس طرح

تا گر صدا بلند ہوئی طبلِ جنگ کی
نکلے نقیب اور یہ صدا بے درنگ کی
نامی جواں وہ ہے جو لڑے اس دلیر سے

جب یوں بڑھائے دل تو سوا ہو کے دل بڑھے
ہر صف کے یوں اولے ہوئے تیغوں کے پھل چڑھے
تنہا تھا وہ صفیں تھیں بہم جس کے واسطے

الٹی علی کے شیر نے بھی آستیں ادھر
ظاہر ہوا جلالِ جہاں آفریں ادھر
صف پر جو صف گری تو پیادے سوار پر

یوں تیغ شعلہ زا نکل آئی نیام سے
جس طرح برق ابر سے معنی کلام سے
آئینہ ظفر تھا کہ نکلا غلاف سے

ذرے سے آفتاب جہاں تاب ملے بہم
یہ وہ ہے جس پہ فوجِ خدا کا رہا علم
بے شک علم انہیں کے لئے تھا علی کے بعد

فرقت میں جن کی حور نہ تکیہ پہ سر دھرے
پنجہ وہ جس کو دیکھ کے شیرِ ژیاں ڈرے
وہ انگلیاں دراز جو خیبر کے باب میں

مسکن ادب کا علم کا ماخذ حیا کا گھر
جس طرح سب گھروں میں مقدس خدا کا گھر
دل صدر میں ہے صدرِ جہاں ہے وہ صدر ہے

رکھتا ہے فخر جس پہ بصد افتخار سر
سرکیں نہ اور کٹ کے گریں بے شمار سر
مٹتا نہیں کبھی خطِ تقدیر جس طرح

جو تھے بہادر ان کے دلوں میں امنگ کی
باگیں اٹھاؤ اسپِ کمیت و سرنگ کی
اب سامنا ہے شیرِ الٰہی کے شیر سے

گرز اپنے تول تول کے لشکری بڑھے
جس طرح قبضِ روح کو دستِ اجل بڑھے
یہ معرکہ تھا اک متنفس کے واسطے

قبضے پہ ہاتھ ادھر گیا کانپی زمیں ادھر
آیا جلال میں اسپِ خشمگیں ادھر
گویا علی نے ہاتھ رکھا ذوالفقار پر

نکلی بیاضِ صبح شبِ تیرہ فام سے
چہرہ دکھایا حور نے دارالسلام سے
کھینچا پری کو فخرِ سلیماں نے قاف سے

چمکی جو تیغ برق جہندہ بنا سمند
خود آگ تھا وہ رخش تو سیماب جوڑ بند
ہر نعل و سم کو فوق تھا بدر و ہلال پر
گھوڑا کہیں پرند کسی جا پری کہیں
تیروں نے اس سے ردو میں کی ہمسری کہیں
رکھتا تھا معرکے میں قدم اس وقار سے
کلک اس کے ہاتھ پاؤں کو لکھے تو کیا لکھے
خود بے سعادتی ہے جو بال ہما لکھے
ناقص کہیں جو طالب تشبیہ تام ہیں
پریاں نثار ہوتی ہیں چال اس کی دیکھیے
سرعت دم جدال و قتال اس کی دیکھیے
روشن ہیں پتلیاں کہ قدم اس جری کے ہیں
آغاز جنگ میں وہ تگ و دو وہ آؤ جاؤ
جاتا تھا یوں اتار ہو جیسے یا چڑھاؤ
تھا صاحب علم بھی جدل پر تلا ہوا
ڈھالوں کو روکے تھے جوانان پرجگر
وہ اڑ گئیں کلائیاں وہ گرا وہ سر
وہ آتش فساد و غضب خاک ہو گئی
جب تن سے وہ چلی تو گرے سر زمین پر
وہ تیغ دم نہ لے کہیں دم بھر زمین پر
فتح و ظفر حسام دو دستی کے ساتھ ہے
وہ برق جب ادھر سے ادھر جا کے پھر گئی
بے جاں اسے کیا اسے تڑپا کے پھر گئی
چڑھتے ہی رن پہ نشۂ جرأت اتر گئے

آہو جو خاک پر تو ہوا کی طرف پرند
اسوار کو چھپا لے وغا میں وہ سربلند
طاؤس و کبک وجد میں تھے اس کی چال پر
آہو کہیں ہما کہیں کبک دری کہیں
زمی کہیں شتاب کہیں صفدری کہیں
جیسے چمن میں پھول گرے شاخسار سے
مردم ہوا پرست کہیں گر ہوا لکھے
مشہور نارسا ہو جو ذہن رسا لکھے
یہ سب اسی کے غاشیہ داروں کے نام ہیں
حوروں کے بال دیکھ کے بال اس کی دیکھیے
کیا حسن ہے رکاب و دوال اس کی دیکھیے
آنکھیں یہ حور کی ہیں وہ گیسو پری کے ہیں
گھونگھٹ نیا تھا چال نئی تھی نیا بناؤ
جیسے ہوا میں جاتی ہے آب رواں پہ ناؤ
کشتی کا بادباں تھا پھریرا کھلا ہوا
بجلی گری جہاں پڑے گی تو پھر کیا کرے بشر
بازو ہوا وہ قطع وہ دو ہو گئی کمر
سینہ وہ کٹ گیا وہ زرہ چاک ہو گئی
سر تھے کسی جگہ کہیں پیکر زمین پر
جبریل بھی بچھائیں اگر پر زمین پر
دست خدا کے جوہر بازو کا ہاتھ ہے
خوں پی کے سر گرا کے صفیں کھا کے پھر گئی
تھی اک چھری کہ حلق پہ اعدا کے پھر گئی
دیکھا نہ صاف منہ اسی حسرت میں مر گئے

یوں تھیں صفیں کہ موج کے پیچھے ہو جیسے موج
چکر میں تھی بصورتِ گرداب ساری فوج
بیدم ہیں وہ جو تیغ دو دم سے دو چار ہیں
غصہ ستم تھا قہر غضب تھا جفا نئی
مضموں نئے ہیں بندشِ مہر و وفا نئی
جیسے ورق ہوا سے پرے یوں اُلٹتے ہیں

فوجوں میں ابتری تھی علیؑ کے طفیل سے
جوہر کہیں فزوں تھے ضیا میں سہیل سے
نازل تھا قہر منزلِ ہستی خراب تھی
اعدا کے حق میں ہو گیا آبِ حسام سم
نیزے تھے خوف سے صفتِ چوبِ خام خم
دشمن بھی معترف تھے وہ پیکار کر گئے

اک آگ تھے کہ خاک میں سب کو ملا گئے
آئے جدھر زمین کے طبقے ہلا گئے
تیروں کو بلبلوں کا نشیمن بنا دیا
رہوار بھر رہا تھا طرارے اِدھر اُدھر
اُڑتے تھے اُس کے دم سے شرارے اِدھر اُدھر
دریا پہ ہاتھ دھوئے تھے سب اپنی جان سے

شمشیر زن کے ہاتھ میں دستِ خدا کا زور
کس لب غضب کا قہر کی ضربت بلا کا زور
مرحب سا اتنی فوج میں اک نامور نہیں
حسرت رہی وغا کی دلِ حق پسند کو
پستی میں لاؤں اوج سے کس سربلند کو
دو ٹکڑے کر دوں رستمِ دستاں سے گبر کے

تھا دم بدم شناورِ دریائے خوں کو اوج
تلوار فرد فرد کو کرتی تھی زوج زوج
گر چار ہیں تو آٹھ جو دو ہیں تو چار ہیں
اُڑتے تھے سر تنوں سے چلی تھی ہوا نئی
تیزی نئی ہے چال نئی ہے ادا نئی
سوتنو گلے اشارۂ ابرو میں کٹتے ہیں

سیفی سے صاف تیز دھائے کمیل سے
ہاتھوں بڑھی ہوئی تھی روانی میں نیل سے
گھر گر رہے تھے کفر کے بستی خراب تھی
کرتے تھے آہوؤں کی طرح خوش خرام رم
ایسا لڑا جہاں میں کوئی تشنہ کام کم
مقتل سے اُڑ کے تا سرِ کہسار مر گئے

سم ہو گیا اُسے جسے پانی پلا گئے
زخموں کے پھول نخلِ بدن پر کھلا گئے
رن کی زمینِ شور کو گلشن بنا دیا
سب بھاگتے تھے خوف کے مارے اِدھر اُدھر
دنبالہ وار گرتے تھے تارے اِدھر اُدھر
تلوار کیا برستی تھی آگ آسمان سے

پہونچا تھا ہاتھوں ہاتھ جسے مرتضیٰؑ کا زور
نعرہ یہ تھا کہ مجھ میں ہے مشکل کشا کا زور
کیونکر کھلے یہ زور کہ خیبر کا در نہیں
کھولا نہ ایک نے مرے نیزے کے بند کو
خندق میں عمرو ہو تو اُڑا دوں سمند کو
ڈیکھے سے باندھوں شیرِ علیؑ ہاتھ دیو کے

جم کر لڑو صفوں کی صفائی تو دیکھ لو
ابن علی کی قلعہ کشائی تو دیکھ لو

سر سبز ہوں میں تیغِ دو دم سرخرو رہے
ہر بار رن پہ رن پڑے ایسی نبرد ہو
تھرائے آسمان رخِ خورشید زرد ہو
بالائے دوش مشک ہے تلوار ہاتھ میں
یہ سن کے واں کی فوج سے اک پہلواں بڑھا
نیزہ بڑھا اُدھر سے ادھر سے نشاں بڑھا

دیکھا جو نعرہ مار کے اُس بدخصال کو
نیزہ ادھر اُدھر سے بصد کر و فر تُلا
ہوتا ہے کیا ہزار کرے فوج غلغلہ
تھی چوٹ پہ چوٹ سناں پہ سناں تھی
جوڑا بچا کے سر کو ستمگر نے زہ سے تیر
زخمی ہوا نہ صدر نہ گزرا زرہ سے تیر

سرزد خطا یہ کیا ہوئی ششدر شریر تھا
ظالم پکارا تول کے پھر گرز گاؤ سر
ممکن نہیں کہ خاک پہ گر کر اٹھاؤ سر
رستم سا پہلواں ہو تو جی اس کا چھوٹ جائے
عباسؑ نے کہا کہ خموش اے زباں دراز
اللہ خاکسار کو کرتا ہے سرفراز

برہم اگر ہوں لال شہِ قلعہ گیر کے
بے شرم راست بازوں سے یہ کج ادائیاں
نیکوں سے یہ بدی یہ بھلوں سے برائیاں
ضیغم دبک کے بیشۂ حیدر میں آتے ہیں
گردن کی اور سروں کی جدائی تو دیکھ لو
پیارے مسافروں کی لڑائی تو دیکھ لو

تم کو ہوس رہے نہ مجھے آرزو رہے
ہنگامہ گرم ہو کے نہ بازار سرد ہو
بڑھنے نہ دو مجھے تو یہ جانوں کہ مرد ہو
دریا کا گھاٹ لیتا ہوں دو چار ہاتھ میں
گویا کہ جھومتا ہوا پیلِ دماں بڑھا
پنجہ اُٹھا کے صید پہ شیرِ ژیاں بڑھا

سمجھے یہ سب اسد نے دبوچا غزال کو
باندھا اُدھر جو بند شقی نے ادھر کھلا
یہ موجِ بحرِ قہر وہ پانی کا بلبلہ
نیزے میں نوک تھی نہ کلائی میں جان تھی
تھرا رہا تھا شورِ تکبیر و بُرد سے تیر
گوشے کماں کے کٹ گئے ٹوٹا گرہ سے تیر

اوچھے سے وار میں نہ کماں تھی نہ تیر تھا
اس کی ہوا لگے تو سلامت نہ پاؤ سر
ہاں نورِ چشمِ حیدرِ صفدر بچاؤ سر
اک اس کی ضرب میں کمرِ کوہ ٹوٹ جائے
گو میں ضعیف ہوں پہ توانا ہے کارساز
کیا گرز گاؤ سر کی حقیقت ہے او گراز

پھینکیں زمیں پہ کلۂ اژدر کو چیر کے
کیا تجھ سے گاؤ زور سے زور آزمائیاں
ہم توڑ ڈالتے ہیں اسد کی کلائیاں
یاں کے غزال شیر کو آنکھیں دکھاتے ہیں

مارا جھپٹ کے گرزِ گراں روسیاہ نے
پکڑی کلائی ہاتھ سے بازوئے شاہ نے
نقصانِ جاں بھی دست درازی کے ساتھ ہو
جب چھلکے انگلیوں سے ٹپکنے لگا لہو
بولے یہ ہاتھ چھوڑ کے عباسِ نیک خو
تو ہاتھ جوڑتا ہے تو منہ موڑتا ہوں میں

یہ گھاٹ چھین کر ہمیں بھرنی ہے مشکِ آب
تلوار جلد کھینچ لے او خانماں خراب
مشکلکشا کی تیغ کا یہ فیض عام ہے
جب اس طرح سے چل گئے تیغ زباں وار
رو کر کے چند وار صدا دی کہ ہوشیار
سب غول چار آئنہ والوں کا دنگ تھا
ڈوبے ہوئے منہ کے بھل جو گرا وہ ستم شعار
بس سرنگوں گیا سوئے دوزخ وہ نابکار
گو آپ کی بھی تیغ میں آفت کی کاٹ ہے

غازی پکارا بڑھ کے ہمارے قدم ہٹیں
ممکن نہیں کہ صاحبِ سیف و قلم ہٹیں
سر کٹ کے نہیں قدم کبھی آگے بڑھے ہوئے
دریا یہ کیا ہے اور تمہاری بساط کیا
یہ گھاٹ کیا ہے قصر ہو تو کیا رباط کیا
اڑنے کو پر ملیں گے اگر تیر کھائیں گے
رکھیں گے تیغِ تیز کے قبضے پہ ہاتھ جب
دریا ہے جن کے جد کا وہ بچے ہیں تشنہ لب
ہتھیار کیا ہیں فوج کے جی چھوٹ جائیں گے

روکا سپر پہ ضرب کو اس دیں پناہ نے
چھوٹی نہ لاکھ زور کیا روسیاہ نے
چھوڑے نہ گرز کو تو نہ بازو نہ ہاتھ ہو
پہونچا سزا کو میں یہ پکارا وہ کینہ جو
پھر کیجیو نہ لاف زنی میرے روبرو
صیدِ زبوں سمجھ کے تجھے چھوڑتا ہوں میں

تڑپا رہا ہے قلب کو بچوں کا اضطراب
رکتا ہے کیوں لڑائی کا ہو فیصلہ شتاب
جب چار ہاتھ چل گئے قصہ تمام ہے
تیغِ دو دم کو تول کے آیا وہ نابکار
شمشیر سر پہ آئی کہ مرحب پہ ذوالفقار
سر تھا نہ صدر تھا نہ کمر تھی نہ تنگ تھا
عباس سوئے نہر بڑھے بہرِ کارزار
نیزے اٹھا اٹھا کے یہ کہنے لگے سوار
بڑھیے ذرا سنبھل کے یہ تیغوں کا گھاٹ ہے

تیغیں ہٹیں نشاں ہوں سلامی علم ہٹیں
دریا سے تم ہٹو یہ نہ ہوگا کہ ہم ہٹیں
اترے ہیں شیرِ ببر کے دریا چڑھے ہوئے
ثابت قدم کو تیغوں کا ڈر کیا صراط کیا
جب جان دی تو جسم کی پھر احتیاط کیا
کوثر پہ اب تو ہم اسی دریا سے جائیں گے
کھل جائے گا اشارے میں بندوبست سب
سر لوٹتے پھریں گے جو ٹوکا کسی نے اب
یہ مورچے بندھے ہوئے سب ٹوٹ جائیں گے

اعدا بچے سنبھال کے ہتھیار گھاٹ پر
آئی چمک کے برقِ شرر بار گھاٹ پر
اعدا ہزار ڈھالوں میں مُنھ کو چھپاتے تھے
جھپٹے مثالِ شیر جدھر صف اُلٹ گئی
جو فوج مثلِ موج بڑھی تھی وہ ہٹ گئی
اللہ کا غضب تھا کہ تلوار ہاتھ میں
بجلی تھی یا کہ تیغ کا پرتو اِدھر اُدھر
چلتے تھے قہر کے وقت تگ و دو اِدھر اُدھر
عنصر بھی تھے شریکِ دمِ تیغ لاگ میں
ہر بار اُڑ کے جاتا تھا چاروں طرف سمند
گھوڑوں سے گر کے پست ہوئے کتنے سربلند
صف پر گری تھی صف تو پرے بھی پروں پہ تھے
اللہ ری سمند کی چھل بل لڑائی میں
بجلی تھی یا چمکتی تھی ہیکل لڑائی میں
بھاگڑ میں شہسواروں کی رہوار چھٹ گئے
جب سن سے تیغ تیز چلی سر پہ سر گرا
بھائی پہ بھائی باپ پہ مر کر پسر گرا
کشتوں کے پشتے ہو گئے ضربِ دلیر سے
بجلی تھی سر پہ یا چمک اُس شعلہ ریز کی
زہرے تھے آب۔ تاب کسے تھی ستیز کی
ہٹ کر نکل امن نہ ٹھہر کر نجات تھی
ساحل پہ تیغ تول کے گونجا وہ تیغ زن
توڑا ہے ایک ہاتھ سے خیبر کا ہم نے در
ہم سے مقابلہ تھا اسی کائنات پہ

ڈھالیں نہ تھیں گھٹا تھی دھواں دھار گھاٹ پر
چلنے لگی دلیر سے تلوار گھاٹ پر
کیا وار تھا کہ ناریں سر اُڑ کے جاتے تھے
یہ ہاتھ تن سے اُڑ گیا وہ ڈھال کٹ گئی
دیکھا جو گھاٹ تیغ کا جرأت بھی گھٹ گئی
دریا کا گھاٹ لے لیا دو چار ہاتھ میں
مر کر سوار گرتے تھے سو سو اِدھر اُدھر
ہل چل تھی بیچ میں تو تہ و بالا اِدھر اُدھر
پھینکا ہوا نے خاک میں پانی نے آگ میں
تلوار نے گریز کے کوچے کیے تھے بند
دریا میں گر کے مر گئے کتنے جفا پسند
دو پاؤں تھے زمین پہ اور دو سروں پہ تھے
تلوار چل رہی تھی مسلسل لڑائی میں
چھٹ چھٹ گئے تھے ڈھالوں کے بادل لڑائی میں
جی چھوٹے گھاٹ چھٹ گیا ہتھیار چھٹ گئے
خوں ناریوں کا اُڑ کے مثالِ شرر گرا
چمکی جو دو طرف یہ اِدھر وہ اُدھر گرا
عرصہ فرس پہ تنگ تھا لاشوں کے ڈھیر سے
یارا نہ جنگ کا تھا نہ طاقت گریز کی
گھاٹ اُس طرف تھا اور اِدھر تیغ تیز کی
آگے لہو کی نہر تھی پیچھے فرات تھی
جو ہم کر رکی تھیں وہ فوجیں گئیں کدھر
کرتے ہیں مرغنے کے پسر یوں ہم کو سر
یہ سوچتے تھے چیونٹیاں تھیں یا فرات پر

جن کو نہ دو دو دن ہو ہم قوت لایموت | اُن کے جواب میں یہ تحیر ہے یہ سکوت
زرہیں تھیں یا کہ موم کچھ اب تک نہیں ثبوت | حلقے یہ تھے کمند کے یا تارِ عنکبوت
ثابت نہیں خیار تھے یہ یا عمود تھے | پانی پہ یہ حباب تھے یا سر پہ خود تھے

تیغوں نے کچھ نہ کاٹ دکھایا نہ کس بل | نیزے وہ کیا ہوئے جو تلے تھے دم جدل
گرزے کہاں اُن کے جو ڈھالیں تھیں بے بدل | کیا برچھیوں نے غیرِ مذلت دکھائے پھل
سر اُن کے کس طرف کو سنانیں کدھر گئیں | وہ تیر کیا ہوئے وہ کمانیں کدھر گئیں

تر تھے عرق میں ہاتھ میں تھی تیغ خوں چکاں | ٹھنڈی ہوا کچھار سے آئی جو ناگہاں
بولے یہ کانپ کانپ کے عباسِ نوجواں | واحسرتا کہ دھوپ میں ہیں شاہِ انس و جاں
بس اے صبا جہاں کی فضا ہے قفس ہمیں | پانی کی آرزو نہ ہوا کی ہوس ہمیں

ساحل سے نہر میں جو گیا وہ فلک حشم | دوڑے حباب بحر کے آنکھوں پہ یہ قدم
پانی میں جلوہ گر تھا جو عکسِ رخ و علم | تھے مہر و ماہ آشنۂ آب میں بہم
آئی صدا ورود کی ہر نخل و سنگ سے | دریا زبرجدی تھا پھریرے کے رنگ سے

عباسِ نامور جو گئے تھے لبوں کو بند | پانی پہ ڈالتا تھا نہ منھ اسپ سربلند
گردن پہ ہاتھ پھیر کے بولا وہ ارجمند | احسنت اے سمندِ رضا جو وفا پسند
با آبرو مزا ہے سوئے خلد جانے میں | تیری وفا کا شور رہے گا زمانے میں

چھینٹیں جو منھ پہ دینے لگا وہ فلک وقار | گردن ہلائی اُس نے کہ یہ بھی ہے ناگوار
پانی گیا جو منھ میں تو میں ہوں گا شرمسار | پیاسا ہے ابنِ فاطمہؑ کا طفلِ شیرخوار
آتا لہو جگر ہے سکینہؑ کے حال پر | فاقہ یہ تیسرا ہے محمدؐ کی آل پر

مشکیزہ بھر کے رخش کو آواز دی کہ چل | یاں منتظر تھی راہ کو روکے ہوئے اجل
لٹے تھے گھاٹ تک کہ بڑھے برچھیوں کے پھل | تیغوں پہ تیغیں فوج پہ تھی فوج دل بدل
گھیرے تھے لوگ امن کی راہیں بھی بند تھیں | نیزے تلے ہوئے تھے کمانیں بلند تھیں

اک شور تھا کہ شیرِ دلاور نہ جانے پائے | سقائے اہلِ بیتِ پیمبر نہ جانے پائے
فرزندِ فاطمہؑ کا برادر نہ جانے پائے | ہاں نورِ عین ساقیٔ کوثر نہ جانے پائے
پھر ہے ظفر یزید کی گر یہ شہید ہو | عباسؑ کے گلے کو جو کاٹیں تو عید ہو

نعرہ کیا جری نے کہ ہم رُکنے والے ہیں
یہ دیکھ بھالے سب ہیں جو بھالے سنبھالے ہیں
ابتر کیا تھا جن کو وہی یہ رسالے ہیں
ثابت ہوا کہ دن ابھی ڈھالوں کے کالے ہیں
پستی کو ڈھونڈھتی ہے بلندی نشانوں کی
شاید ابھی کھچی یہ ہے قسمت کمانوں کی
اس وقت سب جہاں مجھے مل کر تو روک لے
فوجیں تو آئیں سامنے لشکر تو روک لے
دیوارِ تیغ و نیزہ و خنجر تو روک لے
تر کیا ہو مجھ کو سدِ سکندر تو روک لے
آیا ہوں جاں بلب کئی بچوں کو چھوڑ کر
حائل پہاڑ ہو تو نکل جاؤں توڑ کر

فرما کے یہ فرس کو بڑھایا دلیر نے
دریا لہو کا دم میں بہایا دلیر نے
شیرِ خدا کا زور دکھایا دلیر نے
ٹکا زمین پر جسے پایا دلیر نے
یوں توڑ ڈالیں نیزوں کی ڈانڈیں مروڑ کے
جس طرح پھینک دے کوئی تنکے کو توڑ کے
ہتھیار پھینک پھینک کے بھاگے شریر سب
چوٹیں پڑیں کہ بھول گئے دار و گیر سب
کٹ کٹ گئے ملے ہوئے چلّوں سے تیر سب
چھپتے تھے سہم سہم کے برنا و پیر سب
بعض دھجیاں پھریروں کی کٹ کے اُڑی ہوئی
ڈھالوں میں منہ چھپاتی تھیں تیغیں مڑی ہوئی

جب دوش پر تھی مشک اسی ہاتھ میں علم
سینہ سپر تھی کوندتی تھی تیغ برق دم
برسا رہے تھے تیروں کا مینہ بانیِ ستم
رُکتے نہ تھے مگر کہیں عباسِ ذی حشم
کیا شیر دل سوار تھا کیا راہوار تھا
جب باگ اُٹھائی فوج کے حلقوں کے پار تھا
لشکر یزید کا تھا کہ دریائے بے کنار
پیدل جو گر پڑے تو بڑھے جنگ کو سوار
بھاگے جو وہ تو آئے کنارے پہ نیزہ وار
نیزے قلم کیے تو چلے برچھیوں کے وار
کیونکر مہم یہ سر ہو اک آفت نصیب سے
نیچے سے تیر چلتے تھے نیزے قریب سے

فوجوں سے اس ترائی میں لڑتے ہوئے جو گئے
مجبور ہے بشر جو نہ مہلت اجل بچائے
تلواریں سر پہ لگ گئیں پہلو پہ تیر کھائے
غازی کے ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہائے ہائے
پانی بہا تو جان چلی زور گھٹ گیا
دانتوں سے مشک چھوٹ گئی دم الٹ گیا
غش سے فرس پہ جھک کے جو سنبھلا وہ بے پناہ
مارا کسی نے دیدۂ حق بیں پہ تیر آہ
سر پہ لگا جو گرز تو حالت ہوئی تباہ
رہوار سے گرا پسرِ ضیغمِ الٰہ
اُٹھ بیٹھتے ہیں لوٹ کے یوں ارضِ پاک پہ
جس طرح زخمی شیر تڑپتا ہے خاک پر

اک شور تہنیت کا ہوا فوج میں ادھر
یاں بار غم سے ٹوٹ گئی شاہ کی کمر
تلوار ٹیکتے ہوئے دوڑے جو ننگے سر
تھاما پسر نے بازوئے شبیرؑ نوحہ گر
بے ہاتھ تھامے پاؤں بڑھانا محال تھا
جس طرح بے قرار ہو بسمل یہ حال تھا

بھائیؑ کا داغ درد جگر تین دن کی پیاس
ضعفِ بصر شکستہ کمر منتشر حواس
فرماتے تھے پسر سے ٹھہر کر بدرد و یاس
اکبرؑ کدھر ہے لاشۂ عباسؑ حق شناس
تبلاؤ اب کہ حال ہمارا تباہ ہے
رستہ پہاڑ ہو گیا کیا سخت راہ ہے

دم چڑھ گیا ہے سانس اکھڑتی ہے دم بدم
صدمے سے بیٹھا جاتا ہے دل کیا اٹھیں قدم
دنیا سے کھو گئے ہیں عباسؑ ذی حشم
سیدھا ہوں کس طرح یہ برادر کا ہے الم
سب گھٹ گیا ہے خوں جو مرا رنگ زرد ہے
دل میں کمر میں سینے میں پہلو میں درد ہے

دم توڑتا ہے نہر پہ شاید وہ مہ لقا
یہ تھی کراہنے کی اسی شیر کی صدا
کس وقت میں بچھڑ گیا ہم سے وہ باوفا
دو بھائیوں کو موت بھی آئی نہ ایک جا
ڈھونڈھے گی ان کو روح اگر مر بھی جاؤں گا
پیدا نہ باپ ہوگا نہ بھائی کو پاؤں گا

پہونچے ترائی میں جو شہِ دیں بصد تعب
سقائے اہل بیت نظر آئے جاں بلب
بازو کٹے تھے خوں میں ڈوبا تھا جسم سب
دم توڑتے تھے ہچکیاں لیتے تھے غضب
آنکھوں سے نزع میں بھی رواں جوئے اشک تھی
پرخوں علم پہ ہاتھ تھا چھاتی پہ مشک تھی

سینے پہ منھ کو رکھ کے پکارے شہِ زمن
حاضر ہوا برادرِ مظلوم و بے وطن
لے میرے شیر لے مرے جرار صف شکن
آزردہ ہو کے دیر میں پہونچا یہ خستہ تن
مرتے ہیں ہم جلا دو ہمیں منھ سے بول کے
دیکھو تو حال بھائیؑ کا آنکھوں کو کھول کے

غازی نے آنکھیں کھول کے دیکھا رخِ امام
اینٹھی تھی یہ زباں کہ نہ کچھ ہو سکے کلام
کروٹ جو لی کراہ کے کانپا بدن تمام
آنا تھا ہچکیوں کا کہ تھا موت کا پیام
مانند بوئے گل دمِ آخر گزر گیا
منزل پہ بوجھ رکھ کے مسافر گزر گیا

بھائیؑ جواں جو مر گیا بھائیؑ کے سامنے
پٹکا زمیں پہ سر سے عمامہ امامؑ نے
حضرت سے عرض کی پسرِ تشنہ کام نے
گھیرے اب اہل بیت محمدؐ کو شام نے
ماتم بپا نہ ہو جسدِ پاش پاش پر
نکلی سکینہؑ گر تو سب آئیں گی لاش پر

فرمایا شاہ نے کہ برادر کو رو تو لوں
سقائے اہلِ بیتِ پیمبر کو رو تو لوں
صبر آئے کس طرح ابھی تازہ جدائی ہے
مرجائے بھائی اور نہ بھائی بکا کرے
چھاتی پھٹے اگر نہ گریباں قبا کرے
مرتے ہیں اس کے رشتۂ الفت کو توڑ دوں
ناگاہ در سے خیمے کے فضہ نے دی صدا
کیسا یہ غل ہے نہر پہ اے شاہِ کربلا!
تن کانپتا ہے ضعف سے ہاتھوں میں ہاتھ ہے
یہ شور سن کے لاش سے اٹھے امامِ دیں
چلائی رو کے عاشقِ عباسؑ مہ جبیں
چھائی ہوئی ہے کیسی اداسی نشان پر
لائے علم جو خیمے میں سلطانِ بحر و بر
دیکھا جو اس علم کا پھریرا لہو میں تر
سر پیٹتی تھی کوئی کوئی خاک اڑاتی تھی
چلاتے تھے حسینؑ کہ غمخوار مرگیا
قوت تھی جس سے ہائے وہ جرار مرگیا
اب کون آفتوں میں رکھے گا خبر مری
غش جس جگہ تھی زوجۂ عباسؑ نوجواں
بکھرا کے سر کے بال پکاری وہ خستہ جاں
پوچھو بلائیں لے کے شہِ تشنہ کام کی
بولی یہ رو کے بانوئے بیکس بدرد و غم
چلائی سر کو پیٹ کے وہ کشتۂ الم
مرتے ہوئے نہ چاند سی صورت دکھا گئے

مظلوم کو شہید کو صفدر کو رو تو لوں
عاشق کو بے وطن کو دلاور کو رو تو لوں
اولاد باپ کی ہے برابر کا بھائی ہے
غربت میں ہو یہ جس پہ مصیبت وہ کیا کرے
میری بھی موت اب کہیں جلدی خدا کرے
گودی میں جو پلے اسے جنگل میں چھوڑ دوں
دریا سے کس طرف گئے عباسؑ باوفا
گھر سے نکل پڑی ہے سکینہؑ برہنہ پا
عباسؑ کا پسر بھی سکینہؑ کے ساتھ ہے
مشک و علم کو لے کے چلے اکبرؑ حزیں
بے ہے علم تو آتا ہے میرے چچا نہیں
کیا بن گئی ارے مرے عمو کی جان پر
رایت کے ساتھ ساتھ تھے بچے برہنہ سر
سیدانیاں زمیں پہ گریں تھام کر جگر
ہے ہے کا شور تھا کہ زمیں تھرتھراتی تھی
زینبؑ ہمارا یار وفادار مرگیا
سقائے آلِ احمدِ مختار مرگیا
سیدھی نہ ہوگی قبر میں بھی اب کمر مری
سب مل کے اس کو زیرِ علم لائیں لے چلیں
لوگو بتاؤ لاش علمدار ہے کہاں!
کیا وجہ ہے کہ لاش نہ لائے غلام کی
وہ کر گئے تھے آپ وصیت یہ مرتے دم
صاحب ترستے رہ گئے دیدار کو بھی ہم
کس بات پر کنیز سے صاحب خفا گئے

خاموش اب انیس کہ اک حشر ہے بپا
کر حق سے ہاتھ اٹھا کے بصد عجز یہ دعا
مجلس میں چار سمت ہے اک شور مچا
یارب دکھا دے روضۂ سلطان کربلا!
اچھی نہیں مریض کو دوری مسیح سے
حسرت یہ ہے کہ روؤں لپٹ کر ضریح سے

رباعی

نور رخ جاناں کا ترے روبرو پنہاں تھا
پیاسے کا لہو سرسناں رخ جو پنہاں تھا
تھا بیچ میں سقائے حرم کا لاشہ
دریا تھا ادھر ادھر لہو بہتا تھا

۳۰ مرثیہ نمبر ۱۸۴

جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج
صف بستہ آگے پیچھے ہے سب پیشوا کی فوج
ڈیوڑھی پہ جن و انس و ملک کا ہجوم ہے
حاضر ہیں صبح سے درِ دولت پہ جاں نثار
پیدل کھڑے ہیں سامنے باندھے ہوئے قطار
شوقِ زیارتِ علمِ فوجِ شاہ ہے
رخ ہر کسی کا جوشِ شجاعت سے لالہ رنگ
جھک جھک کے چست کرتا ہے کوئی فرس کا تنگ
بھالا سنبھالتا ہے کوئی جھوم جھوم کے
ملتا ہے ہنس کے ایک جواں ایک کے گلے
چہرے وہ سرخ سرخ وہ جرأت کے ولولے
مر کر بھی دل میں الفتِ حیدر کی بو رہے
حاضر ہے ذوالجناح شہنشاہِ بحر و بر
خادم چنور لئے ہیں مگس راں ادھر ادھر
گھوڑے سمندِ سرورِ ذی شاں کے ساتھ ہیں
ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہے یہ پکار
خلعت پہن رہے ہیں علمدارِ نامدار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
یہ سن کے شاد ہو گئی فوجِ حسینؑ سب
بولے حبیب ابنِ مظاہر کہ شکرِ رب
سر دے کے لے بہشت کی جس کو تلاش ہو

کمریں وفا پہ باندھے ہے مشکل کشا کی فوج
جنت کا رخ کئے ہے شہِ کربلا کی فوج
خیمے سے اب علم کے نکلنے کی دھوم ہے
اک سو ٹہل رہے ہیں رفیقانِ ذی وقار
بیٹھے ہیں زین پوش بچھائے ہوئے سوار
ایک اک کی جانبِ درِ دولت نگاہ ہے
کوئی سنوارتا ہے بدن پر سلاحِ جنگ
چلّے سے جوڑتا ہے کوئی فاقہ کش خدنگ
تکتا ہے کوئی تیغ کے قبضے کو چوم کے
ساری خوشی یہ ہے کہ لبِ خلد میں چلے
حق سے یہ التجا کہ نہ رن سے قدم ٹلے
پانی ہمیں ملے نہ ملے آبرو رہے
کلغی ہے یا کہ خوشۂ پروین قریبِ سر
پیچھے ہیں بادپائے عزیزانِ نامور
پریوں کے غول تختِ سلیماں کے ساتھ ہیں
آتے ہیں اب حضور خبردار! ہوشیار!
نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
عہدہ جواں بیٹے نے پایا ہے باپ کا
آئے رفیق سب درِ دولت پہ با ادب
ہاں سرفروشو جنگ و جدل کا مزا ہے اب!
دیکھیں علم کے سائے میں کس کس کی لاش ہو

کون اور کائنات میں ہے دوسرا جواں
بازوئے شاہِ دیں جسدِ مرتضےٰ کی جاں
باتیں پیمبروں کی خدا کے ولی میں ہیں
الفت وہی حیا وہی مہر و وفا وہی
بخشش وہی کرم وہی جود و سخا وہی
گیتی میں اور بھی کوئی ایسا دلیر ہے

بے مثل سب ہیں قبلۂ عالم کے رشتہ دار
جیسے نبیؐ کی فوج میں تھے شیرِ کردگار
سب فوج سے بڑھا ہوا رتبہ اسی کا ہے
باہر تو اشتیاقِ علم میں ہے سب سپاہ
سب خویش و اقربا ہیں مسلح قریبِ شاہ
رتبے کو اوج، نخلِ ترقی مراد پر

شیرِ خدا کا خودِ مبارک ہے زیبِ سر
مہتاب ہے کہ ابر سے نکلا ہوا قمر
ڈورے جو سرخ سرخ ہیں چشمِ سیاہ میں
اس کی خوشی جو تھی کہ ملا رایتِ رسولؐ
قد سرو باغِ حسن نہ پستی فروغ طول
یہ شور تھا فلک کا جہاں کے رواق میں

دیتے تھے تہنیت جو عزیزانِ پُرجگر
فرطِ طرب سے چاند سا چہرہ تھا جلوہ گر
وہ آسماں حشم تو یہ کیواں جناب ہیں
زینبؑ بلائیں لے کے یہ کہتی تھیں بار بار
کہتے تھے ہاتھ جوڑ کے عباسؑ ذی وقار
ان کی طرف سے مہتمم بندوبست ہوں

قابل اسی کے دوشِ مبارک کے ہے نشاں
پیروں کا سرپرست جوانوں کا قدرداں
سب اس میں جمع ہیں صفتیں جو علیؑ میں ہیں
طاعت وہی وقار وہی اتقا وہی
جرأت وہی جدال وہی دبدبا وہی
خود تھا علیؑ کا قول کہ عباسؑ شیر ہے

لیکن خدا نے اس کو دیا ہے عجب وقار
ویسا ہی بے عدیل ہے یہ شہ کا جاں نثار
شیرِ خدا کے بعدؑ یہ حصہ اسی کا ہے
خیمے میں باندھتے ہیں کہ شاہِ دیں پناہ
ہیں سامنے علم لئے عباسؑ عرش جاہ
گویا علیؑ کھڑے ہیں مہیا جہاد پر

کلغی ہمائے اوجِ سعادت کے پر میں ہے
ابرو ہیں ذوالفقارِ یداللہ نامور
پھرتی ہیں خوں بھری ہوئی تیغیں نگاہ میں
رخسار تھے کھلے ہوئے دو ارغواں کے پھول
وہ لب کہ جس سے روح کو ہو تازگی حصول
حوریں بھی ہونٹ چاٹتی تھیں اشتیاق میں

عباسؑ شکر اکے جھکاتے تھے اپنا سر
رخ کی ضیا ادھر تھی علم کی ضیا ادھر
غل تھا کہ ایک صبح میں دو آفتاب ہیں
منصب مبارک اے شہِ مرداں کے یادگار
مجھ کو سمجھیے عونؑ و محمدؑ کا جاں نثار
مالک یہ شاہزادے ہیں میں پیش دست ہوں

فرماتی تھیں یہ دخترِ خاتونِ کائنات
اُس وقت ہے خوشی جو اس آفت سے ہو نجات
گھیرا ہے بے گناہ و شہِ مشرقین کو
سب خوش تھے خیمۂ شہِ ذی جاہ میں مگر
نے جانبِ علَم تھی نہ ماں کی طرف نظر
اس طرح تھا عرق رُخِ پُرآب و تاب پر
پھر کر اُدھر سے ماں نے جو بیٹوں پہ کی نظر
ہٹ کر کیا اشارہ کہ آؤ ذرا ادھر
بولیں کہ اب نہ ہوش نہ مجھ میں حواس تھے
ہتھیار سج چکے ہیں شہنشاہِ حق شناس
مردوں کو جان دینے میں ہوتا نہیں ہراس
کچھ ملگجے ہیں آؤ میں کپڑے اتار دوں
شب سے تو صبح تک یہ دعا تھی ہر ایک پل
اب کیا ہوا یہ کون سا غصے کا ہے محل
وہ خوش مزاجیاں نہ وہ باتوں کے طور ہیں
ماں پر یہ آفتیں ہیں یہ ملعوں پہ ظلم و جور
نازک مزاجیوں کے کسی دن نہ تھے یہ طور
وہ دل نہیں وہ آنکھ نہیں وہ نظر نہیں
اس کا نہیں خیال کہ کیونکر جیے گی ماں
تم میری دس برس کی ریاضت ہو میری جاں
جس پہ یہ رہی ہے وہ سب جانتی ہوں میں
پروا ہے تو سناؤ الگ چل کے دل کا حال
ہاں ہم کو آج بھول گئے شاہِ خوش خصال
کیا ورثہ دارِ جعفرِ طیار ہم نہ تھے

تم دونوں کے نہ رنگ ہو یہ کون سی ہے بات
سمجھوں کہ بیکسوں کو دوبارہ ملی حیات
تم سب شریک ہو کے بچالو حسینؑ کو
چیں بر جبیں تھے زینبؑ ناشاد کے پسر
آنکھوں میں ڈبڈبائے تھے آنسو جھکے تھے سر
جیسے پڑے ہوں قطرۂ شبنم گلاب پر
سمجھیں علَم نہ ملنے سے بے دل ہیں یہ قمر
آئے عقب سے شہ کے سعادت نشاں پسر
قربان جاؤں کیا ہے جو چہرے اُداس تھے
تم نے نہ زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
دولھا بن کے جاؤ امامِ اُمم کے پاس
سرمہ لگا دوں گیسوئے مشکیں سنوار دوں
تیغوں پہ پہلے ہم کو کرے سرخرو اجل
آنکھوں میں اشک رُخ پہ عرق ابرو پہ بل
اس وقت دیکھتی ہوں کہ تیور ہی اور ہیں
پیارو ہمارے حال پہ لازم ہے تم کو غور
اب مشورے ہیں اور تصور ہیں اور اور
اوروں کا ذکر کیا تمہیں میری خبر نہیں
ہوتا ہے آفتوں میں محبت کا امتحاں
مجھ سے سوا ہے کون تمہارا مزاج داں
غصے کی آنکھ کا ہے کو پہچانتی ہوں میں
دونوں نے عرض کی کہ نہیں کچھ نہیں ملال
اوروں کی پرورش ہے ہمارا نہیں خیال
اب عہدۂ جلیل کے حقدار ہم نہ تھے

انگشت یہ رکھ کے دانتوں میں ماں نے کہا کہ ہا!
دیکھو سنیں نہ زوجۂ عباسِ باوفا
ضبط نہ اس میں چاہیئے جو امرِ خیر ہو
اک ذوپسر کے واسطے ناحق یہ قیل و قال
اس دن کی دے گئے ہیں خبر شیرِ ذوالجلال
پیدا ہوئی ہوں اشک بہانے کے واسطے

لو اپنے دودھ کی تمھیں دیتی ہوں میں قسم
سنتے تھے تم جو کہتے تھے عباسِ ذی حشم
صدقے گئی خلافِ ادب کچھ سخن نہ ہو
کہنے میں ایک نے بھی اگر سن لیا یہ حال
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولے وہ نونہال
دیجے ہمیں سزا جو بل ابرو پہ پھر پڑیں

زینبؑ بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار
دے ایسے بچے سب کو زمانے میں کردگار
لازم خوشی ہے جو تمھیں عہدہ سپرد ہو
پہنائے پیار سے انھیں پھر فاخرہ لباس
جب ان کو لے کے آئیں امامِ امم کے پاس
دو چاند ہیں یہ خانۂ شیرِ الٰہ میں

نکلے نہیں ہیں گھر سے ابھی تک یہ گلبدن
فوجوں سے گونجتا ہے یہ سب کربلا کا بن
لشکر سے تیر کیں مری جانب جو آئیں گے
بنتِ علیؑ نے عرض یہ کی ہاتھ جوڑ کر
اک جان بے لبس اور یہ دو پارۂ جگر
پالا ہو جس نے اس کا نہ کچھ حق ادا کروں

اب اس کا ذکر کیا ہے جو ہونا تھا ہو چکا
اچھا یہ ہے خوشی کی جگہ یا گلے کی جا
واری وہ کون غیر ہیں تم کون غیر ہو
تم ہو گئے تا یہ عصر نہ عباسؑ خوش خصال
مجھ کو نہیں یقین کہ بچے فاطمہؑ کا لال
رہ جاؤں گی میں قید میں جانے کے واسطے

اب کچھ کہو گے منہ سے تو ہوگا مجھے بھی غم
دو جا کے ان کو تہنیتِ عہدۂ علم
میری خوشی یہ ہے کہ جبیں پر شکن نہ ہو
کہتی ہوں صاف میں مجھے ہوگا بہت ملال
ہم باوفا غلام ہیں کیا تاب کیا مجال
کہیے تو چھوٹے ماموں کے قدموں پہ گر پڑیں

دونو ہو تم سعید و رشید و وفا شعار
ذی قدر و ذی شعور و سخن فہم ذی وقار
چھوٹوں کے تم بزرگ بزرگوں کے خرد ہو
ہتھیار جب لگائے تو روئیں برادر آپ
بولے گلے لگا کے انھیں شاہِ حق شناس
زینبؑ انھیں بھی بھیجو گی کیا قتل گاہ میں؟

تلوار اگر چلی تو پڑے گا غضب کا رن
طالب ہیں ایک جان کے دو لاکھ تیغ زن
میں کس طرح جیوں گا جو یہ زخم کھائیں گے
رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہِ بحر و بر!
مایا مری یہی ہے یہی دولت یہی ہے زر
ان کو بچاؤں گر تو کسے پھر فدا کروں

پھر عرض کی کہ اے خلفِ شاہِ قلعہ گیر
دونوں نے نسبتِ شیرِ خدا کا پیا ہے شیر
تلواریں چمکیں خون کے دریا چڑھے رہیں
حضرت کے آگے بات کی ان کو نہیں مجال
دادا کا رعب دبدبہ و شوکت و جلال
کیجے نظر سنوں پہ تو بے شک صغیر ہیں

رونق بحث میں جو آج کی شب کو بڑھا دیا
آکر کہا کہ آپ کو آتا ہے کیوں ہراس
کل شیر سب ہیں اور یہ دشتِ مصاف ہے
حضرت کے ساتھ فضلِ خدا سے ہیں وہ دلیر
تا کوفہ کیا عجب ہے جو ہوں زخمیوں کے ڈھیر
بچے ہیں شیر کے جنھیں بچہ سمجھتی ہیں

بیکا ہو دشمنوں کا شہِ دیں کے بال اگر
حضرت تک آسکے کوئی کیا جان کیا جگر
رتنے شجاع کے ہیں نواسے دلیر کے
لاکھوں میں فوج میں جواں نہیں ہیں آن بان کے
حملے کریں گے رن میں جو صفیوں کو تان کے
تنو تنو کی جان لے کے ہر اک جان کھوئے گا

خالی نہ جائیں گے یہ شجاعت کے ولولے
ہم بھی ہیں نسبتِ فاطمہؑ کے شیر کے پلے
چمکا کے تیغوں کو جو کھیلیں گے جان پر
دونوں نے اس طرح فصاحت کیا بیاں
گویا دوبارہ آگئی میرے بدن میں جاں
محسن ہو آج جو میرے بھائی کی تیغ کرے

اس کا نہ کیجے دھیان کہ یہ سن میں ہیں صغیر
سینہ سپر کریں گے یہ جس دم چلیں گے تیر
امید ہے کہ سب سے یہ آگے بڑھے رہیں
مخفی حضور پہ ہے ارادوں کا ان کے حال
تیغ و سپر میں ہے شہِ مرداں کی چال ڈھال
ہمت میں نوجواں ہیں متانت میں پیر ہیں

دونوں دلاسا دینے کو آ بیٹھے میرے پاس
آسان کچھ ہے قتلِ شہنشاہِ حق شناس؟
سن لیجئے گا آپ کہ میدان صاف ہے
تھرا کے بھاگ جاتا ہے نعروں سے جن کے شیر
کردیں گے رستموں کو زبردستیوں سے زیر
کیا آپ ماموں جان کو تنہا سمجھتی ہیں

پھر کاٹ ڈالیے گا تنوں سے ہمارے سر
آنکھیں نکال لیں جو کرے غیظ سے نظر
ساعد ہیں یہ علیؑ کے یہ بازو ہیں شیر کے
حافظ ہیں سب یہ مصحفِ ناطق کی جان کے
ہل جائیں گے زمیں سے طبق آسمان کے
ہم سب کے بعد ہوگا جو قسمت میں ہوئے گا

رکھ دیں گے دوڑ دوڑ کے تیغوں پہ خود گلے
مرتے ہیں شوق میں کہیں تلوار تو چلے
لاشے زمیں پہ ہوں گے لہو آسمان پہ
سمجھو کو یقیں فتح ہوا یا شہِ زماں
خوش ہو کے بولیں میں کہ تصدق ہو تم پہ ماں
اس منہ کے میں نثار خدا اس کو فتح کرے

ہر بار دیکھتی ہوں میں ان کی طرف بغور
کہتے ہیں ناگوار ہیں اعدا کے ظلم و جور
سر کٹ پڑے حسین علیہ السلام کا
تو دس برس کے ہیں ابھی بچپن کیا ہے سن
یہ تو وہ معرکہ ہے کہ ہیں مضطرب حسین
گھوڑے اڑا اڑا کے جو فوجوں پہ جائیں گے
پھر وہ نہیں جو چھوٹے کی باتیں سنیں حضور
نامرد ہے جو آج کرے جنگ میں قصور
بس چند روز رہ چکے دنیائے زشت میں
ہر بار الٹ گئے کرتے کی ننھی سی آستیں
ہیں مرتضیٰ علی کے پسر شیر خشمگیں
کم سن بچے ہیں اور عدو کی سپاہ ہے
ہنس ہنس کے چوچلے کرتے تھے دونوں ابھی یہاں
میں نے کہا قوی ہوئے کچھ دستِ ناتواں
اب تو غلام قبلۂ عالم کے ساتھ ہیں
فرمایا شہ نے ان کی شجاعت میں فرق کیا
اچھا ہمارے ساتھ چلے ایک دل ربا
تم کس طرح جیو گی جو دونوں سے یاس ہو
زینب نے عرض کی کہ مجھے ہے یہ آرزو
بچ جائے جان آپ کی یا شاہِ نیک خو
بہتر ہے دونوں بیٹوں کی گر سوگوار ہوں
طفلی سے آج تک نہ ہوئے یہ کبھی جدا
پر چاہ ہے سارے کنبے میں دونوں کے پیار کا
تڑپے ملاپ کو جو خفا ہو کے بھائی سے

دو تین دن سے اور ہیں کچھ تیوروں کے طور
جب چین ہو مٹے جو یزید لعیں کا دور
خطبہ ہو منبروں پہ شہیدوں کے نام کا
راتیں یہ غفلتوں کی ہیں اور کھیلنے کے دن
لیکن کنیز ان کی طرف سے ہے مطمئن
اتنا میں جانتی ہوں کہ جیتے نہ آئیں گے
کہتا ہے منجھلے کو ہلا کر وہ ذی شعور
اس کو نہ قصرِ خلد ملے اور نہ وصلِ حور
کل پہلے داخلہ ہے ہمارا بہشت میں
کہتا ہے کیا لڑیں گے دلیروں سے اہلِ کیں
جانیں ہزار ہوں تو نثارِ امامِ دیں
روتی ہیں والدہ ہمیں دنیا سیاہ ہے
ہم کو حضور نے نہ دیا فوج کا نشاں
بولے کہ خیر آئے تو ہنگامِ امتحاں
کوفے کا ڈر ہے اور یہ کمزور ہاتھ ہیں
ہیں ورثہ دارِ شیرِ الٰہی یہ باوفا
زینب تمہارے پاس رہے ایک مہ لقا
گھر لٹتے وقت ایک تو فرزند پاس ہو
دونوں نثار آپ پہ ہوں میرے روبرو
ہیں طالبِ ثواب یہ خواہانِ آبرو
میں بھی جنابِ فاطمہ کی ورثہ دار ہوں
کھیلے تو ایک گھر میں پلے ہیں تو ایک جا
بیشک ہیں ایک جان دو قالب یہ مہ لقا
وہ کس طرح جیے گا جدا ہو کے بھائی سے

دم بھر مفارقت ہو تو آنسو بہاتے ہیں
روتے ہیں اس طرح کہ مجھے بھی رلاتے ہیں
دونوں جب ایک جا ہوں تو کھانے کو کھاتے ہیں
مکتب میں ساتھ جاتے ہیں اور ساتھ آتے ہیں
بھائی جو زخم نیزہ و شمشیر کھائے گا
انصاف آپ کیجیے یہ مر نہ جائے گا

چھوٹا تنک مزاج ہے یا شاہ بحر و بر
سن لے تو جان دیدے گلا اپنا کاٹ کر
نو دس برس جہاں میں ہوئے جس طرح بسر
باہم یونہی جہاں سے کریں آخری سفر
ہر جا بڑے کے ہاتھ میں چھوٹے کا ہاتھ ہو
میں چاہتی ہوں دونوں کا مرنا بھی ساتھ ہو

باپ ان کا آج ہوتا جو یا شاہ نامدار
کرتا قدم پہ سر کو تصدق بہ افتخار
اک ان کے بدلے آپ کے قدموں پہ ہو نثار
میرے عوض فدا کرے اک اپنی جان زار
ان پہ ہمارا حق ہے تو ہم پر حق آپ کا
یہ بھی تو کچھ ادا کریں حق اپنے باپ کا

کرتے تھے مجھ سے وقت سفر رو کے یہ بیاں
محروم اس شرف سے ہوں میں زار و ناتواں
بچوں کا ساتھ اور سفر خوف الاماں
مجبور دشمنوں میں چلے ہیں شہ زماں
وقت آ پڑے تو پاس ہمارا نہ کیجیو
بیٹوں کو تم حسینؑ سے پیارا نہ کیجیو

گردن جھکا کے کہنے لگے شاہ خاص و عام
تم کو جہاں میں پھر نہ ملیں گے یہ تشنہ کام
مشتق ہے نسل جعفر طیار نیک نام
چھاتی سے سر لگا کے وہ بولی کہ یا امام
للہ ان کے باب میں اب کد نہ کیجیے
ہدیہ فقیر کا ہے اسے رد نہ کیجیے

چپ ہو گئے یہ سن کے بہت خوب کہہ کے شاہ
قاسم نے کی یہ عرض کہ یا شاہ دیں پناہ
بڑھ آئی ہے ادھر سے بہت شام کی سپاہ
فرمایا آپ نے کہ نگہبان ہے الٰہ
حملوں سے فوج شام کے جی چھوٹ جائیں گے
جب ہم بڑھے تو مورچے سب ٹوٹ جائیں گے

زینبؑ کے نور عین بڑھے جب بصد حشم
کھولا سروں پہ حضرت عباسؑ نے علم
ماں کا اشارہ پا کے زہے شفقت و کرم
ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے جھک کے چومے قدم
کچھ حد ہے اس بزرگی و جاہ و جلال کی
دیکھیں نہ زینبیں شہ مرداں کے لال کی

لے کر بلائیں بھائی کی بولی وہ سوگوار
بیٹے غلام مجھ کو انہیں پر ہیں نثار
بیٹے کہاں نکلتے ہیں گھر سے یہ گلعذار
ان کی وہ عمر ہے نہ یہ ہنگام کارزار
صدمے سے جان اب نہ نکل جائے بھائی میں
دم رکا یہ جب کہ دیکھئے گیا ہو لڑائی میں

سیراب اب کدھر ہیں سب انھیں سولہ پہر کی پیاس
کیا ہو جو نہر دیکھ کے ہو جائیں بے حواس
پستی پہ جب ہو شیر تو بیجا ہے پھر ہراس
رہنا نہ دور ان سے اگر ہے بہن کا پاس
بچے کہاں یہ اور وہ دل فوج شام کا
بھیا مجھے ہے دھیان بزرگوں کے نام کا

زندوں میں آؤں میں جو یہ مقتل سے پھر کے آئیں
کہنے میں سرخرو ہوں اگر خوں میں بھر کے آئیں
الٹیں بہادروں کی صفیں نام کر کے آئیں
خیمے میں آئیں اب تو جہاں سے گزر کے آئیں
بھیا مجھے فقط ہے جناب امیر کی
پانی پیا تو بوند نہ بخشیں گی شمشیر کی

عباسؑ نے کہا یہ نہ فرمائیے حضور
ایسے یہ شیر ہیں کہ کریں جنگ میں قصور
بچے کسی نے دیکھے ہیں اس طرح کے غیور
کوفے کو شام پر جو الٹ دیں تو کیا ہے دور
بچپن میں کافروں سے خدا کے ولی لڑے
یہ یوں لڑیں گے جیسے اُحد میں علیؑ لڑے

ہے سب عرب میں لیث ہے غالب لقب کا جد
مثل علیؑ وغا میں کریں گے یہ جد و کد
جس دم رجز پڑھیں گے یہ صفدر رشید و مد
غل ہوگا گونجتے ہیں ترائی میں دو اسد
یہ پارۂ جگر ہیں علیؑ سے دلیر کے
سب خصلتیں ہیں شیر کی بچے ہیں شیر کے

کچھ فکر کی جگہ نہ تردد کا ہے مقام
سن لیجئے گا آج یہ جیسے کریں گے کام
ان سے کبھی جدا نہیں رہنے کا یہ غلام
میں عبد سرفروش ہوں اے خواہر امام
بندے کا حفظ خالقِ عالم کے ہاتھ ہے
روتی ہیں آپ کیوں مری جاں ان کے ساتھ ہے

یہ سن کے مضطرب جو پھری وہ جگر فگار
دیکھا بڑھے ہیں جانب در شاہ نامدار
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہِ ذی وقار
زینبؑ گلے سے بھائی کے لپٹو پھر ایک بار
جو حال دل ہے کہہ نہیں سکتا زباں سے میں
چھٹتی نہیں تم آج بچھڑتا ہوں ماں سے میں

بھائی بہن کے درد کی باتیں تھیں اگر
بہ جائے آب ہو کے جو پتھر کا ہو جگر
چھاتی سے سر لگائے ہوئے تھی وہ نوحہ گر
رکھے ہوئے تھے دوش پہ سر شاہِ بحر و بر
تم سے جگر لہو تھا شہِ مشرقین کا
سیدانیوں میں شور تھا ہے ہے حسینؑ کا

بنت علیؑ کے پیچھے تھی سیدانیوں کی صف
غل تھا مدد کو آئیے اب یا شہِ نجف!
لڑیاں تھیں چار آنکھ سے اشکوں کی دو طرف
شہ کہتے تھے بہن نہ کرو جان کو تلف
غربت میں اور کوئی نہ یاور نہ عون ہے
تم مر گئیں تو پھر مرے بچوں کا کون ہے

فرما کے یہ بڑھا پسرِ ختمِ مرسلین
مشکل تھا ضبط غش ہوئی وہ بیکسیں جو دیں
دامن علم کا کھول کے عباسؑ رک گئے
دیکھا جو نورِ چہرۂ سردارِ خاص و عام
سر کو جھکا جھکا کے جھکے جب بچے سلام
یعنی غلام منکسر و خاکسار ہیں

سب فوج کو سلام کا جب دے چکے جواب
روح الامیں نے دی یہ صدا تھام کر رکاب
نورِ محمدی رخِ انور کی ضو میں ہے
اس شان سے فرس پہ شہِ انس و جن چڑھے
بہرِ جہادِ راہِ خدا مطمئن چڑھے
سب جاں فشاں سوار تھے راہِ ثواب میں

بڑھتا تھا خون جوشِ شجاعت سے دم بدم
ہر نوجواں سے تھا یہ اشارا بصد حشم
بر میں زرہ کمانِ کیانی تھی دوش پر
ابرو کھنچے جو پڑتے تھے پلکوں پہ بار بار
آنکھوں سے شیرِ نر کے جلالت تھی آشکار
جلدی چلے جو چند قدم جھوم جھوم کے

اک شور تھا کہ عود کیا پھر شباب نے
ریشِ سفید رخ پہ سیہ کی خضاب نے
لبریز نورِ سینۂ بے کینہ ہو گیا
کہتے تھے باگ روکے ہوئے شاہِ نامدار
میں بھی اتر پڑوں گا نہ ہو گے اگر سوار
ہر چند پیرِ خستہ دل و ناتواں شدم

ماتم کی صف پہ بیبیاں زینبؑ کو لے گئیں
خیمے سے نکلے روتے ہوئے بادشاہِ دیں
صف باندھ کر سلام کو مجرائی جھک گئے
پڑھنے لگے درود جوانانِ تشنہ کام
جو سر تھا سر جھکانے میں وہ پا گئے امام
اس پائے عرش قدر پہ یہ سر نثار ہیں

بس جانبِ فرس متوجہ ہوئے جناب
بسم اللہ اے خدیوِ زماں مالکِ رقاب
شوکت تری رکاب میں نصرت جلو میں ہے
جس طرح نکلے ابر سے خورشید دن چڑھے
گھوڑوں پہ نوجوانوں سے پہلے حسن چڑھے
پیدل مگر تھے ابنِ مظاہر رکاب میں

گردن میں کچھ کجی تھی نہ مطلق کمر میں خم
یعنی جہاں سے جائیں گے پیچھے جہاں ہیں ہم
قبضے پہ ایک ہاتھ تھا اک زین پوش پر
رومال پھاڑ کر انھیں باندھا تھا استوار
گویا کہ تھی غلاف میں حیدرؑ کی ذوالفقار
رخصت وداع ہو گیا ہاتھوں کو چوم کے

پائی دعا حبیب کے حق میں جناب نے
پائی یہ آب و تاب کہاں آفتاب نے
یوں جھریاں مٹیں کہ تن آئینہ ہو گیا
یہ کس لئے پیادہ روی اے نحیف و زار
کرتے تھے عرض یہ کہ توانا ہے جاں نثار
ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

فرمایا تم کو دیتا ہوں اُس سر کی میں قسم | جو بعدِ عصر تیغ سے ہو جائے گا قلم
میں بھی نکالتا ہوں رکابوں سے اب قدم | اچھا تمہارے ساتھ پیادہ چلیں گے ہم
پہونچو جناں میں بہرِ مصیبت کو جھیل کے | ہم تم تو ایک گھر میں پلے ساتھ کھیل کے
وہ لوٹنا بھی خاک کا اب تک ہے یادگار | تم پر بھی گرد تھی مری زلفوں پہ بھی غبار
اُس روز تم پہ مجھ سے سوا تھا نبیؐ کا پیار | فرماتے تھے یہ ہے مرے پیارے کا دوستدار
شبیرؑ کے حبیب کو پہچانتا ہوں میں | لوٹے گا یہ لہو میں یوہیں جانتا ہوں میں

رو کر کہا حبیب نے آخر ہوا وہ دور | اب ان کا دور ہے کہ جو ہیں حاکمانِ جور
یہ وقت اور کچھ ہے وہ ہنگام تھا کچھ اور | مولا کبھی رہا نہیں دنیا کا ایک طور
گردش نئی فلک کی نئے انقلاب ہیں | کوثر ہے جن کا آج وہ محتاجِ آب ہیں

یہ عرض کر کے روئے حبیبِ وفا شعار | جھک کر کہا یہ پیرِ غلام آپ پر نثار
جب تک سمند پر وہ دلاور ہوا سوار | رو کے رہے لجامِ فرسِ شاہِ نامدار
ہر دوست پر پدر سے زیادہ شفیق تھے | کیا قدرداں وہ شاہ تھا اور کیا رفیق تھے

بس چھیڑ کر فرس کو امامِ زماں بڑھے | آگے جو تھے رُکے ہوئے وہ نوجواں بڑھے
کاندھوں پہ رکھ کے نیزوں کو شیرِ ژیاں بڑھے | مشتاقِ تیغ و خنجر و تیر و سناں بڑھے
یوں طے کیا دلیروں نے اُس راہِ خیر کو | جاتا ہے جس طرح کوئی گلشن میں سیر کو

بشاش قتل گاہ میں پہونچے جو وہ دلیر | نیزوں کو گاڑ گاڑ کے گونجے مثالِ شیر
دعویٰ یہ تھا کہ کھینچ لیں ان سرکشوں کو زیر | عرصہ نہ جنگ میں ہو نہ فتح و ظفر میں دیر
تیغوں سے روم و شام کی بستی اُجاڑ دیں | کوفے کے در پہ جا کے نشانوں کو گاڑ دیں

حد سے سوا تھی کثرتِ فوجِ ستم شعار | لکھا ہے راویوں نے چھ لاکھ اور دس ہزار
پیدل تھے بے حساب تو تھے لاتعد سوار | فوجوں کا دستِ چپ کی بھی ممکن نہیں شمار
یکبیک خیال جا کے پھر آتا تھا راہ سے | پنہاں تھی کربلا کی زمیں سب نگاہ سے

اکنافِ بحر و بر میں جو لشکر کا تھا مقام | شہر و جبل بھرے ہوئے تھے فوج سے تمام
ناکوں پہ چوکیاں تھیں جزیروں میں اہتمام | مسدود ہو گئی تھی سبیلِ خط و پیام
آیا کبوتر اُڑ کے جو صید ہو گیا | قاصد جہاں ملا وہ وہیں قید ہو گیا

ظاہر ہوئی سیاہی لشکر سے دن کو رات وہ کشمکش کہ موت کے طالب تھے ذی حیات
دنیا پرست دشمنِ ساداتِ نیک ذات مقتل سے کوفے تک پُر فتن و زبوں صفات
دریا کے صرفِ آب سے لب خشک ہو گئے جتنے کنوئیں تھے راہ میں سب خشک ہو گئے

دنیا میں نیک کم ہیں بہت اور بد ہزار لکھا ہے فوجِ شہ کا کتابوں میں یہ شمار
چالیس کل پیادے تھے بتیس سب سوار طفل اُن میں تھے کئی سمن اندام و گلعذار
بونے سے قد تھے ایک بھی اُن میں جواں نہ تھا سبزہ بھی جن کے گورے رخوں پر عیاں نہ تھا

بچوں میں سبزہ رنگ کوئی تھا کوئی صبیح شیریں سخن لبوں میں نمک رنگتیں ملیح
چاٹیں لبوں کو اُن کے جو باتیں سنیں فصیح مُردوں کو دم میں زندہ کریں صورتِ مسیح
جدّہ و پدر کی طرح جری تھے دلیر تھے بچے تھے یوں پہ غیظ جو آئے تو شیر تھے

وہ نیمچے ہلال کے دم خم پہ جن کو فوق جرأت کا جوش تیغ زنی کا دلوں میں شوق
ہنس ہنس کے زخم کھائیں زبانوں کو اس کا ذوق گیسو رخوں پہ کانوں میں بُندے گلوں میں طوق
آنکھیں جو نرگسی ہیں تو رخ بھولے بھالے ہیں نذروں کے منتوں کے مرادوں کے پالے ہیں

ایک ایک خوش بیاں تو ہر اک نکتہ سنج ہو کچھ پیاس کا نہ غم ہے نہ فاقوں کا رنج ہو
لشکر وہ ہے کہ حسن کے دریا کا گنج ہو چہرہ ہر اک کا ماہ چہار دو پنج ہو
انگڑائیاں جو لیتے ہیں سینوں کو تان کے کہتا ہے حسن خود کہ نثار ان کی شان کے

کم گو کوئی حسین کوئی شیریں سخن کوئی بچپن میں سرو قد کوئی رشکِ چمن کوئی
نازک مزاج کوئی تو گل پیرہن کوئی تصویرِ جد کوئی تو شبیہ حسن کوئی
دولت بھی حسین کے حصے میں آئی تھی مایہ تھی فاطمہ کا علی کی کمائی تھی

شیرانِ دشت کو جگر ایسے نہیں ملے غواص کو کبھی گہر ایسے نہیں ملے
حمزہ کو جنگ کے ہنر ایسے نہیں ملے جعفر نے پائے بال، پر ایسے نہیں ملے
جو تھا نبی کے بعد خدا کے ولی کا تھا حضرت کو وہ ملا کہ جو حصہ علی کا تھا

پہلے پہل جو نکلے تھے گھر سے وہ گلعذار تیغیں چمکتی دیکھ کے بڑھتے تھے بار بار
فرماتے تھے یہ روک کے عباس نامدار شیرو ابھی نہیں ہے تمھیں حکمِ کارزار
حجت تمام کی نہیں شاہِ غیور نے سبقت نہ کرنا منع کیا ہے حضور نے

عجلت کو جانتے ہیں سبک جو ہیں بردبار بے وقت دوڑتے نہیں ذی قدر ذی وقار
دیکھو تماشہ فوج کی کثرت ہے بے شمار باجے بجا کے کھولیں گے رایت ستم شعار
جلدی نہ کیجو کہ لڑائی میں دیر ہو تم تو خدا کے شیر کے شیروں کے شیر ہو

دستِ ادب کو جوڑ کے بولے وہ تشنہ کام کر دیجیے ہمیں علی اکبر کے پانیام
بیٹے سے مسکرا کے یہ کہنے لگے امام عاشق تمہارے نام کے ہیں یہ فلک مقام
بیٹا یہ سن میں چھوٹے ہیں سب میں بڑے ہو تم اچھا صف ان کے باندھ کے آگے کھڑے ہو تم

بپھرے ہوئے ہیں شیر خبردار ہوشیار کوئی بڑھانے پائے نہ اس صف سے راہوار
عجلت ہر ایک امر میں بچوں کا ہے شعار بہلا کے روکے رہنا انھیں تم پہ میں نثار
جان اپنی سب دیے ہیں بزرگوں کے نام پر گھوڑے اڑا کے جا نہ پڑیں فوجِ شام پر

تسلیم کر کے شہ کو مرتب جو کی وہ صف سب اس پرے میں تھے گہر قلزمِ شرف
فرقت میں جن کی چاک رہا سینۂ صدف زہرا کے رشتہ دار ید اللہ کے خلف
ان سے کسی جہان میں عشق و ولی نہیں اب تک وہ آبرو تو کسی کو ملی نہیں

شرمندہ جس سے چاند ہو چہرے وہ تابناک دل بلبلوں کے خوں تو گریباں گلوں کے چاک
خود وادی السلام جو چھانے نجف کی خاک ایسے کبھی ملیں نہ گہر ہائے صاف و پاک
تسبیح ہاتھ آئے یہ کس نیک نام کو دُرِّ نجف تھے وہ جو ملے تھے امام کو

شیرِ خدا کے ساتھ جگر بند نام دار دونوں نواسے حضرتِ زہرا کے یادگار
پوتے بھتیجوں وحیدِ زماں فخرِ روزگار یکتائے دہر پانچ بھتیجے فلک وقار
خود جس کی فرع و اصل علی و بتول تھے یہ سب اسی درخت کی شاخوں کے پھول تھے

یوسف تھے ایک مصر میں اور مشتری ہزار کیفیت و کم حسن ہے کتابوں سے آشکار
یوسف سے کربلا میں تھے اٹھارہ گلعذار عالم کی جان فخرِ حسینانِ روزگار
یاں منزلت بھی قدر بھی قیمت بھی خوب تھی زہرا کے یوسفوں کی خریدار موت تھی

تیغ و ترنج اگر ہوں ہلال اور آفتاب سرکائے چہرۂ علی اکبر سے پھر نقاب
گر دیکھ لیں وہ حسن ملیح اور وہ شباب حوریں گلوں کو کاٹتے تڑپیں بے تاب
پریاں تو ان کے سایے کا پیچھا نہ چھوڑتیں دامن کبھی جناب زلیخا نہ چھوڑتیں

لاریب فخرِ حسن میں یوسف تھے بے مثال
شکلِ نبی ملیح تھے یہ سب نکو خصال
شور آج تک ہے خوبیِ یوسف میں شک نہیں
ناگہ نشاں بڑھائے اُدھر کی سپاہ نے
چوما نشاں کو بڑھ کے ہر اک خیر خواہ نے
رفعت بڑھی زمینِ سعادت سرشت کی

رایت وہ سبز لشکرِ سادات کا نشاں
پنجہ مثالِ پنجۂ خورشید زرفشاں
مشک و عبیر و عود کا بازار سرد تھا
نقارۂ وغا پہ لگی چوب ناگہاں
شیپور کے غریو سے ہلتا تھا آسماں
نیزوں کو ہر سوار اُدھر تولنے لگا

شہنا کا شور سن کے لرزتا تھا بند بند
صحرائے ہولناک کی وحشت ہوئی دوچند
سن کر دہل کا شور کلیجے دہل گئے
پیاسوں پہ جب اُدھر سے چلے تیر بے شمار
نکلے وغا کو قبلۂ عالم کے جاں نثار
ہوں گے نہ ہیں نہ ایسے کبھی باوفا ہوئے

حُر و بریر و وہب و عمیرِ فلک مقام
سعد و زہیر قین و حبیبِ خجستہ کام
جس غول پر جھپٹ کے یہ آئے وہ ہٹ گیا
نکلے وغا کو ایلچیِ شاہ کے پسر
فوجوں پہ حملہ ور ہوئے جس دم وہ شیر نر
رن پر چڑھے جو سوگ کے کپڑے اتار کے

گستاخیاں معاف ادب کا بھی ہے خیال
وہ چاشنی سخن کی وہ شیریں مقال
پھیکا ہے پر وہ حسن کہ جس میں نمک نہیں
کھولا اِدھر علم کو علمدارِ شاہ نے
طوبیٰ لکم کہا شہِ عالم پناہ نے
ٹھنڈی ہوا پھریرے سے آئی بہشت کی

دامانِ پاک کشتیِ اُمت کا بادباں
پرچم تھا بال کھولے تھی یا حورِ جناں
مٹی کا عطر خاک کی خوشبو سے گرد تھا
گردونِ دوں سے پار ہوئی طبل کی غلغل
قرنا کی وہ مہیب صدا تھی کہ الاماں
گرجے اِدھر بھی شیر کہ رن بولنے لگا

برچھی ہلی رسالوں میں نیزے ہوئے بلند
ڈر کر کنوتیوں کو بدلنے لگے سمند
صحرا سے دب کے شیر نیستاں نکل گئے
مولا نے غازیوں کو دیا حکم کارزار
جن کی شجاعتیں ہیں زمانے میں یادگار
سب جاں نثار حقِ نمک سے ادا ہوئے

وہ مسلم ابنِ عوسجۂ عرش احتشام
وہ شیر جس کا بو عمرِ نہشلی تھا نام
اک اک مرتے مرتے پروں کو الٹ گیا
ماتم میں تھے کہ تھا ابھی تازہ غمِ پدر
دم میں تنوں سے کٹ کے گرے کوفیوں کے سر
مارے گئے وہ شیر ہزاروں کو مار کے

لاشوں کو قتل گاہ سے لے آئے جب حسینؑ
کی عرض یا امام زماں شاہِ مشرقین
پھر وقت کون سا ہے جو اب ہم فدا نہ ہوں
فرمایا کیا نہ جاؤ گے رخصت کو ماں کے پاس
اکبرؑ سے آپ پوچھ لیں یا شاہِ حق شناس
اب گھر میں آئیو تو وغا کرکے آئیو

فرمایا خیر فوج سے جنگ و جدل کرو
ہاں خواہشِ وصالِ عروسِ اجل کرو
راحت نے اس طرف نہ کیا رُخ نہ چین نے
تسلیم کرکے گھوڑوں پہ وہ نازنیں چڑھے
یوں اشہبوں پہ پسرِ ضرغامِ دیں چڑھے
پریاں نکل کے قاف کی راہوں سے چھپ گئیں

پہونچے جو رن میں بُرجِ شرف کے وہ آفتاب
نعرہ کیا کہ او پسرِ سعد بے حجاب
گو سیکڑوں سوار ہزاروں پیادے ہیں
ہم نے سنا ہے یہ کہ قریشی نسب ہو تو
ہم دیکھتے ہیں او سگِ ناپاک کینہ جو
ہاتھوں میں زور دیکھ جدال و قتال دیکھ

ماں بنتِ فاطمہؑ ہیں بنی فاطمہؑ ہیں ہم
ہیں اس طرح حسب میں نبیؐ و علیؑ ہیں ہم
بھائی جُدا ہے خویش جُدا ہے وصی جُدا
بے فصل ہر وصی نبی مالک الرقاب
دریائے فیضِ رحمتِ معبود کا سحاب
جو اُن سے منحرف ہوا وہ دوزخی ہوا

نکلے پردے سے حضرت زینبؑ کے نورِ عین
رانڈوں میں ہے یتیموں کے ماتم کا شور و شین
دل تھرتھرا رہے ہیں کہ اماں خفا نہ ہوں
دونوں نے ہاتھ جوڑ کے تب کی یہ التماس
فرما رہی ہیں والدۂ آسماں اساس
سر لے کے ابنِ سعد کا یا مر کے آئیو

جو ماں نے کہہ دیا ہے اُسی پر عمل کرو
بچپن میں اس بقا کو فنا سے بدل کرو
دیکھے نہ ماں نے بیاہ نہ سہرے حسینؑ نے
غل پڑ گیا جہاد کو دو مہ جبیں چڑھے
نظروں سے سب اُتر گئے گھوڑے زمیں چڑھے
دو بجلیاں چمک کے نگاہوں سے چھپ گئیں

نیزے زمیں پہ گاڑ دیئے مثلِ بوتراب
ہمراہ لے کے شمر کو آ سامنے شتاب
تلوار پہلے تجھ سے چلے یہ ارادے ہیں
نیکوں میں نیک ہوتے ہیں بدوں میں ہیں تند خو
شیروں سے آ وغا کو جو ہے پاسِ آبرو
دعویٰ ہے کچھ تو ہاشمیوں کا جلال دیکھ

دادا ہیں ابنِ عمِّ رسولِ فلک حشم
دو نام کو ہیں ایک ہیں پر کعبہ و حرم
اُن سے علیؑ جدا نہ خدا سے نبیؐ جدا
ضرغامِ دیں مدینۂ علمِ نبیؐ کا باب
نورِ خدا سپہرِ جلالت کا آفتاب
ایسا کوئی شجاع نہ ایسا سخی ہوا

کھیت اور نے سراج ہوئے حجتِ خدا
ہر ضرب جس کے ہاتھ کی تھی ضربتِ خدا
حق ساتھ ہے حسینؑ کے ہم اُن کے ساتھ ہیں
چھوٹے نے کی یہ عرض کہ بڑھیے بس اب حضور
ہوتا ہے اور دھوپ سے اب پیاس کا وفور
دو ہاتھ میں بھگا کے سواروں کو گھاٹ کے
کھینچے یہ کہہ کے تیغے دونوں نے یک بیک
گاوِ زمیں ادھر تھی ہراساں اُدھر سمک
غل تھا چمک دمک وہی سب آشکار ہے
دو بجلیاں سپاہ میں کوندیں فرس بڑھے
اب کون روکے شیر بڑھے جب تو بس بڑھے
بچوں نے نورِ حق کے ولی کا دکھا دیا
وہ دونوں اشہبوں کی رواروی ادھر اُدھر
تابندہ تھے جو آٹھ پہر نور ادھر اُدھر
کیلوں سے آشکار تھے جلوے نجوم کے
آئے جدھر خدا کا غضب آگیا اُدھر
جھپٹے جدھر شکستِ عدو کھا گیا اُدھر
انساں تو کیا کہ شیروں کے زہرے بھی آب تھے
کیا دونوں تازیوں کی سبک تازیاں لکھوں
کس طرح نیمچوں کی سرافرازیاں لکھوں
پوتے ہیں کس جری کے خلف کس ولی کے ہیں
جو شیرِ حق میں تھی وہ شجاعت انھیں میں ہے
شبیر سے کریم کی ہمت انھیں میں ہے
گو ان کے مدح خوانوں کے لب بے سوال ہیں

جس سے فزوں کسی نے نہ کی طاعتِ خدا
خاکی بنا وہ آئینۂ قدرتِ خدا
پہنچا علیؑ کا زور جنھیں یہ وہ ہاتھ ہیں
غش ہوا ہے خیمے میں ڈر کر وہ بے شعور
مرنا ہے ہر طرح یہ تامل ہے کیا ضرور
خیمہ گرا دو اس پہ طنابوں کو کاٹ کے
پہونچی زمیں سے آئینۂ مہر تک چمک
ڈر کر پروں پہ نادِ علیؑ پڑھتے تھے ملک
اک جا ہیں دو یہ تیغے یا ذوالفقار ہے
جس طرح قافلے سے صدائے جرس بڑھے
مقتل میں پیش ہو کے گرے جو کہ دس بڑھے
سب رنگ ڈھنگ ضربِ علیؑ کا دکھا دیا
کاووں میں لپک کے مڑے تو تنا ادھر اُدھر
پھیلی ہوئی زمیں پہ تھی ضو ادھر اُدھر
پریاں تھیں دو کہ پھر رہی تھیں جھوم جھوم کے
پلٹے جدھر یہ رعبِ علیؑ چھا گیا اُدھر
ٹھہرے جہاں کسی سے نہ دیکھا گیا اُدھر
آنکھیں ملائے کون کہ دو آفتاب تھے
کیوں کر رواروی میں خوش اندازیاں لکھوں
کیا دونوں شاہزادوں کی جاں بازیاں لکھوں
اعلیٰ یہ مدح ہے کہ نواسے علیؑ کے ہیں
جعفر کی شان و شوکت و صولت انھیں میں ہے
کونین بخش دیں یہ سخاوت انھیں میں ہے
منھ بھر دیں موتیوں سے کہ زینبؑ کے لال ہیں

وہ چھوٹے چھوٹے خود وہ پیشانیوں کی شان
دیں داریوں کا نور خدا دانیوں کی شان
باہم چلے نہ زور گیا کچھ نہ کس گیا
جس صف پہ دوڑے وہ جلالت قرین بڑھے
وہ کیا بڑھے کہ دو اسدِ خشمگیں بڑھے
زندہ بھی کشتۂ خطر و بیم ہو گئے
چلّے سے جس کا تیر ملا تن پہ سر نہ تھا
زندہ جو بھاگے چین اُدھر تھا اِدھر نہ تھا
دریا تھا یا سپاہ صفیں تھیں کہ موج تھی
نیزوں میں جس طرف وہ گئے بے دھڑک گئے
زندوں کے خونِ جاں سے کلیجے دھڑک گئے
پھر قدم سپاہ کے دریا سے اُکھڑ گئے
وہ گورے گورے ہاتھ وہ نازک کلائیاں
وہ نیمچوں میں تیغِ علیؑ کی صفائیاں
جس غول پر وہ صاحبِ شمشیر آ پڑے
جس پہلواں پہ عون کی تلوار پڑ گئی
چھوٹے کی آنکھ جس سے لڑائی میں لڑ گئی
آنکھوں کو روکے صف سے وہ مردک نکل گیا
اک شور تھا کہ چشم نمائی غضب کی ہے
یہ گھات قہر کا یہ ترائی غضب کی ہے
بڑھتا تھا آپ سے نہ کوئی جنگ کے لئے
جس پر اڑا کے رخش وہ جانباز جا پڑا
دو ہو کے تیغ پر وہ فسوں ساز جا پڑا
دونوں ہی نورِ عینِ علیؑ سے غیور کے

وہ دبدبہ وہ رعب وہ عمرانیوں کی شان
وہ دونوں نیمچوں کی سرافشانیوں کی شان
جب جھکے مینہ سروں کا سراسر برس گیا
غل پڑ گیا کہ دلبرِ خیرِ انام دیں بڑھے
شیروں کا وہ شکار ہوئے جو لعیں بڑھے
دو حصّے ہو کے موت کے تقسیم ہو گئے
جز گوشۂ فرار کسی جا مفر نہ تھا
کشتوں کے پشتے تھے کہ نظر کا گزر نہ تھا
دو بجلیوں کے بیچ میں اعدا کی فوج تھی
شیروں کی بو جو آ گئی گھوڑے بھڑک گئے
زخموں سے کیا مزا تھا کہ بسمل پھڑک گئے
ہونٹوں کو چاٹتے ہوئے دنیا سے اٹھ گئے
وہ بازوؤں کا زور وہ تیغ آزمائیاں
وہ ولولے وہ چھیلے پن کی لڑائیاں
ثابت ہوا کہ فوج پہ دو شیر آ پڑے
چہرہ تو کیا ہے زیست کی صورت بگڑ گئی
سر تیز اک سناں تھی کہ پتلی میں گڑ گئی
گویا قفا کو توڑ کے ناوک نکل گیا
آفت کا معرکہ ہے لڑائی غضب کی ہے
چھوٹے سے نیمچوں کی صفائی غضب کی ہے
لاتی تھی موت گھیر کے چورنگ کے لئے
ثابت ہوا کہ صید پہ شہباز جا پڑا
خود منہ کے بل سمندِ سبکتاز جا پڑا
آنکھیں نکال لیں کوئی دیکھے جو گھور کے

اللہ کا غضب اُدھر آیا جدھر بڑھے
جلوہ عروسِ فتح نے پایا جدھر بڑھے
گرتی تھی برق لشکرِ ابنِ زیاد پر
ماتھے وہ اور وہ پیچ عمامے کے لٹ پٹے
وہ ابروؤں کے بل کہ ہلالِ فلک کٹے
چہرے کسی نے دیکھے ہیں اس آب و تاب کے
وہ برگِ گل سے لب وہ دہن ان کے تنگ تنگ
لعل و گہر ہیں ان دُرِ دنداں کے آگے دنگ
تشبیہ بھی جو اُن سے نہ دی نا اُمید ہیں
گورے گلے کہ جن سے نمایاں ہو نورِ حق
وہ پنجے وہ ہاتھ دلِ کفر جس سے شق
خالی ہیں گو شکم پہ یہ جرّار سیر ہیں
اُن دونوں شیروں کی وہ جھپٹ پر وہ جنگ جنگ
صورت کا دبدبا نہ وہ سرعت کا ڈھنگ
پریاں تھیں دو وہ اسپِ سعادت اثر نہ تھے
اسوارِ آفتاب تو گھوڑے تھے ماہ رو
جاں دار و خوش رکاب و سعید و خجستہ خو
ڈھالا تھا جوڑ بند کو سانچے میں نور کے
دونوں کنوتیاں کہ دو پیکانِ تیر ہیں
آنکھوں پہ کیجیے جو نظر بے نظیر ہیں
سرعت میں اُن سے طیر کو نسبت نہ تیر کو
آئے اُدھر سے گر تو اُدھر سے نکل گئے
مانندِ برق لشکرِ شر سے نکل گئے
یوں پھر رہے تھے بیچ میں فوجِ غنیم کے

پہونچا سروں پہ تیغ کا سایہ جدھر بڑھے
گھونگٹ سپاہِ شام نے کھایا جدھر بڑھے
گویا چڑھے تھے دو نئے دولھا جہاد پر
گیسو جو بنتِ فاطمہؑ نے ہاتھ سے بٹے
آنکھیں وہ نرگسی تھیں کہ جن سے نظر ہٹے
رخسار چار پھول کھلے ہیں گلاب کے
وہ بھینی بھینی بو کسی غنچے میں وہ نہ رنگ
اک منہ وہ قطرۂ نیساں ہو اور یہ رنگ
اس عمر سے موتیوں کے کلیجوں میں چھید ہیں
سرخی نہیں یہ مہرِ منور پہ ہے شفق
سینے میں ایک مصحفِ ناطق کے دو ورق
فاقہ تو وارث ہو کہ یہ شیروں کے شیر ہیں
جو اُن کی چال دیکھنے آئے وہ دنگ جائے
اُڑتے تھے یوں کہ جیسے ہوا پر خدنگ جائے
سب تھی ہما کی تیز پری اور پر نہ تھے
سرعت یہ تھی کہ دوڑتا تھا جسم میں لہو
صاف آتی تھی پسینے سے جن کے وفا کی بو
نازک کلائیاں تھیں کہ پہونچے بلور کے
چاروں سم اُن کے غیرتِ ماہِ منیر ہیں
یال ایسی جس کے پیچ میں پریاں اسیر ہیں
نرمی یہ جلد میں کہ خجالت حریر کو
پہونچے کنارِ بحر تو بجرے نکل گئے
دو تیر آگے تیز نظر سے نکل گئے
جیسے سحر کو چلتے ہیں جھونکے نسیم کے

کھینچے تھے دو ملے ہوئے اک جا کہ اُن کے گوش
برگستواں میں جسم کہ رستم تھا درع پوش
سرعت کو دیکھ لیں تو اُڑیں طائروں کے ہوش
گرتا تھا منہ سے کف تو شجاعت کا تھا یہ جوش
پریاں اُڑا سکیں نہ روش اُن کی چال کی
بالکل مزاج شیر کا آنکھیں غزال کی

وہ سم وہ نعل اور وہ سینے وہ ترک تاز
بر رو ہلال و آئینہ و کبک و شاہباز
زیور تھا ایک شب کی دلہن کا کہ اُن کے ساز
وہ کلغیاں کہ طرۂ لیلیٰ سے سرفراز
بن کر گہر پسینے کے قطرے ٹپکتے ہیں
ہیکل کی تختیاں کہ ستارے چمکتے ہیں

گو چھوٹے چھوٹے پاؤں جاتے تھے تا رکاب
پر ایڑیاں جمی ہوئی تھیں مثل بوتراب
یوں مرکبوں کے باندھے تھے سر وہ فلک جناب
بے جا قدم رکھیں یہ سمندوں کو تھی نہ تاب
غل تھا ہٹے رہو کہ مزاج ان کا آگ ہے
حیدر سے شہسوار کی یہ ران باگ ہے

گھوڑوں نے کس پرے میں قیامت بپا نہ کی
فاقہ تھا پر کمی تگ و دو میں ذرا نہ کی
وہ کون سی گرہ تھی کہ تیغوں نے وا نہ کی
کن سرکشوں کے جسم سے گردن جدا نہ کی
نیزوں کے بند قطع کمانوں کے ساتھ تھے
حلال مشکلات کے برچھوں کے ہاتھ تھے

برچھوں کے نیچے بھی غضب آب دار تھے
سیل فنا تھے صاعقۂ شعلہ بار تھے
دونوں بہم جو ہو کے اُٹھے ذوالفقار تھے
سائے کو بھی شریک جو کیجے تو چار تھے
دو کرتے تھے یہ راکب و مرکب کو زین کو
دو ہاتھ کاٹ دیتا تھا سایہ زمین کو

قبضے وہ تکیہ گاہ ظفر جن کا نام ہے
پھل وہ کہ جس کو کھاتے ہی قصہ تمام ہے
پانی وہ جس کو کہیے کہ زہرالتام ہے
کاٹ ایسا سنگ سخت جہاں موم خام ہے
جوہر وہ دم نکلتے ہیں جس کی مثال پر
افشاں چنی ہوئی ہے جبین ہلال پر

فولاد پوش پھینک کے ہتھیار چھپ گئے
گوشوں میں سر جھکا کے کماں دار چھپ گئے
چار آٹھ میں جو قتل ہوئے چار چھپ گئے
زخموں کے گل بہت جو کھلے خار چھپ گئے
مشکل وہاں تمیز بد و نیک ہو گئی
غل تھا کہ لو بہار و خزاں ایک ہو گئی

جن کے تھے تیغے رنگ وہ بے رنگ ہو گئے
لڑنے کا حوصلہ نہ رہا تنگ ہو گئے
چار آئینہ جو پہنے تھے چو رنگ ہو گئے
برچھوں نے وہ کیا کہ جواں دنگ ہو گئے
دھومیں وغا کی قاف سے تا قاف ہو گئیں
اللہ رے مصاف صفیں صاف ہو گئیں

کوئی بچے نہ رومی و رازی جدھر پھرے
غازہ لگایا فتح نے غازی جدھر پھرے

مہلت نہ سر اُٹھانے کی تھی فوج شام کو
جا پہنچے تھے مقام ابن سعد کے قریب
کتنی طنابیں کاٹ چکے تھے یہ مہ جبیں
بھاگا اُدھر تو جوش میں وہ اضطراب کے
چھوٹے نے عرض کی یہ سراپا ہیں مکر و کید
چھپنے کی شرم ہے نہ انھیں بھاگنے کی قید
بھاگا طنابیں کٹتے ہی کیا حیلہ ساز ہے

بڑھ کر لگا رہے حضرت عباسؑ عرش جاہ
ذلت اُٹھا کے بھاگ گیا افسر سپاہ
سرسبز ہوتے ہیں ہمیں جب کھیت پڑتے ہیں

ہاں مرد اگر ہے سامنے بچوں کے آ تو جائے
مخفی کدھر ہے شیروں کو صورت دکھا تو جائے
بچھرے ہیں شیر ہاتھ میں تیغ و سپر تو لے

بھاگا رئیس خود یہ خبر چار سو گئی
آخر شغال تھا نہ دبکنے کی خو گئی
جب کچھ کڑی پڑی تو چھپا جو نکل گیا

مرتا ہے بے حیا زر و جاگیر و مال پر
آنکھیں چرائیں شیر جب آئے جلال پر
پائے نہ گر شکار تو جانباز کیا کرے

باتوں میں اتنا محو جو گئے وہ فلک پناہ
دریا کی فوج اُدھر سے ہوئی بڑھ کے سد راہ
پتھر بھی تیر ظلم بھی نیزے بھی چل گئے

جھک جھک گئیں صفیں وہ غازی جدھر پھرے
پسپا تھے کر تاز وہ غازی جدھر پھرے
دونا بلند کر گئے جعفر کے نام کو

بھاگا عقب سے پھیر کے خیمے کو وہ لعیں
ہاں ہاں کا شور کر کے بڑھے سب عیش دیں
یہ دونوں بھائی رہ گئے ہونٹوں کو چاب کے

دیکھا حضور چھپ گیا خیمے میں آ کے صید
فرمایا عون نے یہ ہے استاد زرق و شید
سچ ہے حرام زادے کی رسی دراز ہے

کس سمت ابن سعد ہے او شمر رو سیاہ
رو کے گئے نہ ایک سے دو طفل واہ واہ
یوں لشکروں سے شیر کے فرزند لڑتے ہیں

بھاگے گا پھر تو خیر کوئی زخم کھا تو جائے
بگڑی ہوئی لڑائی کو ظالم بنا تو جائے
گرتا ہے وہ جھکا ہوا خیمہ غضب تو لے

عزت سبھوں کی آج گئی آبرو گئی
خلعت پہن کے بھی نہ رذالت کی بو گئی
ضیغم جلال میں ہیں کہ آہو نکل گیا

اک نیچے کا وار بھی روکا نہ ڈھال پر
سردار ہو کے چھپ گیا لعنت اس جلال پر
گنجشک جب نہاں ہو تو شہباز کیا کرے

خیمے کو لے کے پشت پہ سب جم گئی سپاہ
چاروں طرف سے گھر گئے زینب کے رشک ماہ
سینوں کو توڑ توڑ کے ناوک نکل گئے

یوں تیر کھا کے فوج پہ جاتے تھے وہ دلیر
لشکر کو کر دیا تھا زبردستیوں سے زیر
دیکھا غضب سے جس کی طرف زرد ہو گیا
تیغیں قریب سے جو لگاتے تھے اہلِ شر
عباسؑ بڑھ کے دیتے تھے حضرت کو یہ خبر
نامی جوان بھاگ گئے شام و روم کے
پر اب خدا بچائے کہ فوجیں کثیر ہیں
روکر امامِ دیں نے کہا اب اخیر ہیں
تو دس برس ہی کے بچھڑنے کے دن نہ تھے
زینبؑ کھڑی تھی پردے کے پیچھے جو بے قرار
کیا کیا لڑے ہیں حیدر و جعفر کے یادگار
جس وقت ذکرِ معرکہ آرائی ہوتے ہیں
رو کر کہا کہ روتے ہیں کس واسطے امام
مجھ کو دکھا تو دے کہ کدھر ہیں وہ لالہ فام
لاکھوں سے معرکہ ہے مگر باحواس ہیں
تلوار چل رہی ہے کہ اللہ کی پناہ
کثرت ہے اس قدر کہ ہوتی نہیں نگاہ
آواز دار و گیر تو گردوں پہ جاتی ہے
طبلِ ظفر پہ چوب لگی یک بیک ادھر
عباسؑ نے کہا شہِ والا سے دوڑ کر
گھبرا کے کشمکش میں نہ قاسمؑ اُن کے نکل نہ جائیں
تلوار لے کے قاسمؑ شیریں سخن بڑھے
مانندِ شیر اکبرؑ گل پیرہن بڑھے
پردے میں اہلِ بیتِ نبیؐ کے غل نہ آ گئے

غصے میں جس طرح کہ جھپٹتا ہے زخمی شیر
انبار ادھر سروں کے اُدھر زخمیوں کے ڈھیر
تلوار جب پہ حسن سے چلی سرد ہو گیا
اک بھائی بڑھ کے ہوتا تھا اک بھائی پیچ
کیا کیا لڑے ہیں آپ کی ہمشیر کے پسر
خیمے پہ جا پڑے پسرِ سعدِ شوم کے
تیغیں ہیں برچھیاں ہیں سنانیں ہیں تیر ہیں
کب تک لڑیں کہ تشنہ دہن ہیں صغیر ہیں
یہ کھیلنے کی فصل تھی لڑنے کے دن نہ تھے
فضہ خبر یہ دیتی تھی جا جا کے بار بار
حضرت سے مدح کرتے ہیں عباسؑ نامدار
رومال رکھ کے آنکھوں پہ حضرت بھی روتے ہیں
ہیں اُن کی اک کنیز یہ دونوں پسر غلام
اُس نے کہا کہ چھائی ہے جنگل میں فوجِ شام
بی بی وہ ابنِ سعد کے خیمے کے پاس ہیں
ڈھالوں کی بدلیوں میں چھپے ہیں وہ رشکِ ماہ
گر بھاگتی ہے گاہ پلٹتی ہے سب سپاہ
دونوں کے نیچوں کی چمک یاں تک آتی ہے
ڈیوڑھی سے آئی خیمے میں زینبؑ جھکائے سر
چلیے حضور لُٹ گیا بنتِ علیؑ کا گھر
لاکھوں سوار ہیں کہیں بچے کچل نہ جائیں
عباسؑ کیا بڑھے شہِ خیبر شکن بڑھے
فرزند سے یہ کہہ کے امامِ زمن بڑھے
ڈیوڑھی پہ تم رہو کہیں زینبؑ نکل نہ آئے

پہونچے یہ مین شیر جو مقتل میں ایک بار
ریتی پہ شہ کو یوں نظر آئے وہ گلعذار
دُنیا سے وقتِ کوچ بھی دونوں کا ساتھ ہے
بچوں کو جاں کنی میں جو پایا حسینؑ نے
آنکھوں سے خوں جگر کا بہایا حسینؑ نے
آغوش میں بڑے کو شہنشاہ لے چلے

پہونچے قریب خیمہ جو شاہِ فلک سریر
پردہ اُلٹ کے خیمے کا با حالتِ تغیر
دوڑو حسینؑ خیمے میں لاشوں کو لاتے ہیں
دوڑے اُدھر سے چھاتیوں کو پیٹتے حرم
رایت کے نیچے بچوں کے تھیں میتیں بہم
لاشوں کے آگے اکبرِ یوسف جمال تھے

ماتم کی صف سے اٹھ گئیں زینبؑ یہ کہہ کے ہات
لاشوں کو دیکھ کے غش ہوئے سلطانِ کائنات
لڑکے سبھی چھاتیوں کو ہم پیٹنے لگے
بیٹھی میں ایک گوشے میں زینبؑ جو ننگے سر
پُرسے کو لوگ جمع ہیں چلیے ذرا اُدھر
ہیچ آمنہ کی دل کو جلائے تو کیا کروں

بس سُن چکی کر نام کیا خوب اُڑ چکے
کنبہ تمام ہو چکا دو گھر اُجڑ چکے
اب اُن کا غم نہ فکر مرے گھر کی چاہیے
بھائی کے آگے لاشوں پہ جا کر کروں بین
گر مر گئے تو مر گئے وہ دونوں نورِ عین
روؤں گی میں تو پھر علی اکبرؑ بھی روٹھیں گے

کیا بیدلوں کا ذکر فراری ہوئے سوار
بند آنکھیں منھ کھلے ہوئے ہونٹوں پہ جانِ زار
گردن میں ایک بھائی کے بھائی کا ہاتھ ہے
بوسے لئے گلے سے لگایا حسینؑ نے
ہاتھوں سے بچوں کو چھڑایا حسینؑ نے
چھوٹے کی لاش قاسمؑ نوشاہ لے چلے

تھا غیر حال مر گئے رستے میں وہ صغیر
فضہ پکاری اے حرمِ شاہِ قلعہ گیر
دولہا بنے ہوئے مرے شہزادے آتے ہیں
ڈیوڑھی سے پہلے آیا چمکتا ہوا عَلَم
آپہونچے لڑکھڑاتے ہوئے سرورِ اُمم
کپڑے ہر اک کے خون سے بچوں کے لال تھے

لوگو بتاؤ کون سے دولہا کی ہے برات
دوڑیں لٹا کے بچے کو بانوئے خوش صفات
لاشوں کے گرد آ کے حرم پیٹنے لگے
واں جا کے بولیں بانوئے ناشاد و نوحہ گر
فرمایا میں نہ جاؤں گی بچوں کی لاش پر
گر فرق میرے صبر میں آئے تو کیا کروں

لاشوں پہ لاشیں لوٹ چکیں کھیت پڑ چکے
گودی میں جو پلے تھے وہ بچے بچھڑ چکے
بی بی سلامتی علی اکبرؑ کی چاہیے
بے صبر ہے یہ دل میں کہیں گے مجھے حسینؑ
کیوں کر چلوں کھڑے ہیں شہنشاہِ مشرقین
صدمہ مجھے یہ ہے کہ برادر بھی روٹھیں گے

بھائی کا حق ادا ہوا احسانِ کردگار
روتا ہے واں بھی میں بہنوؤں کی زار زار
لاشوں کو دیکھ کر مرا دل ہوگا بے قرار
کی عرض آپ صاحبِ ماتم ہیں میں نثار
چلیے نہ ضبط کیجیے فریاد و آہ کو
لاشوں پہ بھانجوں کی غش آیا ہے شاہ کو

لاشوں پہ لائیں بی بیاں زینب کو تھام کر
ماتم کی صف پہ گر پڑیں وہ سوختہ جگر
بولیں بڑھا کے دستِ مبارک ادھر اُدھر
بچے کدھر ہیں کچھ مجھے آتا نہیں نظر
کیسی دھڑا دھڑی ہے یہ کیوں بین ہوتے ہیں
لوگو نہ غل مچاؤ مرے لال سوتے ہیں

ماں صدقے جائے لو مرے زانو پہ سر رکھو
اس بیکسی میں ماں کی بھی جانب نظر رکھو
لازم نہیں کہ ہاتھ سے تیغ و سپر رکھو
آفت میں ماموں جان کی اپنے خبر رکھو
دیکھو نہ آنچ آئے شہِ خوش خصال پر
فوجوں کی پھر چڑھائی ہے زہرا کے لال پر

کیسی یہ نیند آج ہے پیارو اٹھو اٹھو
ماموں کے ساتھ رن میں سدھارو اٹھو اٹھو
کپڑے لہو بھرے یہ اُتارو اٹھو اٹھو
اُلجھے ہیں گیسوؤں کو سنوارو اٹھو اٹھو
ان پیاری پیاری آنکھوں پہ اماں نثار ہو
انگڑائیاں تو لو کہ جگر کو قرار ہو

سینوں سے تو زمیں پہ رکھو ہاتھ اُتار کے
باندھو کھلے ہوئے یہ عمامے سنوار کے
اماں نثار گیسوؤں کے تار تار کے
چونکو اٹھو کلام کرو ماں سے پیار کے
نخلِ مراد میں نہ ثمر ہے نہ برگ ہے
اب سمجھی میں یہ نیند نہیں خوابِ مرگ ہے

لاکھوں سے معرکے میں وغا کر کے آئے ہو
بچپن کی غفلتیں یہ نہیں مر کے آئے ہو
دولھا بنے ہو خون میں سب بھر کے آئے ہو
صدقے گئی رُلانے کو مادر کے آئے ہو
مجھ سے بچھڑ کے تم اس منزل میں رہ گئے
ارمان شادیوں کے مرے دل میں رہ گئے

کیوں کر ملے گا ماں کو تمہارا سراغ ہائے
لوٹا اجل نے حیدر و جعفر کا باغ ہائے
یوں بجھ گئے ہماری لحد کے چراغ ہائے
میرا بڑھاپا اور یہ بچوں کے داغ ہائے
ہے ہے یہ گھر بھرا ہوا ویران کر گئے
اماں کی قبر بنے نہ پائی کہ مر گئے

کس طرح دیکھوں خاک میں چہرے اٹے ہوئے
اُلجھے ہیں میرے ہاتھ کے گیسو بٹے ہوئے
سینے فگار چاند سے بازو کٹے ہوئے
ہے ہے کفن بنے ہیں کپڑے پھٹے ہوئے
نہ کچھ تزک نہ تخت شہیدوں کو چاہیے
مرنا یونہیں جہاں میں سعیدوں کو چاہیے

تابوت اٹھاتی دھوم سے مرتے وطن میں گر
قبریں بناتی ماں کی لحد کے ادھر اُدھر
ام البنین بیٹھتی رونے پہ جائیں گی
بچو تمھیں بتاؤں میں غربت میں کیا کروں
بھائی گھرا ہوا ہے اس آفت میں کیا کروں
راحت نہ روح کو نہ کسی دل کو صبر ہے
مجبور تم بھی ماں بھی ہے ناچار میں نثار
رستہ بُرا ہے باندھ لو ہتھیار میں نثار
اللہ اس سفر کی بلاؤں کو رد کرے
سنتی ہوں اس سفر میں خطرے ہزار ہیں
پرسش ہے روک ٹوک ہے جنگل ہے خار ہیں
منزل کا شب کی ماں کو پتہ دے کے جائیو
دن ڈھل گیا قریب ہے شام اے مسافرو
کچھ تو کرو زباں سے کلام اے مسافرو
پیٹوں گی جنگلوں میں جو تم کو نہ پاؤں گی
کہتا تھا باپ شب کو نہ بچے نکلنے پائیں
دربار میں بھی ہوں تو سویرے سے گھر میں آئیں
پہونچوں گی کس طرح میں جو ڈر ڈر کے روؤ گے
شب کو خوشامدیں مری کرتے تھے بار بار
ان بھولی بھولی باتوں کے ماں ہو گئی نثار
اب واری سرخرو ہوئے تم رب کے سامنے
یہ بین کرکے لاشوں سے لپٹی وہ نوحہ گر
اک حشر تھا کسی کو کسی کی نہ تھی خبر
بچوں کے ساتھ ماں بھی جہاں سے گزر جائے

ہوتا پدر بھی ساتھ جنازے کے نوحہ گر
کیا حشر ہوگا پہونچے گی یثرب میں جب خبر
صغرا کے پاس بی بیاں پُرسے کو آئیں گی
گھر ہے نہ یہ وطن ہے مصیبت میں کیا کروں
فاقوں میں تشنگی میں صعوبت میں کیا کروں
پانی نہ غسل کو نہ کفن ہے نہ قبر ہے
تنہائی میں خدا ہے مددگار میں نثار
چھوٹے مرے پسر ہے خبردار میں نثار
کھٹکا جہاں ہو بھائی کی بھائی مدد کرے
جائیں وہیں اسے جو بیابان مزار ہیں
وہ بھی ڈرے ہوئے ہیں جو طاعت گزار ہیں
قربان جاؤں ساتھ مجھے لے کے جائیو
کس بن میں شب کو ہوگا مقام اے مسافرو
بھیجوگے کب پیام و سلام اے مسافرو
میں شب کو ڈھونڈتی ہوئی مقتل میں آؤں گی
بھولے ہیں راستہ نہ کہیں گھر کا بھول جائیں
ہے ہے یہ دشت ظلم جو کرتا ہے سائیں سائیں
واری اندھیری رات میں کس طرح سوؤ گے
تا دودھ ہم کو بخش دے مادر جگر فگار
باتیں وہ رات کی مجھے بھولیں گی نہ پیار
لو دودھ میں نے بخش دیا رب کے سامنے
غش آ گیا سانس اُلٹ گئی ٹکڑے ہوا جگر
بانو پکاری سوئے علم دار دیکھ کر
لاشے اٹھاؤ شاہ کی ہمشیر مر نہ جائے

بس اے انیس طول سے بہتر ہے اختصار
ہاں ختم کرکے مرثیۂ شاہِ نامدار

خالق سے ہاتھ اٹھا کے دعا کر بہ انکسار
قائم رہے جہاں میں یہ شاہِ فلک وقار

ہر دم زیادہ حشمت و اقبال و جاہ ہو
حامی جناب فاطمہ زہراؑ کا ماہ ہو

تمام شد

رباعی

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں
دشمن ہو کہ دوست سب کی سُن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوئے بوستاں یک رنگ
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

رباعی

چل جلد اگر قصدِ سفر رکھتا ہے
تو کچھ بھی مآل کی خبر رکھتا ہے
راحت دنیا میں کس نے پائی ہے
جو سر رکھتا ہے دردِ سر رکھتا ہے